انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بعد دنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشتِ حیات

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

حصہ سیزدھم ۱۳

تابعینِ کرام

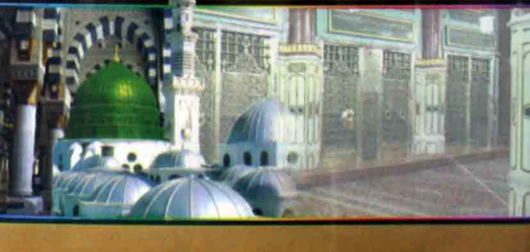

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ. [القرآن]

تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم

جلد ہفتم 7 حصہ سیزدہم ۱۳

تابعین کرام رحمۃ اللہ علیہم

۹۶ مشہور اکابر تابعین رحمہم اللہ کے مفصل سوانح زندگی اور ان کے علمی و عملی کارناموں کا بیان

تحریر و ترتیب

الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ

مقدمہ

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانیؒ

ناشر

اسلامی کتب خانہ فضل الٰہی مارکیٹ چوک اردو بازار لاہور فون 042 - 7223506

marfat.com

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

بسلسلہ .... سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم (جلد ہفتم)

نام کتاب .... تابعین کرام رحمہم اللہ

طابع .... ممتاز احمد

ناشر .... اسلامی کتب خانہ

مطبع .... لعل سٹار پرنٹرز

ملنے کے پتے

⇦ مکتبہ رحمانیہ — غزنی سٹریٹ، اقراء سنٹر، اُردو بازار لاہور
⇦ ممتاز اکیڈمی — فضل الٰہی مارکیٹ اُردو بازار لاہور
⇦ مکتبۃ العلم — ۱۸/اُردو بازار لاہور
⇦ خزینہ علم و ادب — الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

نوٹ

ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دُور کیا جائے۔ شکریہ!

(ادارہ)

marfat.com

فہرست موضوعات

اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم : اسمائے تابعین

عنوانات	صفحہ
مقدمہ: از جناب نواب صدر یار جنگ بہادر، مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی صدر نشین دار المصنفین	7
دیباچہ	10
(الف)	
ابراہیم بن یزید تیمیؒ	16
ابراہیم بن یزید النخعیؒ	19
احنف بن قیسؒ	27
اسماعیل بن ابی خالد الاحمسیؒ	40
اسود بن یزیدؒ	42
اعمشؒ (سلیمان بن مہران)	46
اویس بن عامر قرنی	51
ایاس بن معاویہؒ	65
ایوب بن ابی تمیمہ سختیانیؒ	69
(ب)	
بسر بن سعیدؒ	75
بکر بن عبداللہ مزنی	77
(ث)	
ثابت بن اسلم بنانی	80
(ج)	
جابر بن زیدؒ	83
جعفر صادق	87
(ح)	
حسن بن حسنؒ	93
حسن بصریؒ	97
حکم بن عتیبہؒ	117
(خ)	
خارجہ بن زیدؒ	119
خارجہ بن معدانؒ	121
(د)	
داؤد بن دینارؒ	123

marfat.com

عنوانات	صفحہ
(ر)	
ربیع بن خثیمؒ	126
ربیعہ رائی	136
رجاء بن حیوۃؒ	143
(ز)	
زر بن حبیشؒ	146
زید بن اسلمؒ	148
(س)	
سالم بن عبداللہ	151
سعید بن جبیرؒ	156
سعید بن مسیبؒ	173
سلمہ بن دینارؒ	197
سلیمان بن طرخان تیمیؒ	200
سلیمان بن یسارؒ	204
(ش)	
قاضی شریح بن حارثؒ	207
(ص)	
صفوان بن سلیم زہریؒ	222
صفوان بن محرزؒ	225
(ط)	
طاؤس بن کیسانؒ	228

عنوانات	صفحہ
(ع)	
عامر بن شراحیل شعبیؒ	233
عامر بن عبداللہؒ	248
عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؒ	261
عبداللہ بن عونؒ	263
عبیداللہ بن عبداللہ	270
عبدالرحمٰن بن اسودؒ	274
عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ	277
عبدالرحمٰن بن غنمؒ	281
عبدالرحمٰن بن قاسمؒ	283
عروہ بن زبیرؒ	285
عطاء بن ابی رباح	293
عمرو بن شرحبیلؒ	300
عمرو بن دینارؒ	302
عکرمہ مولیٰ ابن عباس	306
علیؒ (زین العابدین) بن حسین رضی اللہ عنہ	318
علیؒ بن عبداللہ بن عباسؒ	337
عمر بن عبدالعزیزؒ	340
عمرو بن مرہؒ	389
علقمہ بن قیسؒ	391

marfat.com

عنوانات	صفحہ
(ق)	
قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ	398
قبیصہ بن ذویبؒ	406
قتادہ بن دعامہ سدوسیؒ	408
(ک)	
کعب احبارؒ	413
کعب بن سورؒ	417
(م)	
مجاہد بن جبیرؒ	420
محمد بن اسحاقؒ	423
محمد بن حنفیہؒ	430
محمد بن سیرینؒ	458
محمد بن عجلانؒ	472
محمد بن علی امام باقر	474
محمد بن کعبؒ	478
محمد بن مسلمؒ (امام زہری)	480
محمد بن منکدرؒ	489
مسروق بن اجدع	492
مسعر بن کدام	501
مسلم بن یسارؒ	505
مطرف بن عبداللہؒ	509
مکحول دمشقی	514
منصور بن زاذانؒ	519
میمون بن مہرانؒ	521
(ن)	
نافع بن جبیرؒ	525
نافع بن کاؤسؒ	528
(و)	
وہب بن منبہؒ	532
(ہ)	
ہرم بن حیانؒ	535
ہشام بن عروہؒ	538
(ی)	
یحییٰ بن سعیدؒ	541
یحییٰ بن یعمرؒ	544
یزید بن ابی حبیبؒ	547
یونس بن عبید	550
ابوادریس خولانی	554
ابواسحاق سبیعیؒ	556
ابوبردہ بن ابی موسیٰ اشعریؒ	559
ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ	562
ابورجاء عطاردیؒ	565

marfat.com

عنوانات	صفحہ
ابو الزناد ؒ	568
ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن ؒ	571
ابو العالیہ ریاحی	574
ابو عبد الرحمٰن السلمی ؒ	580
ابو عثمان نہدی ؒ	582
ابو قلابہ جرمی ؒ	584
ابو وائل بن سلمہ ؒ	589
امام ابو حنیفہ ؒ (نعمان بن ثابت)	595

marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

از

جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی صدر نشین دار المصنفین

اسلام بنی نوع کے واسطے ایک قانون حیات لایا تھا جس میں علم و عمل دونوں شامل تھے، علم کی معراج معرفت ربانی تھی، عمل کا اعلیٰ پایہ صدق و عدل کی تکمیل" تمت کلمت ربك صدقا و عدلاً" اس حیات طیبہ کا کامل نمونہ ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھی۔ "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" حیات انسانی کے جتنے اعلیٰ شعبے ہو سکتے ہیں، ان سب کے کامل سبق آموز نمونے حیات مبارکہ میں موجود تھے۔

آپ کے نمونے کی پیروی سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امانت حیات کے امین ہوئے، بقدر قوت و استعداد ان حضرات میں سے ہر ایک بزرگ نے حصہ پایا، مظہر اتم خلفائے راشدین تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ امانت تابعین والا مقام کو پہنچی، یہی وہ امانت تھی جس کے تحمل سے زمین و آسمان گھبرا اٹھے تھے، ان بزرگوں نے جس عزم اور ہمت و استقامت سے حق امانت ادا کیا وہ تاریخ انسانی کا ایک روشن اور حیات آفریں باب ہے، بالآخر امانت ادا کر کے تبع تابعین کے سپرد فرما گئے، انسا ین بہترین خدمتوں میں سے ایک خدمت بزرگان موصوف کے صحیح اور مستند حالات کی اشاعت ہے۔

marfat.com

دار المصنفین کو جزائے خیر ہو کہ اس سے پہلے سیرۃ مبارک اور صحابہ کرام کے حالات میں متعدد جلدیں شائع کر چکا ہے' اب نوبت حالات تابعین کی ہے' اسی سلسلے میں رفیق دار المصنفین مولوی معین الدین احمد نے یہ جلد تالیف کر کے مسلمانوں پر خصوصا اور سارے انسانوں پر عموما لطف و کرم فرمایا ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیرًا۔

اس کتاب کو پڑھ کر اور مختلف مقامات کو بار بار دیکھ کر میں کہہ سکتا ہوں کہ حق محنت و سعی ادا کیا گیا ہے' مستند اور معتمد ماخذوں سے حالات لے کر صاف دل نشین پیرائے میں قلمبند کیے ہیں' ۱۹۵ اکابر تابعین کے حالات میں' ظاہر ہے کہ کل کے مقابلے میں یہ ایک جز ہے' تاہم جز اعظم ہے' میرا خیال ہے کہ ایک جلد اور شائع ہوگی جس میں بقیہ اکابر کے حالات ہوں گے' زیادہ نمایاں امام اعظم کا عدم ذکر ہے جو امید ہے کہ اپنے موقع سے ہوگا' کوتاہی ہوگی اگر ایک اہم امر کی جانب توجہ مبذول نہ کروں' وہ یہ کہ ہر بیان اور ذکر کا ایک پیرایہ اور اسلوب ہے' شائستہ پیرایہ اور بلیغ اسلوب' اس کا لحاظ تالیف و تصنیف کی تہذیب و شائستگی ہے۔

اکابر مذہب کا ذکر صدیوں سے ایک خاص اسلوب سے ہوتا آیا ہے جو شائستگی اور ادب کا نمونہ ہے' اس کا ترک نگاہ اور قلب دونوں کو زحمت رساں ہے۔ اس سے بھی زیادہ نظر کو بلند کیجئے' مذہب حق کا فیض تاثر و تقدس سے وابستہ ہے' یعنی قلب مذہب حق کے تقدس سے اس وقت فیض یاب ہوگا کہ شان تقدس آشنائی اپنے اندر پیدا کرے۔ ؎

تا نہ گردی آشنا از پردہ رمزے نشنوی
گوش نامحرم باشد جائے پیغام سروش

تقدس سے لگاؤ اس وقت ہوگا کہ عظمت کا اہتمام ہو' یہ اہتمام چاہتا ہے کہ اکابر مذہب کا ذکر بھی عظمت و ادب کے اہتمام و اظہار کے ساتھ ہو۔

کم سے کم میں نے یہ امر محسوس کیا کہ بزرگان دین کے ذکر و بیان کا جو اسلوب سلف صالحین نے قائم کیا ہے جب دوران بیان میں اس کا لحاظ نہ رہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نظر کو ایک دھکا لگا اور بلندی سے پستی پر آ رہی' تقدس کا جو اثر دل پر ہو رہا

marfat.com

تھا اس کا سلسلہ درہم برہم ہو گیا۔

خلاصہ اکابر تابعین کے ناموں کے ساتھ مقررہ اسلوب کے مطابق امام وغیرہ الفاظ کا عدم استعمال اسلوب ادب کے خلاف محسوس ہوتا ہے[1]

حبیب الرحمٰن

حبیب گنج .... ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۵۶ھ

---

[1] اعتذار از مولف: حضرت مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے لفظ امام وغیرہ اگرچہ میں نے جابجا کتاب میں لکھا ہے مگر اس کا ترک بھی ہوا ہے اس عدم التزام کے سبب میں ان بزرگوں کی روحوں سے شرمندہ ہوں ان شاء اللہ طبع ثانی میں اس کا پورا لحاظ رہے گا۔ (معین الدین احمد)

marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

دیباچہ

ایمانی قوت' دینی حمیت' مذہبی و اخلاقی روح اور علمی و عملی خدمتوں کے اعتبار سے اسلام کے خیر القرون بہ ترتیب تین زرین دور یا تین طبقے ہیں' صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ۔ ان ہی تین دوروں میں مسلمان دینی اور دنیوی سعادت و فلاح کی معراج کمال کو پہنچے۔ اس کے بعد جو ترقیاں ہوئی وہ صرف ایوان تمدن کے نقش و نگار ہیں۔

ان تینوں طبقوں میں سے دوسرا طبقہ یعنی تابعینؒ جو اس کتاب کا موضوع ہے' اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی' جو دین کا اصل سرچشمہ تھے اور تبع تابعین کی جس میں تمام بڑے بڑے ائمہ پیدا ہوئے' درمیانی کڑی ہے' اسی نے صحابہ کی علمی اور اخلاقی برکتوں کو سارے عالم میں پھیلایا۔

کلام اللہ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ان کے فضائل پر شاہد ہیں' کلام اللہ میں ان کے فضائل و امتیازات یہ بتائے گئے ہیں اور مہاجرین و انصار کے ساتھ انہیں بھی رضوان الٰہی کی دولت سے سرافراز کیا گیا ہے۔

﴿ وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا هُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّلَهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ﴾

''اور مہاجرین و انصار میں سے جن لوگوں نے قبول اسلام میں سبقت کی اور جن لوگوں نے خوش دلی کے ساتھ ان کا اتباع کیا خدا ان سے خوش اور وہ خدا کے خوش ہیں اور خدا نے ان کے لیے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں''۔

marfat.com

ظاہر ہے کہ اس آیت پاک کا مصداق تابعین کرام ہی ہیں کہ وہی عمل میں مہاجرین وانصار کے ''تابع'' اور زمانہ کے لحاظ سے ان کے بعد تھے' اور اسی لیے عرف عام میں ان کا لقب ''تابعی'' رکھا گیا ہے۔

احادیث میں اس سے زیادہ صریح اور واضح الفاظ میں ان کا تعارف ہے اور ان کو خیر القرون کے لقب سے سرفراز کیا گیا ہے:

خير امتى القرن الذين يلونى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم الخ.

''میری امت میں اس زمانہ کے لوگ بہتر ہیں جو مجھ سے ملا ہوا ہوا (صحابہؓ) پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں (تابعین) پھر وہ لوگ جو ان سے ملے ہوئے ہیں (تبع تابعین)''۔ (مسلم کتاب الفضائل)

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

خير الناس قرنى ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم الخ.

''سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہیں (صحابہ کرامؓ) پھر وہ جو ان سے متصل ہیں (تابعین)۔ پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں۔ (تبع تابعین)''۔ (ایضاً)

یہ تینوں اپنے اپنے زمانہ کے لیے باعث خیر و برکت تھے' اسلام کو ان ہی کی خیر و برکت سے روحانی اور مادی فتوحات حاصل ہوتی تھیں۔

عن النبى صلى الله عليه وسلم قال ياتى على الناس يغز وفنام من الناس' فيقال لهم فيكم من راى رسول الله ﷺ فيقولون نعم فيفتح لهم ثم ويغز وفنام من الناس' فيقال لهم فيكم من رى من صحب رسول الله صلى الله عليه وسلم فيقولون نعم فيفتح. (مسلم کتاب الفضائل)

''نبی ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ایک جماعت جہاد کرے گی' اس سے پوچھا جائے گا کہ تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو تو وہ لوگ کہیں گے ہاں (ان کی برکت سے) ان کے لیے فتح دی جائے گی' پھر ایک جماعت جہاد کرے گی' ان سے پوچھا جائے گا کہ تم

marfat.com

میں کوئی ہے جس نے اس شخص کو دیکھا ہو جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا تو وہ کہیں گے ہاں تو (ان کی برکت سے) فتح دی جائے گی''۔

یہ مقدس کتاب جماعت علم و عمل میں صحابۂ رسول ﷺ کا عکس پرتو تھی' اس نے رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات اور صحابہ کی علمی اور اخلاقی وراثت کو مسلمانوں میں پھیلایا' عہد رسالت کے بعد اور شخصی حکومت کے اثر سے اسلامی نظام میں موجود جو خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کی اصلاح کی اور اگر اصلاح نہ ہو سکی تو ان خرابیوں کے مقابلہ میں اسلام کے مصفا سرچشمہ کو باہر کے گرد و غبار اور کدورت سے اپنی کوششوں سے محفوظ رکھا' مذہبی علوم کی حفاظت و اشاعت کی۔ نئے علوم کی بنیاد رکھی' اسلامی سلطنت کے حدود کو وسیع کیا' اسلام کو پھیلایا' غرض ان کی تمام برکتوں کو جن کا عہد صحابہ میں آغاز ہوا تھا تکمیل تک پہنچایا اور جو پوری تھیں ان کی حفاظت کی۔

امام زہری' مکحول شامی' ابراہیم نخعی' قاضی شریح' عکرمہ' سالم بن عبداللہ رحمہم اللہ وغیرہم نے علم کا پایہ سنبھالا' محمد بن سیرین' سعید بن مسیب' محمد بن جبیر' امام زین العابدین وغیرہم نے (خدا ان سے راضی ہو) اخلاق کا درس تازہ کیا' حسن بصری' اویس قرنی اور عامر بن عبداللہ رحمہم اللہ نے عشق و محبت کی آگ سوزاں رکھی' عمر بن عبدالعزیز نے خلافت راشدہ کے نمونہ کو زندہ کیا' غرض تابعین کرام نے علم و عمل کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کے لیے بہترین اسوہ چھوڑا علم اور اخلاق وغیرہ کی یہ تقسیم محض اعتباری اور وصف غالب کی بنا پر ہے' ورنہ علم و اخلاق کے سارے محاسن کم و بیش ان تمام بزرگوں میں مشترک تھے۔

ان سب کا مشترک اور اہم کارنامہ دینی علوم کی' جس پر مذہب اور اسلام کا دارومدار ہے حفاظت و اشاعت اور قرآن و حدیث سے متفرع علوم کی تاسیس ہے۔ اگر ان بزرگوں نے جانکاہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھا کر اس خزانہ کو محفوظ نہ کیا ہوتا تو اس کا بڑا حصہ برباد ہو جاتا' (اس کے حالات اصل کتاب میں آئیں گے) تبع تابعین کے دور کے تمام بڑے بڑے ائمہ جن کے فیض سے آج مذہبی علوم زندہ ہیں' سب تابعین ہی کے حلقہ درس کے فیض یافتہ تھے۔

marfat.com

یوں تو تابعی ہر وہ شخص ہے جس نے کسی صحابی کی صحبت اٹھائی ہو یا اسے دیکھا ہو لیکن جس طرح ہر صحابی صحابیت کا مکمل نمونہ نہیں' اور اس کی تکمیل کے لیے شرائط ہیں' اسی طرح ہر تابعی بھی حقیقی تابعی نہیں' صحابہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی' یہی فرقِ مراتب' خدمات اور کارناموں کے اعتبار سے تابعین میں بھی ہے' تابعین میں امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں' اور یزید بن معاویہ بھی لیکن شتان بینهما، اس لحاظ سے ان بے شمار تابعین کو اس کتاب سے خارج کر دیا گیا ہے جن کی زندگی میں ہمارے لیے کوئی نمونہ عمل نہیں کہ' ع

محفل خاص ہے یہ رہ گزر عام نہیں

ان کے علاوہ تابعین میں بڑے بڑے فاتحین اور کشور کشا بھی ہیں جن کی تلواروں نے مشرق ومغرب کے ڈانڈے ملا دیئے' کچھ سلاطین وفرمانروا بھی ہیں جن کی تمدن نوازی نے اسلامی حکومت کو تمدن کا تماشا گاہ بنا دیا' ان سب کی اچھی کوششیں امت مرحومہ کے شکریہ کی مستحق ہیں' لیکن اس کتاب کا مقصد ان ہی برگزیدہ نفوس کے حالات پیش کرنا ہے جنہوں نے مسلمانوں کے لیے کوئی اخلاقی یا مذہبی نمونہ چھوڑا ہے اور جن کے تمام اخلاقی نمونوں سے اسلام کی روح زندہ اور جن کی علمی کوششوں سے اسلامی علوم و فنون کی عمارت قائم ہے۔

اس لیے فاتحوں اور کشور کشاؤں اور بادشاہوں اور فرمانرواؤں کو بھی اس زمرہ سے علیحدہ رکھا گیا ہے کہ ان کی تو کسی زمانہ میں کمی نہیں' عبدالملک' ولید' سلیمان اور قتیبہ بن مسلم' موسیٰ بن نصیر' مسلمہ، مہلب بن ابی صفرہ تو ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں' لیکن حسن بصری' اویس قرنی' سعید بن مسیب' ابن شہاب زہری اور محمد بن سیرین کے پیدا ہونے کے لیے صدیاں درکار ہیں۔

سالہا باید کہ تاریک سنگ اصلی زآفتاب لعل گردود بدخشاں یا عقیق اندریمن
قرنہا باید کہ تاریک کودکے از لطف طبع عالمے گویا شودیا فاضلے صاحب سخن

نفس کتاب کے متعلق گزارش ہے کہ اس کی کوشش کی گئی ہے کہ اس میں اکابر

marfat.com

تابعین کرام کے علمی اخلاقی اور مذہبی کارناموں کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اس عہد کی پوری علمی و اخلاقی تاریخ سامنے آ جائے۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ سیر الصحابہؓ کے چھٹے حصہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حالات کے سلسلہ میں ضمناً حضرت محمد بن حنفیہ کے کچھ حالات بھی آ گئے تھے' اب تابعین کے سلسلہ میں ان کے مستقل حالات لکھنے کا اتفاق پیش آیا ہے' ان دونوں کتابوں کے ''واقعات'' میں کم اور ''نقطہ نظر'' اور نتائج میں زیادہ فرق ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم لکھتے وقت حضرت محمد بن حنفیہ کے حالات کے بعض ماخذ میرے پیش نظر نہ تھے' جدید ماخذوں کو دیکھنے کے بعد بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جن سے نقطہ نظر میں بھی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ اس لیے آخری تحقیق' تابعین کے حالات ہیں۔ انشاء اللہ اگر سیر الصحابہؓ کے دوسرے ایڈیشن کی نوبت آئی تو اس کی تصحیح کر دی جائے گی۔

کتاب میں بعض کتابت و طباعت کی معمولی غلطیاں رہ گئی ہیں' جن سے کوئی کتاب مستثنیٰ نہیں اور بعض ایسی غلطیاں ہیں جنہیں جان بوجھ کر ناگزیر اسباب کی بنا پر گوارا کرنا پڑا' مثلاً حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حالات میں صفحات کے شمار کے ہندسوں کا تسلسل قائم نہیں رہ سکا[1] اس کی وجہ یہ ہوئی کہ دارالمصنفین سے چونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی مستقل سیرت شائع ہو چکی ہے۔ اس لیے ان کے حالات شامل کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ لیکن پھر دوران طباعت خیال بدل گیا' اس وقت ترتیب کے لحاظ سے کتاب کی طباعت ان کے نام تک پہنچ چکی تھی' اس لیے ان کے حالات کے صفحات کا تخمینہ کر کے دو جز چھوڑ کر کتاب کی طباعت جاری رہی' لیکن حالات اندازہ سے تقریباً دو چند ہو گئے اس لیے صفحات کے نمبروں کا تسلسل قائم نہ رہ سکا اور ان کو ملانے کے لیے کچھ ہندسے مکرر ہو گئے۔ لیکن اس سے نفس صفحات کی ترتیب میں کچھ فرق نہیں پیدا ہوا' وہ ویسے ہی مرتب ہیں' صرف کچھ نمبر مکرر ہو گئے۔ اس سلسلہ میں حروف ''ع'' کے ناموں کی ہجائی ترتیب

---

[1] اس ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔

marfat.com

میں کچھ خفیف سا فرق ہوگیا' اس کے علاوہ فروگزاشتوں کی تصحیح کے لیے آخر میں استدراک لگا دیا گیا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ وہ تابعین کی سیرت کے بعد کاتب سطور کو اکابر تابعین کی سیرت نگاری کی سعادت بھی عطا فرمائے کہ اس کے ناچیز ہاتھوں سے سیر الصحابہؓ سے لے کر تبع تابعین کی سیرت تک کا سلسلۃ الذہب پورا ہوجائے۔ اور ان نفوس قدسیہ کے طفیل میں اوراق کو مؤلف کے لیے پروانہ مغفرت بنادے۔ وَمَا ذَالِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

فقیر معین الدین احمد ندوی دارالمصنفین اعظم گڑھ

۸۱ رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۴ نومبر ۱۹۳۷ء

marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱- ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ابراہیم نام، ابو اسماء کنیت، نسب نامہ یہ ہے، ابراہیم بن یزید بن شریک بن تیم الرباب تیمی، ابراہیم کوفہ کے عابد و زاہد تابعین میں تھے۔

فضل وکمال:

فضل وکمال کے لحاظ سے کوئی ممتاز شخصیت نہ رکھتے تھے، تاہم کوفہ کے علمائے باعمل میں شمار تھا۔[1]

حدیث:

حفاظ ذہبیؒ انہیں حفاظ میں شمار کرتے ہیں، حدیث میں انہوں نے انس بن مالکؓ، حارث بن سوید، عمرو بن میمون اور اپنے والد یزید سے استفادہ کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے بھی روایت کی ہے۔ لیکن یہ روایت مرسل ہیں، بیان بن بشیر، حکم بن عتبہ، زبید بن حارث، مسلم بن البطین اور یونس بن عبید وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں ہیں۔[2]

زہد وعبادت:

ان کا امتیاری وصف زہد وتقوی ہے، ان کے والد یزید بن شریک بڑے عابد و زاہد تابعی تھے، انہوں نے بڑی دولت پیدا کی، لیکن دنیا سے کبھی آلودہ نہ ہوئے، ان کے لباس تک پر ان کی ثروت کا اثر ظاہر نہ تھا، ایک مرتبہ ابراہیم نے ان کے جسم پر روئی کا معمولی کرتہ جس کی آستینیں ہتھیلیوں تک لٹکتی تھیں دیکھ کر کہا، ابا کوئی قرینہ کا لباس کیوں نہیں پہن

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۶۔

marfat.com

لیتے' جواب دیا بیٹا جب میں بصرہ میں آیا' اس وقت ہزاروں پیدا کیے لیکن اس سے میری خوشی اور مسرت میں کوئی اضافہ نہیں ہوا' اور نہ اسے دوبارہ حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی میں یہ چاہتا ہوں کہ جو پاک لقمہ میں کھاتا ہوں وہ اس شخص کے منہ میں جائے جو مجھے سب سے زیادہ مبغوض ہو' کیونکہ میں نے ابو درداء سے سنا ہے کہ قیامت میں ایک درہم رکھنے والے سے زیادہ دو درہم رکھنے والے سے حساب ہوگا۔[1]

ایسے زاہد باپ کی تعلیم و تربیت نے ابراہیم کو ابتداء ہی سے دنیا سے بے نیاز اور زہد و عبادت کی جانب مائل کر دیا تھا' چنانچہ آگے چل کر وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین عباد میں ہوئے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عابد و زاہد تھے' اور فاقہ کشی پر ان کو بڑی قدرت تھی۔[2]

عبادت میں اس قدر اہتمام تھا کہ تکبیر اولیٰ کبھی قضا نہ ہوتی تھی' اور اس سے غفلت کرنے والے کو گیا گزرا سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ جسے تکبیر اولیٰ میں تساہل کرتے دیکھو اس سے ہاتھ دھو ڈالو۔[3]

نماز میں کیف و استغراق کا یہ عالم تھا کہ سجدہ کی حالت میں چڑیاں پیٹھ پر اڑ اڑ کر بیٹھتی تھیں' اور چونچیں مارتی تھیں۔[4] دو دو مہینے مسلسل روزے رکھتے تھے[5] اور محض ایک انگور روزانہ پورا چلہ گزار دیتے تھے۔[6]

لیکن اس زہد و عبادت پر بھی اپنے اعمال کو قابل اعتنا نہ سمجھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ جب اپنے قول و عمل میں موازنہ کرتا ہوں تو جھوٹا بننے سے خوف معلوم ہوتا ہے۔[7]

ایثار کا بے مثل نمونہ اور شہادت' ایثار اور قربانی کا مجسم پیکر تھے' اس کی آخری حد یہ ہے کہ دوسروں کے لیے جان تک دینے میں دریغ نہ کیا' انہوں نے ایثار' قربانی کا ایسا نمونہ پیش کیا جس کی مثالیں کم ملتی ہیں' حجاج ثقفی ابراہیم نخعی کا جو بڑے ممتاز عالم تابعی

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۲۰۰۔ [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۶۔ [3] طبقات کبریٰ شعرانی ص ۳۶۔
[4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔ [6] ایضاً۔ [7] طبقات کبریٰ ص ۳۶۔

marfat.com

ہیں سخت دشمن تھا اور ان کے درپے آزار رہا کرتا تھا' لیکن دسترس حاصل نہ ہوسکا اس کے آدمی ہمیشہ ان کی تلاش میں رہتے تھے' ایک مرتبہ وہ ابراہیم نخعی کو تلاش کر رہے تھے۔ ابراہیم تیمی کو دونوں کی مخالفت کا علم تھا اس علم کے باوجود انہوں نے ان کے بچانے کے لیے کہہ دیا کہ ابراہیم میں ہوں۔ تلاش کرنے والے آدمی ابراہیم نخعی کو پہچانتے نہ تھے۔ اس لیے ان کے اقرار پر انہی کو پکڑ لے گئے' حجاج نے زنجیروں میں جکڑوا کے دیماس کے قید خانہ میں جس کو اس نے سنگین مجرموں کے لیے خاص بنوایا تھا ڈلوا دیا۔ یہ قید خانہ کیا تھا موت کا گھر تھا' اس میں سردی اور گرمی' پانی اور دھوپ سے بچنے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا' اس پر محن قید نے چند ہی دنوں میں ابراہیم کا رنگ و روپ ایسا بدل دیا کہ ان کی ماں تک ان کو پہچان نہ سکیں لیکن وہ نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ان مصائب کا مقابلہ کرتے رہے۔ اور ان کو جھیلتے جھیلتے بالآخر انتقال کر گئے۔ ان کی شب وفات کو حجاج نے خواب میں دیکھا کہ آج شہر میں ایک جنتی مرگیا ہے۔ صبح کو اس نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ابراہیم نے قید خانہ میں انتقال کیا' یہ سن کر اس جفا شعار نے کہا خواب شیطانی وسوسہ معلوم ہوتا ہے اور ابراہیم کی لاش گھور پر پھینکوا دی۔[1]

بعض اقوال:

ابراہیم کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ ہیں' فرماتے تھے کہ ''انسان کے لیے علم کے نتائج میں سے خشیت الٰہی اور جہل کے نتائج میں سے اپنے عمل پر غرور کافی ہے' اور طمعیں انسان کو بدکرداریوں پر آمادہ کرتی ہیں۔

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۹۔

[2] طبقات کبریٰ شعرانی ص ۳۶۔

marfat.com

۲- ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب:

ابراہیم نام' ابو عمران کنیت' نسب نامہ یہ ہے: ابراہیم بن یزید بن اسود بن عمرو بن حارثہ ابن سعد بن مالک بن نخع۔ نخعی قبیلہ مذحج کی ایک شاخ تھا' اور کوفہ میں آباد تھا۔

فضل و کمال:

فضل و کمال کے لحاظ سے ابراہیم نخعی کوفہ کے ممتاز تابعین میں تھے' ان کا گھرانا علم و عمل کا گہوارہ تھا' ان کے چچا علقمہ اور ماموں اسود دونوں کوفہ کے ممتاز محدثین میں تھے' ابراہیم نے انہی کے دامن میں پرورش پائی' علقمہ کا حلقہ درس اتنا وسیع تھا کہ محمد بن سیرین جیسے اکابر اس میں شرک ہوتے تھے' ابراہیم بھی اس حلقہ کے فیض یافتہ تھے'[1] اس کے علاوہ علقمہ اور اسود کے سلسلہ سے ابراہیم کو اس عہد کی بڑی بڑی ممتاز ہستیوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا'[2] چنانچہ بچپن میں وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں آتے جاتے تھے' ابومعشر کا بیان ہے کہ ابراہیم رسول اللہ ﷺ کی بعض ازواج (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) کے پاس آتے جاتے تھے' ایوب نے اعتراض کیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بچپن میں بلوغ کے پہلے اپنے چچا اور ماموں علقمہ اور اسود کے ساتھ حج کو جاتے تھے' اور ان لوگوں کو ام المومنین حضرت عائشہؓ سے عقیدت و ارادت اور ان کی مجلسوں میں ان صاحبوں کی آمد و رفت تھی[3] گو حضرت عائشہؓ سے ابراہیم کا سماع ثابت نہیں ہے۔ لیکن ان کی جیسی برگزیدہ ہستیوں کی مجلس میں شریک ہوجانا ہی حصول برکت و سعادت کے لیے کافی تھا۔

ان بزرگوں کے فیض صحبت نے ابراہیم کا دامن دولت علم سے مالا مال کردیا تھا۔ اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں شمار ہوتے تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۔ [2] ایضاً۔ [3] تہذیب الاسماء ق اول ج اول ص ۱۰۴۔

marfat.com

توثیق جلالت اور فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے' ابو زرعہ نخعی کہتے ہیں کہ وہ اعلام اہل اسلام میں ایک علم تھے[1] ان کو حدیث وفقہ دونوں علوم میں بڑی دست گاہ حاصل تھی۔

حدیث:

حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے' حافظ ذہبی ان کو دوسرے طبقہ کے حفاظ میں شمار کرتے ہیں۔ حدیث میں انہوں نے اپنے ماموں اسود اور عبدالرحمٰن بن یزید اور مسروق' علقمہ' ابو معمر' ہمام' ابن حارث' قاضی شریح اور سہم بن منجاب وغیرہ سے استفادہ کیا تھا اور اعمش' منصور' ابن عون' زبید الیمانی' حماد بن سلیمان اور مغیرہ بن مقسم ضبی وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ تھے[2]

حدیث میں ان کی معلومات اس قدر وسیع تھی کہ اعمش کا بیان ہے کہ میں نے جب کبھی ابراہیم کے سامنے کوئی حدیث بیان کی تو انہوں نے اس حدیث کے بارہ میں میری معلومات میں اضافہ کر دیا[3] ابن معین ان کی مرسل حدیثوں کو امام شعبی کی مرسل روایات سے زیادہ پسند کرتے تھے[4]

روایت بالمعنی:

روایت حدیث میں الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے' اور بالمعنی روایت کافی سمجھتے تھے[5]

انتساب رسول میں احتیاط:

لیکن اسی کے ساتھ وہ روایت کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منسوب کرنے میں بڑے محتاط تھے اور مرفوع روایت کے حفظ کے باوجود انہیں روایت نہ کرتے تھے' ابو ہاشم کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے پوچھا' کہ آپ کو رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث نہیں پہنچی ہے' جس کو آپ ہم سے بیان کریں' جواب دیا کیوں نہیں' لیکن عمر' عبید اللہ' علقمہ اور اسود سے روایت کرنا اپنے لیے زیادہ آسان معلوم ہوتا ہے[6]

---

[1] تہذیب الاسماء ق اول ج اول ص ۱۰۴۔ [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۷۔ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۹۔ [4] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۷۔ [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۔ [6] ایضاً۔

marfat.com

فقہ:

ابراہیم کا خاص فن فقہ تھا' اس فن کے وہ امام تھے۔ ان کے فقہی کمال پر سب کا اتفاق ہے[1] حافظ ذہبی انہیں فقیہ عراق اور امام نووی فقیہ کوفہ لکھتے ہیں' امام شعبی نے ان کی وفات کے وقت کہا کہ ابراہیم نے اپنے بعد اپنے سے بڑا عالم اور اپنے سے بڑا فقیہ نہیں چھوڑا' لوگوں نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین بھی نہیں' شعبی نے جواب دیا نہ صرف حسن بصری اور ابن سیرین بلکہ اہل بصرہ' کوفہ' حجاز اور شام میں کوئی بھی نہیں'[2] بڑے بڑے علماء فقہی مسائل کے سائلین کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔ سعید بن جبیر کے پاس جب کوئی فتویٰ پوچھنے کے لیے آتا تو اس سے کہتے ابراہیم کی موجودگی میں مجھ سے پوچھتے ہو[3] ابووائل کے پاس جب کوئی مستفتی جاتا تو اس کو ابراہیم کے پاس بھیج دیتے اور اس سے کہہ دیتے کہ وہ جو جواب دیں مجھے بتانا[4]

اظہار علم سے احتراز:

ان کمالات کے باوجود وہ علم کا اظہار کرنا اچھا نہ سمجھتے تھے' چنانچہ بغیر سوال کیے ہوئے کبھی خود سے کوئی علمی تذکرہ نہ کرتے تھے۔[5] اور سوالات سے بھی گھبراتے تھے۔ زبید کا بیان ہے کہ جب کبھی ابراہیم سے کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھا تو ان میں ناگواری کے آثار نظر آئے[6]

ذمہ داری کا احساس اور احتیاط:

اس کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ علم کی بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ ایک زمانہ تھا جب لوگ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے ڈرتے تھے' اور اب یہ زمانہ ہے کہ جس کا دل چاہتا ہے مفسر بن بیٹھا ہے۔ مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ علم کے متعلق ایک کلمہ بھی منہ سے نہ نکالوں' جس زمانے میں میں فقیہ ہوا وہ بہت ہی برا زمانہ ہے[7] میں نے

---

1. تہذیب الاسماء ق اول ج اول ص ۱۰۴۔ 2. تہذیب الاسماء ق اول ج اول ص ۱۰۲۔
3. ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۹۔ 4. ایضاً ص ۱۹۰۔ 5. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۴۔
6. طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۹۔ 7. طبقات کبریٰ امام شعرانی ج اول ص ۳۶۔

marfat.com

ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ جب وہ مجمعوں میں ہوتے تھے تو اپنی بہترین احادیث بھی نہ بیان کرتے تھے۔

اس ذمہ داری اور احتیاط کی وجہ سے مسائل کے جوابات میں بڑے محتاط تھے' اعمش کا کہنا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابراہیم سے کہا کہ میں چند مسائل آپ سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں' فرمایا: ''میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ میں کسی شے کے متعلق کہوں کہ وہ اس طرح ہے اور وہ اس کے خلاف ہو۔[1]

دوسرا سبب یہ تھا وہ شہرت اور ریاء کو سخت ناپسند کرتے تھے' چنانچہ فرماتے تھے کہ جو شخص علم کا ایک کلمہ بھی اس نیت سے منہ سے نکالتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے تو وہ اس کے وسیلہ سے سیدھا جہنم میں گرتا ہے' نہ کہ جس کی شروع سے آخر تک یہی نیت ہو۔[2]

استفادہ کے مخصوص اوقات:

لیکن اس احتیاط کے باوجود انہوں نے اپنی ذات سے استفادہ کا دروازہ بند نہیں کر دیا تھا' وہ مسائل بتاتے تھے' اور اس کے لیے خاص اوقات مقرر تھے جن میں ہر شخص مسائل پوچھ سکتا تھا' اور آپ اس کے جواب دیتے تھے۔ حسن بن عبیداللہ کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ آپ ہم لوگوں سے حدیث بیان کریں گے' جواب دیا کیا تم چاہتے ہو کہ میں فلاں شخص کی طرح ہو جاؤں' اگر تم کو اس کی خواہش ہے تو قبیلہ کی مسجد میں آیا کرو۔ وہاں جب کوئی شخص پوچھے گا تو تم بھی جواب سن لو گے۔[3]

تحریر پر حفظ کو ترجیح:

بعض قدما اور اسلاف کی طرح ابراہیم کو علم سفینہ سے زیادہ علم سینہ پر اعتماد تھا' چنانچہ وہ لکھتے نہ تھے' فضیل کا بیان ہے کہ میں نے ابراہیم سے کہا کہ میں نے مسائل کو کتاب میں جمع کیا تھا' لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس کو مجھ سے چھین لیا۔ انہوں نے کہا کہ جب انسان لکھ لیتا ہے تو اس پر اس کو اعتماد ہو جاتا ہے' اور جب انسان علم کی جستجو کرتا ہے' تو خدا اس کو بقدر کفایت علم عطا فرماتا ہے۔[4]

---

1 ، 2 طبقات کبریٰ امام شعرانی ج اول ص ۳۶۔ 3 ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰۔ 4 ایضاً ص ۱۸۹۔

marfat.com

فضائل اخلاق:

اس علم کے ساتھ وہ عمل اور فضائل اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔

عبادت وریاضت:

نہایت عابد وزاہد اور متورع تھے' راتوں کی تنہائی میں لوگوں کی آنکھوں سے چھپ کر عبادت کرتے تھے' طلحہ کا بیان ہے کہ جب لوگ سو جاتے تھے' اس وقت ابراہیم ایک عمدہ حلہ پہن کر خوشبو لگا کر مسجد چلے جاتے' صبح تک وہیں رہتے' صبح کو حلہ اتار کر پھر معمولی لباس پہن لیتے تھے۔[1] عبادت کے اثر سے بالکل چور اور خستہ ہو جاتے تھے۔ اعمش کا بیان ہے کہ ابراہیم اکثر نماز پڑھ کر ہمارے یہاں آتے تھے' دن چڑھے تک یہ حال رہتا تھا کہ بیمار معلوم ہوتے تھے۔[2] ایک دن ناغہ دے کر پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے تھے۔[3]

صحت عقیدہ:

عقیدہ میں سلف کے عقائد سے سر مو تجاوز کرنا پسند نہ کرتے تھے' چنانچہ ارجاء کا عقیدہ رکھنے والوں کے' جو کوئی اہم شے نہیں ہے اور بعض تابعین بھی اس عقیدہ کے تھے' سخت خلاف تھے' فرماتے تھے ارجاء بدعت ہے' تم لوگ ہمیشہ اس سے بچتے رہو' مرجیہ کے پاس نہ بیٹھو۔ ان کے پاس آنے والوں میں جس کے خیالات میں ارجاء کا ادنیٰ شائبہ بھی نظر آتا ان کو آنے سے منع کر دیتے۔[4]

انتہائی احتیاط:

صلحاء اور خیار امت سے طلب دعا کی ممانعت نہیں ہے' اور اس پر صحابہ اور تابعین کا عمل بھی رہا ہے' لیکن چونکہ اس سے بعض بدعات کا دروازہ کھلتا ہے' اور عوام کے عقیدوں میں اس سے ضعف پیدا ہوتا ہے' اس لیے اسے پسند بھی نہ کرتے تھے' ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ ابو عمران دعا کیجیے کہ خدا مجھے شفا عطا فرمائے' ان کو یہ درخواست گراں گزری اور اس شخص سے کہا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حذیفہ سے مغفرت کی دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے دعا کی بجائے کہا کہ خدا تمہاری مغفرت نہ

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۳۔ [2] ایضاً ص ۱۹۵۔ [3] ایضاً ص ۲۹۱۔ [4] ایضاً ص ۱۹۰' ۱۹۱۔

marfat.com

فرمائے، یہ سن کر وہ شخص الگ ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حذیفہ نے اس کو بلا کر دعا کی کہ خدا تم کو حذیفہ کی جگہ داخل کرے۔ اس دعا کے بعد اس شخص کو بلا کر پوچھا کہ اب تم راضی ہو، تم میں سے بعض اشخاص ایک شخص کے پاس اس عقیدہ کے ساتھ جاتے ہیں، کہ اس نے تمام مراتب حاصل کر لیے ہیں، اور وہ کوئی بلند ہستی بن گیا ہے۔ یہ واقعہ سنا کر ابراہیم نے سنت کا تذکرہ کر کے اس کی پابندی کی تلقین کی اور بدعتوں کا ذکر کے ان سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔[1]

مسامحت:

لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں سخت گیر نہ تھے، اور ان میں سختی ناپسند کرتے تھے، ایک دن آپ کے یہاں دو آدمی آئے، ان میں سے ایک کا بند کھلا ہوا تھا اور دوسرے کے بال گندھے ہوئے تھے۔ فرقد سنجی نے ابراہیم سے کہا کہ ابو عمران! اس شخص کو بند کھولنے اور اس شخص کو بال گوندھنے سے منع نہیں کرتے، ابراہیم نے کہا میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم میں بنی اسد کی سنگدلی پیدا ہو گئی ہے یا بنی تمیم کی سختی؟ ان میں سے ایک شخص کو گرمی معلوم ہو رہی تھی، اس نے بند کھول دیا اور دوسرا شخص نماز کے وقت بال کھول دیتا ہے۔[2]

اختلاف صحابہ میں سکوت:

صحابہ کرام کے اختلافات پر تنقید اظہار رائے اور فریقین میں سے کسی کی جنبہ داری ناپسند کرتے تھے۔ اور ان مسائل میں سکوت سے کام لیتے تھے، ان کے ایک شاگرد نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے اختلاف کے بارے میں سوال کیا، انہوں نے کہا نہ میں سبائی ہوں نہ مرجی، اس طرح ایک مرتبہ ایک اور شخص نے ان سے کہا مجھے ابو بکرؓ و عمرؓ کے مقابلہ میں علیؓ سے زیادہ محبت ہے، انہوں نے کہا اگر علی تمہارا یہ خیال سنتے تو تم کو سزا دیتے، اگر تم کو اس قسم کی باتیں کرنی ہیں تو میرے پاس نہ بیٹھا کرو، فرماتے تھے کہ مجھ کو عثمان کے مقابلہ میں علی سے زیادہ محبت ہے، لیکن میں آسمان سے منہ کے بل گرنا پسند کرتا ہوں، اور یہ گوارا نہیں ہے کہ عثمانؓ کے ساتھ کسی قسم کا سوء ظن رکھوں۔[3]

---

۱ ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۳ ۔ ۲ ایضاً ۔ ۳ ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۴

marfat.com

تواضع وخاکساری:

ابراہیم بایں جلالت شان نہایت خاموش' عزلت نشین' بے تکلف اور سادہ مزاج تھے' تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ ٹیک لگا کر بیٹھنے تک کا امتیاز بھی گوارا نہ تھا۔[1] کبھی کبھی حصول اجر کے لیے دوسروں کا بوجھ تک اٹھا لیتے تھے' اعمش کا بیان ہے کہ میں نے بسا اوقات ابراہیم کو بوجھ اٹھائے ہوئے دیکھا ہے' وہ کہتے تھے کہ میں حصول اجر کے لیے ایسا کرتا ہوں۔[2]

ہیبت:

لیکن اس خاکساری کے باوجود لوگوں کے دلوں پر ان کی ہیبت چھائی رہتی تھی۔ مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حکام اور امراء کی طرح ابراہیم سے ڈرتے تھے۔[3]

سلاطین اور امراء سے تعلقات:

سلاطین و امراء کے ساتھ ابراہیم کے دوستانہ تعلقات تھے اور دونوں میں باہم ہدایا و تحائف کا تبادلہ ہوا کرتا تھا۔ اکثر ممتاز امراء ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔[4] یہ اس کو قبول کرنے میں مضائقہ نہ سمجھتے تھے' اور اسے برا سمجھتے تھے کہ خدا کسی کی کوئی شے عطا فرمائے اور وہ اس سے انکار کرے۔[5] لیکن وہ ہدایا لینے کے ساتھ ان کا بدلہ بھی کرتے تھے۔[6]

ظالم امراء کی مخالفت:

البتہ ظالم اور جفا کار امراء کے سخت خلاف رہتے تھے' اسی لیے ان میں اور حجاج میں کبھی نہ بنتی تھی' وہ آپ کا سخت دشمن تھا' ابراہیم اسے برا بھلا کہا کرتے تھے' اس پر لعنت بھیجنے کے بارے میں سوال کیا' آپ نے جواب دیا خدا خود قرآن میں فرماتا ہے:

حجاج کی موت پر اس قدر مسرور ہوئے کہ سجدہ میں گر پڑے اور آنکھوں سے اشک مسرت رواں ہو گئے۔[7]

---

[1] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۷۷ و تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۶۴۔ [2] ایضاً ۱۷۸۔
[3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۴۔ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۳۔ [5] ایضاً ص ۱۹۴۔
[6] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۶۴۔ [7] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۵۔

marfat.com

وفات:

حجاج کی موت کے چند مہینے بعد بیمار پڑے' دم آخر نہایت مضطرب و بے قرار تھے۔ لوگوں نے اس کا سبب پوچھا' فرمایا اس سے زیادہ خطرہ کا وقت کون ہوگا کہ خدا کا قاصد جنت یا دوزخ کا پیام لے کر آئے گا' میں اس پیام کے مقابلہ میں قیامت تک موجودہ صورت کا قائم رہنا پسند کرتا ہوں[1] اسی علالت میں آغاز ۹۶ھ میں انتقال کیا' باختلاف رائے انتقال کے وقت انچاس یا پچاس سے کچھ اوپر عمر تھی۔[2]

حلیہ ولباس:

ابراہیم نہایت خوش لباس تھے' رنگین اور بیش قیمت پوشاک پہنتے تھے' زعفرانی اور سرخ رنگ کا لباس استعمال کرنے میں بھی مضائقہ نہ سمجھتے تھے۔ جاڑوں کے لباس میں سمور کی سنجاف لگی ہوتی تھی' سمور کی ٹوپی دیتے تھے۔ عمامہ بھی باندھتے تھے لوہے کی انگوٹھی پہنتے تھے اس کا نقش ''ذباب اللہ ونحن لہ''[3] تھا۔ امام شعرانی کا بیان ہے کہ اپنے کو چھپانے کے لیے رنگین کپڑے پہنتے تھے تاکہ یہ نہ معلوم ہو کر قراء کی جماعت سے ہیں یا دنیاداروں کی۔[4]

حکیمانہ اقوال:

آپ کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ اور پرموعظت ہیں' فرماتے تھے کہ:

1. انسان چالیس سال تک جس سیرت پر قائم رہے' پھر وہ نہیں بدل سکتی۔
2. ایمان کے بعد آدمی کو سب سے بڑی دولت تکلیفوں پر صبر کی عطا کی گئی ہے' اسی لیے بیماری کا حال بیان کرنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جب مریض سے اس کی حالت پوچھی جائے تو اس کو چاہیے کہ پہلے اچھا کہے' اس کے بعد اصل حالت بیان کرے کہ شکوۂ غم بھی شان صبر کے خلاف ہے۔[5]
3. انسان کے لیے یہ معصیت کافی ہے کہ لوگ دنیا یا دین کے معاملہ میں اس پر انگشت نمائی کریں۔[6]

---

[1] ابن خلکان ج اول صفحہ ۳۔ [2] ابن سعد ج ۶ صفحہ ۱۹۹۔ [3] ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۱۹۶' ۱۹۷۔ [4] طبقات امام شعرانی ج اول صفحہ ۳۶۔ [5] ابن سعد جلد ۶ تذکرہ ابراہیم نخعی۔ [6] طبقات امام شعرانی جلد اول صفحہ ۳۶

marfat.com

۳-احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ضحاک نام' ابو بحر کنیت' عرفی نام احنف ہے' اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ احنف کے پیروں میں خلقی کجی تھی' عربی میں اس کو ''حنف'' کہتے ہیں' اس لیے وہ احنف مشہور ہوگئے۔ نسب نامہ یہ ہے' احنف ابن قیس بن معاویہ بن حصین بن حفص بن عبادہ بن نزال بن مرہ بن عبید بن مقاعس بن عمرو بن کعب ابن سعد بن زید مناۃ بن تمیم کے سرداروں میں تھے۔

عہد رسالت:

احنف عہد رسالت میں موجود تھے' ابن عماد حنبلی کے بیان کے مطابق وہ اسی عہد میں مشرف باسلام ہوئے' اور ان کا قبیلہ انہی کی تحریک پر اسلام لایا[1] لیکن اور تمام ارباب طبقات ورجال کا بیان اس کے خلاف ہے' چنانچہ ابن سعد نے ان کے حالات تابعین ہی کے زمرہ میں لکھتے ہیں' حافظ ابن عبدالبر بھی جنہوں نے احتیاطاً ان کے حالات صحابہ کے زمرہ میں اس لیے لکھ دیئے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا تھا' مگر شرف دیدار سے محروم رہے تابعین ہی میں شمار کرتے ہیں[2] حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا زمانہ پایا مگر اسلام نہیں لائے[3]

جس روایت سے ان کے اسلام کا نتیجہ نکالا جاتا ہے' وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو قبیلہ بنی سعد (احنف کا قبیلہ) میں تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ انہوں نے جا کر اسلام پیش کیا۔ احنف بھی موجود تھے' انہوں نے اسلامی تعلیمات سن کر کہا کہ یہ شخص بھلائی کی طرف بلاتا ہے' اور اچھی باتیں سناتا ہے' مبلغ صحابی نے جا کر یہ واقعہ آنحضرت ﷺ سے بیان کیا۔ آپ نے یہ سن کر دعا فرمائی کہ خدایا احنف کی مغفرت فرما[4]

---

[1] شذرات الذہب جلد اول ص ۷۸۔ [2] استیعاب ج اول ص ۵۵۔
[3] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۹۱۔ [4] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۲۶۔

marfat.com

لیکن اولاً اس روایت کی صحت محل نظر ہے۔ لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو اس میں اسلام کی کوئی تصریح نہیں' اس سے صرف اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حق شناس تھے اور ان کے دل میں قبول حق کا مادہ موجود تھا۔ آنحضرت ﷺ کی دعا قبول اسلام کا ثبوت نہیں۔ آپ نے یہ دعا ان کی حق شناسی پر فرمائی تھی' اور اگر بالفرض اسلام بھی مان لیا جائے تو آنحضرت ﷺ کو دیکھنا' آپ سے ملنا' آپ کی صحبت اٹھانا تو قطعی ثابت نہیں' جو صحابیت کے لیے ضروری ہے' لیکن ان کا یہی شرف کیا کم ہے کہ وہ اسلام سے پہلے بھی حق شناس تھے' اور ان کو آنحضرت ﷺ اور اسلام سے کوئی عناد نہ تھا۔

اسلام:

قیاس یہ ہے کہ وہ شیخین کے زمانہ میں کسی وقت اسلام سے مشرف ہوئے۔

عہد فاروقی:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ آئے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنی تمیم کے ساتھ سوءظن تھا۔ اس لیے آپ اکثر اس کی مذمت کیا کرتے تھے' ایک مرتبہ احنف کی موجودگی میں بنی تمیم کا کچھ تذکرہ آیا' آپ نے حسب معمول اس کی مذمت کی' احنف مذمت سن کر کھڑے ہو گئے اور عرض کی مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہو' آپ نے اجازت دی' احنف نے کہا کہ آپ نے بلا استثناء پورے قبیلہ بنی تمیم کی برائی کی' حالانکہ وہ بھی عام انسانوں کی طرح ہیں' ان میں اچھے برے ہر قسم کے لوگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے سچی بات سن کر فرمایا تم نے سچ کہا اور ذکر خیر سے گزشتہ مذمت کی تلافی فرمائی' احنف کے بعد اس قبیلہ کے ایک اور آدمی حتات نے کچھ کہنا چاہا' مگر حضرت عمرؓ نے روک دیا' کہ تم بیٹھ جاؤ۔ تمہاری جانب سے تمہارے سردار فرض ادا کر چکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت:

اگرچہ حضرت عمرؓ نے احنف کی اصولی بات کی وجہ سے اس کا اعتراف کر لیا تھا' لیکن ان کے قبیلہ کے ساتھ سوءظن تھا' اس لیے بہ تقاضائے احتیاط احنف کی سیرت کا اندازہ لگانے کے لیے ان کو ایک سال تک اپنے ساتھ مدینہ میں رکھا اور تجربہ کے بعد ان سے کہا کہ میں نے

marfat.com

ایک سال تک تمہارا تجربہ کیا' مجھ کو تم سے بھلائی کے سواء اور کوئی قابل اعتراض شے نظر نہ آئی' تمہارا ظاہر اچھا ہے' امید ہے کہ باطن بھی اچھا ہوگا۔ میں نے یہ اس لیے کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو ڈرایا تھا کہ اس امت کی ہلاکت باخبر منافقین کے ہاتھوں ہوگی۔

ابوموسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کو احنف کے بارے میں حضرت عمرؓ کی ہدایت:

اس تجربہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب ان پر کامل اعتماد ہوگیا تو انہیں ان کے وطن بصرہ واپس کر دیا' اور ابوموسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کو ہدایت کر دی کہ ان کو اپنے ساتھ رکھنا' ان سے مشورہ لینا' اور ان کے مشوروں اور ہدایتوں پر عمل کرنا[1] احنف بصرہ کے سردار تھے' حضرت عمرؓ کے اس حکم کے بعد سے احنف کے مراتب روز بروز بلند ہونے لگے[2]

فارس کی مہم میں شرکت:

اس وقت ایران پر فوج کشی ہو چکی تھی' بصرہ واپس جانے کے بعد احنف اس میں شریک ہوئے' چنانچہ ۱۷ھ میں فارس کی مہم میں نظر آتے ہیں[3]

اہل بصرہ کی نمائندگی:

احنف بڑے عاقل و مدبر تھے۔ اس لیے قومی و ملکی مہمات میں ان کا نام سرفہرست ہوتا تھا۔ اور اکثر قوم کی نمائندگی کی خدمت ان کے سپرد ہوتی تھی' چنانچہ اسی زمانہ میں وہ بصرہ کے وفد میں مدینہ آئے' حضرت عمرؓ نے وفد سے اہل بصرہ کی شکایتیں اور ضرورتیں پوچھیں۔ احنف نے جو ضروریات تھیں وہ پیش کیں' حضرت عمرؓ نے ان کی تقریر بہت پسند کی اور خاندان کسریٰ کی بعض مفتوحہ جاگیریں انہیں عطا کیں' اور والی بصرہ کو لکھ بھیجا کہ وہ انتظامی امور میں احنف سے صلاح و مشورہ کیا کریں' اور ان پر عمل کیا کریں'[4] پھر اہواز کی فتح کے بعد مشہور ایرانی افسر ہرمزان کو جس نے خوزستان کی مہم میں سپر ڈال دی تھی' لے کر مدینہ آئے۔

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۶۶۔ [2] اسد الغابہ ج اول ص ۵۵۔
[3] ابن اثیر ج ۲ ص ۴۴۰۔ [4] ایضاً ج ۲ ص ۲۲۴' ۲۲۵۔

marfat.com

ایران پر عام فوج کشی کا مشورہ:

اس وقت عراق فتح ہو چکا تھا' لیکن ایران پر عام فوج کشی نہ ہوئی تھی' اور مفتوحہ علاقے بار بار باغی ہوجاتے تھے' اسی زمانہ میں مجاہدین کا وفد مدینہ آیا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ ایرانی بار بار باغی کیوں ہوجاتے ہیں' معلوم ہوتا ہے مسلمان انہیں ستاتے ہیں۔ مسلمانوں نے اس کی تردید کی' لیکن کوئی حضرت عمرؓ کے سوال کا تشفی بخش جواب نہ دے سکا' احنف کا دماغ نہایت نکتہ رس تھا' یہ اصل تہہ تک پہنچ گئے۔ انہوں نے کہا' اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر المومنین نے مسلمانوں کو ایران کے اندرون ملک فوج کشی سے روک دیا ہے' اور سلطنت کا وارث تاج وتخت ملک میں موجود ہے' جب تک وہ باقی رہے گا ایرانی اس کے سہارے پر برابر بغاوت کرتے رہیں گے' کیونکہ ایک ملک میں دو حکومتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں' ایران کا بادشاہ ایرانیوں کو ابھارتا رہتا ہے' اس لیے جب تک ہم لوگ ایران کے اندر فوج کشی کرکے اس کو ختم نہ کردیں گے اس وقت تک ایرانیوں کی یہی روش رہے گی' جب وہ لوگ اپنی حکومت سے بالکل مایوس ہوجائیں گے اس وقت خاموش ہوں گے' حضرت عمرؓ نے ان کی تقریر کو سن کر فرمایا تم سچ کہتے ہو اور ان کے مشورہ کے مطابق ایران پر عام فوج کشی کے انتظامات شروع کردیئے اور ہر صوبے پر علیحدہ علیحدہ فوجیں روانہ کیں[1]

یزدگرد کا استیصال:

چونکہ یزدگرد کے استیصال کا مشورہ احنف ہی نے دیا تھا' اور وہ اپنے دل ودماغ کے لحاظ سے اس مہم کے لیے سب سے زیادہ موزوں تھے۔ اس لیے خراسان کی مہم جہاں یزدگرد پناہ گزین تھا' حضرت عمرؓ نے انہی کے سپرد کی' یہ ۲۲ھ میں خراسان کی طرف بڑھے اور طبسین ہوکر ہرات پہنچے اور اس کو فتح کرکے مرو شاہجہاں کا جہاں یزدگرد مقیم تھا رخ کیا[2] وہ ان کی پیش قدمی کی خبر سن کر مرو الروز چلا گیا یہاں پہنچ کر خاقان چین اور دوسرے سرحد حکمرانوں کو مدد کے لیے خطوط لکھے' یزگرد کے مرو الروز جانے کے بعد احنف

---

1 ابن اثیر ج ۳ ص ۳۳۹ و ۳۴۰۔ 2 ابن اثیر ج ۳ ص ۳۳۹' ۳۴۰۔

marfat.com

مروشاہجہان میں حارثہ بن نعمان باہلی کو چھوڑ کر مرو کی طرف بڑھے' ان کا رخ دیکھ کو یزدگرد یہاں سے بھی بھاگا اور بلخ پہنچا' اس دوران میں کوفہ سے تازہ دم امدادی فوجیں آ گئیں' احنف نے انہیں لے کر بلخ پر حملہ کر دیا۔ یزدگرد شکست کھا کر دریا پار خاقان کے حدود حکومت میں چلا گیا' اس کے بعد احنف نے خراسان کے تمام علاقوں میں فوجیں پھیلا دیں' خراسانی انہیں نہ روک سکے اور نیشاپور سے طخارستان کا پورا علاقہ صلحاً فتح ہو گیا' اور احنف نے مروالروز واپس ہو کر حضرت عمرؓ کو فتح کا مژدہ لکھا' آپ فتوحات کا دائرہ ایران سے آگے نہیں بڑھانا چاہتے تھے اس لیے دریا پار پیش قدمی کرنے سے روک دیا۔

یزدگرد کے حدود چین میں داخل ہونے کے بعد خاقان چین نے اس کی بڑی پذیرائی کی اور ایک لشکر جرار کے ساتھ اس کی مدد کے لیے خراسان پہنچا' اور سیدھا بلخ کی طرف بڑھا۔ بلخ کی اسلامی فوجیں احنف کے ساتھ مروالروز واپس جا چکی تھیں' اس لیے یزدگرد اور خاقان دونوں بلخ ہوتے ہوئے مرو کی طرف بڑھے' یزدگرد مروشاہجہاں جہاں اس کا خزانہ تھا چلا گیا۔ احنف اور یزدگرد کا مقابلہ ہوا۔ احنف نے پہاڑ کے دامن میں صف آرائی کی۔ فریقین میں عرصے تک صبح شام معمولی جھڑپ ہوتی رہی۔ ایک دن احنف خود میدان میں نکلے' خاقان کی فوج سے ایک بہادر ترک طبل اور دمامہ بجاتا ہوا مقابلہ میں آیا' احنف نے اس کا کام تمام کر دیا' اس کے بعد دو اور بہادر یکے بعد دیگرے مقابلہ میں آئے' مگر دونوں احنف کی تلوار کا لقمہ بنے' اس کے بعد ترکوں کا پورا لشکر آگے بڑھا' خاقان کی نظر لاشوں پر پڑی' اس نے فال بدلی' یزدگرد کی حمایت میں اس کا کوئی خاص فائدہ نہ تھا' اور مسلمانوں کو زیر کرنا بھی آسان نہ تھا' اس لیے اس نے کہا ہم کو یہاں آئے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں' ہمارے بہت سے نامور بہادر قتل ہو چکے ہیں' ہم کو ان لوگوں سے لڑنے میں کوئی فائدہ نہیں نظر آتا اور فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔

اس وقت یزدگرد مروشاہجہان میں تھا' اس کو خاقان کی واپسی کی خبر ملی تو اس کی ہمت چھوٹ گئی اور اس نے خزانہ لے کر ترکستان نکل جانا چاہا' ایرانیوں نے اس کو اس ارادہ سے روکا اور کہا کہ ترکوں کا کوئی دین مذہب نہیں ہے' اور نہ ان کے عہد و پیمان کا

marfat.com

ہمیں کوئی تجربہ ہے۔ مسلمان بہر حال صاحب مذہب اور عہد کے پابند ہیں، اس لیے اگر آپ کو ملک چھوڑنا ہے تو مسلمانوں سے صلح کر لیجئے، لیکن یزدگرد نے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کیا، ایرانیوں نے جب دیکھا کہ ان کے ملک کی دولت دوسرے ملک نکلی جارہی ہے تو لڑ کر یزدگرد سے کل خزانہ چھین لیا اور وہ شکست کھا کر ترکستان چلا گیا، او حضرت عمرؓ کے زمانہ تک خاقان کے پاس مقیم رہا۔

یزدگرد کے ترکستان چلے جانے کے بعد ایرانیوں کا آخری سہارا بھی جاتا رہا۔ اور ایرانیوں نے مایوس ہو کر احنف سے صلح کر لی اور یزدگرد کا کل خزانہ ان کے حوالہ کر دیا احنف نے ان کے ساتھ ایسا شریفانہ برتاؤ کیا کہ انہیں اس کا افسوس ہوا کہ وہ اب تک مسلمانوں کی حکومت سے کیوں محروم رہے۔

ایک پر اثر تقریب:

اس مصالحت کے بعد احنف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فتح کی اطلاع بھجوائی اور مسلمانوں کو جمع کر کے ایک پر اثر تقریر کی جو اپنی اثر پذیری کے اعتبار سے آج بھی مسلمانوں کے لیے درس بصیرت ہو سکتی ہے۔ تقریر یہ تھی:

> مسلمانو! آج مجوسیوں کی حکومت برباد ہوگئی۔ اور اب ان کے قبضہ میں ان کے ملک کا ایک چپہ بھی باقی نہیں رہا کہ وہ مسلمانوں کو کسی قسم کا نقصان پہنچا سکیں، خدا نے اب تم کو ان کی زمین، ان کے ملک اور ان کے اہل ملک کا وارث بنایا ہے تاکہ تمہارا امتحان لے، اگر تم بدل گئے تو خدا بھی تمہاری جگہ دوسری قوم کو بدل دے گا، مجھے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سے ان کی بربادی کا خوف ہے۔[1]

عہد عثمانی:

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب ایران میں بغاوت ہوئی اور خراسان مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا، اس وقت احنف ہی نے فوج کشی کر کے دوبارہ اس پر قبضہ کیا۔[2]

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶ تا ۲۹ ملخصاً۔ [2] ایضاً ص ۹۶ تا ۹۹۔

marfat.com

خانہ جنگی سے اجتناب اور حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوا' اور اس وقت احنف نے اپنی تلوار میان میں کر لی' چنانچہ جب حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ میں اختلافات شروع ہوئے' اس وقت احنف نے جو مکہ میں تھے حضرت عائشہؓ سے مل کر اصل حقیقت کا اندازہ کر کے حضرت علیؓ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی[1] لیکن جنگ میں کسی جانب سے حصہ نہ لیا[2] حضرت عائشہ نے بھی انہیں اپنے ساتھ آنے کی دعوت دی' لیکن اس وقت وہ بیعت کر چکے تھے۔

جنگ صفین میں شرکت:

البتہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ چھڑی' اس وقت ان کی حق شناس تلوار میان میں نہ رہ سکی اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں نہایت پر جوش حصہ لیا اور اہل بصرہ کو ان کی امداد و اعانت پر آمادہ کیا[3]

جنگ صفین کے التواء پر جب تحکیم کا مسئلہ پیش ہوا' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام لیا گیا۔ اس وقت احنف نے سخت مخالفت کی اور کہا آپ کو عرب کے مدبر اعظم سے سابقہ پڑا ہے' ابوموسیٰ کا مجھ کو خوب تجربہ ہے' وہ اس اہم کام کے اہل نہیں ہیں' اس کے لیے نہایت چالاک اور عاقل شخص کی ضرورت ہے' اگر ہو سکے تو آپ مجھے حکم بنایئے اور اگر اس کے لیے صحابی ہونا ضروری ہے تو آپ کسی اور صحابی کو منتخب کیجیے۔ اور مجھ کو اس کا مشیر بنایئے لیکن عراقی قوم کا فیصلہ ابوموسیٰ کے حق میں تھا' اس لیے حضرت علیؓ احنف کے خیر خواہانہ اور زرین سے مشورہ پر عمل پیرا نہ ہو سکے[4] جنگ صفین کے بعد خوارج پر فوج کشی میں بھی حضرت علیؓ کے ساتھ تھے اور کئی ہزار اہل بصرہ کو آپ کی مدد کے لیے لے گئے[5]

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۹۵۔ [2] اخبار الطوال ص ۱۵۷۔

[3] ایضاً ۱۷۶۔ [4] ایضاً ص ۲۰۶۔ [5] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۴۔

marfat.com

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اطاعت اور آزادی رائے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ کی خلافت تسلیم کر لی' لیکن اس وقت بھی انہوں نے آزادی اور حق گوئی کا جوہر قائم رکھا' اور امیر معاویہ کی ہر جائز و ناجائز خواہش کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کے نزدیک ان کا جو فعل درست نہیں ہوتا تھا اس پر نہایت جرأت کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتے تھے' امیر معاویہ نے جب یزید کی ولی عہدی کے لیے تمام ممالک محروسہ سے وفود طلب کیے' تو احنف بھی بصرہ کے وفد کے ساتھ آئے۔ امیر معاویہؓ نے ان سے بھی یزید کی ولی عہدی کے بارے میں پوچھا انہوں نے کہا امیر المومنین آپ یزید کے شبانہ یوم کے مشاغل' اس کے ظاہر اور مخفی حالات' اس کے آنے جانے کے مقامات سے اچھی طرح واقف ہیں' اگر واقفیت کے بعد بھی آپ اس کو خدا اور امت محمدی کے لیے بہتر سمجھتے ہیں تو اس میں مشورہ کی ضرورت نہیں۔ اور اگر بہتر نہیں سمجھتے' تو ایسی حالت میں کہ آپ کو عنقریب آخرت کا سفر پیش آنے والا ہے یزید کو دنیا کا توشہ نہ دیجیے' ورنہ یوں ہمارا فرض ہے کہ آپ جو کچھ فرمائیں ہم اس کو بجا لائیں[1]

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ان کا اثر:

لیکن ان کی حق پرستی اور صاف گوئی کے باوجود امیر معاویہؓ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے' اور بڑے بڑے عمال کو ان کے اشارہ پر معزول کر دیتے تھے' عبیداللہ بن زیاد امیر معاویہؓ کے نہایت معتمد علیہ اور ان عمال میں تھا جنہوں نے اموی حکومت کی بنیاد مستحکم کی تھی' اس کا طرز عمل احنف کے ساتھ پسندیدہ نہ تھا' ۵۹ھ میں عبیداللہ چند عمائد کوفہ کے ساتھ جس میں احنف بھی تھے' امیر معاویہؓ کے پاس شام آیا' امیر معاویہ حسب معمول احنف کے ساتھ بڑے تپاک سے پیش آئے اور انہیں اپنے

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۴۲۱۔

marfat.com

ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا، عمائد بصرہ نے عبیداللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے امیر معاویہ کے سامنے اس کی بڑی تعریفیں کیں، احنف کی رائے ان سب کے خلاف تھی، اس لیے خاموش رہے، امیر معاویہ نے پوچھا ابو بحرتم کیوں نہیں بولتے؟ انہوں نے جواب دیا، اگر میں بولوں گا تو قوم کی مخالفت ہوگی، ان کا خیال سن کر امیر معاویہ نے اسی وقت عبیداللہ کو معزول کر دیا اور اہل بصرہ سے کہا تم لوگ جس والی کو پسند کرتے ہو، اس کو پیش کرو، ان لوگوں نے امیر معاویہ کی خوشنودی میں اموی خاندان اور شامیوں میں سے انتخاب کیا، احنف اس وقت بھی خاموش رہے اور کسی کو پیش نہیں کیا۔ امیر معاویہ نے پیش کرنے والوں سے پوچھا تم نے کسے منتخب کیا؟ چونکہ ان میں سے ہر شخص کا انتخاب جداگانہ تھا، اس لیے کسی ایک شخص پر اتفاق نہ ہو سکا احنف بالکل خاموش تھے۔ امیر معاویہؓ نے ان سے کہا تم کیوں نے بولتے۔ یہ منتخب کرنے والوں کا رنگ دیکھ چکے تھے، اس لیے انہوں نے کہا اگر آپ کو اپنے خاندان والوں میں سے کسی کو والی بنانا ہے، تو ایسی صورت میں ہم عبیداللہ ہی کو ترجیح دیں گے اور اگر کسی تیسرے شخص کو بنانا ہو تو اس میں جو آپ کی رائے ہو، ان کا منشا سن کر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبیداللہ ہی کو برقرار رکھا، اور اس کو احنف کے نظر انداز کرنے پر ملامت اور آئندہ ان کے ساتھ حسن عمل کی تاکید کی[1]

یزید کی خلافت:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد احنف نے یزید کی خلافت تسلیم کر لی، حضرت امام حسینؓ جب یزید کے مقابلہ کے لیے اٹھے تو احنف کو بھی امداد کے لیے خط لکھا[2] لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا، اور یزید کی بیعت پر قائم رہے۔

ابن زبیر کی حمایت:

یزید کی موت کے بعد جب اموی حکومت میں انقلاب برپا ہوا، اور عراق سے اموی حکومت اٹھ گئی، اس وقت بصریوں کی رہنمائی کرتے رہے، اس سلسلہ میں ان کے قبیلہ بنی تمیم اور بعض دوسرے قبائل میں کچھ ہنگامہ آرائیاں ہوئیں۔ پھر جب عراق عبداللہ

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۴۳۱۔ [2] اخبار الطوال ص ۲۴۱۔

marfat.com

بن زبیرؓ کے قبضہ میں آ گیا۔ اس وقت احنف ان کے ساتھ ہو گئے' ان کے زمانہ میں بھی احنف کا قدیم اعزاز و وقار قائم رہا۔ ابن زبیرؓ کے حکام ان سے صلاح و مشورہ کرتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے' چنانچہ جب عراق میں خوارج کا زور بڑھا اور اس کا اثر بصرہ تک پہنچا اس وقت احنف ہی کی تحریک سے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ خوارج کے مقابلہ پر مامور کیے گئے[1]

عبداللہ بن زبیر کے دور خلافت میں مختار ثقفی نے جب عراق پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اس وقت احنف نے ابن زبیر کی حمایت میں مختار کے داعی مثنیٰ کو عراق سے نکالا[2] لیکن رفتہ رفتہ جب عراق میں مختار کا اثر نفوذ کرنے لگا اس وقت احنف نے ابن زبیرؓ کے بھائی مصعب کے ساتھ مل کر مختار کے آدمیوں کا مقابلہ کیا[3]

اسی زمانہ میں عبداللہ بن زبیرؓ کے اصل حریف عبدالملک اموی نے احنف کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی لیکن گزشتہ تجربات کے بعد سے یہ امویوں کے سخت خلاف ہو گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے نہایت سخت جواب دیا کہ ابن زرقاء مجھے شامیوں کی دوستی کی دعوت دیتا ہے' خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ میرے اور اس کے درمیان آگ کا پتھر حائل ہو جاتا کہ نہ اس کے آدمی ادھر آ سکتے اور نہ میرے آدمی ادھر جا سکتے[4]

وفات:

عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی مصعب والی کوفہ کے ساتھ دوستانہ مراسم تھے' احنف ان سے ملنے کے لیے کوفہ گئے' یہیں انتقال ہو گیا'[5] ابن عماد حنبلی کے بیان کے مطابق ۶۷ھ تھا[6]

فضل و کمال:

علمی اعتبار سے احنف کوئی قابل ذکر شخصیت نہ رکھتے تھے' تاہم اکابر صحابہ کی صحبت اٹھائی تھی اس لیے علم سے تہی دامن نہ تھے' حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت عثمانؓ'

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۸۱۔ [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۲۰۳۔ [3] اخبار الطوال ص ۳۱۳۔ [4] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۲۸۔ [5] ایضاً ص ۶۹۔ [6] شذرات الذہب ج اول ص ۷۸۔

marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن سعد اور حضرت ابوذر ؓ جیسے اجلہ صحابہ سے انہوں نے سماع حدیث کیا تھا اور ان سے ان کی روایات موجود ہیں، خود ان سے استفادہ کرنے والوں میں حسن بصری ابوالعلاء بن شخیر، اور طلق بن حبیب وغیرہ لائق ذکر ہیں[1]۔

عقل و دانش:

ان کی فضیلت کا میدان مسند علم کی بجائے خارزار سیاست تھا، وہ اپنے عہد کے بڑے عاقل، مدبر، حکیم اور حلیم تھے[2] ان کے بارہ میں لوگوں کی رائے تھی کہ کسی قوم میں احنف سے بہتر شریف نہیں دیکھا گیا[3] جب ان کی وفات ہوئی مصعب نے کہا آج سے حزم اور رائے کا خاتمہ ہو گیا[4]

عبادت و ریاضت:

عام طور سے غیر معمولی عقل و دانش اور تدبر کے ساتھ زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کا اجتماع کم ہوتا ہے، لیکن احنف جس درجہ کے مدبر تھے، اسی درجہ کا ان میں زہد و تقویٰ تھا، ان کی عبادت کا خاص وقت پردۂ شب تھا۔ جب دنیا خواب شیریں کے مزے لیتی تھی، اس وقت وہ اپنے رب کے حضور میں اظہار عبودیت کرتے تھے، اسی وقت وہ اپنے اعمال کا جائزہ بھی لیتے تھے۔ ابومنصور کا بیان ہے کہ احنف کی نماز کا وقت عموماً رات کو ہوتا تھا، وہ چراغ جلا کر اس کی لو پر انگلی رکھتے اور نفس سے خطاب کر کے کہتے "تجھ کو فلاں فلاں دن فلاں فلاں کام کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا"[5]

ضعف پیری میں جب کہ قویٰ روزے کے متحمل نہ رہ گئے تھے، ان کے ایک ملنے والے زید نے کہا کہ اب آپ کے قویٰ بہت ضعیف ہو گئے ہیں، روزے آپ کو اور زیادہ کمزور کر دیں گے، جواب دیا میں اس کو ایک بہت لمبے سفر کے لیے تیار کرتا ہوں[6]

---

[1] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۹۱۔ [2] استیعاب ج ا ص ۵۵۔
[3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۶۷۔ [4] تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۹۱۔
[5] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۶۷۔ [6] ایضاً ص ۶۸۔

marfat.com

قرآن:

قرآن کی تلاوت سے خاص شغف تھا' جب تنہائی ہوتی فوراً قرآن لے کر بیٹھ جاتے[1] ان عبادتوں پر بھی پورا اعتماد نہ تھا' خدا سے عرض کیا کرتے تھے' خدایا اگر تو میری مغفرت کردے تو یہ تیری رحمت ہے اور اگر سزا دے تو میں اس کا مستحق ہوں[2]

طہارت میں غلو:

طہارت میں اتنا غلو تھا کہ سخت سے سخت موسم میں بھی تیمم نہ کرتے تھے اور برف آلود پانی کی ٹھنڈک برداشت کر لیتے تھے' خراسان کی مہم کے زمانہ میں ایک شب کو نہانے کی حاجت ہوگئی' سردی کا موسم تھا' وہ بھی خراسان کی سردی' رات بھی ٹھنڈی تھی' احنف نے کسی خادم اور سپاہی تک کو نہ جگایا' اور اسی وقت تن تنہا پانی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے' راستہ میں کانٹے دار جھاڑیاں تھیں' ان کو روندتے ہوئے آگے بڑھے' کانٹوں کی خراش سے دونوں پاؤں لہولہان ہوگئے۔ بالآخر ایک برف کی تہہ تک پہنچے اور اس کو توڑ کر برف آلود پانی سے غسل کیا[3]

حق گوئی:

نہایت حق گو اور حق پرست تھے' سلاطین اور امراء کے سامنے بھی ان کی زبان اظہار حق میں باک نہ کرتی تھی' یزید کی ولی عہدی کے مسئلہ میں اظہار رائے کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔ ایک اور موقع پر اسی قبیل کا کوئی اختلاف مسئلہ درپیش آیا تھا' اور لوگ اپنی اپنی رائے ظاہر کرتے تھے لیکن احنف خاموش تھے' امیر معاویہؓ نے ان سے کہا ابو بحر تم بھی کچھ بولو' انہوں نے کہا کیا بولوں' اگر جھوٹ بولتا ہوں تو خدا کا خوف ہے' اور اگر سچ بولتا ہوں تو تم لوگوں کا ڈر ہے[4]

---

[1] ابن سعد جلد ۷ ق ا ص ۶۷۔ [2] ابن سعد جلد ۷ ق ا ص ۶۸۔

[3] ابن سعد ج ۷ ق اول صفحہ ۶۷۔

[4] ایضاً ق اول ص ۶۷۔

marfat.com

حلم:

ضبط وتحمل ان کا خاص وصف تھا' علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب بہ کثرت ہیں ان کا حلم ضرب المثل تھا[1] لیکن خود ہمیشہ انکساراً کہتے تھے کہ میں حقیقۃً حکیم نہیں ہوں' بلکہ اپنے کو حکیم دکھانا چاہتا ہوں[2]

بعض اصول:

احنف کے بعض اصول ایسے تھے کہ وہ ہر شخص کے لیے لائق عمل ہیں۔ فرماتے تھے کہ میں تین کاموں کے کرنے میں زیادہ جلدی کرتا ہوں۔ نماز پڑھنے میں جب اس کا وقت آ جائے' جنازہ دفن کرنے میں' اور لڑکی کی شادی کرنے میں جب اس کی نسبت ہو جائے۔[3]

اجمالی تبصرہ:

ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ سادات تابعین میں تھے' ان کا حلم مثالاً پیش کیا جاتا تھا' حسن بصری فرماتے تھے کہ میں نے کسی قوم کے شریف کو احنف سے افضل نہیں پایا انہوں نے متعدد خلفاء کا عہد پایا تھا' ان میں سے کسی خلیفہ نے ایک شخص سے ان کے اوصاف پوچھے۔ اس نے کہا اگر آپ ایک وصف سننا چاہتے ہوں تو ایک بتاؤں۔ اگر دو چاہتے ہوں تو دو بتاؤں اگر تین چاہتے ہوں تو تین بتاؤں' خلیفہ نے کہا دو بتاؤ' اس شخص نے کہا وہ بھلائی کرتے تھے اور بھلائی کو پسند کرتے تھے اور شر سے بچتے تھے' اور اس سے بغض رکھتے تھے' خلیفہ نے کہا اچھا تین اوصاف بتاؤ۔ اس شخص نے کہا کسی پر حسد نہیں کرتے تھے' کسی پر بے جا زیادتی اور ظلم نہیں کرتے تھے اور کسی کو اس کے حق سے نہیں روکتے تھے' خلیفہ نے کہا ایک وصف بیان کرو اس شخص نے کہا کہ وہ اپنے نفس کے سب سے بڑے حکمران تھے۔[4]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ا ص ۹۱۔ [2] ابن سعد ج ۷' ق اول ص ۶۷۔ [3] ایضاً ج ۷ ق اول ص ۱۶۵۔
[4] شذرات الذہب ج اول ص ۷۸۔ [5] ابن سعد ج ۲ ص ۲۴۰۔

marfat.com

۴- اسماعیل بن ابی خالد احمسی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

اسماعیل نام، ابوعبداللہ کنیت، قبیلہ بجیلہ کی شاخ بنی احمس کے غلام تھے، اسی نسبت سے احمسی کہلاتے ہیں، ابن سعد کی روایت کے مطابق چھ صحابہ کو دیکھا تھا، انس بن مالک، ابن ابی اوفی، ابوکاہل، ابوجحیفہ، عمرو بن حریث اور طارق بن شہاب[۱] اور ابونعیم کی روایت کے مطابق بارہ کو[۲]

فضل وکمال:

فضل وکمال کے اعتبار سے کبار تابعین میں تھے، عامر کہتے ہیں، انہوں نے علم کو پی لیا ہے[۳]

امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[۴]

حدیث:

حدیث میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ حجت تھے۔ متقن تھے، مکثر تھے، اور عالم تھے[۵] تمام بڑے بڑے علماء ان کے حفظ حدیث کے معترف تھے، سفیان ثوری کہتے تھے کہ حفاظ ہمارے نزدیک چار ہیں، عبدالملک بن ابی سلیمان، اسماعیل بن ابی خالد، عاصم الاحول اور یحییٰ ابن سعید الانصاری[۶] امام شعبی کے تمام ساتھیوں میں ابوحاتم ان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتے تھے[۷] اپنی صداقت کی وجہ سے میزان کہے جاتے تھے۔[۸]

---

۱ تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۲۔ ۲ ابن سعد ج ۶ ص ۲۶۰۔ ۳ تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۲۱۔
۴ ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۰۔ ۵ تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۱۔ ۶ تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۱۔
۷ تہذیب الاسماء ص ۱۲۱۔ ۸ ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۰۔

marfat.com

صحابہؓ میں انہوں نے اپنے والد ابو خالدؓ اور ابو جحیفہؓ، عبداللہؓ بن ابی اوفیؓ، عمروؓ بن حریث اور ابو کاہلؓ سے سماع کیا تھا، اور غیر صحابہ میں زید بن وہب، محمد بن سعد، ابی بکر بن عمارہ، قیس بن ابی حازم، اشبیل بن عوف، حارث بن شبیل، طارق بن شہاب اور شعبی وغیرہ سے۔

ان سے روایت کرنے والوں میں شعبہ، دونوں سفیان، زائدہ، ابن مبارک، ہشیم، یزید بن ہارون اور یحییٰ القطان وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں[1]

ابن مدائنی کے بیان کے مطابق ان کی مرویات کی تعداد تین سو ہے۔[2] اور عجلی کے بیان کے مطابق پانچ سو کے قریب ہے[3]

عمل کا درجہ:

علم کے ساتھ عمل کے لباس سے بھی آراستہ تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ باعمل علماء میں تھے[4] ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ شیخ صالح تھے۔[5]

کسب حلال:

علمائے اسلام کا یہ خاص امتیاز رہا ہے کہ انہوں نے علم کو کسب معاش کا ذریعہ نہیں بنایا، اسماعیل بھی انہیں علماء میں تھے، اور آٹا پیسنے کی چکی چلا کر رزق پیدا کرتے تھے[6]

وفات:

۱۴۶ھ میں وفات پائی[7]

---

[1]۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۲۱۔ [3] تہذیب التہذیب ج اول ص ۲۹۲۔

[4] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۳۸۔ [5] تہذیب التہذیب ج ا ص ۲۹۲۔

[6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸۔ [7] ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۰۔

marfat.com

۵- اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

اسود نام' ابو عمر کنیت' والد کا نام یزید تھا' نسب نامہ یہ ہے' اسود بن یزید بن قیس بن عبداللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن کہیل بن بکر بن عوف بن نخع نخعی۔

فضل وکمال:

فضل وکمال اور زہد وعبادت کے لحاظ سے اسود کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں تھے' حافظ ذہبی انہیں امام فقیہ' زاہد وعابد' اور کوفہ کا عالم لکھتے تھے[1] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[2]

حدیث:

حدیث کے ممتاز حفاظ میں تھے' حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ، حذیفہؓ، ابو محذورہؓ، اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم جیسے اکابر صحابہ کی صحبت اور ان سے استفادہ کا موقع ملا تھا[3] حضرت عمرؓ اور عائشہؓ کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ زیادہ تعلقات تھے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ زیادہ رہتے تھے[4] حضرت عائشہؓ سے عقیدت مندانہ تعلقات تھے[5] مذکورہ بالا تمام بزرگوں سے انہوں نے روایتیں کی ہیں۔

تلامذہ:

ان کی ذات سے ان کا پورا گھرانا دولت علم سے مالا مال ہو گیا تھا' ان کے بھانجے ابراہیم نخعی' بھائی عبدالرحمن اور چچیرے بھائی علقمہ جو آسمان علم کے روشن ستارے تھے' ان ہی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۳۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول قسم اول ص ۱۲۲۔

[3] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۴۲۔ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۴۸۷۔ [5] ایضاً۔

marfat.com

کے فیض یافتہ تھے' ان کے علاوہ دوسرے لوگوں میں عمارہ بن عمیر' ابواسحاق سبیعی' ابوبردہ بن ابوموسیٰ اشعری' محارب بن دثار اور اشعث بن ابی الشعثاء وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا۔[1]

فقہ:

فقہ میں بھی درک حاصل تھا' ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ فقیہ تھے[2] حافظ ذہبی اور ابن حجر وغیرہ سب آپ کے تفقہ کے معترف ہیں۔

عبادت وریاضت:

علم سے بڑھ کر آپ کا عمل یعنی زہد وتقویٰ اور عبادت وریاضت تھی' تابعین کی جماعت میں آٹھ بزرگ زہد وعبادت میں زیادہ مشہور تھے' ان میں ایک کا نام اسود ہے[3] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عبادت میں وہ بڑے درجہ پر تھے[4]

نماز:

نماز مشغلہ زندگی تھا' سات سو نوافل روزانہ پڑھتے تھے[5] نماز ہمیشہ اول وقت ادا کرتے تھے' اس میں اس قدر اہتمام تھا کہ کسی کام اور کسی حالت میں بھی ہوتے نماز کا وقت آتے ہی کام چھوڑ کر فوراً نماز ادا کرتے' ان کے سفر کے ہمراہیوں کا بیان ہے کہ سفر کی حالت میں بھی خواہ کیسے ہی دشوار گزار راستے سے جا رہے ہوں' نماز کا وقت آنے کے ساتھ سواری روک کر نماز پڑھتے' تب آگے بڑھتے[6]

روزے:

روزوں سے بھی یہی شغف وانہاک تھا' قریب قریب ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے' ایسے سخت موسم میں بھی روزہ نہ چھوٹتا' جب سرخ اونٹ جیسا قوی اور گرمی برداشت کرنے والا جانور گرمی کی شدت سے بے حال ہو جاتا ہے' سفر میں بھی روزوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا' بعض اوقات سفر کی تکالیف اور پیاس کی شدت سے رنگ بدل جاتا تھا' اور زبان سوکھ کر کانٹا ہو جاتی تھی' لیکن روزہ نہ چھوٹتا تھا۔ اس عبادت شاقہ کی وجہ سے ایک

---

[1] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۴۳۔ [2] ایضاً۔ [3] ابن عساکر ج ۳ ص ۱۶۸۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۳۔ [5] ایضاً۔ [6] ابن سعد ج ۶ ص ۴۷۔

marfat.com

آنکھ جاتی رہی تھی۔ اگر لوگ کہتے کہ جس کو اتنی تکلیف نہ دیجیے تو جواب دیتے تکلیف نہیں' بلکہ راحت پہنچانا چاہتا ہوں[1]

حج:

حج کے ذوق کا یہی حال تھا' حجوں کی تعداد سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کا شاید کوئی سال حج سے ناغہ نہیں ہوا' باختلاف روایت آپ کے حجوں اور عمروں کی مجموعی تعداد ستر سے اسی تک ہے' کبھی کبھی ولولۂ شوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ کر ''لبیك غفار الذنوب'' اور ''لبیك وحنانیك'' کی صدا لگاتے ہوئے روانہ ہوتے تھے' لیکن یہ دائمی عمل نہ تھا' بلکہ مختلف اوقات میں مختلف مقامات میں احرام باندھنے کا ثبوت ملتا ہے' مکہ میں عموماً شب کے وقت داخل ہوتے ہیں' آپ کو طواف کوئے محبوب سے ایسا والہانہ شغف تھا' اور اس بارے میں اس قدر متشدد تھے کہ جو شخص حج کی استطاعت رکھتے ہوئے حج نہیں کرتا تھا اس کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے[2]

تلاوت قرآن:

قرآن کی تلاوت کا ہمیشہ معمول تھا' رمضان کے مہینہ میں قرآن کا ورد بہت بڑھ جاتا تھا۔ مغرب وعشا کے درمیان سو رہتے تھے' اس کے بعد اٹھ کر ساری رات قرآن پڑھتے تھے اور دو راتوں میں ایک قرآن ختم کر دیتے تھے[3]

اختلاف مسلک اور اتحاد وروابط:

آج ادنیٰ سے اختلاف مسلک پر ہر قسم کے معاشرتی اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان بزرگوں کا یہ اسوہ لائق تقلید ہے کہ اختلاف مسلک کے باوجود ان میں باہم روابط قائم رہتے تھے' اسود' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں زیادہ رہنے کی وجہ سے ان کے متبع تھے' اور علقمہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں تھے' لیکن جب دونوں میں ملاقات ہوتی تھی تو ادنیٰ اختلاف بھی نہ ہوتا تھا[4]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۴۸۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۴۷' ۴۸۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً ص ۴۸۔

marfat.com

وفات:

۷۵ھ میں وفات پائی' معمولات کی پابندی میں یہ اہتمام تھا کہ مرض الموت میں بھی تلاوت قرآن میں فرق نہ آیا' چنانچہ اس وقت بھی جنبش کرنے کی سکت باقی نہ تھی' اپنے بھانجے ابراہیم نخعی کا سہارا لے کر قرآن پڑھتے تھے۔ دم آخر ہدایت کی کہ مجھے کلمہ طیبہ کی تلقین کرنا' تا کہ میری زبان سے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ نکلے[1]

حلیہ اور لباس:

آخر عمر میں بال سفید ہو گئے تھے' سر اور داڑھی دونوں میں خضاب کرتے تھے' اونچی ٹوپی پہنتے تھے' سیاہ رنگ کا عمامہ باندھتے تھے۔ اس کا شملہ پیچھے پڑا رہتا تھا[2]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۵۰۔

[2] ایضاً ص ۵۹

marfat.com

۶۔ اعمش (سلیمان بن مہران رحمۃ اللہ علیہ)

نام ونسب:

سلیمان نام' ابومحمد کنیت' اعمش کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں' ان کے والد کا نام مہران تھا۔ مہران عجمی النسل تھے۔ ان کا آبائی وطن طبرستان تھا' ایک روایت یہ ہے کہ مہران دیلم کے کسی معرکہ میں گرفتار ہوئے' دوسرا بیان یہ ہے کہ اعمش کو کوفہ کے بنی کاہل کے ایک شخص نے خریدا تھا اور خرید کر آزاد کر دیا۔ بہر حال اتنا مسلم ہے کہ اعمش ابتدا میں غلام تھے' اور اس غلامی کی نسبت سے وہ کاہلی اور اسدی کہلاتے ہیں۔

پیدائش:

اعمش حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن یعنی عاشورہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے[1]

فضل وکمال:

اگر چہ اعمش کا آغاز غلامی سے ہوا' لیکن ان میں تحصیل علم کی فطری استعداد تھی۔ خوش قسمتی سے مرکز علم کوفہ میں ان کی نشو ونما ہوئی' اس لیے آگے چل کر وہ کوفہ کی مسند علم و افتا کی زینت بنے' ان کے علمی اور عملی کمالات پر تمام ارباب سیر وطبقات کا اتفاق ہے' ابن حجر اور حافظ ذہبی ان کو' عابد مرتاض علامۃ الاسلام وشیخ الاسلام'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں[2] عیسیٰ بن یونس کہتے تھے کہ ہم نے اور ہمارے قبل والے قرن کے لوگوں نے اعمش کا مثل نہیں دیکھا[3]

ان جملہ مذہبی علوم میں یکساں دستگاہ حاصل تھی' ابن عیینہ کا بیان ہے کہ اعمش کتاب اللہ کے بڑے قاری' احادیث کے بڑے حافظ اور علم فرائض کے ماہر تھے[4]

قرآن کے ساتھ ان کو خاص ذوق تھا' علوم قرآنی میں وہ راس العلم

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۲۲۹۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸ وتہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳۔
[3] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۸۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸۔

marfat.com

شمار کیے جاتے تھے[1] ہشیم کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں اعمش سے بڑا قاری قرآن نہیں دیکھا[2] قرآن کا مستقل درس دیتے تھے' لیکن آخر عمر میں کبرسنی کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا' لیکن شعبان میں تھوڑا قرآن ضرور سناتے تھے۔ قرأت میں وہ عبداللہ بن مسعودؓ کے پیرو تھے۔ ان کی قرأت اتنی مستند تھی کہ لوگ اس کے مطابق اپنے قرآن درست کرتے تھے[3]

حدیث:

حدیث رسول میں ان کی معلومات کا دائرہ نہایت وسیع تھا' حافظ ذہبی انہیں شیخ الاسلام لکھتے ہیں۔ ابن مدائنی کا بیان ہے کہ محمد ﷺ کی امت میں چھ آدمیوں نے علم (حدیث) کو محفوظ کیا تھا' مکہ میں ابن دینار' مدینہ میں زہری' کوفہ میں ابو اسحاق سبیعی اور اعمش اور بصرہ میں قتادہ اور یحییٰ بن کثیر نے[4] ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ اعمش کو سید المحدثین کہتے تھے[5]

ان کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے' ابن مدائنی کے بیان کے مطابق ان کی تعداد تیرہ سو ہے[6] اور بعض روایات کے مطابق چار ہزار۔ محدث زہری اہل عراق کے علم کے قائل نہ تھے' اسحاق بن راشد نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ کوفہ میں اسد کا ایک غلام ہے جس کو چار ہزار حدیثیں یاد ہیں' زہری نے تعجب سے پوچھا' چار ہزار' اسحٰق نے کہا ہاں چار ہزار اگر آپ کہیں تو میں اس کا کچھ حصہ لا کر آپ کے سامنے پیش کروں۔ چنانچہ انہوں نے اعمش کی مرویات کا کچھ حصہ ان کے سامنے پیش کیا۔ زہری اس کو پڑھتے جاتے تھے' اور حیرت سے ان کا رنگ بدلتا جاتا تھا' مجموعہ ختم کرنے کے بعد بولے خدا کی قسم اسے علم کہتے ہیں مجھے یہ نہ معلوم تھا کہ کسی کے پاس اتنا علم محفوظ ہوگا[7] شعبہ کہتے تھے کہ حدیث میں مجھ کو جو تشفی اعمش سے ہوئی وہ کسی سے نہیں ہوئی[8] عبداللہ ابن مسعودؓ کی احادیث خصوصیت کے ساتھ ان کے حافظہ میں زیادہ محفوظ تھیں' قاسم بن عبدالرحمٰن کہتے

---

1 تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳۔ 2 تاریخ خطیب ج ۹ ص ۶۔ 3 ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۸۔
4 تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳۔ 5 خطیب بغدادی ج ۹ ص ۱۱۔ 6 شذرات الذہب ج اول ص ۲۲۱۔
7 ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۹۔ 8 تاریخ خطیب جلد ۹ ص ۱۰۔

marfat.com

تھے کہ کوفہ میں اعمش سے زیادہ عبداللہ بن مسعودؓ کی احادیث کا جاننے والا نہیں ہے[1]

مرویات کا پایہ:

ان کی مرویات کیفیت کے اعتبار سے بھی اعلیٰ درجہ کی تھیں چنانچہ وہ اپنی صداقت اور روایتوں کے معیار کی بلندی کے اعتبار سے مصحف کہے جاتے تھے[2] ابن عمار کہتے تھے کہ محدثین میں اعمش سے زیادہ اثبت کوئی نہیں[3] جریران کی روایات کو دیبائے خسروانی کہتے تھے[4]

احتیاط:

اس علم کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے اور زیادہ حدیث بیان کرنا اچھا نہ سمجھتے تھے، لوگوں سے کہتے تھے کہ جب تم لوگ (حدیث سننے کے لیے) کسی کے پاس جاتے ہو تو اس کو جھوٹ بولنے پر آمادہ کرتے ہو، خدا کی قسم یہ لوگ شر الناس ہیں۔

شیوخ و تلامذہ:

حدیث میں انہوں نے زیادہ تر عبداللہ بن مسعودؓ، ان کے بعد انس بن مالکؓ، عبداللہ ابن ابی اوفیٰؓ، زید بن وہب، ابو وائل، ابوعمر شیبانی، قیس بن ابی حازم، اسماعیل بن رجاء، ابوصخرہ، جامع بن شداد، ابو ذبیان بن جندب، امام شعبیؒ، ابراہیم نخعی اور مجاہد بن جبیر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔ ان کے تلامذہ میں حکم بن عتیبہ، زبید الیامی، ابواسحاق سبیعی، سلیمان تیمی، سہیل بن ابوصالح، محمد ابن واسع، شعبہ، ابراہیم بن طہمان اور جریر بن حازم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

محدثین کے مراتب پر نظر:

حدیث میں ان کے کمال کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ اس عہد کے بڑے بڑے محدثین کے علم پر ناقدانہ نظر رکھتے تھے اور ان کے نزدیک سب کا ایک خاص درجہ متعین تھا، ابوبکر بن عیاش کا بیان ہے کہ ہم لوگ اور محدثین کے پاس سے ہو کر آخر میں اعمش کے پاس جاتے تھے، وہ ہم سے سوال کرتے، کس کے پاس سے آئے ہو؟ ہم بتاتے کہ فلاں شخص کے پاس سے۔ نام سن کر وہ کہتے

---

[1] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۱۰۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۳۔ [4] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۱۰۷۔

marfat.com

وہ پھٹا ہوا طبل ہے، پھر پوچھتے ان کے بعد کہاں گئے، ہم لوگ بتاتے فلاں کے پاس، وہ کہتے وہ اڑنے والے طائر ہیں، پھر پوچھتے ان کے بعد ہم لوگ نام بتاتے، فرماتے وہ دف ہیں۔[1]

فقہ وفرائض:

فقہ و فرائض میں بھی وہ پورا درک رکھتے تھے، فقہاء ان کو اپنا سردار رکھتے تھے۔[2] فرائض میں خصوصیت کے ساتھ بڑی مہارت رکھتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ وہ فرائض کے بڑے عالم تھے، ان سے پہلے ابراہیم فرائض کے عالم مانے جاتے تھے، اور لوگ اس فن میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد اعمش کی ذات مرجوعہ بن گئی تھی۔[3]

عبادت وریاضت:

علم کے ساتھ وہ عمل میں بھی یہی درجہ رکھتے تھے۔ یحییٰ قطان کا بیان ہے کہ وہ عابد وزاہد تھے۔[4] یحییٰ بن سعید انہیں عباد وقت میں شمار کرتے تھے۔ خریبی کا بیان ہے کہ اعمش نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے بڑا عبادت گزار نہیں چھوڑا،[5] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم نافع اور عمل صالح دونوں کے سردار تھے۔[6] نماز باجماعت میں یہ اہتمام تھا کہ ستر سال تک تکبیر اولیٰ تک قضا نہیں ہوئی۔[7]

امراء سے استغنا:

اعمش خاصان خدا اور صلحائے امت کی طرح دولت دنیا سے بالکل تہی دامن تھے، معیشت کی طرف سے بھی ان کو پورا اطمینان نہ تھا، لیکن اس فقر واحتیاج کے باوجود امراء اور ارباب دول سے نہ صرف بے نیاز تھے بلکہ ان کو نہایت حقارت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ عیسیٰ بن یونس کا بیان ہے کہ اعمش کے فقر واحتیاج کے باوجود میں نے ان سے زیادہ امراء اور سلاطین کو کسی کی نگاہ میں حقیر نہیں پایا۔[8] امام شعرانی لکھتے ہیں کہ اعمش کو روٹی تک

---

[1] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۱۱۔ [2] تاریخ خطیب جلد ۹ صفحہ ۸۔ [3] ایضاً صفحہ ۹۔
[4] ایضاً صفحہ ۸۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۴۔ [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۸۔
[7] تاریخ خطیب ج ۹ ص ۸۔ [8] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۲۴۔

marfat.com

میسر نہ تھی، لیکن ان کی مجلس میں اغنیا اور سلاطین سب سے بڑے فقیر معلوم ہوتے تھے[1]

ان کی جرأت کا ایک واقعہ:

امراء کے مقابلہ میں ان کی جرأت و بے باکی کا یہ واقعہ لائق ذکر ہے۔ خلیفہ ہشام نے ایک مرتبہ ان کو لکھا کہ عثمانؓ کے فضائل اور علیؓ کی برائیاں میرے لیے قلمبند کر دیجئے، انہوں نے شاہی قاصد کے سامنے اس خط کو بکری کو کھلا دیا اور قاصد سے کہا یہ تمہاری تحریر کا جواب ہے۔ جب قاصد نے جواب کے لیے زیادہ اصرار کیا تو یہ جواب لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! امابعد! اگر عثمان کی ذات میں ساری دنیا کے انسانوں کی خوبیاں جمع ہوں تو بھی اس سے تمہاری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اور اگر علیؓ کی ذات میں دنیا بھر کی برائیاں مجتمع ہوں تو اس سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، تم کو صرف اپنے نفس کی خبر رکھنی چاہیے[2]

فیاضی:

طبعاً بڑے فیاض تھے، ابو بکر بن عیاش کا بیان ہے کہ ''ہم لوگ جب اعمش کے پاس جاتے تھے، تو ہم کو کچھ نہ کچھ کھلاتے تھے[3]

نفس کی تحقیر:

ان ظاہری و باطنی کمالات کے باوجود وہ اپنی ذات کو بالکل حقیر اور ہیچ سمجھتے تھے، چنانچہ وصیت کی تھی کہ ''جب میں مرجاؤں تو کسی کو میری موت کی اطلاع نہ دی جائے اور مجھ کو میرے رب کے پاس لے جا کر لحد پھینک دیا جائے، میں سے سے بھی فروتر اور حقیر ہوں کہ لوگ میرے جنازہ میں شرکت کریں''[4]

وفات:

باختلاف روایت ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔

---

[1] طبقات کبریٰ امام شعرانی جلد اول ص ۳۸۔ [2] شذرات الذہب ج اول ص ۲۲۱۔

[3] تاریخ خطیب جلد ۹ ص ۱۱۔ [4] طبقات کبریٰ امام شعرانی جلد اول ص ۳۸۔

marfat.com

۷- خیر التابعین حضرت اویس بن عامر قرنی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

سرخیل تابعین حضرت اویس قرنی وطناً یمنی اور نسباً قبیلہ مراد سے تھے' ان کو بارگاہ رسالت سے غائبانہ ''خیر التابعین'' کا لقب ملا تھا' نسب نامہ یہ ہے: اویس بن عامر بن جزء بن مالک ابن عمرو بن سعد بن عصوان بن قرن دودمان بن ناجیہ بن مراد بن مالک اومرادی مزحجی۔

حضرت اویس ان برگزیدہ وارفتگان محبت میں تھے' جن کی تخلیق ہی عشق ومحبت کے خمیر سے ہوئی تھی۔ وہ نادیدہ جمال نبوی ﷺ کے پروانوں میں تھے کہ:

نہ تنہا عشق ازدیدار خیزد　　بساکین دولت از گفتار خیزد

انہوں نے اپنی ہستی کو راہ خدا میں ایسا گم کردیا تھا کہ ظاہر بین نگاہوں میں ان کی شخصیت ہی مشکوک ہوگئی' اگرچہ اویس عہد رسالت میں موجود تھے' لیکن لقائے ظاہری سے محروم رہے' مگر عالم باطن کے قوانین اس دنیائے آب وگل کے قوانین سے ماوراء ہیں' وہاں قرب وبعد منزل کا کوئی سوال نہیں' چشم حقیقت نگر لاکھ حجابوں میں بھی محروم تماشا نہیں رہتی' ربط باطن بعد مسافت میں بھی قرب محسوس کرتا ہے۔

خود اس دنیائے آب وگل میں بھی ظاہری بعد اور دوری ایک بے حقیقت شے ہے۔ اصل شے قوت تاثیر اور جذب وکشش ہے' آفتاب کروڑوں منزلوں کی مسافت کے باوجود عالم کے ذرے ذرے کو منور کرتا ہے۔ قطرات شبنم اڑ کر آفتاب کی حرارت میں تحلیل ہوجاتے ہیں' موسم گل کی نکہت منزلوں تک کوہ ووادی کو معطر کردیتی ہے' اس لیے اویس بھی بعد مسافت کے باوجود آفتاب نبوت کی کرنوں سے مستنیر اور بہار مدینہ کی نکہت باریوں سے مست وبے خود تھے۔ اگرچہ وہ یمن میں تھے لیکن ان کی محبت کی لہریں حجاز تک رواں دواں تھیں۔

marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے غائبانہ تعارف اور ملاقات:

یہ محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس نادیدہ وارفتہ محبت کی ایک ایک علامت بتادی تھی صحیح مسلم میں ہے کہ ''خیر التابعین قبیلہ مراد کا ایک شخص ہے' اس کا نام اویس ہے۔ وہ تمہارے پاس یمن کی امداد میں آئے گا' اس کے جسم پر برص کے داغ ہیں' سب مٹ چکے ہیں۔ صرف ایک درہم کے برابر باقی ہے' اس کے ماں بھی ہے جس کی وہ خدمت کرتا ہے' جب وہ خدا کی قسم کھاتا ہے تو اس کو پوری کرتا ہے۔ اگر تم اس کی دعائے مغفرت حاصل کرسکو تو حاصل کرنا''۔

اس کے بعد سے حضرت عمرؓ برابر اویس کی تلاش میں رہے۔ چنانچہ آپ کے عہد خلافت میں جب یمن سے فوجی مدد آئی تو آپ تلاش کرتے کرتے اویس کے پاس پہنچے اور پوچھا تم ہی اویس بن عامر ہو' انہوں نے اثبات میں جواب دیا' حضرت عمرؓ نے سوال کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں! ان علامات کو معلوم کرنے کے بعد حضرت عمرؓ نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تمہارے پاس اہل یمن کی مدد کے ساتھ قبیلہ مراد اور قرن کا ایک شخص اویس بن عامر آئے گا جس کے جسم پر برص ہوگا' لیکن ایک درہم کے برابر کے سوا سب مٹ چکا ہوگا۔ اس کے ایک ماں ہوگی جس کے ساتھ وہ نیکی کرتا ہوگا' جب وہ خدا کی قسم کھاتا ہے تو اس کو پوری کرتا ہے۔ اگر تم اس سے دعائے مغفرت لے سکنا تو لینا' اس لیے آپ میرے لیے دعائے مغفرت فرمائیں''۔ یہ سن کر اویس نے حضرت عمرؓ کے لیے دعا کی' پھر ان سے پوچھا اب کہاں کا قصد ہے' انہوں نے کہا کوفہ کا' حضرت عمر نے فرمایا میں آپ کے متعلق وہاں کے عامل کے پاس ہدایت لکھے دیتا ہوں۔ اویس نے کہا اس کی ضرورت نہیں' مجھے عوام کے زمرہ میں رہنا زیادہ پسند ہے۔

اس واقعہ کے دوسرے سال کوفہ کا ایک معزز شخص حج کے لیے آیا' حضرت عمرؓ نے اس سے اویس کا حال پوچھا' اس نے بتایا کہ وہ تنگ دستی میں ہیں' ایک بوسیدہ جھونپڑے میں رہتے ہیں' حضرت عمرؓ نے اس سے اویس کے متعلق آنحضرت ﷺ کا ارشاد بیان کیا' چنانچہ یہ شخص بھی واپس جا کر اویس سے دعائے مغفرت کا طالب ہوا'

marfat.com

انہوں نے فرمایا کہ تم ابھی تازہ تازہ مقدس سفر سے آ رہے ہو' اس لیے تم میرے لیے دعا کرو۔ پھر پوچھا تم عمرؓ سے ملے تھے۔ اس نے کہا ہاں۔ اس گفتگو کے بعد اویس نے اس شخص کے لیے دعائے مغفرت کی[1]

ہرم بن حیان اور اویس کی پر اثر ملاقات کے حالات:

اویس اپنے کو اہل دنیا سے چھپانے کے لیے نہایت خستہ حال رہتے تھے اکثر بدن تک ڈھانپنے کے لیے پورا کپڑا تک نہ ہوتا تھا۔ لوگ ننگا بدن دیکھ کر کپڑا اوڑھا دیتے' ان کی ظاہری حالت پر بے بصر عوام ان کا مذاق اڑاتے اور انہیں پریشان کرتے[2]

لیکن اہل نظر کی نگاہوں سے وہ چھپ نہ سکے' ان کی شمیم روحانیت اہل دل لوگوں کو دور دور سے کھینچ لاتی تھی۔ ایک صاحب دل تابعی ہرم بن حیان اور اویس کی ملاقات کے پر تاثیر واقعات خود ہرم بن حیان کی زبان سے سننے کے قابل ہیں' ان کا بیان ہے کہ:

میں اویس قرنی کی زیارت کی تمنا میں کوفہ گیا اور تلاش کرتے کرتے فرات کے کنارہ پہنچا۔ وہاں دیکھا کہ ایک شخص تنہا بیٹھا نصف النہار کے وقت وضو کر رہا ہے اور کپڑے دھو رہا ہے۔ میں اویس کے اوصاف سن چکا تھا اس لیے فوراً پہچان گیا۔ وہ فربہ اندام تھے۔ رنگ گندم گوں تھا۔ بدن پر بال زیادہ تھے۔ سر منڈا ہوا تھا۔ داڑھی گھنی تھی۔ بدن پر ایک صوف کا ازار اور ایک صوف کی چادر تھی۔ چہرہ بہت بڑا اور مہیب تھا قریب پہنچ کر میں نے سلام کیا۔ اویس نے جواب دیا اور میری طرف دیکھ کر کہا خدا تم کو زندہ رکھے۔ میں نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے مصافحہ کرنے سے انکار کیا' اور پھر کہا خدا تم کو زندہ رکھے' میں نے کہا' اویس تم پر خدا رحمت نازل کرے' اور تمہاری مغفرت فرمائے' تمہارا کیا حال ہے' نہایت محبت میں ان کی ظاہری حالت پر میرے آنسو نکل آئے' مجھے روتا دیکھ کر وہ بھی رونے لگے' اور مجھ سے فرمایا' ہرم بن حیان خدا تم پر رحم

---

1 یہ تمام واقعات مسلم کتاب الفضائل باب فضائل اویس قرنی سے ماخوذ ہیں۔

2 ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۴۔۱۱۶۔

marfat.com

کرنے میرے بھائی تم کیسے ہو' تم کو میرا پتہ کس نے بتایا' میں نے کہا خدا نے' اس جواب پر انہوں نے فرمایا: ''لاالہ الا اللہ سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا حین سمانی''
ہرم بن حیان کہتے ہیں کہ اس سے پہلے نہ کبھی میں نے ان کو دیکھا تھا اور نہ انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ اس لیے میں نے ان سے پوچھا آپ نے میرا اور میرے باپ کا نام کیسے جان لیا' خدا کی قسم آج سے پہلے کبھی میں نے آپ کو نہ دیکھا تھا' فرمایا علیم وخبیر نے مجھے بتایا جب تمہارے نفس نے میرے نفس سے باتیں کیں' اسی وقت میری روح نے تمہاری روح کو پہچان لیا' زندہ اور چلتے پھرتے لوگوں کی طرح روحوں کے بھی جان ہوتی ہے' مومنین خواہ کبھی آپس میں نہ ملے ہوں اور ان میں کوئی تعارف نہ ہو اور نہ ان کو ایک دوسرے سے باتیں کرنے کا اتفاق ہوا ہو' پھر بھی سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں' اور خدا کی روح کے وسیلہ سے باتیں کرتے ہیں۔ خواہ وہ ایک دوسرے سے کتنے ہی دور کیوں نہ ہوں۔

میں نے درخواست کی کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنائیے کہ میں آپ کی زبان سے سن کر اس کو یاد کرلوں۔ فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو پایا اور نہ ان کی صحبت سے بہرہ ور ہوا۔ البتہ آپ کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے' اور تم لوگوں کی طرح مجھے بھی آپ کی حدیثیں پہنچی ہیں' لیکن میں اپنے لیے یہ دروازہ کھولنا نہیں چاہتا کہ محدث' قاضی یا مفتی بنوں' ہرم بن حیان! مجھے خود اپنے نفس کے بہت سے کام ہیں' یہ جواب سن کر میں نے عرض کیا کہ پھر قرآن ہی کچھ آیات سنا دیجیے۔ مجھے آپ کی زبان سے قرآن سننے کی خواہش ہے۔ میں خدا کے لیے آپ کو محبوب رکھتا ہوں' میرے لیے دعا فرمائیے اور کچھ وصیتیں کیجیے تاکہ میں ان کو ہمیشہ یاد رکھوں۔

میری درخواست سن کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم پڑھ کر چیخ مار کر رونے لگے' اور فرمایا' میرے رب کا ذکر بلند ہے' سب سے زیادہ حق اس کا قول ہے۔ سب سے زیادہ سچی بات اس کی بات ہے' سب سے زیادہ اچھا کلام اس کا کلام ہے' یہ کلمات فرما کر ''ما خلقنا السموت والارض'' سے ''ھو العزیز الرحیم'' تک تلاوت کر کے چیخ مار کر ایسے خاموش ہوئے کہ میں سمجھا کہ بے ہوش ہو گئے

marfat.com

پھر مجھ سے فرمایا ہرم بن حیان تمہارے باپ مرچکے' عنقریب تم کو بھی مرنا ہے' ابن حیان مرچکے' ان کے لیے یا جنت ہے یا دوزخ' ابن حیان آدم مرگئے' حوا مرگئیں۔ ابن حیان نوح اور ابراہیم خلیل الرحمٰن مرگئے' ابن حیان موسیٰ نجی الرحمٰن مرگئے۔ ابن حیان داؤد خلیفۃ الرحمٰن مرگئے' ابن حیان' محمد رسول الرحمٰن مرگئے۔ ابن حیان ابوبکرؓ خلیفہ المسلمین مرگئے' ابن حیان میرے بھائی عمر بن الخطابؓ مرگئے' یہ کہہ کر وہ عمراہ کا نعرہ لگایا' اور ان کے لیے رحمت کی دعا کی' عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس وقت تک زندہ تھے اور ان کی خلافت کا آخری زمانہ تھا' اس لیے میں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے' عمر بن الخطاب تو زندہ ہیں' فرمایا ہاں' جو کچھ میں نے کہا ہے' اگر تم اس کو پوری طرح سمجھ لو تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہمارا تمہارا شمار مردوں ہی میں ہے۔ ہونے والی بات ہو چکی' اس کے بعد رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا' اور چند مختصر دعائیں پڑھ کر کہا ہرم بن حیان کتاب اللہ' صلحائے امت کی ملاقات اور نبی ﷺ پر درود وسلام میری وصیت ہے' میں نے اپنی خبر موت دی' اور تمہاری خبر موت دی' آئندہ ہمیشہ موت کو یاد رکھنا اور ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے غافل نہ ہونا۔

واپس جا کر اپنی قوم کو ڈرانا اور اپنے ہم مذہبوں کو نصیحت کرنا' اور اپنے نفس کے لیے کوشش کرنا' خبردار! جماعت کا ساتھ نہ چھوڑنا' ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں تمہارا دین چھوٹ جائے' اور قیامت میں تم کو آتش دوزخ کا سامنا ہو' پھر فرمایا' خدایا اس شخص کا گمان ہے کہ وہ تیرے لیے مجھ سے محبت کرتا ہے' اور تیرے لیے مجھ سے ملاقات کی' اس لیے خدایا جنت میں اس کا چہرہ مجھ سے پہنچوانا' اور اپنے گھر دارالسلام میں مجھے اس سے ملانا' وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی رہے' اس کو اپنے حفظ وامان میں رکھنا' اس کی کھیتی باڑی کو اس کے قبضہ میں رہنے دے۔ اس کو تھوڑی دنیا پر خوش رکھ اور دنیا سے تو نے جو حصہ اس کو دیا ہے' وہ اس کے لیے آسان کر اور اپنے عطایا اور نعمتوں پر اس کو شاکر بنا اور اس کو جزائے خیر دے۔

یہ دعائیں دے کر مجھ سے خطاف فرمایا کہ ہرم بن حیان اب تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں' اچھا سلام علیک ورحمۃ اللہ اب میں تم کو آج سے نہ دیکھوں۔ میں شہرت ناپسند

marfat.com

کرتا ہوں' اور تنہائی اور عزلت کو دوست رکھتا ہوں' جب تک دنیا میں لوگوں کے ساتھ زندہ رہوں گا انتہائی غم و الم میں مبتلا رہوں گا' اس لیے آئندہ نہ تم مجھے پوچھنا اور نہ تلاش کرنا' تمہاری یاد میرے دل میں ہمیشہ رہے گی' لیکن اس کے بعد نہ میں تم کو دیکھوں گا' اور نہ تم مجھے دیکھ سکو گے' مجھے یاد کرتے رہنا' اور میرے لیے دعائے خیر کرنا میں بھی ان شاء اللہ تم کو یاد اور تمہارے لیے دعائے خیر کرتا رہوں گا' یہ کہہ کر وہ ایک سمت چلے' میں بھی ساتھ ہولیا' کہ ایک ہی ساعت اور ساتھ ہو جائے' لیکن اس پر بھی وہ راضی نہ ہوئے' اور ہم دونوں روتے ہوئے ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ میں حد نظر تک دیکھتا رہا تا آنکہ وہ ایک گلی میں چلے گئے' اس کے بعد میں نے ان کو بہت تلاش کیا' اور لوگوں سے پوچھا' لیکن کسی سے کچھ سراغ نہ ملا' خدا ان پر رحمت نازل کرے' اور ان کی مغفرت فرمائے' اس ملاقات کے بعد سے کوئی ہفتہ ایسا نہیں جاتا کہ میں ان کو ایک دو مرتبہ خواب میں نہ دیکھتا ہوں [1]

شہادت:

اویس کو جب تک ظاہر بین دنیا نے نہ پہچانا تھا' اس وقت تک وہ اہل دنیا میں نظر آتے تھے' لیکن جب سے ان کی حقیقت آشکارا ہوئی اس وقت سے وہ ایسے روپوش ہوئے کہ پھر کسی نے نہ دیکھا' اس کے بعد جنگ صفین میں ان کی شہادت کا پتہ چلتا ہے۔ ان کو راہ خدا میں شہادت کی بڑی تمنا تھی' اور اس کے لیے وہ دعا کیا کرتے تھے' خدا نے جنگ صفین میں یہ آرزو پوری کردی' اور حضرت علی ؓ کی حمایت میں شہادت پائی [2]

علم ظاہر:

اگرچہ اویس سرتاج تابعین ہیں' اور ان کی ذات جملہ فضائل و کمالات کی جامع تھی لیکن اس کے باوجود علمائے ظاہر کے زمرہ میں ان کا کہیں ذکر نہیں' حتی کہ ان سے کوئی روایت تک مروی نہیں ہے' لیکن اس سے یہ قیاس کرنا صحیح نہیں کہ وہ علوم ظاہری سے بے گانہ تھے' ان کی ذات علم باطن کے ساتھ علم ظاہر کی بھی جامع تھی' اس کی دو وجہیں تھیں۔

---

[1] یہ تمام حالات مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۵' ۴۰۷ سے ماخوذ ہیں۔ [2] اصابہ ج اول ص ۱۲۰۔

marfat.com

سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ ان کو اپنی اصلاح نفس، تزکیہ روح اور مجاہدات و ریاضیات سے اتنی فرصت نہ تھی کہ علم ظاہر کو مشغلہ حیات بناتے۔ اور حجرہ عبادت سے نکل کر مسند علم پر بیٹھتے، دوسرے انہیں شہرت اور نمود سے اتنی نفرت تھی کہ قاضی مفتی اور محدث کے لقب سے مشہور ہونا بھی پسند نہ کرتے تھے، جیسا کہ انہوں نے خود ایک موقع پر فرمایا ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی احادیث اسی طرح پہنچی ہیں، جس طرح تم کو پہنچی ہیں، لیکن میں اپنے اوپر ان کا دروازہ کھول کر محدث قاضی اور مفتی بننا پسند نہیں کرتا۔ مجھے خود اپنے تزکیہ نفس کے بہت سے کام ہیں[1] اسی طرح آپ نے فرمایا کہ میں شہرت ناپسند کرتا ہوں، اور تنہائی اور عزلت کو دوست رکھتا ہوں، اور مسند علم پر بیٹھنے کے بعد نہ وہ شہرت سے بچ سکتے تھے، اور نہ ان کی عزلت نشینی قائم رہ سکتی تھی، اس لیے انہوں نے سرے سے اس دروازہ ہی کو بند رکھا۔

علم باطن:

آپ کے کمالات کا منبع اور سرچشمہ کاغذ کے اوراق کے بجائے صحیفہ قلب تھا، آپ کی ذات گرامی علوم باطن کا سرچشمہ تھی، اور تابعین میں خواجہ حسن بصری کے بعد آپ ہی کی ذات تصوف کا مرجع ہے اور صوفیائے کرام کے بہت سے سلاسل آپ کی ذات تک منتہی ہوتے ہیں[2]

عبادت و ریاضت:

آپ نے راہ سلوک میں بڑے بڑے مجاہدات کیے۔ ساری ساری رات پلک سے پلک نہ ملتی تھی، معمول تھا کہ ایک شب قیام میں گزارتے تھے، اور دوسری رکوع میں اور تیسری سجدہ میں۔[3] اکثر رات کے ساتھ دن بھی عبادت میں ہی گزر جاتا تھا، ربیع بن خیثم کا بیان ہے کہ ایک دن میں اویس سے ملنے گیا، دیکھا کہ وہ فجر کی نماز میں مشغول ہیں، میں اس خیال سے کہ ان کی تسبیح و تہلیل میں حارج نہ ہوں اس سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا، وہ ظہر کی نماز تک برابر مشغول رہے، پھر ظہر سے عصر تک اور عصر سے مغرب تک یہی

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۴۰۷۔ [2] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ از شاہ ولی اللہ۔
[3] ابن عساکر ج ۳ ص ۳۰۷ و تذکرۃ الاولیاء از فرید الدین عطار ج اول۔

marfat.com

حال رہا۔ میں نے خیال کیا کہ مغرب کے بعد شاید افطار کے لیے جائیں' لیکن وہ برابر عشاء تک مشغول رہے' پھر عشاء سے صبح تک یہی کیفیت رہی' دوسرے دن نماز فجر کے بعد کچھ نیند کا غلبہ ہوا' لیکن پھر فوراً متنبہ ہوگئے اور دعا کی کہ خدایا میں سونے والی آنکھ اور نہ بھرنے والے پیٹ سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہ حال دیکھ کر میں نے کہا جو کچھ میں نے دیکھا ہے اس قدر کافی ہے[1]۔

ہمیشہ روزہ رکھتے تھے' اکثر ہوتا تھا کہ افطار کے لیے کچھ میسر نہ آتا تو کھجور کی گٹھلیاں چن کر بیچتے اور اس کی قیمت سے قوت لایموت حاصل کرتے' اگر خشک خرما مل جاتا تو اس کو افطار کے لیے رکھ لیتے' اگر زیادہ مقدار میں مل جاتا' تو گٹھلیاں بیچ کر اس کی قیمت خیرات کر دیتے[2]

حلقہ ذکر:

کوفہ میں ذکر وشغل کا ایک حلقہ تھا جس میں بہت سے سالکین جمع ہوتے تھے' اویس بھی اس حلقہ میں شرکت کرتے تھے' اسیر بن جابر کا بیان ہے کہ ہم چند لوگ کوفہ میں ذکر وشغل کے ایک حلقہ میں جمع ہوتے تھے' اویس بھی ہمارے ساتھ شریک ہوتے تھے' اس حلقہ میں دلوں پر سب سے زیادہ اویس کے ذکر کا اثر پڑتا تھا[3] بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ذکر وشغل نماز اور تلاوت قرآن تھی[4]

زہد عن الدنیا:

زہد کا یہ عالم تھا کہ گھربار' لباس اور کھانے پینے وغیرہ جملہ علائق دنیاوی سے ہمیشہ آزاد رہے۔ ایک نہایت بوسیدہ اور شکستہ مکان میں رہتے تھے[5] کھانے پینے کا یہ حال تھا کہ کبھی اونٹ چرا کر اور کبھی کھجور کی گٹھلیاں بیچ کر قوت لایموت حاصل کرتے تھے[6] حضرت عمرؓ نے سلوک کرنا چاہا مگر انکار کر دیا[7] لباس میں ایک صوف کی ایک چادر اور ایک صوف کا ازار ہوتا تھا[8]

---

[1] ابن عساکر ج ۳ ص ۱۷۳۔ [2] تذکرۃ الاولیاء ج اول ص ۲۳۔ [3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۴۔
[4] ایضاً ص ۴۰۸۔ [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۳۔ [6] تذکرۃ الاولیاء فریدالدین عطار حالات اویس۔
[7] ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۳۔ [8] مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۰۶۔

marfat.com

اور اکثر وہ بھی میسر نہ آتا تھا۔ لوگ ننگے بدن دیکھ کر چادر دیتے[1] پیٹ کے کھانے اور بدن کے کپڑے کے علاوہ کوئی چیز نہ رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے خدایا میں تجھ سے بھوکے جگر اور ننگے بدن کی معذرت چاہتا ہوں' لباس جو میرے جسم پر اور غذا جو میرے پیٹ میں ہے اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے[2]

آپ کی اس مجذوبانہ شان کی وجہ سے ظاہر بیں عوام آپ کو راہ چلتے پریشان کرتے۔ ایک مرتبہ آپ کپڑا نہ میسر ہونے کی وجہ سے حلقہ ذکر سے غیر حاضر ہو گئے' آپ کے شریک حلقہ اسیر بن جابر یہ سمجھ کر کہ آپ بیمار ہو گئے ہیں' آپ کے گھر پہنچے' اور کہا خدا تم پر رحم کرے تم نے ہمیں چھوڑ کیوں دیا۔ آپ نے جواب دیا میرے پاس چادر نہیں تھی اس لیے میں نہ آ سکا' اسیر بن جابر کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے اپنی چادر ان کو دے دی' انہوں نے واپس کر دی۔ میں نے اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ اگر میں چادر لے کر اوڑھ لوں اور میرے ہم قوم مجھے دیکھ لیں تو کہیں گے اس ریا کار کو دیکھو ایک آدمی کے ساتھ لگ گیا' اور دھوکا دے کر اس کی چادر لے لی' لیکن میں نے اصرار کر کے چادر انہیں دے دی اور کہا ہمارے ساتھ چلو دیکھو وہ لوگ کیا کہتے ہیں چنانچہ وہ چادر اوڑھ کر ہمارے ساتھ ہو لیے' جیسے ہی ایک مجمع کے سامنے سے گزرے' مجمع نے کہا ذرا اس ریا کار کو دیکھو' ایک شخص کے ساتھ چمٹا رہا' اور دھوکا دے کر اس کی چادر لے لی' یہ الفاظ سن کر میں نے ان لوگوں سے کہا تم کو شرم نہیں آتی' خدا کی قسم میں نے جب انہیں چادر دینا چاہی' تو انہوں نے انکار کر دیا تھا[3] غرض وہ اپنی ظاہری حالت کی وجہ سے ہر قسم کے تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنتے تھے' اور اس کو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے اور اسی عالم میں مست رہتے۔

شہرت سے اجتناب:

آپ فنا کے اس درجہ پر تھے' جہاں شہرت' نمود اور اہل دنیا سے اختلاط کی کوئی گنجائش نہیں' اس لیے شہرت اور ناموری سے بہت بھاگتے تھے[4] حضرت عمر نے چاہا کہ والی کوفہ کے نام خط لکھ کر آپ کا تعارف کر کے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کر

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۴۴۔ [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۵۔ [3] ایضاً ص ۴۰۴۔ [4] ایضاً ۴۰۷۔

marfat.com

دیں مگر آپ نے منظور نہ کیا' اور جواب دیا کہ میں زمرۂ عوام میں رہنا پسند کرتا ہوں[1]
لوگوں کے ساتھ ملنے جلنے سے بہت گھبراتے تھے لیکن آپ کی عزلت پسندی زیادہ دنوں قائم نہ رہ سکی' آپ کی شمیم روحانیت نے خلق اللہ کو خود اپنی طرف متوجہ کرلیا' اور لوگوں کا رجحان آپ کی طرف بڑھنے لگا' اسیر بن جابر بیان کرتے ہیں کہ میرے ایک ساتھی مجھے اویس کے پاس لے گئے۔ وہ دو رکعت نماز تمام کرنے کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے' اور فرمایا' آپ لوگوں کا بھی میرے ساتھ عجیب معاملہ ہے' آپ لوگ میرے پیچھے پیچھے کیوں چلتے ہیں' میں ایک ضعیف انسان ہوں' میری بہت سی ضروریات ہیں' جنھیں میں آپ کی وجہ سے پوری نہیں کرسکتا' آپ لوگ ایسا نہ کیجئے' خدا آپ پر رحم کرے' اگر کسی کو مجھ سے کوئی ضرورت ہو تو وہ عشاء کے وقت مل لیا کرے' اس مجلس میں تین قسم کے لوگ آتے ہیں' سمجھ دار مومن' بے سمجھ مومن اور منافق' ان تینوں کی مثال درخت اور بارش کی سی ہے' اگر سرسبز و شاداب اور پھل دار درخت پر پانی برستا ہے تو اس کی تروتازگی و شادابی اور حسن و خوبصورتی میں زیادہ اضافہ ہوتا ہے' اور اگر شاداب مگر بے پھل والے درخت پر برستا ہے تو اس کے پتوں میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے اور وہ پھل دینے لگتا ہے اور اگر خشک گھاس اور کمزور شاخ پر برستا ہے تو اسے توڑ پھوڑ ڈالتا ہے۔ یہ مثال دے کر یہ آیت پڑھی:

﴿ وننزل من القران ما هو شفاء للناس ورحمة للمؤمنين ولا يزيد الظلمين الا خسارا ﴾[2]

امر بالمعروف:

لیکن اس عزلت پسندی اور تنہا نشینی کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے کبھی غافل نہ رہے' اور اس کی ادائیگی میں لوگ ان کے دشمن ہو جاتے تھے۔

ابو الاحوص روایت کرتے ہیں کہ میرے ایک ساتھی کا بیان ہے' کہ قبیلہ مراد کا ایک شخص اویس کے پاس گیا' اور سلام کے بعد پوچھا کہ اویس تمہارا کیا حال ہے؟ فرمایا: ''الحمد اللہ'' پھر پوچھا زمانہ کا تمہارے ساتھ کیا طرز عمل ہے؟ فرمایا یہ سوال اس

---

[1] مسلم کتاب الفضائل فضائل اویس قرنی۔ [2] اصابہ ج اول ص ۱۲۰۔

marfat.com

شخص سے کرتے ہو، جس کو شام کے بعد صبح ملنے کا یقین نہیں اور صبح کو شام کے ملنے کی امید نہیں، میرے مرادی بھائی! موت نے کسی شخص کے لیے خوشی کا محل باقی ہی نہیں رکھا، مرادی بھائی خدا کے عرفان میں مومن کے فرض کی ادائیگی کے لیے چاندی سونے کی کوئی قیمت باقی نہیں رکھی۔ مرادی بھائی خدا کے کاموں میں مومن کے فرض کی ادائیگی نے ان کا کوئی دوست باقی نہیں چھوڑا ہے۔ خدا کی قسم چونکہ ہم لوگ لوگوں کو اچھے کاموں کی تلقین کرتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں اس لیے انہوں نے ہم کو اپنا دشمن سمجھ لیا ہے اور اس میں ان کو فاسق مددگار مل گئے ہیں، جو ہم پر تہمتیں رکھتے ہیں۔ لیکن خدا کی قسم ان کا یہ رویہ مجھ کو حق بات کہنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔[1]

شرف جہاد:

اگرچہ آپ گمنامی کی خاطر گوشہ عزلت سے بہت کم قدم نکالتے تھے لیکن جہاد کے شرف کے حصول کے لیے کبھی کبھی وہ گوشہ عزلت کو چھوڑتے تھے۔ اگرچہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح نہیں، لیکن قیاس بلکہ یقین یہ ہے کہ حضرت عمرؓ سے آپ یمن کی جس امداد میں ملاقات ہوئی تھی وہ یقیناً جنگی سلسلہ میں آئی ہوگی۔ اس کے علاوہ اصابہ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ آذربائیجان کے معرکہ میں شریک تھے۔[2]

ماں کی خدمت:

دنیاوی تعلقات میں اویس کی لے دے کر ایک تنہا ماں تھیں۔ ان کی خدمت کو سب سے بڑی سعادت اور عبادت سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب تک وہ زندہ رہیں ان کی تنہائی کے خیال سے حج نہیں کیا۔ اور ان ہی کی وجہ سے وہ جمال نبوی کے دیدار سے محروم رہے۔[3] ان کی وفات کے بعد فریضہ حج ادا کرنے کا موقع ملا۔ لیکن ان کے پاس کیا تھا۔ چند لوگوں نے سامان سفر پیش کیا۔ اس وقت وہ فریضہ حج سے فارغ ہو سکے۔[4]

بعض اقوال:

فرماتے تھے خدا کے کاموں میں ایسے رہو گویا تم نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۶۔ [2] اصابہ ج اول ص ۱۲۰۔

[3] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۷۔ [4] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۵۔

marfat.com

ہے[1] لوگوں کے لیے غائبانہ دعا کرنا ان کی ملاقات سے بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں کبھی نمائش اور ریاء پیدا ہو جاتا ہے[2]

بعض خاص فضائل:

تابعین میں اویس کے بعض فضائل ایسے ہیں جو مخصوص ان کے طغرائے امتیاز ہیں اور ان کے علاوہ کسی کے حصہ میں نہیں آئے' آپ کی دستار فضیلت کا سب سے نمایاں طرہ سرکار رسالت کا عطا کردہ ''خیر التابعین'' کا لقب ہے' عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ میری امت کے ایک شخص کی شفاعت سے بنی تمیم کی بڑی تعداد جنت میں داخل ہوگی' حسن کے نزدیک اس سے مراد اویس قرنی ہیں[3]

اویس کی شخصیت میں شک کے اسباب:

یہ عجیب حیرت انگیز امر ہے کہ ''خیر التابعین'' کے ان فضائل ومناقب اور اخلاقی وروحانی کمالات کے باوجود بعض ایسی روایتیں بھی ملتی ہیں جن سے ان کا وجود مشتبہ ہو جاتا ہے کہ اویس نام ان اوصاف کے کوئی تابعی تھے بھی یا نہیں' مثلاً ابن عدی کا یہ بیان کہ امام مالکؒ ان کے وجود کے منکر تھے' یا سمعانی کی یہ روایت کہ ابن حبان کا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب ان کے وجود کے منکر تھے' یا سمعانی کی یہ روایت کہ ابن حبان کا بیان ہے کہ بخاری کے نزدیک ان کے اسناد محل نظر ہیں۔

لیکن دوسرے علماء ومحدثین اور کتب احادیث وطبقات کے ان کثیر بیانات کے مقابلہ میں جن کے بعد خیر التابعین کی شخصیت میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی' ان چند کمزور روایتوں کی کوئی حیثیت نہیں' اس سلسلہ میں چند امور قابل غور ہیں' ایک یہ کہ جن روایات سے اویس قرنی کا وجود مشتبہ معلوم ہوتا ہے ان کی روایتی حیثیت کیا ہے؟ پھر ان کی صحت کی صورت میں ان سے اویس کے عدم وجود کا نتیجہ نکالنا کہاں تک صحیح ہے' اور ان کے مقابلہ میں دوسرے علماء اور کتب احادیث وطبقات کی شہادت کیا ہے۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۰۵۔ [2] صفوۃ الصفوۃ ص ۲۳۷۔

[3] اصابہ ج اول ص ۱۹ بحوالہ دلائل بیہقی۔

marfat.com

روایتی حیثیت سے اس قسم کی روایتیں نا قابل اعتماد ہیں' حافظ ابن حجر اور سمعانی نے اگر چہ یہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن ان کی کوئی سند نہیں دی ہے۔ اس لیے محدثانہ اصول سے وہ ساقط الاعتبار اور نا قابل استناد ہیں۔

لیکن اگر انہیں صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی ان سے اویس قرنی کے نہ ہونے کا نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے' اس لیے کہ جن جن لوگوں نے ان کے وجود میں شک ظاہر کیا ہے' یا اس سے انکار کیا ہے وہ صرف اس بنا پر کہ انہوں نے اس عہد میں ان کا ذکر نہیں سنا' یا ان کے حالات ان کے علم میں نہیں آئے' لیکن ان میں سے ایک چیز بھی ان کے نہ ہونے کا ثبوت نہیں۔

اصولاً ہر زمانہ میں انہی اشخاص کے حالات کا لوگوں کو علم ہوتا ہے' جو کسی حیثیت سے نمایاں ہوتے ہیں' عزلت نشین اور خاموش اشخاص سے واقفیت نہیں ہوتی' خود صحابہ کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ہر صحابی سے اس عہد کے لوگ واقف تھے یا ان سب کے حالات لکھے گئے۔ عموماً انہی صحابہ کے حالات معلوم ہیں' جنہوں نے کوئی علمی یا عملی کام کیے یا سلسلۂ روایت میں کہیں ان کا نام آ گیا ہے' بعضوں کا صرف نام ہی معلوم ہے اور کسی حالات کا علم نہیں' ایسی حالت میں گمنام تابعین کا کیا ذکر۔

اس اصول کو پیش نظر رکھنے کے بعد اویس قرنی کے حالات پر نظر ڈالنی چاہیے جیسا کہ ان کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف عملی دنیا سے الگ تھلگ اور گوشہ نشین تھے' بلکہ اپنے اخفاء میں ان کو اتنا اہتمام تھا کہ اہل دنیا کی نگاہوں میں چھپتے پھرتے تھے اور اس لیے انہوں نے محدث اور مفتی بننا گوارا نہ کیا کہ اس صورت میں وہ مرکز توجہ ہو جاتے' انہوں نے اپنی زندگی ایسی بنائی تھی کہ بعض خواص کے علاوہ خود ان کے اہل وطن تک ان سے واقف نہ تھے' اور جو لوگ جانتے بھی تھے وہ محض ایک وارفتہ مزاج سودائی کی حیثیت سے' ایسی حالت میں' اس عہد کے بعض علماء کا ان سے واقف نہ ہونا کوئی تعجب انگیز نہیں کہ علماء کی واقفیت کے لیے علمی اور عملی امتیاز ضروری تھا۔

لیکن بہر حال ان کی شخصیت چھپنے والی نہ تھی' اس لیے بہت سے خواص پر ان کی حقیقت آشکار ہوگئی جس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں' پھر جب ہم کتب احادیث و

marfat.com

طبقات پر نظر ڈالتے ہیں تو صحیح مسلم تک میں ان کے مستقل فضائل ملتے ہیں' بلکہ حدیث کی کتابوں میں ان کے حالات طبقات ورجال سے زیادہ ہیں' حدیث کی حسب ذیل کتابوں میں ان کے حالات ہیں یا کسی نہ کسی حیثیت سے ان کا ذکر آیا ہے:

❶ مسند احمد بن حنبل۔ ❷ صحیح مسلم۔ ❸ دلائل بیہقی۔ ❹ حلیۃ الاولیاء ابونعیم۔
❺ مسند ابویعلی ❻ مسند ابوعوانہ ❼ مستدرک حاکم وغیرہ۔

ان میں سے اکثروں کے حوالے حافظ ابن حجر نے اصابہ میں دیئے ہیں' ممکن ہے ان کے علاوہ بعض اور کتابوں میں بھی ان کے حالات ہوں۔ طبقات ورجال کی کتابوں میں ان کا ذکر کم ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان میں عموماً انہی لوگوں کے تفصیلی حالات ہیں جن کا تعلق علمی یا عملی دنیا سے رہا ہے' اس کے باوجود طبقات ابن سعد' اصابہ' اسد الغابہ' حلیۃ الاولیاء' ابن عساکر' تہذیب' میزان الاعتدال' لسان المیزان وغیرہ قریب قریب تمام متداول کتابوں میں ان کے حالات موجود ہیں' پھر جن علماء نے ان کے وجود سے انکار کی روایتیں نقل کی ہیں انہیں خود ان پر اعتماد نہیں ہے' اور وہ اویس قرنی کی شخصیت کو مانتے ہیں' چنانچہ حافظ ابن حجر امام مالک کے انکار کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان کی (اویس قرنی) شہرت اور ان کے حالات اتنے ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے وجود میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں[1] ان بیانات کے بعد اویس قرنی کی شخصیت میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا۔ تذکروں میں ان کے حالات بہت ملتے ہیں' لیکن ان میں ہر قسم کی رطب ویابس روایتیں ہیں' اس لیے ہم نے تذکرۃ الاولیاء کے ایک دو بیانوں کے علاوہ انہیں ہاتھ نہیں لگایا ہے۔

---

[1] اصابہ ج اص ۱۱۸۔

marfat.com

۸- ایاس بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ایاس نام' ابو واثلہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے' ایاس بن معاویہ بن قرہ بن ایاس بن ہلال بن رئاب بن عبیدہ بن سواۃ بن ساریہ بن ذبیان بن ثعلبہ بن سلیم بن اوس بن مزینہ مزنی۔

فضل وکمال:

ایاس اس عہد کے مشہور قضاۃ میں تھے۔

حدیث:

حدیث میں ان کا کوئی قابل ذکر پایہ نہ تھا' تاہم اس سے بالکل تہی دامن بھی نہ تھے۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ احادیث[1] میں انہوں نے اپنے والد معاویہ' انس بن مالک' سعید بن مسیب' سعید بن جبیر اور ابی مجلز وغیرہ سے خوشہ چینی کی تھی' اور ایوب' داؤد بن ابی ہند' حمید الطویل' حماد' شعبان' شعبہ اور معاویہ بن عبدالکریم وغیرہ ان کے تلامذہ میں ہیں۔[2]

فقہ:

فقہ ان کا خاص فن تھا' اس میں وہ امتیازی درجہ رکھتے تھے' عجلی ان کو فقیہ لکھتے[3]

عہدۂ قضا:

اپنے فقہی کمال کی وجہ سے وہ اموی دور میں بصرہ کے عہدہ قضا پر مامور ہوئے' ان کے تقرر کے وقت حضرت حسن بصریؒ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ انہیں دیکھ کر ایاس رونے لگے[4]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۵۔ [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۰۔

[3] ایضاً۔ [4] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۵۔

marfat.com

فہم وفراست:

ایاس کو فہم وفراست سے غیر معمولی حصہ ملا تھا' اور وہ عقل ودانش کا پیکر تھے' ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان عاقلا من الرجال فطنا ''[1] ابن سیرین کے سامنے جب ان کا ذکر آتا تو کہتے تھے' وہ مجسم فہم ہیں[2] ان کے عہد کے لوگ کہتے تھے کہ ہر صدی میں ایک بڑا عاقل پیدا ہوتا ہے۔ اور اس صدی کے عاقل ایاس ہیں'[3] ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذکاوت اور فطانت ضرب المثل تھی' ابوتمام کا ایک شعر ہے[4]

اقدام عمرو فی شجاعة عنتر — فی حلم احنف فی ذکاء ایاس

ذہانت وذکاوت کے بعض واقعات:

قضا میں مہارت بڑی حد تک ذہانت اور ذکاوت پر منحصر ہے' اس لیے ایاس اس عہد کے ممتاز ترین قضاۃ میں تھے' اس موقع پر ان کی ذہانت کے بعض واقعات نقل کیے جاتے ہیں۔

ایک مرتبہ کسی مقدمہ کے سلسلہ میں چار عورتیں ان کی عدالت میں آئیں' انہوں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ ان میں سے ایک حاملہ ہے' ایک دودھ پلاتی ہے' اور ایک شادی شدہ ہے اور ایک کنواری' لوگوں نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا ان کا قیاس صحیح تھا' ان سے پوچھا گیا آپ کو اس کا کیسے اندازہ ہوگیا؟ انہوں نے کہا حاملہ جس وقت گفتگو کر رہی تھی تو اس کا کپڑا پیٹ سے اٹھ جاتا تھا۔ اس سے میں نے جانا کہ وہ حاملہ ہے' اور دودھ پلانے والی کی چھاتیاں ہلتی تھیں اس لیے میں قیاس کیا کہ دودھ پلاتی ہے' شادی شدہ آنکھیں ڈال کر باتیں کرتی تھی۔ یہ اس کے شادی شدہ ہونے کا ثبوت تھا اور باکرہ آنکھیں نیچی کر کے باتیں کرتی تھیں[5]

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کے پاس کچھ مال امانت رکھوایا تھا' جب اس نے واپس مانگا تو امانت دار نے انکار کردیا۔ مال کے مالک نے ایاس کی عدالت میں دعویٰ کیا' انہوں نے کہا اس وقت لوٹ جاؤ اس واقعہ کو پوشیدہ رکھنا' اس شخص کو یہ نہ معلوم ہونے پائے کہ تم میرے پاس آئے تھے' دو دن کے بعد پھر آنا' اس کو لوٹا کر

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۹۔ [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۰۔ [3] تہذیب التہذیب جلد اول ص ۳۹۰۔ [4] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۶۰۔ [5] الطرق الحکمیہ ابن قیم جوزی ص ۲۵'۲۶۔

marfat.com

ایاس نے امانت دار کو بلوایا۔ اور اس سے کہا کہ میرے پاس بہت سا مال آ گیا ہے' میں اس کو تمہارے پاس رکھوانا چاہتا ہوں تمہارا گھر محفوظ ہے؟ اس نے کہا ہاں' ایاس نے کہا تو مال رکھنے کے لیے کوئی جگہ منتخب کرلو' اور دو باربر لے کر آ ؤ' اس گفتگو کے بعد ایاس نے مال کے مالکوں کو بلوا کر کہا کہ اب جا کر تم اس شخص سے اپنا مال مانگو اگر دے دے تو فبہا ورنہ اس سے کہنا کہ میں جا کر قاضی کو اطلاع دے دوں گا' اس شخص نے جا کر کہا کہ میرا مال دو' ورنہ میں قاضی کو جا کر اطلاع دیتا ہوں۔ یہ سن کر اس نے کل روپیہ واپس کر دیا' اور صاحب مال نے آ کر قاضی ایاس کو اطلاع دے دی کہ میرا مال مجھ کو مل گیا' اس کے بعد سابق قرار داد کے مطابق وہ شخص ایاس کے پاس روپے لینے کے لیے آیا' انہوں نے اس کو ڈانٹ کر نکال دیا[1]

قضاۃ سے واقفیت:

کسی شعبہ اور صنف کے اشخاص کا اس شعبہ کے متعلق ایک کمال یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ہم پیشہ اشخاص کی خصوصیات پر پوری نظر رکھے ہوں' ایاس اس عہد کے تمام مفتیوں اور قضاۃ کے محاسن معائب اور خصوصیات سے پوری طور سے واقف تھے' حبیب بن شہید کا بیان ہے کہ ایک شخص ایاس کے پاس ایک مقدمہ میں مشورہ کے لیے آیا کہ وہ اس میں کس کی طرف رجوع کرے' انہوں نے کہا اگر تم اس کا صحیح فیصلہ چاہتے ہو تو عبدالملک بن یعلی کے پاس جاؤ' وہ صحیح معنوں میں قاضی ہیں' اور اگر محض فتویٰ لینا ہے تو حسن بصری کے پاس جاؤ' وہ میرے اور میرے باپ کے استاد ہیں' اور اگر صلح مقصود ہے تو حمید الطویل کی طرف رجوع کرو وہ اس طریقہ سے صلح کرا دیں گے' کہ تم سے کہیں گے کہ تم اپنے حق کا کچھ حصہ لے لو اور کچھ چھوڑ دو اور اگر مقدمہ بازی کرنا ہے تو صالح الدوسی کے پاس جاؤ' وہ تم کو رائے دیں گے کہ دوسرے کے حق سے بالکل انکار کر دو۔ اپنے حق سے زیادہ کا مطالبہ کرو اور جو لوگ موجود نہیں ہیں ان کو گواہ بناؤ[2]

---

[1] الطرق الحکمیہ ابن قیم جوزی ۲۵۔ [2] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۰۔

marfat.com

صحت عقائد اور مبتدعین سے مناظرہ:

ایاس بایں ہمہ ذہانت عقائد میں جدت' اختراع اور موشگافیوں کو سخت ناپسند کرتے تھے اور ان کی ذہانت اس کی تردید میں صرف ہوتی تھی' وہ مبتدین خصوصاً قدریوں سے مناظرہ کیا کرتے تھے' قدریہ کا عقیدہ ہے کہ خدا عادل ہے' یہاں تک تو بالکل صحیح ہے لیکن اس اصول کے نتیجہ میں وہ ان افعال کو جو بظاہر ظلم معلوم ہوتے ہیں' خدا کی طرف منسوب نہیں کرتے اور اس میں یہاں تک شدت برتتے ہیں کہ خدا کی قدرت مسلوب ہو جاتی ہے۔ ایک مرتبہ ان میں اور قدریوں میں مناظرہ ہوا۔ انہوں نے قدریہ سے پوچھا ظلم کسے کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا کسی کا ایسی چیز کو لے لینا جو اس کی نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ خدا کی تو تمام چیزیں ہیں۔ یعنی جب وہ تمام چیزوں کا مالک ہوا تو پھر اس کے فعل پر ظلم کا اطلاق صحیح نہیں ہے[1]

بعض اقوال:

ان کے بعض اقوال نہایت دلچسپ ہیں' کہتے تھے کہ ''جس میں کوئی عیب نہیں وہ احمق ہے'' کسی نے پوچھا آپ میں کیا عیب ہے؟ کہا فضول گوئی[2] کہتے تھے کہ میں نے انسان کی تمام فضیلتوں کو آزمایا ان سب میں اشرف زبان کی سچائی ہے[3]

وفات:

۱۲۲ھ میں وفات پائی[4]

---

[1] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۱۔ [2] ابن سعد ج ۷' ق ۲ ص ۵۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۳۹۱۔ [4] ایضاً ص ۳۹۰۔

marfat.com

۹- ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ایوب نام' ابوبکر کنیت اور والد کا نام کیسان تھا' لیکن وہ کنیت سے زیادہ مشہور ہیں' ایوب قبیلہ عنزہ کی غلامی میں تھے۔

فضل وکمال:

ایوب اگرچہ غلام تھے' لیکن اقلیم علم وعمل کے تاجدار تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقة ثبتا فی الحدیث جامعا عدلا ورعا کثیر العلم حجة "[۱] امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت' ان کی امامت' ان کے حفظ' ان کی توثیق' ان کے وفور علم' ان کی فہم اور ان کی سربلندی پر سب کا اتفاق ہے۔[۲] ابن عماد حنبلی کوان علمائے علام میں لکھتے ہیں۔[۳]

اکابر علماء کا اعتراف:

ان کے عہد کے تمام اکابر علماء ان کے علمی اور اخلاقی کمالات کے معترف اور ان کی جلالت شان پر متفق ہیں' شعبہ ان کو سید العلماء کے لقب سے ملقب کرتے تھے۔ ابن عیینہ کہتے تھے کہ میں چھیاسی تابعین سے ملا' مگر ان میں سے کسی کو ایوب کے مثل نہ پایا۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ انہیں جن جن محدثین اور علماء کے پاس بیٹھنے کا اتفاق ہوا' ایوب ان سب سے افضل اور پابند سنت تھے' ایوب جہبذ العلماء کہلاتے تھے' ہشام بن عروہ کہتے تھے کہ بصرہ میں ایوب کا مثل نہ تھا۔ حضرت حسن بصری ان کو نوجوانان بصرہ کا سردار کہتے تھے۔ ابن عون کہتے تھے کہ ابن سیرین کی موت کے بعد ہم لوگوں کے سامنے سوال پیدا ہوا کہ اب کون باقی رہ گیا؟ لیکن پھر خود ہی جواب مل گیا کہ ایوب موجود ہیں۔[۴]

---

[۱] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۴۔ [۲] تہذیب الاسماء' ج اول ق اول ص ۱۳۱۔ [۳] شذرات الذہب ج اول ص ۱۸۰۔ [۴] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۳۲ وتذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱۔

marfat.com

حدیث:

بصرہ کے ممتاز ترین حفاظ حدیث میں تھے' امام ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ حافظ اور اعلام تھے [1] حدیث میں انہوں نے بڑے بڑے تابعین سے فیض پایا تھا' عمر بن سلمہ جرمی' ابو رجاء عطاردی' ابوعثمان نہدی' ابو الشعثاء' جابر بن زید' حسن بصری' ابن سیرین' سالم بن عبداللہ' نافع' ابن ابی ملیکہ' ابن منکدر' حمید بن ہلال' ابوقلابہ جرمی' قاسم بن محمد' عبدالرحمن بن قاسم' عکرمہ اور عطاء وغیرہ جیسے اکابر علماء سے سماع حدیث کیا تھا' حدیث میں ان کی وسعت علم کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی مرویات کی تعداد آٹھ سو اور بعض روایات کے مطابق دو ہزار تک پہنچتی ہے۔ [2]

امام مالک' سفیان ثوری' ابن عیینہ' ابن ابی عروبہ' معمر' اعمش' قتادہ اور شعبہ وغیرہ جیسے اکابر ائمہ آپ کے خوشہ چینوں میں تھے۔

ارباب فن میں آپ کی مرویات کا پایہ:

کیفیت کے اعتبار سے ان کی روایات کا جو پایہ تھا' اس کا اندازہ ذیل کی رایوں سے ہوگا۔ ابو حاتم کا ان کی روایات کے متعلق خیال تھا کہ ان کے جیسے شخص کے متعلق پوچھنے کچھنے کی ضرورت نہیں۔ ابن سیرین ان کو ثبت کہتے تھے۔ مسلم بن اکیس کا بیان ہے کہ میں نے ابن سیرین سے پوچھا کہ آپ سے فلاں فلاں حدیث کس نے بیان کی' انہوں نے جواب دیا ثبت ثبت ایوب نے [3] ابن مدائنی' نسائی اور ابن خیثمہ وغیرہ سب ان کی روایات کو اعلیٰ درجہ کی سمجھتے تھے [4] شعبہ ان کی ان روایات کو جن میں انہیں خود کچھ شک ہوتا' دوسروں کی یقینی اور غیر مشتبہ روایات پر ترجیح دیتے تھے' ایک مرتبہ انہوں نے ان سے ایک حدیث پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا مجھے اس میں شک ہے' شعبہ نے کہا آپ کا شک مجھے دوسروں کے یقین سے زیادہ پسند ہے۔ [5]

فقہ:

فقہ میں بھی پورا کمال حاصل تھا' شعبہ انہیں سید الفقہاء کہتے تھے' لیکن انتہائی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۳۱۔ [2] تہذیب التہذیب اص ۳۹۷' ۳۹۸' تہذیب الاسماء ج اق اص ۱۳۲۔
[3] تہذیب التہذیب حوالہ مذکور۔ [4] تہذیب الاسماء ج اق اول ص ۱۳۱' ۱۳۲۔
[5] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۸۔

marfat.com

احتیاط کی وجہ سے ان کے کمالات فقہی ظاہر نہ ہو سکے۔[1]

احتیاط:

ان محدثانہ اور فقہی کمالات کے باوجود وہ حدیث بیان کرنے اور فقہی مسائل بتانے میں بڑے محتاط تھے' حماد بن یزید بیان کرتے ہیں کہ ایوب اور یونس سے زیادہ میں نے سوالات کے جوابات میں لاعلمی ظاہر کرنے والا نہیں دیکھا' جواب بھی دیتے تھے تو جواب دینے سے پہلے سائل کے حافظہ کا امتحان کر لیتے تھے' کہ وہ ان کے جواب کو غلط نقل نہ کرے' حماد بن یزید بیان کرتے ہیں' کہ جب کوئی شخص ایوب سے کسی چیز کے متعلق پوچھتا تھا' تو پہلے اس کا سوال دہراتے تھے' اگر وہ بعینہ پہلی مرتبہ کی طرح دہرا دیتا تو جواب دیتے' اور اگر ذرا بھی تغیر وتبدل اور خلط ملط کرتا تو جواب نہ دیتے اور جواب میں اپنی رائے کو دخل نہ دیتے تھے' بلکہ صرف احادیث وسنن کا حکم بتا دیتے اور اگر کوئی سند نہ ہوتی تو لاعلمی ظاہر کر دیتے' ایک مرتبہ ایک شخص نے کسی چیز کے متعلق سوال کیا' جواب دیا مجھے کوئی علم نہیں' سائل نے کہا اپنی رائے سے بتائیے' فرمایا میری رائے بھی کوئی نہیں ہے۔[2]

رائے کو وہ ایک باطل شے سمجھتے تھے' کسی نے ان سے کہا' آپ مسائل میں رائے کیوں نہیں دیتے' آپ نے یہ تمثیلی جواب دیا کہ کسی نے گدھے سے کہا تم جگالی کیوں نہیں کرتے' اس نے کہا باطل شے کا چبانا پسند نہیں کرتا۔[3]

پندار علم کا خوف اور اس سے احتراز:

انسان کسی مرتبہ اور درجہ پر پہنچ کر مشکل ہی سے عجب وغرور سے بچ سکتا ہے۔ اس لیے ایوب ہمیشہ اس سے خائف رہتے تھے' اور کہا کرتے تھے کہ کون انسان اس سے محفوظ رہ سکتا ہے جب کہ ایک شخص حدیث بیان کرتا ہے اور اس کی بنا پر قوم کے دل میں وہ ایک مقام حاصل کر لیتا ہے' اس وقت اس کے دل میں بعض چیزوں (عجب وغرور وغیرہ) کی آمیزش ہو جاتی ہے۔[4] لیکن ان کا دامن اس سے محفوظ تھا' علم کا ایک پندار بھی ہے کہ صاحب علم اپنی لاعلمی

---

[1] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۳۱۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۴۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۷۔ [4] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۴۔

marfat.com

دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دے۔ اوپر گزر چکا ہے کہ وہ بہتیرے سائلوں کو صاف جواب دیتے تھے کہ مجھے نہیں معلوم۔ بعض سائلوں سے کہہ دیتے کہ کسی دوسرے صاحب علم سے پوچھ لو[1]

اہل عزت:

اہل علم کی بڑی عزت و محبت کرتے تھے۔ خواہ کیسے ہی معمولی حالت میں کیوں نہ ہو اس کی وقعت میں فرق نہ آتا تھا' ربیع بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایوب سختیانی کا ہم سفر تھا' ابطح میں ایک لحیم شحیم شخص سے جس کے جسم پر نہایت موٹا لباس تھا ملاقات ہوئی' وہ ایوب کو پوچھ رہا تھا' میں نے ان کو اطلاع دی کہ ایک شخص آپ کو تلاش کر رہا ہے۔ جیسے ہی ایوب نے اس شخص کو دیکھا دوڑ کر گلے لپٹ گئے۔ لوگوں نے پوچھا یہ کون شخص ہے۔ معلوم ہوا سالم بن عبداللہ ہیں۔[2]

زہد و عبادت:

ایوب میں جس درجہ کا علم تھا' اس سے کچھ بڑھ کر زہد و تقویٰ تھا۔ امام مالک کا بیان ہے کہ وہ علمائے باعمل صاحب خشوع بڑے عبادت گزار اور اخیار لوگوں میں تھے[3] چالیس مرتبہ حج کے شرف سے مشرف ہوئے[4]

عبادت کا اخفا:

لیکن ہمیشہ عبادت و ریاضت کو چھپاتے تھے' فرماتے تھے کہ آدمی کے لیے اپنے زہد کا چھپانا ظاہر کرنے سے بہتر ہے۔[5] ساری ساری رات عبادت کرتے تھے' لیکن لوگوں سے چھپانے کے لیے صبح کو اس طرح آواز بلند کرتے کہ سننے والوں کو معلوم ہو کہ ابھی سو کر اٹھے ہیں[6]

ذات نبوی ﷺ سے عقیدت و محبت:

ذات نبوی ﷺ کے ساتھ والہانہ شیفتگی تھی۔ حدیث نبوی ﷺ سن کر ایسا زار و قطار روتے کہ دیکھنے والوں کو رحم آ جاتا،[7] امام مالک کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ

---

1. ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۴۔ 2. ایضاً ص ۱۵۔ 3. تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۹۸۔
4. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۷۔ 5. ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۔
6. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۷۔ 7. تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۲۷۔

marfat.com

کے ساتھ ان کے اجلال کو دیکھ کر ان سے حدیثیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔[1]

اتباع رسول ﷺ:

اس عقیدت و محبت کا ایک نتیجہ اتباع سنت میں اہتمام تھا۔ حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ جن جن لوگوں کے پاس میں بیٹھا ان سب میں زیادہ افضل اور متبع سنت ایوب کو پایا۔[2]

شہرت سے نفرت اور اہل دنیا سے اجتناب:

ان اوصاف اور کمالات کی وجہ سے ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی تھی لیکن دنیا' اہل دنیا اور شہرت و نمود سے دور بھاگتے تھے' عام مجمعوں اور لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لیے راستہ چلنے میں عام مالوف راستوں کو چھوڑ کر نامانوس اور دور دراز راستہ اختیار کرتے' حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ راہ چلنے میں ایوب مجھے دور کے راستوں سے لے جاتے۔ میں ان کو قریب کا راستہ بتاتا تو کہتے میں ان مجالس سے بچنا چاہتا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں حماد بیان کرتے ہیں کہ ایوب مجھے ایسے راستوں سے لے جاتے کہ ان کی تلاش پر تعجب ہوتا اور محض لوگوں کی نگاہ سے بچنے کے لیے لیکن جب کسی کا سامنا ہو جاتا' تو خود سلام میں پیش قدمی کرتے' ان کی شخصیت کی وجہ سے لوگ ان کے سلام کے جواب میں بہت کچھ اضافہ کرتے' ان کو یہ امتیاز بھی گوارا نہ تھا۔ چنانچہ ان کے جوابات سن کر فرماتے' خدایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ میری خواہش نہیں ہے' خدایا تو خوب جانتا ہے کہ یہ میری خواہش نہیں ہے۔

لوگوں کی نظر بچانے کے لیے اکثر دوسرے کو ساتھ چلنے کی اجازت نہ دیتے' شعبہ بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات میں اپنی ضرورت سے ان کے ساتھ جانا چاہتا تو وہ مجھے اجازت نہ دیتے اور گھر سے نکل کر مختلف گلیوں میں ادھر ادھر نکل جاتے تاکہ لوگ انہیں جاننے نہ پائیں۔[3]

اس غرض کے لیے اپنے طبقہ کی مالوف وضع چھوڑ دی تھی کہ لوگوں کی نظر نہ پڑنے پائے۔ اس زمانہ کے عابدوں اور زاہدوں کے پیراہن کا دامن چڑھا رہتا تھا' اور یہ ان کا امتیازی نشان تھا اس لیے وہ اپنے پیراہن کا دامن لٹکاتے تھے' معبد بیان کرتے ہیں

---

[1] تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۳۹۷۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۳۲۔
[3] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۵' ۱۶۔

marfat.com

کہ میں نے ایوب کی قمیص کا دامن لٹکتا ہوا دیکھ کر ان پر اعتراض کیا' انہوں نے کہا' ابوعروہ اگلے زمانہ میں دامن لٹکا کر چلنے میں شہرت تھی' اور اب سمیٹ کر چلنے میں ہے۔[1]

ارباب دول وثروت سے گریز:

ارباب دول سے ملنے میں بہت گریز کرتے تھے' اور اپنے گھر میں خلفاء و سلاطین کے آنے کے روادار نہ تھے' فرماتے تھے کہ مجھے اپنا لڑکا بکر دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے لیکن مجھ کو اسے دفن کر دینا پسند ہے' لیکن خلفاء کا پاس آنا پسند نہیں۔

خوش خلقی:

اس سے یہ نہ قیاس کرنا چاہیے کہ وہ مردم بیزار اور کج خلق تھے' وہ صرف اپنے کو چھپانے کے لیے لوگوں کے میل جول سے بچتے تھے ورنہ طبعاً نہایت خوش خلق تھے۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ میں نے ایوب سے زیادہ کسی کو لوگوں سے تبسم اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے نہیں دیکھا۔ جب کوئی بیمار ہوتا' یا کسی کے یہاں موت ہو جاتی تو وہ عیادت اور تعزیت کے لیے ضرور جاتے اور یہ معلوم ہوتا کہ وہ شخص ان کی نگاہ میں سب سے زیادہ معزز اور محترم ہے ایسے موقعوں پر وہ معمولی معمولی درجہ کے آدمیوں کے یہاں بھی ضرور حاضری دیتے تھے' یعلی بن حکم نامی ایک غلام ان کا ہم محلّہ تھا۔ وہ مر گیا' اس کے صرف ایک ماں تھی' ایوب اس کے یہاں تین دن تک برابر گئے اور اس کے دروازے پر بیٹھتے تھے۔[2]

وفات:

۱۳۱ھ میں بصرہ میں طاعون کے مرض میں وفات پائی' ۶۳ سال کی عمر تھی۔ ایک سرخ چادر انہوں نے عرصہ سے کفن کے لیے مخصوص کر دی تھی اور ان کو وہ احرام کی حالت میں اور رمضان کی تیسویں شب کو اوڑھتے تھے۔ لیکن یہ چادر مرنے سے پہلے چوری ہو گئی تھی۔[3]

حلیہ:

سر پر پٹے تھے جو سال میں ایک مرتبہ (غالباً حج کے موقع پر) منڈوایا کرتے تھے' سر اور داڑھی دونوں کے بال سپید ہو گئے تھے ان میں کبھی کبھی سرخ خضاب کرتے تھے۔

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۵۔ [2] ایضاً ص ۱۶۔ [3] ایضاً۔

marfat.com

۱۰- بسر بن سعید رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

بسر نام، والد کا نام سعید تھا، حضرمیوں کے غلام تھے، مدینۃ الرسول میں بنی جدیلہ کے محلہ میں رہتے تھے۔ زہد و ورع کے اعتبار سے مدینہ کے ممتاز لوگوں میں تھے۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے ان کا شمار علمائے ربانیین میں تھا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

بسر بن سعید العالم الربانی المجاب الدعوۃ احد التابعین۔[1]

حدیث رسول کی معتد بہ تعداد ان کے حافظہ میں محفوظ تھی، ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقۃ کثیر الحدیث''[2] حدیث میں وہ حضرت سعد بن ابی وقاص، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر اور سعید بن زید جیسے اجلہ صحابہ سے فیض یاب ہوئے تھے، اور سالم ابوالنصر بکر بن الاشج، محمد بن ابراہیم، یعقوب بن اشج، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور یزید بن نصیفہ وغیرہ ان کے خوشہ چینوں میں تھے۔[3]

زہد و ورع:

ان کے دستار فضیلت کا نمایاں طرہ زہد و ورع تھا، ابن سعد لکھتے ہیں:

''کان بسر من العباد المنقطعین واھل الزھد فی الدنیا''[4] ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں:

''بسر بن سعید المدنی الزاھد العابد المجاب الدعوۃ''[5]

---

[1] دول الاسلام ذہبی ج اول ص ۵۱۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۰۸۔

[3] تہذیب التہذیب ج اول ص ۴۳۷۔ [4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۰۸۔

[5] شذرات الذہب ج اول ص ۱۱۸۔

marfat.com

حضرت عمر بن عبدالعزیز پر اثر:

ان کے زہد و ورع کے بڑے بڑے تقیاء اور صلحائے امت معترف تھے' حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے بزرگ انہیں تمام مدینہ سے افضل سمجھتے تھے' ایک مرتبہ ولید بن عبدالملک نے ان سے پوچھا کہ اہل مدینہ میں سب سے افضل کون ہے؟ فرمایا: ''بنی حضرمی کا غلام بسر''[1]

وفات:

۱۱۰ھ میں مدینۃ الرسول میں وفات پائی' انتقال کے وقت اٹھتر سال کی عمر تھی زہد کا یہ عالم تھا کہ مرتے وقت کفن تک نہ چھوڑا' اسی زمانہ میں عبدالملک کے لڑکے عبداللہ کا انتقال ہوا تھا۔ اس نے اسی مد سونا چھوڑا' حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس تفاوت راہ پر فرمایا کہ اگر دنوں کے جانے کی جگہ ایک ہوتی تو میں دنیا میں عبداللہ کی جیسی عیش و آرام کی زندگی پسند کرتا۔ اس میں تعریض پر عبداللہ کے بھائی مسلمہ نے کہا امیر المومنین آپ نے اپنے خاندان پر چوٹ کی' فرمایا میں صاحب فضل کی فضیلت کا ذکر نہیں چھوڑ سکتا[2]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۴۳۷۔

[2] ابن سعد ج ۷ ص ۲۰۸۔

marfat.com

۱۱- بکر بن عبداللہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

بکر نام' باپ کا نام عبداللہ تھا' نسبی تعلق قبیلہ مزینہ سے تھا۔

فضل وکمال:

بکر علمائے بصرہ میں تھے' اور ان کے علمی کمالات کی وجہ سے ''شیخ البصرہ'' حضرت حسن کے مقابلہ میں ان کا لقب ''فتی البصرہ'' تھا[1]

حدیث:

حدیث کے ممتاز حفاظ میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة ماموناً ثبتاً ماموناً كثير الحديث حجة''[2] صحابہ میں انہوں نے عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عباس اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اور تابعین میں ابو رافع' صائغ' ابوتمیمہ جہمی وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا۔ ثابت البنانی' سلیمان تیمی' قتادہ' غالب القطان' عاصم الاحول' سعید بن عبداللہ اور مطر الوراق ان تلامذہ میں ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے[3]

فقہ:

فقہ میں بھی درک تھا۔ علامہ ابن سعد ان کے حفظ حدیث کے ساتھ انہیں فقیہ بھی لکھتے ہیں[4]

عہدۂ قضاء کی پیش کش:

ان کے فقہی کمال کی بنا پر عہدۂ قضاء ان کے سامنے پیش کیا گیا مگر یہ اس کی

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۵۔ [2] ایضاً۔ [3] تہذیب التہذیب جلد اول صفحہ ۴۸۴۔

[4] ابن سعد جلد ۷ ق اول صفحہ ۱۵۲۔

marfat.com

ذمہ داریوں سے بہت گھبراتے تھے' اس لیے قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئے اور یہ معقول منطقی دلیل پیش کی کہ خدائے وحدہ لاشریک کی قسم مجھے قضا میں کوئی درک نہیں ہے۔ اگر میں سچ کہتا ہوں تو ظاہر ہے کہ اس عہدہ کا اہل نہیں اور اگر غلط کہتا ہوں تو جھوٹا شخص قاضی بنائے جانے کے لائق نہیں[1]

مبتدعانہ عقائد سے نفرت:

عقائد میں بکر صحابہ کرام کے صاف اور سادہ عقیدہ کے پابند تھے' عقلی موشگافیوں کو سخت ناپسند اور جدت طرازیوں سے سخت نفرت کرتے تھے' اس زمانہ میں قدر کا مسئلہ چھڑ چکا تھا' اگر بکر کبھی اس کا ذکر بھی سن لیتے تو اس کے کفارہ میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔[2]

فارغ البالی:

خدا نے بکر کو دنیاوی حیثیت سے بہت فارغ البال بنایا تھا۔ اور وہ تحدیث نعمت کے لیے امیرانہ اور عیش و راحت کی زندگی بسر کرتے تھے' اچھے لباس کے بڑے شائق تھے' چار چار ہزار تک کی قیمت کا لباس استعمال کرتے تھے' مزاج میں بڑی نفاست تھی' ایک مرتبہ چار سو کی ایک چادر خریدی' درزی نے لباس قطع کرنے کے لیے اس پر مٹی سے نشان لگانا چاہا' بکر نے روک دیا اور کافور پسوا کر اس سے نشان لگوایا۔[3]

فروتنی اور تواضع:

لیکن اس امارت میں عجب و غرور مطلق نہ تھا' بلکہ اس قیمتی ملبوس میں وہ بے تکلف غربا کے مجمعوں میں حدیث سنانے کے لیے چلے جاتے تھے۔[4]

بارگاہ ایزدی میں الحاح:

اس فراغت و اطمینان کی حالت میں بھی وہ اپنے کو خدا کی بارگاہ کا ایک گدائے بے نوا سمجھتے تھے' اور ہمیشہ اس کے فضل و کرم کے طالب رہا کرتے تھے' چنانچہ دعا کیا

---

[1] ابن سعد ج ۷ صفحہ ۱۵۳۔ [2] ایضاً ص ۱۵۲۔
[3] ایضاً ص ۱۵۲ و ۱۵۳۔ [4] ایضاً ص ۱۵۲۔

marfat.com

کرتے تھے' خدایا مجھے اپنے فضل و کرم سے رزق عطا فرما تا کہ میں اور زیادہ شکر گزار ہوں صرف تیری ہی احتیاج ہے' تیرے ماسوا سے استغنا ہے' خدایا نہ میری امیدیں اور آرزوئیں میرے اختیار میں ہیں' اور نہ پسندیدہ باتوں کا روکنا میرے بس میں ہے' میرے تمام معاملات کسی اور کے ہاتھ میں ہیں' دنیا میں کوئی محتاج مجھ سے زیادہ محتاج نہیں' یہ دعا کر کے فرماتے اے ابن آدم ایسی امید و آرزو نہ کر جو خدا کی نیرنگی سے بے خوف کر دے' اور نہ ایسا خوف و ہراس طاری کر جو خدا کی رحمت سے مایوس کر دے[1]

شرط رفاقت:

آپ کے بعض اصول ہر انسان کے لیے لائق عمل ہیں' شرط رفاقت کے سلسلہ میں فرماتے تھے کہ اگر تمہارے ساتھی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے اور تم اس کا انتظار نہ کرو کہ وہ اپنا تسمہ درست کر لے' یا پیشاب کے لیے بیٹھے اور تم اس کے فارغ ہونے کا انتظار نہ کرو' تو تم اس کے ساتھی نہیں ہو[2]

زیادہ باتیں مضر ہیں:

فرماتے تھے زیادہ باتیں نہ کیا کرو' اگر تم نے صحیح اور درست باتیں کیں تو اس کا کوئی اجر نہ ملے گا' اور غلط باتیں کیں تو تم سے ان کا مواخذہ ہوگا[3]

وفات:

۱۸۰ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔ مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جنازہ پر خلقت ٹوٹی پڑتی تھی[4]

---

[1] ابن سعد ص ۱۵۲۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۵۲۔
[3] ایضاً۔ [4] ایضاً ص ۱۵۳۔

marfat.com

۱۲- ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ثابت نام' ابو محمد کنیت' نسبا قریش کی شاخ بنی سعد سے اور بصرہ کے صاحب علم و عمل تابعین میں تھے۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے وہ بصرہ کے ممتاز علماء میں تھے' حافظ ذہبی انہیں امام و حجت اور ابن عماد حنبلی علم وفضل اور عبادت میں سادات تابعین میں لکھتے ہیں [۱]

حدیث:

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے خاص اصحاب میں تھے' ان کی صحبت نے ان کو بڑا حافظ حدیث بنا دیا تھا' ان کی مرویات کی تعداد علی ابن المدینی کے بیان کے مطابق ڈھائی سو تک پہنچتی ہے [۲] صحابہ میں انہوں نے انس بن مالک' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور غیر صحابہ میں عبداللہ بن معقل' عمرو بن ابوسلمہ' شعیب' عبداللہ بن رباح' عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ' مطرف بن عبداللہ' ابو رافع' صائغ سے سماع حدیث کیا تھا' [۳] حمید الطویل' شعبہ جریر بن ابی حازم' معمر' ہمام' ابوعوانہ' جعفر بن سلیمان' سلمان' مغیرہ' داؤد بن ابی ہند' عطاء بن ابی رباح' عبداللہ بن عبید وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں ہیں [۴]

زہدوورع:

ان کی شہرت ان کے علم سے زیادہ ان کے عمل اور زہد ورع اور عبادت و ریاضت کی وجہ سے ہے۔ صحابہ تک ان کے مذہب اور اخلاقی اوصاف کے معترف تھے

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۱ وشذرات الذہب ج اول ص ۱۶۱۔
[۲] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۔ [۳] ایضاً۔ [۴] ایضاً

marfat.com

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ ہر شے کی ایک کنجی ہوتی ہے، ثابت خیر کی کنجی ہیں[1] بکر بن عبداللہ کہتے تھے کہ جسے دنیا کا سب سے بڑا عابد دیکھنا ہو وہ ثابت کو دیکھ لے، میں نے ان سے بڑا عابد نہیں دیکھا[2]

سوز و گداز:

ان کا دل سوز و گداز کی آتش سوزاں تھا، گداز قلب سے ان کی آنکھیں ہر وقت اشک بار رہتی تھیں، اور اس بے قراری کے ساتھ روتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا پسلیاں الٹ جائیں گی۔ شدت گریہ سے آنکھیں خراب ہوگئی تھیں اور ان کے بے نور ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا، لوگوں نے اتنی اشک باری پر عرض معروض کیا تو فرمایا، آنکھوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ روتی رہیں اور علاج کرانے سے انکار کردیا[3]

عبادت و ریاضت:

ان کی زندگی کا سب سے محبوب مشغلہ عبادت تھا۔ فرماتے تھے کہ کسی شخص میں خواہ ساری دنیا کی بھلائیاں کیوں نہ ہوں لیکن جب تک وہ روزے نماز کا پابند نہیں، اس وقت تک وہ عابد نہیں ہوسکتا، جس مسجد کی طرف گزرتے تھے، اس میں نماز ضرور پڑھتے تھے، تہجد کی نماز میں یہ پر موعظت آیت:

﴿ واکفرت بالذی خلقک من تراب ثم من نطفة ﴾

''اے انسان! تو اس سے کفر کرتا ہے جس نے تجھ کو مٹی پھر نطفہ سے پیدا کیا''۔

بار بار تاثر کے ساتھ پڑھتے تھے، اور زار زار روتے تھے[4]

صائم الدہر تھے، کبھی روزہ سے ناغہ نہ ہوتا تھا[5] ایک شبانہ یوم میں پورا قرآن ختم کرتے تھے[6]

---

1. ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۳۔ 2. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲۔
3. ایضاً۔ 4. ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۳۔
5. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲۔ 6. ایضاً۔

marfat.com

توبہ اور استغفار:

غفار الذنوب کی بارگاہ میں توبہ استغفار بہت پسند تھا' فرماتے تھے مجھ کو یہ پسند ہے کہ مجھ سے گناہ کبیرہ سرزد ہو' اور میں خدا سے استغفار کر کے اس گناہ کو چھوڑ دوں' اس کے مقابلہ میں صغیرہ سرزد ہو اور استغفار اور اس کے چھوڑنے کی توفیق نہ ہو[1]

موت کی یاد کا عمل پر اثر:

فرماتے تھے کہ جو شخص موت کو زیادہ یاد کرتا ہے' اس کے اعمال پر اس کا نمایاں اثر ہوتا ہے[2]

وفات:

۱۲۳ھ میں وفات پائی' وفات کے وقت اسی سال سے اوپر عمر تھی[3]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۳۔

[2] ایضاً ج ۷ ق ۲ ص ۳۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲۔

marfat.com

۱۳- جابر بن زید رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

جابر نام، ابو الشعثا کنیت، قبیلہ ازد سے تھے۔

فضل وکمال:

جابر نے بہت سے علماء صحابہ سے استفادہ کیا تھا، لیکن حبر الامۃ حضرت عبداللہ ابن عباس ؓ کی صحبت میں زیادہ رہے تھے، اس تعلق سے وہ "صاحب ابن عباس"، یعنی ابن عباس کے ساتھی کہلاتے تھے، ان کے فیض صحبت نے جابر کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا، اور وہ اپنے عہد کے ممتاز ترین علماء میں تھے، حافظ ذہبی انہیں علمائے اعلام میں لکھتے ہیں[۲] علاوہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ ائمہ اور فقہائے تابعین میں ہیں[۳]

قرآن:

قرآن، حدیث، فقہ، جملہ علوم میں انہیں یکساں کمال حاصل تھا، علوم قرآنیہ میں خاص مہارت تھی ان کے استاد حضرت عبداللہ بن عباس جو خود قرآن کے بہت بڑے عالم تھے فرماتے تھے اگر اہل بصرہ جابر بن زید کا قول اختیار کریں، تو کتاب اللہ کے بارہ میں اُن کا علم نہایت وسیع ہو جائے[۴]

حدیث:

حدیث کے بھی بڑے حافظ تھے، حافظ ذہبی حفاظ حدیث میں انہیں علمائے اعلام کا درجہ دیتے ہیں، حدیث میں انہوں نے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، حکم بن عمرو غفاری اور امیر معاویہ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، اور عمرو بن دینار، یعلی بن مسلم، ایوب سختیانی اور عمرو بن حزم وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں ہیں[۵]

فقہ:

فقہ میں بھی ان کو پوری مہارت تھی، علامہ نووی انہیں ائمہ اور فقہائے تابعین میں

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲۔ [۲] ایضاً۔ [۳] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۴۲۔
[۴] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۸۔ [۵] ایضاً ج ۲ ص ۳۸۔

marfat.com

لکھتے ہیں[1] صحابہ اور تابعین ان کے تفقہ کے معترف تھے' ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم بصرہ کے فقہاء میں ہو' اور لوگوں کو فتویٰ دیتے ہو' اس کا ہمیشہ خیال رکھنا کہ کبھی نص قرآنی اور سنت کے خلاف فتویٰ نہ دینا ورنہ تم خود ہلاک ہو گے' اور دوسروں کو ہلاک کرو گے[2]

ایوب حیرت آمیز استعجاب کے ساتھ ان کے تفقہ کا ذکر کرتے تھے[3] ایاس بن معاویہ جو بصرہ کے نامور قاضی تھے کہتے تھے کہ جابر کے علاوہ اہل بصرہ کا کوئی حقیقی مفتی نہ تھا[4] حضرت حسن بصری کی عدم موجودگی میں جابر افتاء میں ان کی قائم مقامی کرتے تھے[5]

جابر ایک مرتبہ کسی سلسلہ میں قید ہو گئے تھے' قیاس یہ ہے کہ حجاج کے زمانہ میں جب کہ بہت سے صلحاو اخیار امت قید و بند کا شکار ہوئے تھے جابر بھی اس کے مظالم کا نشانہ بنے ہوں گے۔ اہل بصرہ کو ان کے علم پر اتنا اعتماد تھا کہ وہ قید کی حالت میں بھی انہی کی طرف رجوع کرتے تھے' قتادہ کا بیان ہے کہ جابر بن زید قید کیے گئے تھے' لوگوں نے خنثی کی میراث کے بارے میں ان کے پاس استفتاء بھیجا' انہوں نے کہا کہ تم لوگ بھی خوب ہو مجھ کو قید کرتے ہو اور پھر مجھ ہی سے فتویٰ پوچھتے ہو' یہ جتا کر فتویٰ کا جواب دیا[6]

جامعیت:

جابر کی شخصیت جامع العلم تھی' وہ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم تھے' عمرو بن دینار کہتے تھے کہ میں نے ابو الشعثاء سے زیادہ جاننے والا نہیں دیکھا[7] ان کی موت کے وقت قتادہ کی زبان پر جملہ تھا کہ ''آج روئے زمین کا علم دفن ہو گیا''۔[8]

کتابت پسند نہ تھی:

اس عہد کے بعض بزرگوں کی طرح جابر بھی علم کو قلم بند کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ جابر بن زید سے بعض لوگوں نے کہا کہ لوگ آپ سے جو سنتے ہیں اس

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۱۴۲۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲۔ [3] ابن سعد ج ۷ ق اص ۱۳۱۔
[4] ایضاً۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۸۔ [6] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۱۔
[7] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۱۔ [8] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲۔

marfat.com

کو لکھ لیتے ہیں۔ انہوں نے یہ سن کر کہا اِنَّا لِلّٰہِ وہ لوگ لکھ لیتے ہیں! ان کی ناپسندیدگی دیکھ کر ان کے بعض تلامذہ نے لکھنا ترک کر دیا۔[1]

فضائل اخلاق:

اس علم کے ساتھ وہ فضائل اخلاق سے بھی آراستہ تھے، عمل خیر کے مقابلہ میں دنیا کی نعمت کو کوئی وقعت نہ دیتے تھے، فرماتے تھے کہ ساٹھ برس کی عمر ہونے کو آئی، اس طویل مدت میں بہت کچھ ملا، اور خدا نے بہت سی نعمتیں عطاء فرمائیں، لیکن اس خیر کے علاوہ جسے میں نے کیا ہے۔ باقی اور تمام نعمتیں میرے نزدیک جوتے سے بھی فروتر ہیں۔[2]

دولت کے مقابلہ میں بھی ان سے لغزش نہ ہوتی تھی محمد بن حسین کہتے تھے کہ خدا جابر پر رحم کرے وہ درہم کے مقابلہ میں بھی مسلمان تھے۔[3]

ایک الزام سے برأت:

جابر کے پاس فرقہ اباضیہ (خارجی فرقہ کی ایک شاخ) کے افراد کی آمد و رفت رہتی تھی، اس لیے بعض لوگوں کو یہ گمان پیدا ہو گیا تھا کہ وہ بھی اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں یا کم از کم ان کے خیالات سے متاثر ہیں، لیکن اس کی کوئی اصلیت نہ تھی، وہ اباضیہ سے ملتے جلتے ضرور تھے۔ لیکن ان کے خیالات سے ان کو کوئی تعلق نہ تھا، اور انہوں نے بارہا اپنی زندگی میں اور آخر وقت مرض الموت میں اباضیہ کے عقائد سے اپنی برأت ظاہر کی، جب ان کی حالت زیادہ خراب ہوئی تو ثابت البنانی نے پوچھا کہ آپ کی کوئی خواہش ہے، کہا حسن بصری کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں، اس وقت وہ (غالباً حکومت) کے خوف سے ابی خلیفہ کے گھر میں روپوش تھے، ان کو جابر کی خواہش کی اطلاع دی گئی، فوراً آنے کے لیے آمادہ ہو گئے، ثابت نے روکا کہ پکڑے جانے کا خوف ہے، آپ نے جواب دیا خدا مجھ کو دشمنوں کی نظر سے بچائے گا، چنانچہ اسی وقت جابر کے پاس پہنچے، جابر میں اٹھنے کی طاقت نہ

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۱۔

[2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

marfat.com

تھی دوسرے کا سہارا لے کر اٹھے' حسن بصری نے انہیں کلمہ طیبہ پڑھنے کی تلقین کی۔ انہوں نے کلام اللہ کی آیات تلاوت کیں' حسن بصری نے دم آخر اباضیہ کے مسئلہ کو صاف کرنے کے لیے پوچھا' اباضیہ تم سے دوستی رکھتے ہیں' جابر نے کہا میں خدا سے ان سے برأت چاہتا ہوں' حسن بصری نے سوال کیا' نہروانیوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے' جابر نے ان سے بھی برأت ظاہر کی' جابر کی حالت بہت نازک تھی۔ اس لیے حسن بصری صبح تک انہیں رخصت کرنے کا انتظار کرتے رہے' لیکن ابھی وقت موعود پورا نہیں ہوا تھا اس لیے صبح کے آثار نمودار ہونے کے بعد نماز جنازہ کے طور پر چار تکبیریں کہہ کر ان کے حق میں دعائے مغفرت کی اور صبح ہونے سے پہلے اپنی قیام گاہ لوٹ گئے[1]

وفات:

اسی بیماری میں ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔[2]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۲۳۔

[2] ایضاً۔

marfat.com

۱۴-جعفر بن محمد الملقب بہ صادق رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

جعفر نام ابوعبداللہ کنیت صادق لقب' آپ امام محمد الملقب بہ باقر کے صاحبزادے اور فرقہ امامیہ کے چھٹے امام ہیں' نسب نامہ یہ ہے:

جعفر بن محمد بن علی بن ابی طالب[1]' آپ کی ماں ام فروہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پرپوتے قاسم بن محمد کی لڑکی تھیں۔ نانہالی شجرہ یہ ہے ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن عبدالرحمن بن ابی بکر' اس طرح جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا۔

پیدائش:

۸۰ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے[2]

فضل وکمال:

آپ اس خانوادۂ علم کے چشم و چراغ تھے' جس کے ادنیٰ ادنیٰ خدام مسند علم کے وارث ہوئے۔ آپ کے والد امام باقر اس پایہ کے عالم تھے کہ امام اعظم ابوحنیفہ النعمان جیسے اکابر امت ان کے شاگرد تھے اس لیے جعفر صادق کو علم گویا وراثتاً ملا تھا' فضل وکمال کے لحاظ سے آپ اپنے وقت کے امام تھے۔ حافظ ذہبی آپ کو امام اور ''احد السادۃ الاعلام'' لکھتے ہیں' اہل بیت کرام میں علم میں کوئی آپ کا ہمسر نہ تھا' ابن حبان کا بیان ہے کہ فقہ' علم اور فضل میں سادات اہل بیت میں تھے[4] امام نووی لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت' جلالت اور سیادت پر سب کا اتفاق ہے[5]

---

[1] صحیح نسب نامہ یوں ہے. جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (خورشید)

[2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰۔ [3] ایضاً۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴۔

[5] تہذیب الاسماء ص ۱۵۰۔

marfat.com

حدیث:

حدیث آپ کے جد امجد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقوال ہیں' اس لیے آپ سے زیادہ اس کا کون مستحق تھا۔ چنانچہ آپ مشہور حفاظ حدیث میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں "کان کثیر الحدیث "[1] حافظ ذہبی آپ کو سادات اور اعلام حفاظ میں لکھتے ہیں[2] حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت امام باقر' محمد بن منکدر' عبیداللہ بن ابی رافع' عطا' عروہ' قاسم بن محمد' نافع اور زہری وغیرہ سے فیض پایا تھا' شعبہ' دونوں سفیان' ابن جریج' ابو عاصم' امام مالک' امام ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ آپ کے تلامذہ میں تھے[3]

احترام حدیث:

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا احترام تھا کہ ہمیشہ طہارت کی حالت میں حدیث بیان کرتے تھے[4]

فقہ:

فقہ میں اتنا کمال حاصل تھا کہ افقہ الفقہاء امام زمن امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ میں نے جعفر بن محمد سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا[5]

علماء کا مرتبہ:

آپ فرماتے تھے کہ علماء انبیاء کے امین ہیں جب تک وہ سلاطین کی آستان بوسی نہ کریں۔

اقوال:

آپ کے اقوال وکلمات طیبات تہذیب و اخلاق' علم وحکمت اور پند وموعظت کا دفتر ہیں۔ سفیان ثوری سے آپ نے ایک مرتبہ فرمایا' سفیان' جب خدا تم کو کوئی نعمت عطا کرے اور تم اس کو ہمیشہ باقی رکھنا چاہو تو زیادہ سے زیادہ شکر ادا کرو کیونکہ خدائے تعالیٰ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۴ بحوالہ ابن سعد۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰۔
[3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۰۳۔ [4] ایضاً ص ۱۰۵۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰۔

marfat.com

نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے کہ: ''اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تم کو زیادہ دوں گا''۔ جب رزق ملنے میں تاخیر ہو رہی ہو تو استغفار زیادہ کرو۔ اللہ عزوجل اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

﴿ استغفروا ربک کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انھارًا ﴾ (سورہ نوح)

''اپنے رب سے مغفرت چاہو وہ بڑا مغفرت کرنے والا ہے تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور دنیا میں مال اور اولاد سے تمہاری مدد کرے گا' اور آخرت میں تمہارے لیے جنت اور نہریں بنائے گا''۔

جب تمہارے پاس سلطان وقت یا اور کسی کا کوئی حکم پہنچے تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ زیادہ پڑھو وہ کشادگی کی کنجی ہے' جو شخص اپنی قسمت کے حصہ پر قناعت کرتا ہے وہ مستغنی رہتا ہے اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے' جو شخص خدا کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا وہ خدا کو اس کے فیصلہ پر متہم کرتا ہے' جو شخص دوسرے کی پردہ دری کرتا ہے خدا اس کے گھر کے خفیہ حالات کی پردہ دری کر دیتا ہے' جو بغاوت کے لیے تلوار کھینچتا ہے' وہ اسی سے قتل کیا جاتا ہے' جو اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودتا ہے' وہ خود اس میں گرتا ہے۔ جو سفیہوں کے پاس بیٹھتا ہے' وہ حقیر ہو جاتا ہے' جو علماء سے ملتا جلتا ہے وہ معزز ہو جاتا ہے۔ جو برے مقامات پر جاتا ہے وہ بدنام ہو جاتا ہے' ہمیشہ حق بات کہو خواہ تمہارے موافق ہو یا مخالف۔ آدمی کی اصل اس کی عقل ہے' اس کا حسب اس کا دین ہے' اس کا کرم اس کا تقویٰ ہے۔ تمام انسان آدم کی نسبت میں برابر ہیں' سلامتی بہت نادر چیز ہے' یہاں تک کہ اس کے تلاش کرنے کی جگہ بھی مخفی ہے' اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو ممکن ہے گوشہ گمنامی میں ملے' اگر تم اس کو گوشہ گمنامی میں تلاش کرو اور نہ ملے' تو ممکن ہے تنہا نشینی میں ملے' گوشہ تنہائی گوشہ گمنامی سے مختلف ہے' اگر گوشہ تنہائی میں بھی تلاش سے نہ ملے تو سلف صالحین کے اقوال میں ملے گی۔

استغفار:

فرماتے تھے کہ جب تم سے کوئی گناہ سرزد ہو تو اس کی مغفرت چاہو انسان کی تخلیق

marfat.com

کے پہلے سے اس کی گردن میں خطاؤں کا طوق پڑا ہے، گناہوں پر اصرار ہلاکت ہے۔

دنیا:

فرماتے تھے خدا نے دنیا کی طرف وحی کی ہے کہ جو شخص میری خدمت کرتا ہے تو اس کی خدمت کر اور جو تیری خدمت کرتا ہے اسے تھکا دے۔

اچھے کاموں کی شرائط:

فرماتے تھے کہ بغیر تین باتوں کے عمل صالح مکمل نہیں ہوتا۔ جب تم اسے کرو تو اپنے نزدیک اسے چھوٹا سمجھو، اس کو چھپاؤ اور اس میں جلدی کرو، جب تم اس کو چھوٹا سمجھو گے تب اس کی عظمت بڑھے گی، جب تم اس کو چھپاؤ گے اس وقت اس کی تکمیل ہو گی اور جب تم اسے میں جلدی کرو گے تو خوشگواری محسوس کرو گے۔

حسن ظن:

فرماتے تھے کہ جب تمہارے بھائی کی جانب سے تمہارے لیے کوئی ناپسندیدہ بات ظاہر ہو تو اس کے جواز کے لیے ایک سے ستر تک تاویلیں تلاش کرو، اگر پھر بھی نہ ملے تو سمجھو کہ اس کا سبب اور اس کی کوئی تاویل ضرور ہو گی، جس کا تم کو علم نہیں۔

اگر تم کسی مسلمان سے کوئی کلمہ سنو تو اس کو بہتر سے بہتر معنی پر محمول کرو جب وہ محمول نہ ہو سکے تو اپنے نفس کو ملامت کرو۔

تہذیب واخلاق:

فرماتے تھے کہ چار چیزوں میں شریف کو عار نہ کرنا چاہیے، اپنے باپ کی تعظیم میں اپنی جگہ سے اٹھنے میں، مہمان کی خدمت کرنے اور خود اس کی سواری کی دیکھ بھال کرنے میں خواہ گھر میں سو غلام کیوں نہ ہوں، اور اپنے استاد کی خدمت کرنے میں۔

ایک نکتہ:

جب دنیا کسی کے موافق ہوتی ہے تو دوسروں کی بھلائیاں بھی اسے دے دیتی ہے اور جب منہ پھیر لیتی ہے تو خود اس کی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔

marfat.com

فضائل اخلاق:

آپ کی ذات فضائل اخلاق کا زندہ پیکر تھی' آپ کا ایک نظر دیکھ لینا آپ کی خاندانی عظمت کی شہادت کے لیے کافی تھا' عمرو بن المقدام کا بیان ہے کہ جب میں جعفر بن محمد کو دیکھتا تھا تو نظر پڑتے ہی معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ نبیوں کے خاندان سے ہیں [1]

عبادت وریاضت:

عبادت آپ کے شبانہ یوم کا مشغلہ تھی' آپ کا کوئی دن اور کوئی وقت عبادت سے خالی نہ ہوتا تھا۔ امام مالک کا بیان ہے کہ ایک زمانہ تک آپ کی خدمت میں آتا جاتا رہا آپ کو ہمیشہ یا نماز پڑھتے پایا یا روزہ رکھے ہوئے یا قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے [2]

انفاق فی سبیل اللہ:

انفاق فی سبیل اللہ اور فیاضی و سیرچشمی اہل بیت کرام کا امتیازی اور مشترک وصف رہا ہے' جعفر صادق کی ذات اس وصف کا مکمل ترین نمونہ تھی' ہیاج بن بسطام روایت کرتے ہیں کہ جعفر صادق بسا اوقات گھر کا کل کھانا دوسروں کو کھلا دیتے تھے اور خود ان کے اہل عیال کے لیے کچھ باقی نہ رہ جاتا تھا [3]

لباس امارت میں خرقہ فقر:

آپ بظاہر اہل دنیا کے لباس میں رہتے تھے' لیکن اندر لباس فقر مخفی ہوتا تھا' سفیان ثوری کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ جعفر بن محمد کے پاس گیا۔ اس وقت ان کے جسم پر خز کا جبہ اور دخانی خز کی چادر تھی' میں نے کہا یہ آپ کے بزرگوں کا لباس نہیں ہے' فرمایا وہ لوگ افلاس اور تنگ حالی کے زمانہ میں تھے' اور اس زمانے میں دولت بہہ رہی ہے' یہ کہہ کر انہوں نے اوپر کپڑا اٹھا کر دکھایا تو خز کے جبہ کے نیچے پشمینہ کا جبہ تھا۔ اور فرمایا ثوری یہ ہم نے خدا کے لیے پہنا ہے' اور وہ تم لوگوں کے لیے جو خدا کے لیے پہنا تھا اس کو پوشیدہ رکھا ہے اور جو تم لوگوں کے لیے تھا' اس کو اوپر چڑھا رکھا ہے۔ [4]

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۵۰۔ [2] تہذیب ج ۲ ص ۱۰۴۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

مذہبی اختلافات سے بچنے کی ہدایت:

مذہب میں جھگڑنا سخت ناپسند کرتے تھے۔ فرماتے تھے، تم لوگ خصومت فی الدین بچو، اس لیے کہ وہ قلب کو مشغول کر دیتی ہے اور نفاق پیدا کرتی ہے[1]

جرأت:

نہایت جری، نڈر اور بے خوف تھے، بڑے بڑے جابر کے سامنے ان کی بے باکی قائم رہتی تھی، ایک مرتبہ منصور عباسی کے اوپر ایک مکھی آ کر بیٹھی۔ وہ بار بار ہنکاتا تھا، اور مکھی بار بار آ کر بیٹھتی تھی، منصور اس کو ہنکاتے ہنکاتے عاجز آ گیا، مگر وہ نہ ہٹی، اتنے میں جعفر پہنچ گئے۔ منصور نے ان سے کہا ابو عبداللہ مکھی کس لیے پیدا کی گئی ہے، فرمایا جبابرہ کو ذلیل کرنے کے لیے[2]

حضرت ابوبکرؓ کے متعلق عقیدہ:

گو تمام حق پرست اہل بیت کرام کو خلفائے اربعہ کے ساتھ یکساں عقیدت تھی لیکن جعفر صادق کی رگوں میں صدیقی خون بھی شامل تھا، اس لیے آپ کو حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ خاص تعلق تھا، اور وہ اپنے جد امجد حضرت علیؓ کی طرح ان پر بھی اپنا حق سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ مجھے علیؓ سے جس قدر شفاعت کی امید ہے اتنی ہی ابوبکرؓ سے ہے[3]

وفات:

۱۴۸ھ میں وفات پائی[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۵۰۔ [2] صفوۃ الصفوہ ص ۱۴۱۔ [3] تہذیب تہذیب ج ۲ ص ۱۰۴۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۰۔

marfat.com

۱۵- حسن رحمۃ اللہ علیہ بن حسن رضی اللہ عنہ

نام ونسب:

حسن نام' خاندان نبوت کے چشم و چراغ یعنی حضرت امام حسن بن علی کے فرزند ارجمند اور آپ کے جانشین تھے' ماں کا نام خولہ تھا' ننہالی نسب نامہ یہ ہے' خولہ بنت منظور بن زبان بن سیار بن عمرو بن جابر بن عقیل بن ہلال بن سمی بن مازن فزاری۔

فضل وکمال:

فضل وکمال کے لحاظ سے حسن کا کوئی قابل ذکر پایہ نہ تھا تاہم اپنے جد امجد کی باتوں یعنی احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے امین تھے اور اس کو اپنے والد بزرگوار حضرت حسن اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے سنا تھا' آپ کے صاحبزدے ابراہیم' عبداللہ' حسن اور چچیرے بھائی حسن بن محمد بن حنفیہ اور حباب بن سدید کوفی' سعید بن ابی سعید' عبدالرحمٰن بن حفص اور ولید بن کثیر وغیرہ سے آپ نے روایتیں کی ہیں[1]

خلافت کے بارے میں باطل عقائد کی تردید:

حسن خلق میں اپنے بے نیاز عالم والد بزرگوار حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے خلف الصدق تھے' نسبی فخر وغرور کا ادنیٰ شائبہ نہ تھا' بعض سادات کرام' غالی مدعیان محبت اہل بیت کے فریب میں پھنس جاتے تھے' اگرچہ ان کے عقائد وخیالات سے ان کا دامن پاک ہوتا تھا۔ لیکن بعض حالات کی وجہ سے وہ ان کے ہفوات کو انگیز کر لیتے تھے۔

لیکن حسن اس باپ کے بیٹے تھے جس نے ملتی ہوئی خلافت چھوڑ دی' اس لیے وہ خلافت کے بارے میں گمراہ کن خیالات کو سخت ناپسند کرتے تھے' اور برملا ان کی تردید کرتے تھے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ص ۲۶۳۔

marfat.com

ایک مرتبہ آپ نے ایک غالی مدعی محبت سے فرمایا تم لوگوں کو دعویٰ ہے کہ تم ہم سے خدا کے لیے محبت کرتے ہو اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو ہم جب تک خدا کی اطاعت کریں تم ہم سے محبت کرو اور جب اس کی نافرمانی کریں تو ہم سے دشمنی کرو آپ کے یہ خیالات سن کر ایک شخص نے کہا کہ آپ لوگ تو رسول اللہ (ﷺ) کے قرابت داروں اور اہل بیت میں سے ہیں آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر اللہ تعالیٰ بغیر اپنی اطاعت کے محض قرابت رسول کی وجہ سے کسی سے رکنے والا ہوتا' تو سب سے زیادہ ان لوگوں کو فائدہ پہنچتا جس کے مادری اور پدری سلسلے ہم سے زیادہ رسول اللہ (ﷺ) سے قریب ہیں۔ خدا کی قسم مجھ کو خوف ہے کہ ہم میں (اہل بیت) کے گنہگار کو عام گنہگار سے دگنا عذاب دیا جائے گا' اور یہ امید بھی ہے کہ ہماری جماعت کے مطیع اور محسن کو اجر بھی دوگنا ملے گا' تم لوگوں کی حالت پر افسوس ہے خدا سے ڈرو اور ہمارے بارے میں قول حق کہو' کیونکہ وہ اس چیز کو جسے تم چاہتے ہو بدرجۂ اتم پورا کرنے والا ہے' اور ہم بھی قول حق ہی سے تم سے راضی ہو سکتے ہیں۔

پھر فرمایا جو کچھ تم لوگ کہتے ہو' اگر وہ خدا کے دین کی بات ہے' تو ہمارے بزرگوں نے ہمارے ساتھ بڑی برائی کی ہے انہوں نے اس کو نہ ہمیں بتایا اور نہ اس کی جانب رغبت دلائی۔ یہ سن کر اس رافضی نے کہا کیا مولا علیؓ کے بارے میں رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد نہیں فرمایا ہے کہ: ''من کنت مولاہ فعلی مولاہ'' فرمایا:

ہاں کہا ہے' لیکن اگر اس سے مراد خلافت اور حکومت ہوتی تو نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ اسلامی ارکان کی طرح اس کی بھی وضاحت اور تصریح فرما دیتے اور صاف صاف ارشاد فرماتے کہ لوگو! میرے بعد یہ تمہارے ولی ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے سب سے بڑے خیر خواہ رسول اللہ ﷺ تھے (اس لیے آپ کو ایک دینی مسئلہ میں صریح حکم دینا چاہیے تھا) اگر تم لوگوں کے قول کے مطابق یہ صحیح مان لیا جائے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو خلافت اور رسول اللہ ﷺ کے بعد جانشینی کے لیے منتخب فرمایا ہے تو ایسی صورت میں علی رضی اللہ عنہ سب سے بڑے مجرم اور خطا کار ٹھہرتے ہیں کہ انہوں نے

marfat.com

اس چیز کو جس کے قیام کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا چھوڑ دیا۔[1]

ابوالعباس سفاح سے تعلقات و مراسم:

ابوالعباس سفاح عباسی' حسن اور ان کے بھائی عبداللہ دونوں کو بہت مانتا تھا۔ یہ دونوں طالبین[2] کی جماعت کے ساتھ اس کے پاس جاتے تھے' وہ ان کی خدمت کرتا تھا' عبداللہ پر اتنا مہربان تھا کہ دربار میں جانے کے لیے ان پر پورے لباس کی پابندی نہ تھی' اور وہ بلا تکلف محض معمولی کرتہ پہن کر سفاح کے سامنے چلے جاتے تھے' ان کے ساتھ یہ غیر معمولی برتاؤ دیکھ کر لوگ ان سے کہتے تھے کہ امیر المومنین تمہارے علاوہ کسی کو اس لباس میں نہیں دیکھتے' تم کو انہوں نے اپنا فرزند تصور کیا ہے۔

لیکن ان تعلقات و مراسم اور اس شفقت و کرم کے باوجود سفاح کو ان کے لڑکوں محمد اور ابراہیم کی جانب سے اپنی مخالفت کا بڑا خطرہ تھا' ایک دن اس نے عبداللہ سے پوچھا کہ تمہارے دونوں لڑکے اپنے خاندان والوں کے ساتھ میرے پاس کیوں نہیں آتے' عبداللہ خاموش رہے' سفاح نے دوبارہ پھر پوچھا' عبداللہ نے حسن سے اس کا تذکرہ کیا انہوں نے کہا' اگر اب وہ سوال کرتے تو کہہ دینا کہ ان کے چچا (یعنی خود حسن) کو ان کا حال معلوم ہے ان سے پوچھئے' عبداللہ نے کہا تم میرے لیے اتنی بڑی ذمہ داری برداشت کرو گے انہوں نے کہا ہاں۔

چنانچہ سفاح نے جب دوبارہ پھر پوچھا تو عبداللہ نے کہہ دیا کہ امیر المومنین ان کے چچا کو ان کا علم ہے' سفاح نے حسن کو بلا کر ان سے پوچھا' انہوں نے جواب دیا کہ پہلے آپ یہ بتائیے کہ میں آپ سے کس طرح گفتگو کروں' خلافت کی عظمت و جلالت کو ملحوظ رکھ کر یا چچیرے بھائی کی طرح' سفاح نے کہا بالکل بے تکلف جیسے بھائی بھائی سے کرتا ہے۔ حسن نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دلا کر آپ سے سوال کرتا ہوں کہ اگر خدا نے خلافت کا کوئی حصہ محمد اور ابراہیم کے لیے مقدر کر دیا ہے' تو کیا آپ اور آپ کے ساتھ ساری روئے زمین کی طاقت اور کوشش خدا کی تقدیر کو روک سکتی ہے۔ سفاح نے کہا نہیں' حسن

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۵۔ [2] عبدالمطلب کی اولاد۔

marfat.com

اسلامی کُتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ چوک اُردو بازار ۰ لاہور
Ph: 7223506-7230718

نے کہا میں آپ کو خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں کہ اگر خدا نے ان کی قسمت میں کچھ نہیں لکھا ہے تو کیا وہ دونوں سارے روئے زمین کی حمایت اور کوشش سے کچھ پالیں گے سفاح نے کہا نہیں، حسن نے کہا تو پھر آپ ان پیر مرد (عبداللہ) کی ان نعمتوں اور الطاف وعنایات کو جو آپ ان پر کرتے ہیں بے لطف اور مکدر کیوں کرتے ہیں، حسن کی اس گفتگو کے بعد سفاح نے وعدہ کیا کہ وہ آئندہ کبھی ان دونوں کا تذکرہ نہ کرے گا اور مرتے وقت تک اس عہد پر قائم رہا۔

قید اور وفات:

لیکن اس کے جانشین منصور نے اس کا لحاظ نہیں رکھا، اور محمد اور ابراہیم کے جرم میں حسن اور عبداللہ دونوں بھائیوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا، چنانچہ دونوں نے قید ہی میں ۱۴۵ھ میں وفات پائی، وفات کے وقت حسن کی عمر اٹھاسی سال کی تھی۔[1]

---

1. یہ واقعات تاریخ خطیب ج ۷ ص ۲۹۳، ۲۹۴ سے ماخوذ ہیں۔

marfat.com

۱۶- حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

حسن نام' ابوسعید کنیت' والد کا نام یسار تھا' علمی کمالات کے لحاظ سے سرخیل علماء اور اخلاقی وروحانی فضائل کے اعتبار سے سرتاج اولیاء تھے۔

ان کے والدین غلام تھے' ان کی غلامی کے بارے میں مختلف بیانات ہیں' ایک روایت یہ ہے کہ ان کے والد میسان کے قیدیوں میں تھے' انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپی ربیع بنت نصر نے خرید کر آزاد کیا تھا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد اور والدہ دونوں بنی نجار یعنی ایک انصاری کی غلامی میں تھے' انہوں نے بیوی کے مہر میں بنی سلمہ کو دے دیا تھا' بنی سلمہ نے ان کو آزاد کر دیا' تیسری روایت یہ ہے کہ ان کے والد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے غلام تھے' اور ان کی ماں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی تھیں' ان اختلافات قطع نظر کر کے اتنا مسلم ہے کہ یسار اور ان کی بیوی لونڈی غلام تھے۔ اور جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا آخری روایت زیادہ مستند ہے۔

ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت:

حسن بصری آخری عہد فاروقی میں جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو دو سال باقی رہ گئے تھے یعنی ۲۲ھ میں پیدا ہوئے' ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی غلامی کی نسبت سے ان کو وہ شرف میسر ہوا جو کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آیا ہوگا' ان کی ماں لونڈی تھیں' اس لیے اکثر گھر کے کام کاج میں لگی رہتی تھیں' جب وہ حسن بصری کو چھوڑ کر کسی کام میں لگ جاتیں اور وہ رونے لگتے' تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کو بہلانے کے لیے چھاتی منہ میں دے دیتیں' پھر ان کی ماں لوٹ کر دودھ پلاتیں' اس طرح ان کو ام المومنین کی رضاعت کا شرف حاصل ہوا۔

marfat.com

حسن بصری حضرت ام سلمہؓ کے سایہ شفقت میں پلے تھے ان کے علاوہ دوسری ازواج مطہرات کے گھروں میں بھی ان کی آمد و رفت رہتی تھی، ان کا خود بیان ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک جب کہ ان کی عمر تیرہ چودہ سال کی تھی وہ بے تکلف ازواج مطہرات کے گھروں میں آتے جاتے تھے[1]

علمی کمالات:

حسن بصری ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے جب کہ صحابہ کرامؓ کی بڑی تعداد موجود تھی اور ایسے مقام پر ان کی نشو و نما ہوئی تھی جہاں کی گلی گلی علوم نبوی ﷺ کا مخزن تھی، پھر انہیں صحبت ایسے بزرگوں کی میسر آئی جو تعلیمات اسلامی کا زندہ نمونہ اور اخلاق نبوی ﷺ کی مجسم تصویر تھے۔ اس لیے ان کا دامن علم وعمل، فضل و کمال اور زہد و ورع جملہ اخلاقی اور روحانی فضائل سے مالا مال ہوگیا، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

كان الحسن جامعًا عالمًا عاليًا رفيعًا فقيهًا ،مامونًا،عابدًا،ناسكًا، كبير العلم فصيحا جميلا وسيمًا[2]

''حسن بصری جامع کمالات تھے، عالم تھے، بلند مرتبت رفیع المنزلت تھے، فقیہ تھے، مامون تھے، عابد و زاہد تھے، وسیع العلم تھے، فصیح و بلیغ اور حسین وجمیل تھے''

غرض وہ وہ جملہ ظاہری اور باطنی نعمتوں سے مالا مال تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، حافظ، علامة من بحور العلم، فقيه النفس، كبير الشان، عديم النظير، مليح التذكير، بليغ الموعظة، راس فی انواع الخیر[3] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ مشہور عالم تھے، ان کی جلالت شان پر سب اتفاق ہے۔[4]

اکابر علماء کی رائے:

اس عہد کے تمام علماء اور ارباب کمال کا ان کی جلالت شان پر اتفاق ہے۔ امام شعبی کہتے تھے کہ میں نے اس ملک (عراق) کے کسی شخص کو بھی ان سے افضل نہیں پایا۔

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲۔ [2] ایضاً ص ۱۱۵۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲۔
[4] تہذیب الاسماء ج اول ق اص ۱۶۱۔

marfat.com

قتادہ لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ اس شخص (حسن بصری) کا دامن پکڑو میں نے رائے میں اس سے زیادہ کسی شخص کو عمر بن الخطابؓ کے مشابہ نہیں دیکھا' اعمش کہتے تھے کہ حسن حکمت کو محفوظ رکھتے تھے اور اس کو بولتے تھے' امام باقر فرماتے تھے کہ ان کی باتیں انبیاء کی باتوں کے مشابہ ہیں' غالب القطان کہتے تھے کہ اس عہد کے علماء پر حسن کو ایسی فضیلت حاصل تھی جیسے طیور میں باز کو گوریوں پر ہوتی ہے' جو شخص اس زمانہ کے سب سے بڑے عالم کو دیکھنا چاہے اسے حسن کو دیکھنا چاہیے۔ عمرو بن مرہ کہتے ہیں کہ مجھے اہل بصرہ پر حسن اور محمد دو شیخوں کی وجہ سے رشک ہے' یونس بن عبید اللہ اور حمید الطویل کہتے تھے کہ میں نے بہت سے فقہاء کو دیکھا لیکن حسن سے زیادہ کسی کو کامل المروۃ نہیں پایا' عطاء بن ابی رباح لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ تم لوگ اس شخص (حسن) کی طرف مسائل میں رجوع کیا کرو' وہ بہت بڑے عالم' امام اور مقتداء ہیں' امام مالک فرماتے تھے کہ تم لوگ حسن بصری سے مسائل پوچھا کرو کیونکہ انہوں نے محفوظ رکھا اور ہم نے بھلا دیا' بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر حسن نے سن شعور میں عہد صحابہ پایا ہوتا تو یہ بزرگوار رائے میں ان کے محتاج نہ ہوتے[1]

اگرچہ حسن بصری جامع العلوم تھے' لیکن ان کی زندگی زیادہ تر زہد و عبادت اور روحانی مشاغل میں بسر ہوتی تھی' اس لیے ان کے روحانی مرتبہ کے مقابلہ میں ان کے علم کی تفصیلات بہت کم ملتی ہیں' تاہم جتنے حالات ملتے ہیں وہ سرسری اندازہ لگانے کے لیے کافی ہیں' ان کو تفسیر فقہ اور حدیث جملہ مذہبی علوم میں یکساں دستگاہ حاصل تھی۔

تفسیر:

مفسر کی حیثیت سے انہوں نے کوئی خاص شہرت حاصل نہیں کی' لیکن تفسیر کی تعلیم انہوں نے بڑی محنت سے حاصل کی تھی' بارہ برس کے سن میں وہ حافظ قرآن ہو گئے تھے۔ ابوبکر الہذلی کا بیان ہے کہ جب تک وہ ایک سورۃ کی تفسیر و تاویل اور شان نزول وغیرہ سے پوری واقفیت نہ حاصل کر لیتے تھے' اس وقت تک آگے نہ بڑھتے تھے[2] اس محنت نے

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ تذکرہ حسن بصری۔ [2] شذرات الذہب جلد اول صفحہ ۱۳۷۔

marfat.com

ان کو قرآن کا بڑا عالم بنا دیا تھا اور وہ تفسیر کا درس دیتے تھے[1]

حدیث:

حدیث میں ان کا جو درجہ ہے اس کا اندازہ حافظ ذہبی کے ان الفاظ سے ہو سکتا ہے کہ وہ علامہ اور علم کے سمندروں میں تھے[2] حدیث میں انہوں نے ان بزرگوں سے فیض پایا جن میں سے اکثر اس فن کے اساطین اور رکن اعظم تھے، چنانچہ صحابہ میں حضرت عثمان، حضرت علی، ابو موسیٰ اشعری، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو بن العاص، انس بن مالک، جابر بن معاویہ، معقل بن یسار، ابی بکرہ، عمران بن حصین اور جندب بجلی رضی اللہ عنہم سے براہ راست استفادہ کیا تھا اور عمر بن الخطاب، ابن کعب، سعد بن عبادہ، عمار بن یاسر، ثوبان، عثمان بن ابی العاص اور معقل بن سنان رضی اللہ عنہم سے بواسطہ مستفید ہوئے، صحابہ کے علاوہ اکابر تابعین کی ایک بڑی جماعت سے سماع حدیث کیا تھا[3]

شائقین حدیث کا مرجوعہ:

جہاں تک ان کے حالات کا پتہ چلتا ہے، غالباً ان کا کوئی خاص حلقہ درس نہ تھا اور وہ اس سلسلہ کو اپنے لیے پسند نہ کرتے تھے اور حدیث بہ درجہ مجبوری بیان کرتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ ''اگر خدا نے اہل علم سے عہد نہ لیا ہوتا تو میں تم لوگوں کے سب سوالات میں حدیث نہ بیان کرتا''[4]

لیکن ان کی شخصیت ایسی تھی کہ لوگ ان کا دامن نہ چھوڑتے تھے، اکثر شائقین علم خود ان کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے، اور جہاں وہ جاتے تھے خلق اللہ کا مرجع بن جاتے تھے۔ مکہ تک میں جو مدینہ کے بعد علم کا دوسرا مرکز تھا، لوگوں کا ہجوم لگ جاتا تھا اہل مکہ آپ کو تخت پر بٹھا کر حدیثیں سنتے تھے، اور مجاہد، عطاء اور طاؤس جیسے اکابر علماء سننے والوں میں ہوتے تھے، اور ان کی زبان پر کلمہ ہوتا تھا کہ ہم نے اس شخص کا مثل نہیں دیکھا[5]

---

1. تہذیب التہذیب تذکرہ جابر بن زید۔ 2. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۲۔
3. تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۴۔ 4. ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۱۵۔ 5. ایضاً۔

marfat.com

روایت بالمعنی:

احادیث کو بالفاظہا روایت کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے' صرف معنی اور مطلب کے ادا ہو جانے کو کافی سمجھتے تھے عموماً ان کی روایت بالمعنی ہوتی تھیں[1] بعض الفاظ میں اختلاف اور کمی بیشی ہو جاتی تھی' لیکن معنی ایک ہی رہتے تھے[2]

تلامذہ:

روایت حدیث میں احتیاط کے باوجود آپ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ ان کی مختصر فہرست یہ ہے' حمید الطویل' یزید بن ابی مریم' ایوب' قتادہ' بکر بن عبداللہ مزنی' جریر بن ابی حازم' ابو الاشہب' ربیع بن صبیح' سعید جریری' سعد بن ابراہیم' سماک بن حرب' ابن عدن' خالد الحذاء' عطاء بن سائب' عثمان البتی' قرہ بن خالد' مبارک بن فضالہ' مجاہد اور عطاء اور طاؤس وغیرہ[3]

فقہ:

فقہ کے امام اور بصرہ کے مفتی اعظم تھے' قتادہ کا بیان ہے کہ حسن حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم تھے[4] ایوب کا بیان ہے کہ حسن سے بڑا فقیہ میری آنکھوں نے نہیں دیکھا ربیع بن انس کا بیان ہے کہ میں کامل دس سال تک حسن کے پاس آتا جاتا رہا' اور ان سے ہمیشہ نئے نئے مسائل معلوم ہوتے تھے[5]

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حدیث و فقہ میں بعض کتابیں بھی لکھی تھیں۔

رائے اور قیاس:

اس تفقہ کے لیے مجتہدانہ نظر ضروری تھی' چنانچہ جن مسائل میں روایتی سند نہ ہوتی تھی' اس میں رائے اور قیاس سے اجتہاد کرتے تھے' ایک مرتبہ ابو سلمہ بن عبدالرحمن

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اص ۱۱۵۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۱۵۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۲۴۔
[4] ابن سعد ج ۷ ق اص ۱۱۸۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۲۶۵۔

marfat.com

نے پوچھا کہ آپ جن جن مسائل میں لوگوں کو فتوئی دیتے ہیں، کیا ان سب میں آپ کے پاس سماعی سند ہوتی ہے۔ فرمایا نہیں خدا کی قسم سب میں سماعی سند نہیں ہوتی، لیکن ہماری رائے سائلوں کی رائے سے ان کے لیے بہتر ہوتی ہے[1]

ان کی رائے اصابت وصحت میں اصحاب رائے صحابہ کے برابر ہوتی تھی، قتادہ لوگوں کو مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے اور کہتے تھے خدا کی قسم میں نے ان کی رائے سے زیادہ کسی کی رائے کو عمرؓ بن الخطاب کی رائے کے مشابہ نہیں دیکھا[2] بعض ارباب علم تو یہاں تک ان کی اصابت رائے اور دقت نظر کے معترف تھے اور کہتے تھے کہ اگر حسن سن شعور میں عہد صحابہ میں ہوتے تو وہ بزرگوار رائے میں ان کے محتاج ہوتے[3]

زبان وادب:

ان مذہبی علوم کے علاوہ وہ زبان وادب کے بڑے ماہر اور فصیح و بلیغ تھے، ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ فصاحت زبان اور عربیت میں روبہ بن عجاج کے مشابہ تھے[4]

ارباب علم کی صحبت:

ارباب علم کی صحبت اور ان سے علمی مذاکرہ اور ذکر وفکر کا شغل بہت مرغوب خاطر تھا، ایک مرتبہ چند اہل علم آپ سے ملنے کے لیے آئے، باتوں باتوں میں دوپہر کا وقت آ گیا، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ گیا، ان کے صاحبزادے نے حاضرین سے کہا آپ لوگوں نے والد پر بہت بار ڈالا، آپ انہیں آرام لینے دیجیے، ابھی تک انہوں نے کھایا تک نہیں ہے۔ یہ سن کر آپ نے صاحبزادے کو تنبیہ فرمائی کہ ان لوگوں کی دید سے زیادہ میرے لیے کوئی آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں۔ جب دو مسلمان آپس میں ملتے ہیں تو باہم حدیث بیان کرتے ہیں، خدا کا ذکر اور اس کی تحمید وتقدیس کرتے ہیں، یہاں تک کہ قیلولہ کا موقع بھی نہیں ملتا[5]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۲۰۔ [2] ایضاً [3] ابن سعد تذکرہ حسن بصری

[4] شذرات الذہب جلد اول ص ۱۳۸۔

[5] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۳۔

marfat.com

حقیقی عالم:

آپ کے نزدیک تنہا بارِ علم سے کوئی شخص عالم کہلانے کا مستحق نہ ہوتا تھا' بلکہ اس کے لیے بہت سی شرائط تھیں۔ ایک مرتبہ مطر الوراق نے آپ سے مسئلہ پوچھا اور عرض کیا' فقہا آپ کی مخالفت کرتے ہیں' فرمایا تیری ماں تجھ کو روئے' تو نے فقیہ دیکھا بھی ہے اور جانتا بھی ہے کہ فقیہ کسے کہتے ہیں' فقیہ وہ ہے جو زاہد و متورع ہو' اپنے سے بلند مرتبہ کی پرواہ نہ کرتا ہو' اور اپنے سے کم رتبہ والے کا مذاق نہ اڑاتا ہوں' اور خدا نے اس کو جو کچھ علم عطا کیا ہے اس سے قلیل دنیاوی منفعت نہ حاصل کرتا ہو[1]

علم باطن:

گو حسن بصری علوم ظاہر میں بھی شیخ الاسلام کا درجہ رکھتے تھے' لیکن یہ علوم ان کے لیے سرمایۂ فخر و امتیاز نہ تھے' ان کا اصل اور حقیقی مقام عرفان و حقیقت کا کنگرہ تھا۔ ان کی ذات تصوف کا منبع اور علم باطن کا سرچشمہ تھی' تصوف کی تمام نہریں اسی سرچشمہ سے پھوٹتی ہیں۔ چنانچہ تصوف کے اکثر بڑے بڑے سلاسل آپ ہی کے واسطہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتے ہیں' اس طرح گویا آپ ہی کے واسطہ سے دنیا میں یہ دریائے نور رواں ہوا۔

اگرچہ محدثین کے نزدیک حضرت علیؓ سے آپ کا استفادہ روحانی ثابت نہیں ہے لیکن ارباب تصوف کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری حضرت علیؓ ہی کے تربیت یافتہ تھے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''ارباب طریقت کے نزدیک حسن بصری حضرت علیؓ کی جانب یقینی منسوب ہیں' محدثین کے نزدیک یہ انتساب ثابت نہیں ہے۔ لیکن شیخ احمد قشاشی نے اپنی کتاب عقد الفرید فی سلاسل اہل التوحید میں ایک تشفی بخش بحث کے ذریعہ سے اہل تصوف کی تائید کی ہے' ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری نے حضرت علیؓ سے فیض پایا[2]

سلف سے لے کر خلف تک تمام اکابر صوفیہ حضرت حسن بصری کو اس سلسلہ نورانی

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۹۔ [2] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۱۳۱ و ص ۱۸۔

marfat.com

کا سرچشمہ اور شیخ الشیوخ مانتے ہیں' ان کے اقوال سے سند لاتے ہیں' صوفیہ کے تذکروں میں ان کا نام سرفہرست ہوتا ہے' ان کے اقوال تعلیم تصوف کا نصاب مانے جاتے ہیں۔

شیخ فرید الدین ان الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر شروع کرتے ہیں: ''آن پروردۂ نعمت' آن خوکردۂ فتوت' آن کعبہ علم و عمل' آن خلاصہ ورع و حلم' آں بردۂ بصاحب صدری صدر سنت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ مناقب او بسیار اسب ومحامد او بے شمار[1]

شیخ علی بن عثمان ہجویری المتوفی ۴۶۵ھ'[2] اپنی کتاب کشف المحجوب میں جو فارسی میں تصوف کی سب سے قدیم کتاب ہے لکھتے ہیں: ''امام عصر فرید دہر ابو علی الحسن بن ابی الحسن بصری رحمۃ اللہ علیہ .... دے راقدرے وخطرے بزرگ است نزدیک اہل طریقت الاشارہ بودہ است اندر علم و معاملت[3]

شیخ ابونصر سراج المتوفی ۳۷۰ھ اور شیخ شہاب الدین سہروردی وغیرہ اکابر صوفیہ نے اپنی کتابوں میں کتاب اللمع اور عوارف المعارف میں حسن بصری کے اقوال سے استناد کیا ہے[4]

فضائل اخلاق:

روحانی اور اخلاقی کمالات کے اعتبار سے حسن بصری زہد و ورع کا مجسم پیکر اور فضائل اخلاق کی مجسم تصویر تھے' اگرچہ انہوں نے رسالت کا مقدس زمانہ نہیں دیکھا تھا' اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف نہ ہوئے تھے' لیکن ان کے اخلاق اسی مقدس سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے' تابعین کی جماعت میں ان سے زیادہ کوئی شخص صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نہ تھا' ان کی ہر ادا سے شان صحابیت آشکارا تھی۔ اکابر تابعین کو اس کا اعتراف تھا' حضرت ابو بردہ جو ایک بلند مرتبہ تابعی ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے کسی غیر صحابی کو حسن سے زیادہ اصحاب رسول سے مشابہ نہیں دیکھا'[5] امام شعبی نے ستر صحابہ کرام کو دیکھا تھا' اور

---

[1] تذکرۃ الاولیاء فرید الدین عطار ج اول ص ۳۲۴۔ [2] ان کے سنہ وفات میں اختلاف ہے ۴۵۶ھ سے لے کر ۴۶۵ھ تک کسی سنہ میں وفات پائی۔ [3] کشف المحجوب نسخہ قلمی دار المصنفین۔

[4] دیکھئے کتاب اللمع و عوارف المعارف۔ [5] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۸!۔

marfat.com

اس شرف میں شاید وہ حسن بصری سے بھی ممتاز تھے' لیکن اس کے باوجود ان کی بڑی عظمت کرتے تھے' ایک مرتبہ ان کے صاحبزادے نے ان سے پوچھا ابا میں دیکھتا ہوں کہ جیسا برتاؤ آپ اس شیخ (حسن بصری) کے ساتھ کرتے ہیں ویسا کسی دوسرے شخص کے ساتھ نہیں کرتے ہیں' شعبی نے جواب دیا بیٹا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ستر اصحاب کو دیکھا ہے' اور حسن سے زیادہ کسی کو ان سے مشابہ نہیں پایا[1]

سوز و گداز:

روحانیت کا سرچشمہ سوز و گداز قلب ہے' اسی سے عبادت و ریاضت زہد و ورع وغیرہ تمام اخلاقی اور روحانی فضائل کے سوتے پھوٹتے ہیں' حسن کا دل ایسا شکستہ ساز تھا' جس سے درد کے سوا کوئی نغمہ نہ نکلتا تھا' یونس کا بیان ہے کہ ان پر ہمیشہ حزن اور غمگینی چھائی رہتی تھی ان کے لب ہنسی سے بالکل نا آشنا تھے' فرماتے تھے کہ مومن کی ہنسی قلب کی غفلت کا نتیجہ ہے۔ زیادہ ہنسنے سے دل مرجاتا ہے[2] کلام پاک کی آیات پڑھ کر شدت تاثر سے زار زار رویا کرتے تھے[3]

خشیت الٰہی:

خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ ہر آن لرزاں رہتے تھے' یونس بن عبید کا بیان ہے کہ جب حسن آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اپنے کسی عزیز قریب کو دفن کیے ہوئے آرہے ہیں۔ جب بیٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایسے قیدی ہیں جس کی گردن مارے جانے کا حکم دیا جاچکا ہے' اور جب دوزخ کا ذکر کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دوزخ صرف انہی کے لیے بنائی گئی ہے[4]

زہد و ورع:

ان کی زندگی سرتاپا زہد و ورع میں ڈوبی ہوئی تھی' ان کی ذات عبادت و ریاضت اور زہد و ورع کا مجسم پیکر تھی' حجاج الاسود کا بیان ہے' کہ ایک شخص آرزو کیا کرتا

---

1. ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۸۔ 2. ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۲۴ و ص ۱۲۵۔
3. ایضاً ص ۱۲۷۔ 4. شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۸۔

marfat.com

تھا کہ کاش مجھے حسن کا زہد' ابن سیرین کا ورع' عامر بن عبدقیس کی عبادت اور سعید بن مسیّب کا تفقہ میسر آئے۔ لوگوں نے دیکھا تو یہ تمام اوصاف حسن کی تنہا ذات میں جمع تھے[1]

ان کی مجلس میں آخرت کے علاوہ کسی شے کا ذکر نہ ہوتا تھا' اشعث کا بیان ہے کہ ہم جب حسن کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہم سے نہ کوئی دنیاوی خبر پوچھی جاتی اور نہ کوئی خبر دی جاتی' بس صرف آخرت کا ذکر رہتا[2] عبادت کے بعض خاص احوال فرائض وسنن کے علاوہ آپ کی خاص عبادت تنہائی میں ہوتی تھی' اس وقت آپ کسی اور عالم میں ہوتے تھے' حمید کا بیان ہے کہ ہم ایک مرتبہ مکہ میں تھے کہ شعبی نے حسن سے تخلیہ کی ملاقات کی خواہش ظاہر کی' میں نے حسن سے اس کا ذکر کیا' انہوں نے کہا جب دل چاہے آئیں' ملاقات ہوجائے گی۔ چنانچہ وہ ایک دن گئے' میں دروازے پر موجود تھا' میں نے ان سے کہا اس وقت حسن گھر میں تنہا موجود ہیں اندر جاؤ لیکن تنہا جانے کی ان کی ہمت نہ پڑی' اس لیے انہوں نے مجھ سے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کی میں بھی ساتھ ہولیا۔ جس وقت ہم لوگ اندر پہنچے اس وقت حسن قبلہ رو ایک عجیب عالم میں کہہ رہے تھے ابن آدم نیست تھا ہست کیا گیا' تونے مانگا تجھ کو دیا گیا' لیکن جب تیری باری آئی اور تجھ سے مانگا گیا تو تونے انکار کردیا' افسوس تونے کتنا برا کام کیا' یہ کہہ کر وہ بے خبر ہوجاتے تھے' پھر ہوش میں آکر یہی کلمات دہراتے' یہ رنگ دیکھ کر شعبی نے مجھ سے کہا کہ لوٹ چلو اس وقت شیخ کسی اور عالم میں ہے۔[3]

عمل اور اخلاص فی العمل:

آپ کے نزدیک زہد محض زبانی دعووں اور ظاہری وضع بنانے کا نام نہ تھا بلکہ اصل شے عمل و اخلاص تھا' فرماتے تھے کہ انسان جو کچھ کہتا ہے' اگر اس کو کچھ کرتا بھی ہے تو یہ فضیلت ہے' اور اگر کرنے سے زیادہ کہتا ہے تو وہ عار ہے[4] آپ کی زندگی سرتا پا عمل تھی' ابوبکر ہذلی کا بیان ہے کہ وہ جب تک خود ایک کام نہ کرلیتے تھے' اس وقت تک دوسروں کو

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۰۔ [2] ایضاً۔ [3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۴۔
[4] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۴

marfat.com

اس کے کرنے کی ہدایت نہ کرتے تھے' اور جب تک کسی خود کسی کام کو چھوڑ نہ دیتے تھے اس وقت تک دوسرے کو اس سے منع نہ کرتے' یونس بن عبید سے کسی نے پوچھا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جو حسن بصری کے ایسے اعمال کرتا ہو' انہوں نے کہا ان کے جیسے اعمال تو کجا میں کسی ایسے شخص کو بھی نہیں جانتا جو زبان سے ان کی جیسی باتیں کہتا ہو[1]

بغیر اخلاص کے محض حلقہ نشینی اور گلیم پوشی کو فریب تصور کرتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حلقہ میں بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں' لیکن اس سے ان کی غرض دنیا ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ آپ کے سامنے گلیم پوشوں کا تذکرہ کیا گیا' فرمایا یہ لوگ دل کی گہرائیوں میں غرور کے بت چھپائے ہیں اور ظاہر لباس سے تواضع اور فروتنی ظاہر کرتے ہیں' بخدا یہ اپنی گلیم گدائی میں بیش قیمت ردا پوشوں سے زیادہ مغرور ہیں ع

بزیر دلق مرقع کمانہا دارند

کلاہ تتری:

اس پر فریب وضع سے بچنے کے لیے آپ کبھی کبھی اچھا لباس پہن لیتے تھے۔ کلثوم بن جوشن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حسن یمنی جبہ اور رداء اوڑھ کر نکلے' اس پوشاک میں دیکھ کر فرقد نے اعتراض کیا کہ آپ جیسے شخص پر یہ لباس زیب نہیں دیتا' آپ نے جواب دیا ابن ام مزفدتم کو یہ معلوم نہیں کہ دوزخیوں کا بڑا حصہ گلیم پوشوں میں سے ہوگا[2] ع

اے بسا خرقہ کہ مستوجب آتش باشد

فریب نفس کا خوف:

انسان کا سب سے بڑا دشمن خود اس کا نفس ہے' جو اس کو کبھی قبولیت عامہ اور شہرت طلبی' کبھی ریاکاری اور کبھی عجب وغرور کے فریب میں مبتلا کرکے برباد کردیتا ہے۔ حضرت حسن بصری اس پر فریب اور چمکیلے سراب سے بہت خائف رہتے تھے اور اٹھتے بیٹھتے یہ دعا کرتے تھے'' خدایا شرک' غرور' نفاق' ریا' فریب' شہرت طلبی اور اپنے دین میں

---

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۷ و ص ۱۳۸۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۲۲۔ [3] ایضاً۔

marfat.com

شک و شبہ سے ہمارے قلوب کو بچا' اے مقلب القلوب ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم اور استوار رکھ اور اسلام قیم کو ہمارا دین بنا[1]

عوام کی عقیدت کو بڑا ابتلا سمجھتے تھے' غالب القطان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حسن مسجد آئے' ان کی سواری کا گدھا واپس جا چکا تھا' اس لیے انہیں واپس پہنچانے کے لیے میں نے اپنا گدھا منگوا لیا' اس کی عادت تھی کہ اکثر سواری کی ٹانگ پکڑ لیا کرتا تھا' اس لیے میں نے حفاظت کے خیال سے اس کی لگام پکڑ لی' حسن کی سواری تھی' اس لیے بہت سے آدمی اس کے ساتھ ہو گئے' انہیں دیکھ کر حسن نے کہا تمہارا برا ہو اگر مسلمان اپنے نفس کا جائزہ نہیں لیتا اور وہ اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں کہ وہ بالکل تہی دامن ہے تو ان لوگوں کے جوتوں کی چاپ ضعیف انسان کے دل کو برباد کرنے کے لیے کافی ہے[2]

فریب نفس اور عجب وغرور سے بچنے کے لیے اپنی تعریف سننا پسند نہ کرتے تھے۔ سعید بن محمد ثقفی کا بیان ہے کہ اگر کوئی شخص حسن کے منہ پر ان کی تعریف کرتا تھا' تو وہ انہیں سخت ناگوار گزرتی تھی اور لوگ ان کے لیے دعا کرتے تو وہ اس سے خوش ہوتے تھے[3]

جہاد فی سبیل اللہ:

عموماً حجروں کی برودت راہ خدا میں جانبازی کی حرارت کو سرد کر دیتی ہے لیکن حسن بصری کی رگوں کا خون ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ میں گرنے کے لیے جوش زن رہتا تھا اگرچہ چند مہمات کے علاوہ جہاد میں ان کی شرکت کی تصریح نہیں ملتی۔ لیکن ارباب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ بچپن سے ان کے دل میں جہاد فی سبیل اللہ کا ولولہ موجزن تھا اور انہوں نے سن شعور کو پہنچنے کے بعد جہاد کو مشغلۂ حیات بنا لیا تھا[4]

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر مہمات میں شریک رہے ہوں گے۔ لیکن تصریح کے ساتھ کابل' اندقان اور زابلستان کی مہمات کے علاوہ اور دوسری مہمات میں شرکت کا پتہ نہیں چلتا' غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک خاموش اور شہرت سے نفور بزرگ

---

[1] ابن سعد ج ۷ ص ۱۲۸۔ [2] ایضاً ص ۱۲۲۔ [3] ایضاً ص ۱۲۹۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۱۔

marfat.com

تھے۔ جہاد سے غرض نام ونمود نہیں بلکہ حصول شرف تھا' اس لیے سپاہی کی حیثیت سے شریک ہوتے رہے ہوں گے' جن کا تذکرہ عموماً تاریخوں میں نہیں ہوتا۔

ظلم کی تلوار کے مقابلہ میں توبہ کی سپر:

ظالم حکومتوں اور جابر امراء کے مقابلہ میں اعلان حق اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صلحائے امت کا خاص طغرائے امتیاز رہا ہے' لیکن اس باب میں حسن بصری کا طرز عمل ان سے مختلف تھا' وہ ان کے مقابلہ میں سکوت افضل سمجھتے تھے' عمارہ بن مہران کا بیان ہے کہ حسن بصری سے لوگوں نے کہا آپ امراء کے پاس جا کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیوں نہیں فرماتے' جواب دیا مومن کو اپنا نفس ذلیل نہ کرنا چاہیے' اس زمانہ کے کے امراء کی تلواریں ہماری زبانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں' جب ہم ان سے گفتگو کرتے ہیں تو وہ ہمیں تلواروں سے جواب دیتے ہیں[1] ان حالات میں آپ ظلم کی تلوار کے مقابلہ میں توبہ کی ڈھال استعمال کرنے کی ہدایت کرتے تھے' ابو مالک کا بیان ہے کہ حسن سے جب کہا جاتا کہ آپ میدان میں نکل کر ان حالات کو بدلتے کیوں نہیں۔ تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ تلوار سے نہیں بلکہ توبہ سے بدلتا ہے[2] آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب لوگ اپنے حکمران کی جانب سے آزمائش میں مبتلا کیے جائیں اور اس پر صبر کریں تو خدا ان کو جلد اس مصیبت سے نکال دے گا' لیکن جو تلوار نکال لیتے ہیں اور اس پر اعتماد کرنے لگتے ہیں' خدا کی قسم اس کا کبھی کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلتا۔

شور و فتن:

اسی لیے آپ ہمیشہ شور و فتن اور انقلاب سے علیحدہ رہتے تھے' امویوں کے زمانہ میں بڑے بڑے سیاسی انقلاب ہوئے' مختلف اوقات میں مختلف جماعتیں ان کے خلاف اٹھیں' لیکن حضرت حسن بصری اپنے اصول کی بنا پر کبھی ان میں شریک نہ ہوئے' بلکہ دوسروں کو بھی اس میں پڑنے سے روکتے تھے' عبدالملک کے زمانہ میں جب ابن

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۲۸۔ [2] ایضاً ص ۱۲۵۔

marfat.com

اشعث نے اور یزید بن عبدالملک کے زمانہ میں ابن مہلب نے علم بغاوت بلند کیا تو کچھ آدمیوں نے حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ ان فتنوں میں شرکت کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہ دو' ایک شامی نے کہا امیر المومنین کا بھی ساتھ نہ دیں آپ نے شامی کو ہاتھوں سے دھکا دے کر اس کا جملہ دہرا کر فرمایا ہاں امیر المومنین کا ساتھ بھی نہیں۔

ابن اشعث حجاج کے خلاف اٹھا تھا' اور ایک بڑی جماعت جس میں اکابر تابعین بھی تھے' اس کے ساتھ ہوگئی تھی' عقبہ بن عبدالغافر' ابو الجوزاء اور عبداللہ بن غالب چند سربرآوردہ آدمیوں نے آکر پوچھا' ابوسعید اس طاغیہ (حجاج) سے جوخون ناحق بہاتا ہے' حرام مال لیتا ہے' تارک نماز ہے' ایسا ہے ویسا ہے' لڑنے کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے فرمایا میرے نزدیک نہ لڑنا چاہیے اس لیے کہ اگر وہ خدا کا عذاب ہے تو اس پر صبر کرنا چاہیے' تاآنکہ خود خدا اس کا فیصلہ کردے۔ خدا بڑا فیصلہ کرنے والا ہے۔

ابن اشعث کی شورش کے زمانہ میں حسن بصری خود بڑی آزمائش میں پھنس گئے تھے' لیکن جان پر کھیل کر کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو اس سے نکالا' آپ کی شخصیت ایسی تھی کہ بصرہ کیا سارے عراق پر آپ کا اثر تھا اس انقلاب میں آپ کی علیحدگی کی وجہ سے بہت سے محتاط ابن اشعث کا ساتھ دینے میں پہلو بچاتے تھے' اس لیے لوگوں نے اس سے کہا اگر تم چاہتے ہو کہ جس طرح لوگ جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے گرد جانبازی دکھاتے تھے' اسی طرح تمہارے لیے جان دیں تو حسن کو کسی نہ کسی طرح میدان میں لاؤ' اس مشورہ پر ابن اشعث زبردستی آپ کو کھینچ لے گیا' آپ جبراً وقہراً چلے تو گئے' لیکن جیسے ہی لوگ آپ کی طرف سے غافل ہوئے آپ جان پر کھیل کر ایک دریا میں پھاند پڑے' اور کسی نہ کسی طرح جان بچا کر نکل آئے۔

اسی زمانہ میں ایک شخص سعید بن ابی الحسن نے جو حجاج کے مخالفین میں تھا اور لوگوں کو اس کے خلاف ابھارا کرتا تھا' حسن بصری سے پوچھا کہ ہم نے نہ امیر المومنین کی اطاعت سے منہ موڑا ہے اور نہ ان کو تخت سے اتارنا چاہتے ہیں' بلکہ ہم کو صرف اس لیے

marfat.com

امیر المومنین سے برہمی ہے کہ انہوں نے حجاج جیسے جابر شخص کو حاکم بنایا ہے' ایسی صورت میں آپ کی کیا رائے ہے اور اہل شام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے' آپ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگو! خدا نے حجاج کو محض عقوبت کے لیے مسلط کیا ہے' اس لیے تلوار سے عقوبت خداوندی کا مقابلہ نہ کرو' بلکہ صبر و سکون اور خاموشی اور بارگاہ خداوندی میں سکون اور تضرع سے کام لو۔ تم نے شامیوں کے بارے میں میری رائے پوچھی ہے' میرا خیال ہے کہ حجاج انہیں دنیا کا لقمہ تر دے کر ان سے ہر کام کرا سکتا ہے۔[1]

اظہار حق:

لیکن حکام اور سلاطین کے مقابلہ میں وہ ہر موقع پر خاموشی ہی سے کام نہیں لیتے تھے' بلکہ جب کبھی ان کے سامنے خیالات کے اظہار کا موقع آ جاتا تھا تو وہ بلا خوف و خطر اپنے حقیقی خیالات ظاہر کر دیتے تھے' یزید بن عبدالملک کے زمانے میں جب عمرو بن ہبیرہ خراسان اور عراق کا والی مقرر ہوا تو اس نے عراق کے اکابر علماء حسن بصری' محمد بن سیرین اور امام شعبی کو بلا کر ان سے بطور استفتا سوال کیا کہ یزید خدا کا خلیفہ ہے' خدا نے اس کو بندوں پر اپنا نائب بنایا ہے' اور ان سے اس کی اطاعت اور ہم (حکام) سے اس کے احکام کی تکمیل کا وعدہ لیا ہے' آپ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس نے ہم کو والی بنایا ہے' اور ہمارے پاس احکام بھیجتا ہے' میں اس کی تعمیل کرتا ہوں' ان حالات میں آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے' ابن سیرین اور شعبی نے گول جواب دیا' حسن بالکل خاموش تھے' ابن ہبیرہ نے ان سے پوچھا آپ اپنا خیال ظاہر کیجیے' انہوں نے جواب دیا ابن ہبیرہ! یزید کے بارے میں خدا کا خوف کر' اور خدا کے معاملہ میں اس کا خوف نہ کیا کر' خدا تجھ کو یزید سے بچا سکتا ہے۔ لیکن یزید تجھ کو خدا سے نہیں بچا سکتا' وہ زمانہ قریب ہے کہ خدا تیرے پاس ایسا فرشتہ بھیجے گا جو تجھ کو تخت حکومت سے اتار کر اور قصر کی وسعت سے نکال کر قبر کی تنگی میں ڈال دے گا' اس وقت تیرے اعمال کے سوا کوئی اور شے تجھ کو نجات نہ دلا سکے گی۔ خدا نے بادشاہ اور

---

[1] یہ تمام واقعات ابن سعد ج ۷ اول ص ۱۱۸ تا ۱۲۰ سے ماخوذ ہیں۔

marfat.com

حکومت کو اپنے دین اور اپنے بندوں کی امداد اور اعانت کے لیے بنایا ہے' اس لیے خدا کی دی ہوئی حکومت کے ذریعہ سے تم خدا کے دین اور اس کے بندوں پر سوار نہ ہو جاؤ' خدا کی معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت نہ کرنی چاہیے[1]

مسئلہ تقدیر:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن بصری قدری تھے[2] جو صحیح نہیں ہے' اس شہرت کی وجہ غالباً یہ ہے کہ بعض اکابر تابعین' اس باب میں اتنے متشدد تھے کہ قدریوں سے ملنا بھی پسند نہ کرتے تھے' اور حسن بصری ان سے ملنے جلنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتے تھے' اس لیے ناواقفوں نے اس میل جول کی وجہ سے قدریوں کے خیالات کو ان کی طرف منسوب کر دیا' حالانکہ ان کا دامن اس سے پاک تھا' عمر کا بیان ہے کہ قدری حسن کے پاس آتے جاتے تھے۔ لیکن ان کے خیالات ان کے مخالف تھے' حسن کہتے تھے ابن آدم خدا کو ناراض کر کے کسی انسان کی خوشنودی حاصل نہ کر' خدا کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہ کر' خدا کے افضال پر کسی انسان کی تعریف نہ کر' جو شے خدا نے تجھے نہیں دی' اس پر کسی انسان کو ملامت نہ کر' خدا نے خلق اور خلائق کو پیدا کر دیا' اور وہ اپنی تخلیق کے اصول پر چل رہے ہیں' جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اپنی حرص سے اپنے رزق میں اضافہ کر سکتا ہے تو اگر اس کا یہ گمان صحیح ہے تو ذرا اپنی عمر بڑھا کر دکھا دے' اپنا رنگ بدل دے' اپنے اعضاء و جوارح میں کوئی اضافہ کر دے[3] جب ایسا نہیں کر سکتا تو معلوم ہوا' انسان کا کوئی دخل نہیں ہے۔ ہر شے تقدیر الٰہی پر چل رہی ہے۔

اصل یہ ہے کہ ان کے بعض مشتبہ اقوال سے یہ غلط نتیجہ نکالا گیا ہے' اگر کسی حد تک وہ اس سے متاثر بھی تھے تو آخر میں اس سے رجوع کر لیا تھا' اصمعی اپنے والد کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ حسن کبھی قدر کے بعض حصوں پر گفتگو کرتے تھے' لیکن پھر اس سے رجوع کر لیا تھا' قاضی عطاء بن یسار قدری تھے' ان کی زبان میں جادو کا اثر تھا' وہ اور سعید جہنی حسن کے پاس آتے تھے' اور ان سے سوالات کرتے تھے اور کہتے تھے ابوسعید یہ سلاطین و فرمان روا مسلمانوں کا خون بہاتے ہیں اور ان کا مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے

---

[1] ابن خلکان ج ا ص ۱۲۸ و ۱۲۹۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۲۲۔ [3] ایضاً ج ۷ ص ۱۲۷۔

marfat.com

یہ اعمال خدا کی تقدیر کے مطابق ہیں' حسن یہ سن کر کہتے وہ دشمنان خدا جھوٹے ہیں' اس تردید اور بعض اس قبیل کے دوسرے واقعات سے لوگوں نے ان کے قدری ہونے کا نتیجہ نکالا ہے[1] حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ ایک خاص موقع تھا جس کو عقیدہ قدر سے کوئی تعلق نہیں۔

بعض اقوال اور کلمات طیبات:

بے کار اور بے نتیجہ باتیں بہت کم کرتے تھے' ان کی گفتگو کا بیشتر حصہ حکمت اور موعظت کے موتی ہوتے تھے[2] ان کے حکیمانہ اقوال معنویت اور بلاغت ادا کے اعتبار سے پند و موعظت اور علم و حکمت کا دفتر ہیں' جن سے بہت سے اخلاقی اور روحانی اسرار و حکم پر روشنی پڑتی ہے ان میں سے بعض اقوال یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) فرماتے تھے جو وسوسے ایسے ہیں کہ پیدا ہوتے ہیں اور نکل جاتے وہ شیطان کی جانب سے ہیں ان کے ازالہ میں ذکر خدا اور تلاوت قرآن سے مدد لینی چاہیے' اور جو پیدا ہو کر قائم ہو جاتے ہیں وہ نفس کی جانب سے ہیں' ان کے دور کرنے میں نماز روزہ اور ریاضت سے مدد لینی چاہیے۔ (۲) خدا جس بندہ کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے' اس کو اہل و عیال کی بندشوں میں نہیں پھنساتا ہے۔ (۳) متواضع ہونے کی یہ شرط ہے کہ گھر سے باہر کسی سے بھی ملے تو اس کو اپنے سے افضل اور برتر سمجھے۔ (۴) جب بندہ گناہ کے بعد توبہ کرتا ہے تو اس سے خدا کے ساتھ اس کی قرابت میں اضافہ ہوتا ہے۔ (۵) ایک شخص نے آپ سے اپنے قلب کی شکایت کی' فرمایا اس کو ذکر و فکر کے مقامات میں لے جایا کرو۔ (۶) مردہ کے لیے سب سے برے خود اس کے گھر والے ہوتے ہیں کہ اس پر روتے ہیں' حالانکہ اس کے مقابلہ میں اس کے قرض کا ادا کرنا ان پر آسان نہیں ہوتا۔ (۷) ایک شخص کی عداوت کے بدلہ میں ہزار آدمیوں کی دوستی بھی نہ خریدو۔ (۸) طمع عالم کو رسوا کر دیتی ہے۔ (۹) انسان کا علانیہ اپنے نفس کی مذمت کرنا درحقیقت اس کی مدح ہے۔ (۱۰) اپنے بھائیوں کی عزت کرو تو ہمیشہ ان کے ساتھ تمہاری دوستی قائم رہے گی۔ (۱۱) اگر اپنی موت کی رفتار پر ابن آدم کی نظر ہوتی' تو وہ اپنے فریب امید کا دشمن بن جاتا۔ (۱۲) جو شخص عاجزی کے لیے خدا کے سامنے صوف پہنتا ہے تو خدا اس کی نگاہ اور قلب کا

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۸۔ [2] ایضاً ۱۳۷

marfat.com

نور بڑھاتا ہے' اور جو پندار کے لیے پہنتا ہے وہ سرکشوں کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا' (۱۳) کاش میں کوئی ایسا کھانا کھا لیتا جو میرے پیٹ میں اینٹ بن جاتا کیونکہ میں نے سنا ہے کہ اینٹ پانی میں تین سو برس تک باقی رہتی ہے۔ (۱۴) ایک مرتبہ تذکرہ ہورہا تھا کہ فقیہ ایسا ایسا کہتے ہیں' فرمایا تم لوگوں نے فقیہ دیکھا بھی ہے۔ فقیہ وہ ہے جو دنیا سے کنارہ کش ہو دین میں بصیرت رکھتا ہو' خدائے عزوجل کی عبادت پر مداومت کرتا ہو۔ (۱۵) خدا کی قسم کھا کر کہا کرتے تھے کہ جس شخص نے مال وزر کو عزت دی خدا نے اس کو ذلیل کیا۔ (۱۶) عقلمند کی زبان قلب کے پیچھے ہے جب وہ کچھ کہنا چاہتا ہے تو قلب کی طرف رجوع کرتا ہے' اگر وہ بات اس کے فائدہ کی ہوتی ہے' تو کہتا ہے' ورنہ رک جاتا ہے۔ اور جاہل کا قلب اس کی زبان کی نوک پر رہتا ہے' وہ قلب کی طرف رجوع نہیں کرتا جو زبان پر آتا ہے بک جاتا ہے۔ (۱۷) دنیا درحقیقت تمہاری سواری ہے' اگر تم اس پر سوار ہو گئے تو وہ تم کو (اپنی پیٹھ) پر اٹھائے گی اور اگر وہ تم پر سوار ہو گئی تو تم کو ہلاک کر ڈالے گی' (۱۸) جب تم کسی شخص سے دشمنی کرنا چاہو تو پہلے اس پر نظر کرو اگر وہ خدا کا مطیع ہے تو اس سے بچو' کیونکہ خدا اس کو کبھی تمہارے قبضہ میں نہ دے گا اور تمہارے لیے اس کو تنہا نہ چھوڑے گا' اور اگر وہ خدا کا نافرمان ہے تو تم کو اس کی عداوت کی ضرورت ہی نہیں' اپنے نفس کو خواہ مخواہ اس عداوت میں پریشان نہ کرو' (یعنی وہ خود ہلاک ہو جائے گا۔ خدا کی دشمنی اس کے لیے کافی ہے) (۱۹) جو شخص خدا کی اطاعت کرتا ہے اس سے دوستی تم پر ضروری ہے' کیونکہ جو شخص صالح آدمی کو دوست رکھتا ہے' وہ گویا خدا کو دوست رکھتا ہے (۲۰) میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس نے دنیا چاہی ہو اور اسے آخرت ملی ہو' اس کے برخلاف جو آخرت چاہتا ہے اسے دنیا بھی مل جاتی ہے۔ یعنی پھر ایسی چیز کیوں نہ چاہی جائے' جس سے دونوں چیزیں مل جائیں۔ (۲۱) اسلام یہ ہے کہ تم اپنے قلب کو خدا کے سپرد کر دو اور ہر مسلمان تمہارے ہاتھوں سے محفوظ رہے۔ (۲۲) محبت کا متوالا ہمیشہ مست و بے خود رہتا ہے' اسے صرف محبوب کا مشاہدۂ جمال ہوشیار کرتا ہے[1]

---

[1] یہ اقوال مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۴۴ تا ۱۴۶ سے ماخوذ ہیں۔

marfat.com

وفات:

بعض خاصان حق کو دنیا چھوڑنے سے پیشتر وصل محبوب کے اشارات مل جاتے ہیں، خود قرآن نے وفات نبوی ﷺ کا اشارہ کر دیا تھا، بعض آدمیوں کو عالم رویا میں حسن بصری کی وفات کا بھی اشارہ مل گیا تھا، چنانچہ ان کی وفات سے چند دنوں پیشتر ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ ایک طائر نے مسجد کی سب سے خوبصورت کنکری اٹھالی، مشہور معبر ابن سیرین نے اس کی یہ تعبیر دی کہ حسن کا انتقال ہو جائے گا[۲]

اس خواب کے چند ہی دنوں کے بعد حسن بصری مرض الموت میں مبتلا ہوئے، دوران علالت میں فرماتے تھے: ''کاش انسان نے اپنی صحت وتندرستی کے زمانہ میں بیماری کے دن کے لیے کچھ رکھ چھوڑا ہوتا، وقت آخر اپنے صاحبزادے کو اپنی کتابیں اکٹھا کرنے کا حکم دیا انہوں نے حکم کی تعمیل کی اس کے بعد خادم کو تنور جلانے کا حکم دیا، اس نے جلایا اور چشم زدن میں علوم وفنون کا سارا دفتر جل کر خاکستر ہو گیا۔ اب اس کا وقت آ گیا تھا۔

صد کتاب وصد ورق درنار کن　　جان دارا جانب دلدار کن

صرف ایک کتاب باقی رہنے دی[۱] ممکن ہے یہ قرآن کے متعلقات میں رہی ہو جس کو احتراما چھوڑ دیا ہو۔

دم آخر کاتب کو بلا کر لکھوایا کہ حسن اس کی شہادت دیتا ہے کہ لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ جس نے موت کے وقت صدق دل سے اس کی شہادت دی وہ جنت میں داخل ہو گا[۲]

ان تیاریوں سے فراغت کے بعد ۱۱۰ھ میں شب جمعہ کو سفر آخرت کیا، محدث ایوب اور حمید الطویل نے غسل دیا[۳] دوسرے دن بعد نماز جمعہ ''عاشق کا جنازہ تھا بڑی دھوم سے اٹھا ساری خلقت جنازہ پر ٹوٹ پڑی، شہر اتنا خالی ہو گیا کہ اس دن جامع بصرہ میں کوئی عصر کی نماز پڑھنے والا نہ تھا''[۴]

---

[۱] ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۲۷۔ [۲] ایضاً ص ۱۲۹۔ [۳] ایضاً ص ۱۲۹۔ [۴] ابن خلکان ج ا ص ۱۲۸۔

marfat.com

حلیہ:

حضرت حسن بصری جمال معنوی کے ساتھ حسن ظاہری سے بھی آراستہ تھے صورۃً نہایت حسین جمیل تھے[1] اس حسن کے ساتھ خدا نے وجاہت اور رعب بھی عطا فرمایا تھا' جس مجمع میں بیٹھتے تھے' سب میں ممتاز نظر آتے تھے' عاصم کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ بصرہ جاتے وقت امام شعبی سے پوچھا کہ بصرہ میں آپ کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے؟ شعبی نے کہا حسن کو میرا اسلام پہنچا دینا' عاصم نے کہا میں ان کو پہچانتا نہیں ہوں' شعبی نے یہ نشان بتایا کہ بصرہ میں داخل ہونے کے بعد تم کو جو سب سے زیادہ حسین شخص نظر آئے اور تمہارے دل پر جس کا سب سے زیادہ رعب پڑے اسی کو سلام پہنچانا' اس نشان پر شعبی نے سلام پہنچایا جو ٹھیک حسن بصری کو پہنچا[2]

لباس:

اس حسن ظاہری کے ساتھ بڑے خوش لباس اور جامہ زیب تھے' چنانچہ ظاہری وضع وقطع میں زیادہ تقشف کو پسند نہ کرتے' بلکہ اس کو جامۂ ریا سمجھتے تھے' اسی لیے نہایت بیش قیمت اور خوبصورت کپڑے استعمال کرتے تھے مشہور مشہور مقامات کے عمدہ کپڑے منگواتے تھے' شطاء کا کتان' یمن کی چادر اور پھول دار چادریں استعمال کرتے تھے' لباس میں جبہ' رداء اور عمامہ پورے کپڑے ہوتے تھے' بغیر عمامہ کے گھر سے باہر نہ نکلتے تھے[3]

---

۱ ابن سعد ج ۱ص ۱۱۵۔

۲ تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۴۔

۳ ابن سعد ج ۷ ق ۱ تذکرہ حسن بصری۔

marfat.com

۱۷۔ حکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

حکم نام' ابوعبداللہ کنیت' کندہ کے غلام تھے۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

''کان الحکم بن عتیبه ثقة فقیها عالما رفیعا کثیر الحدیث' [۱] اکابر علماء ان کے کمالات کے معترف تھے' ابن عیینہ کا بیان ہے کہ کوفہ میں حکم کا مثل نہ تھا' اس عہد کے تمام علماء ان کی دولت علم کے سامنے دامن احتیاط پھیلاتے تھے' مجاہد بن رومی کہتے تھے کہ مجھ کو حکم کے حقیقی کمال کا پورا اندازہ اس وقت ہوتا تھا جب بڑے بڑے علماء مسجد منی میں جمع ہوتے تھے' اور وہ سب ان کی دولت علم کے دست نگر معلوم ہوتے تھے۔[۲]

حدیث:

کوفہ کے ممتاز حفاظ میں تھے' حافظ ذہبی انہیں حافظ اور شیخ کوفہ[۳] اور علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[۴] حدیث میں انہوں نے صحابہ میں ابوجحیفہ' زید بن ارقم' عبداللہ بن ابی اوفی اور تابعین میں قاضی شریح' قیس بن ابی حازم' موسیٰ بن طلحہ' یزید بن شریک تیمی' عبداللہ ابن شداد' سعید بن جبیر' مجاہد' عطاء' طاؤس' قاسم بن مخیمرہ' مصعب بن سعد' محمد بن کعب قرظی اور ابن ابی لیلیٰ وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا۔

آپ کے تلامذہ میں' اعمش' منصور' ابواسحاق سبیعی' ابواسحاق شیبانی' قتادہ' ابان ابن صالح' حجاج بن دینار' اوزاعی' مسعر' شعبہ' ابوعوانہ جیسے علماء تھے۔[۵]

۱۔ ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۱۔ ۲۔ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۴۔ ۳۔ ایضاً ج ۱ ص ۱۰۴۔
۴۔ ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۱۔ ۵۔ تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۳۔

marfat.com

فقہ:

ابراہیم نخعی ائمہ فقہ میں تھے، حکم ان کے خاص اصحاب میں تھے[1] ان کے فیض صحبت نے ان کو کوفہ کا بہت بڑا فقیہ بنا دیا تھا، عبدہ بن ابی لبانہ کہتے تھے کہ میں نے دونوں کناروں کے درمیان حکم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا، لیث بن سلیم کہتے تھے کہ حکم امام شعبی سے بھی بڑے فقیہ تھے[2]۔

شعبی کی جانشینی:

شعبی کے بعد کوفہ کی مسند علم انہی کے حصہ میں آئی، اسرائیل بیان کرتے ہیں کہ حکم کو میں نے سب سے پہلے شعبی کی موت کے دن جانا، ان کی موت کے بعد ایک شخص کوئی مسئلہ پوچھنے آیا، لوگوں نے اسے کہا حکم بن عتیبہ کے پاس جاؤ[3]۔

عبادت وریاضت:

اس علم کے ساتھ وہ بڑے عبادت گزار بھی تھے، عباس مروزی کا بیان ہے کہ وہ صاحب عبادت وفضل تھے، پابندی سنت میں خاص اہتمام تھا۔[4]

عظمت واحترام:

ان کے علمی واخلاقی کمالات کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں ان کی بڑی عظمت تھی۔ مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ جب وہ مدینہ آتے تھے تو لوگ ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کا ساریہ خالی کر دیتے تھے، اس میں وہ نماز پڑھتے۔[5]

وفات:

ہشام بن عبدالملک کے عہد خلافت ۱۰۵ھ میں وفات پائی[6]۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۳۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۴۔ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۸۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۴۳۳۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۴۔ [6] ابن سعد ج ۶ ص ۲۳۱۔

marfat.com

۱۸- خارجہ بن زید رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

خارجہ نام' ابو زید کنیت' مشہور صحابی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں' نسب نامہ یہ ہے: خارجہ بن زید بن ثابت بن ضحاک بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد مناف بن مالک بن نجار' ماں کا نام جمیلہ تھا' نانہالی شجرہ یہ ہے' جمیلہ بنت سعد بن الربیع بن عمرو بن مالک بن امراء القیس بن مالک بن ثعلبہ خزرجی۔

فضل وکمال:

خارجہ کے والد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ علمائے صحابہ میں تھے' خصوصاً حفظ قرآن میں جماعت صحابہ میں ممتاز تھے' کلام اللہ انہی کی زیر نگرانی مدون ہوا تھا' خارجہ نے اسی آغوش علم میں پرورش پائی تھی' باپ کے فیض تعلیم سے ان کا شماران کے عہد کے کبار علماء میں ہوگیا تھا' حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ کبار علماء میں تھے[1] امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ علم میں امام بارع تھے' اوران کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[2]

حدیث:

حدیث میں انہوں نے اپنے والد زید' اپنے چچا یزید' اسامہ بن زید' سہل بن سعد' عبدالرحمن بن ابی عمرہ سے سماع حدیث کیا تھا' خود ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے سلیمان' بھتیجے سعید اور قیس بن سعد اور عام لوگوں میں عبداللہ بن عمرو بن عثمان مطلب بن عبداللہ اور یزید ابن قسیط وغیرہ لائق ذکر ہیں[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۰، ۸۱۔ [2] تہذیب الاسماء نووی ج ۱ ص ۱۷۲۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۷۵۔

marfat.com

فقہ:

فقہ ان کا امتیازی فن تھا' اس میں وہ امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے' چنانچہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں ایک ان کا نام بھی تھا[1]

فرائض:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرائض کے بھی بڑے عالم تھے' اس لیے خارجہ کو یہ دولت گویا وراثتاً ملی تھی' چنانچہ علمائے مدینہ میں وہ اور طلحہ بن عبداللہ بن عوف میراث تقسیم کرتے تھے اور تقسیم کے وثیقے لکھتے تھے۔ اور اس میں ان کا قول سند مانا جاتا تھا[2]

وفات:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت ۱۰۰ھ میں وفات پائی' وفات سے کچھ دنوں پہلے خواب دیکھا کہ ستر سیڑھیاں بنائی ہیں' انہیں بنانے کے بعد گر پڑے' اسی سال انتقال ہوگیا' وفات کے وقت پورے ستر سال کی عمر تھی' ابوبکر بن محمد والی مدینہ نے جنازہ کی نماز پڑھائی[3]

حلیہ اور لباس:

خارجہ کا جسم نہایت سڈول اور خوبصورت تھا' خز کی چادر اوڑھتے تھے۔ سپید عمامہ باندھتے تھے اور بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے[4]

اولاد:

وفات کے بعد متعدد اولادیں یادگار چھوڑیں' لڑکوں میں زید' عمر' عبداللہ' محمد اور لڑکیوں میں حبیبہ' حمیدہ' یحییٰ اور ام سلیمان تھیں' اور یہ سب اولادیں ام عمرو بنت حزم کے بطن سے تھیں[5]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۷۵۔ [2] ایضاً۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۹۴۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔

marfat.com

۱۹- خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

خالد نام، ابوعبداللہ کنیت، نسب نامہ یہ ہے، خالد بن معدان بن ابی کریب کلابی۔

فضل وکمال:

خالد کو علم وفن کے ساتھ خاص ذوق وشغف تھا اور وہ ان کا مشغلہ حیات بن گیا تھا۔ بحیر کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ علم سے چسپاں رہنے والا نہیں دیکھا،[۱] اس ذوق نے ان کو حمص کا ممتاز عالم بنا دیا تھا۔[۲]

حدیث:

حدیث کے وہ بہت بڑے عالم تھے، ستر صحابہ سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ ان میں سے ثوبان، ابن عمر، ابن عمرو بن العاص، عتبہ بن عبد السلمی، معاویہ بن ابی سفیان، مقدام بن معدیکرب اور ابوامامہ ؓ سے سماع حدیث کیا تھا،[۳] عبادہ بن ثابت، ابودرداء، معاذ بن جبل، ابوعبیدہ، ابوذر غفاری، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے مرسل روایات کی ہیں۔[۴]

فقہ:

فقہ میں بھی انہیں پورا درک تھا۔ صحابہ کی جماعت کے بعد فقہائے شام کے تیسرے طبقہ میں ان کا شمار تھا۔[۵]

حلقہ درس:

ان کا حلقہ درس بھی تھا، لیکن شہرت سے اس قدر گھبراتے تھے کہ جب حلقہ زیادہ بڑھا تو شہرت کے خوف سے درس وتدریس کی مسند اٹھا دی۔[۶]

تلامذہ: ان کے تلامذہ میں بحیر بن سعید، محمد بن ابراہیم تیمی، ثور بن یزید، حریز بن عثمان، عامر بن حشیب، حسان بن عطیہ اور فضیل بن فضالہ وغیرہ لائق ذکر ہیں۔[۷]

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۸۔ ۲ ایضاً۔ ۳ ایضاً۔ ۴ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱۹۔
۵ ایضاً۔ ۶ تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۸۱۔ ۷ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱۸۔

marfat.com

کتابت علم:

انہوں نے تمام معلومات قلم بند کر لیے تھے، ان کے تلمیذ بجیر کا بیان ہے کہ ان کا سارا علم ایک مصحف میں تھا۔[1]

ارباب علم کا اعتراف:

اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ ان کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ سفیان ثوری کہتے تھے کہ میں خالد بن معدان پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا۔[2] امام اوزاعی ان کی بڑی عظمت کرتے تھے، اور لوگوں کو ان کی لڑکی عبدہ کے پاس بھیج کر ان کے طریقے معلوم کراتے تھے۔[3]

عبادت:

اس علم کے ساتھ وہ عمل کی دولت سے بھی مالا مال تھے، ابن حبان ان کو بہترین خدا کے بندوں میں لکھتے ہیں[4] دن بھر میں ستر ہزار تسبیحیں پڑھتے تھے[5] عبادت اور ریاضت کا نشان پیشانی پر تاباں تھا۔[6]

موت کا ذوق:

موت خاصان خدا کے لیے پیام وصل ہے، اس لیے خالد اس سے خوفزدہ ہونے کے بجائے اس کے شائق رہتے تھے، چنانچہ کہتے تھے کہ اگر موت کوئی ایسا علم ہوتی جس کی جانب مسابقت کی جا سکتی، تو میں سب سے پہلے اس کے پاس پہنچتا اور اس شخص کے سوا جو اپنی قوت سے آگے بڑھ جاتا، اور کوئی مجھ سے بازی نہ لے جا سکتا۔[7]

وفات:

یزید بن عبدالملک کے عہد میں یہ ذوق پورا ہوا، اور ۱۰۳ھ میں وفات پائی، وفات کے دن روزے سے تھے۔[8]

---

1. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۱۔ 2. ایضاً۔ 3. تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۱۹۔ 4. ایضاً۔
5. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۱۔ 6. ابن سعد ج ۷ ص ۱۶۲۔ 7. ایضاً۔ 8. ایضاً۔

marfat.com

۲۰- داؤد بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

داؤد نام' ابوبکر کنیت' طہمان القسیری کے غلام تھے' اصل وطن سرخس تھا' لیکن بصرہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

فضل وکمال:

داؤد کا پیشہ خیاطی تھا[1] لیکن یہ پیشہ انہیں تحصیل علم اور کسب کمال سے نہ روک سکا' انہوں نے خیاطی کے ساتھ ساتھ قرآن' حدیث اور فقہ میں اتنا کمال حاصل کرلیا تھا کہ حافظ ذہبی انہیں امام حافظ اور مفتی لکھتے ہیں[2]

تعلیم قرآن:

قرآن کے ساتھ انہیں خاص شغف تھا' اس شغف کا باعث ایک خاص واقعہ ہوا تھا جو خود انہی کی زبان میں یہ ہے کہ میں ایک مرتبہ طاعون میں مبتلا ہوا' بے ہوشی کی حالت میں مجھے نظر آیا کہ میرے پاس دو آدمی آئے ہیں' ان میں سے ایک نے میری زبان کی جڑ کو اور دوسرے نے میرے تلوے کو دبا کر ایک نے دوسرے سے پوچھا کیا چیز معلوم ہوتی ہے' دوسرے نے جواب دیا تسبیح تکبیر اور کچھ مسجد کی طرف چلنا اور تھوڑی سی قرآن کی قرأت' میں نے اس وقت تک قرآن حاصل نہ کیا تھا بیماری سے اٹھنے کے بعد ہمہ تن تعلیم قرآن کی طرف متوجہ ہوگیا' اور اس کو حاصل کرلیا[3]

---

1. تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۴۔
2. تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۱۔
3. ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۰۔

marfat.com

حدیث:

حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: "کان ثقة کثیر الحدیث"[1] حافظ ذہبی امام حافظ اور ثبت لکھتے ہیں[2] حدیث میں انہوں نے ابو العالیہ' سعید بن مسیب' ابوعثمان نہدی' شعبی' عکرمہ' عزرہ بن عبدالرحمٰن محمد بن سیرین' ابوالزبیر' مکحول شامی وغیرہ سے سماع کیا تھا' اور شعبہ' سفیان ثوری' مسلمہ بن علقمہ' ابن جریج' حماد' وہیب بن خالد' عبدالوارث ابن سعید' عبدالاعلیٰ' یحییٰ القطان' یزید بن زریع' اور یزید بن ہارون وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے[3]

ان کی مرویات کی تعداد دو سو تک پہنچتی ہے[4] کیفیت کے اعتبار سے ان کی مرویات کے متعلق ائمہ فن کی یہ رائے تھی' امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ "وہ ثقہ ہیں" ایک مرتبہ کسی نے داؤد کے بارے میں آپ سے پوچھا' آپ نے فرمایا داؤد جیسے شخص کے متعلق بھی پوچھنے کی ضرورت ہے[5] ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ متقنین فی الروایہ میں تھے[6] عجلی کہتے ہیں کہ وہ ثقہ' جید الاسناد اور رفیع تھے۔ ان کی روایات صحاح کی تمام کتابوں میں ہیں۔

فقہ:

ان کے تفقہ کے لیے یہ سند کافی ہے کہ بصرہ جیسے علمی مرکز کے مفتی تھے[7]

قوت استدلال:

اس علم کے ساتھ ان کا دماغ نہایت عقلی تھا' قوت استدلال ایسی زبردست تھی کہ بڑے سے بڑے معترضین کو دو جملوں میں خاموش کر دیتے تھے' ایک مرتبہ شام گئے وہاں غیلان قدری سے ملاقات ہوئی' اس نے کہا میں آپ سے چند مسائل پوچھنا چاہتا ہوں' آپ نے جواب دیا تم پچاس مسائل پوچھ سکتے ہو۔ لیکن مجھے دو سوالوں کی اجازت

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۰۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۴۔
[4] تہذیب الکمال ص ۱۱۱۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۴۔ [6] ایضاً۔
[7] ایضاً۔ [8] ایضاً۔ [8] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۱۔

marfat.com

و' غیلان نے کہا' فرمائیے' آپ نے سوال کیا خدا نے انسان کو سب سے افضل کون سی شے عطا کی ہے' غیلان نے کہا عقل' فرمایا اچھا یہ بتاؤ عقل اختیاری شے ہے کہ جس کا دل چاہے لے اور جس کا دل چاہے نہ لے' یا خدا کی جانب سے تقسیم ہوتی ہے' غیلان ان چند جملوں کو سن کر خاموشی سے چلا گیا' اور کوئی جواب نہ دے سکا' اس وقت داؤد نے کہا عقل ہی کی طرح خدا نے ایمان و مذہب ہر شے تقسیم فرمائی ہے' خدا ہی کی قوت اصل ہے۔[1] (اور جب تمام امور خدا کی طرف سے ہوئے تو پھر قدر کہاں رہ گیا)۔

عمل:

اس علم کے ساتھ داؤد نے عمل کی دولت سے بھی وافر حصہ پایا تھا' حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ راس العمل تھے[2] حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ صالح آدمی تھے[3] راستہ چلتے بھی خدا کا ذکر جاری رہتا تھا[4] چالیس سال تک مسلسل روزے رکھے اور لوگوں کو خبر تک نہ ہونے پائی' صبح کو گھر سے کھانا لے کر دوکان پر چلے جاتے تھے' اور راستہ میں اس کو خیرات کر دیتے تھے' اور شام کو گھر واپس ہو کر افطار کرتے تھے۔[5]

وفات:

۱۳۹ھ میں حج سے واپسی میں راستہ میں وفات پائی۔[6]

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۳۱۔ ۲ ایضاً۔ ۳ تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۰۴۔
۴ تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۳۲۔ ۵ ایضاً ص ۱۳۱۔ ۶ ایضاً و ابن سعد ج ۷ ق ۳ ص ۲۰۔

marfat.com

۲۱- ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ربیع نام' ابو یزید کنیت' نسبًا قبیلہ ثعلبہ کی ایک شاخ ثور سے تھے' نسب نامہ یہ ہے' ربیع بن خثیم بن عائذ بن عبداللہ بن منقذ بن ثور ثوری' ربیع ان تابعین میں ہیں' جنہوں نے رسالت کا مقدس دور پایا تھا' لیکن شرف صحابیت سے محروم رہے' تاہم وہ اس عہد کی برکات سے مالا مال تھے' اور عمل اور علم اور زہد وتقویٰ کے اعتبار سے ممتاز ترین تابعین میں ہیں۔

فضل وکمال:

وہ صاحب علم تابعین میں تھے' لیکن ان کی علم کی روشنی کو زہد وورع کے نور نے مدھم کر دیا تھا' یہی وجہ ہے کہ وہ علم سے زیادہ تقویٰ میں مشہور ہیں' ورنہ جہاں تک ان کے علمی کمالات کا تعلق ہے اس میں بھی وہ اپنے اقران میں ممتاز تھے' انہوں نے زمانہ ایسا پایا تھا جب علماء صحابہ کی بڑی جماعت موجود تھی' چنانچہ صحابہ میں انہوں نے عبداللہ بن مسعودؓ اور ابوایوب انصاریؓ سے فیض اٹھایا[1] عبداللہ بن مسعودؓ سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے' ان کی بارگاہ میں ربیع کو اتنا تقرب حاصل تھا کہ جب وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو جب تک دونوں کی تنہائی کی صحبت ختم نہ ہو جاتی اور دونوں کی ضرورتیں پوری نہ ہو جاتیں' اس وقت تک کسی کو اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملتی' ابن مسعودؓ پر ان کے فضائل وکمالات کا اتنا اثر تھا کہ وہ ان سے فرمایا کرتے تھے کہ ابو یزید اگر تم کو رسول اللہ ﷺ دیکھتے تو تم سے محبت فرماتے' جب میں تم کو دیکھتا ہوں تو متواضعین یاد آتے ہیں[2] عبداللہ بن مسعودؓ کی صحبت وہ تھی جس نے معمولی معمولی انسانوں کو صیقل علم سے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۲۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۷۔

marfat.com

جلا دے کر چکا دیا۔ ربیع تو فطرۃً نہایت صالح اور صاحب استعداد تھے‘ اس لیے وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی علمی برکات سے زیادہ مستفید ہوئے۔

قرآن:

ربیع کو قرآن‘ حدیث‘ فقہ جملہ علوم میں درک حاصل تھا‘ عملی حیثیت سے قرآن کے ساتھ زیادہ شغف تھا‘ جس کا ذکر آئندہ آئے گا‘ قرآن کی تفسیر و تاویل و آیات قرآنی سے استدلال کا بڑا ملکہ تھا‘ اپنی واعظانہ تقریروں میں وہ نہایت موزونیت سے آیات قرآنی کو کھپاتے تھے‘ جس کا اندازہ ان کے مواعظ سے ہوتا ہے‘ ان کا وعظ عموماً یہ ہوتا تھا۔

''اے خدا کے بندے ہمیشہ بھلی بات کہا کر‘ اور بھلائی پر عمل کیا کر‘ ہمیشہ بھلی خصلتوں پر رہا کر‘ اپنی مدت (حیات) کو زیادہ نہ سمجھ‘ اپنے قلب کو سخت نہ بنا‘ اور ان لوگوں کا مصداق نہ بن جو کہتے ہیں ہم نے سنا‘ حالانکہ وہ نہیں سنتے۔

﴿ لا تکونوا کالذین قالوا سمعنا وھم لا یسمعون ﴾ (انفال‘ ۳)

''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا حالانکہ نہیں سنتے''۔

اے خدا کے بندے اگر تو اچھے کام کرتا ہے تو ایک بعد دوسرا برابر کیے جا‘ کیونکہ عنقریب تجھے وہ دن پیش آنے والا ہے‘ جب تجھ کو یہ حسرت رہ جائے گی کہ کاش زیادہ اچھے کام کیے ہوتے اگر تجھ سے کچھ برائیاں سرزد ہو چکی ہیں‘ تو بھی اچھے کام کر کہ خدا فرماتا ہے:

﴿ ان الحسنات یذھبن السیات ذلک ذکریٰ للذاکرین ﴾ (ہود‘ ۱۰)

''بھلائیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں اور یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے''۔

اے بندۂ خدا! خدا نے اپنی کتاب میں جو علم تجھے عطا کیا ہے‘ اس پر اس کا شکر ادا کر‘ اور جو اس نے تجھ کو نہیں دیا بلکہ اپنے لیے مخصوص رکھا ہے‘ اس کو اس کے جاننے والے کے سپرد کر دو اور بناوٹ نہ کر کیونکہ خدا فرماتا ہے[1]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۸۔

marfat.com

﴿قل ما اسئلکم علیه من اجر وما انا من المتکلفین ان هوالا ذکر للعلمین ولتعلمن نباہ بعد حین﴾ (ص۔۵)

''(اے پیغمبر ﷺ) کہہ دیں کہ میں اس پر تجھ سے کوئی اجر نہیں مانگتا' اور میں تکلف کرنے والوں میں نہیں ہوں' قرآن دونوں عالموں کے لیے نصیحت ہے اور ایک وقت آئے گا' جب تم کو اس کی حقیقت معلوم ہوگی''۔

حدیث:

حدیث میں انہیں حافظ ذہبی امام اور قدوہ لکھتے ہیں[1] عبداللہ بن مسعود' ابوایوب انصاری' عمرو بن میمون اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہم سے سماع حدیث کیا تھا' اور ابراہیم نخعی' امام شعبی' منذر' ثوری' ہلال بن یساف اور بکر بن ماعز وغیرہ جیسے اکابر ان کے تلامذہ میں ہیں[2] معیار کے اعتبار سے ان کی روایات کا جو پایہ تھا' اس کا اندازہ ان آراء سے ہوسکتا ہے۔ امام شعبی کہتے تھے کہ ربیع سچائی کا معدن ہیں' ابن معین کا قول تھا کہ ربیع جیسے شخص کے متعلق کچھ پوچھنے کچھنے کی ضرورت نہیں[3]

فقہ:

اگرچہ ربیع نے فقیہ کی حیثیت سے کوئی شہرت حاصل نہیں کی' لیکن ان کے تفقہ کے لیے یہ سند کافی ہے کہ وہ فقیہ الامت عبداللہ بن مسعودؓ کے جن کے فتاوی پر عراقی فقہ کی بنیاد ہے' تربیت یافتہ اور خاص اصحاب میں تھے' لیکن جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے ان کی ان حیثیتوں کو ان کے زہد و ورع نے بالکل دبا دیا تھا۔

بنی ثور کی بعض خصوصیات:

عموماً ہر خاندان میں کچھ نہ کچھ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جو کم وبیش اس کے تمام افراد میں پائی جاتی ہیں' کوئی خاندان علم وفن میں ممتاز ہوتا ہے' کوئی زہد و ورع میں' کوئی اور کسی وصف میں۔ ربیع کا خاندان یعنی بنی ثور عبادت و ریاضت میں نمایاں اور ممتاز تھا'

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۵۰۔ [2] تہذیب التہذیب ج۳ ص۲۴۲۔ [3] ابن سعد ج۶ ص۱۳۳۔

marfat.com

شبرمہ کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ میں بنی ثور سے زیادہ فقیہ اور عبادت گزار شیوخ اور کسی قبیلہ میں نہیں دیکھے' ابی بکر زبیدی اپنے باپ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے ثوریوں اور غریبوں سے زیادہ مسجد میں بیٹھنے والا کوئی خاندان نہیں دیکھا[1]

زہد وورع:

ربیع اسی عبادت گزار قبیلہ کے فرد تھے جو مذہبی اور روحانی اور کمالات میں سب سے زیادہ نمایاں اور ممتاز تھا' وہ نہ صرف اپنے قبیلہ بلکہ جماعت تابعین کے عابد ترین افراد میں تھے ان کا شمار ان چند تابعین میں تھا جو زہد وورع کے لحاظ سے پوری جماعت میں ممتاز تھے[2]

ان کے زہد و ورع اور عبادت وریاضت پر تمام علماء اور مصنفین کا اتفاق عام ہے' امام شعبی کا بیان ہے کہ ربیع اپنی جماعت میں سب سے زیادہ متورع تھے[3] ابی عبیدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ربیع سے زیادہ لطیف العبادہ نہیں دیکھا[4] حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ربیع کا زہد اور ان کی عبادت اس قدر مشہور ہے کہ اس کے متعلق لکھنے کی ضرورت نہیں[5]

خشیت الٰہی:

اعمال حسنہ کا اصل سرچشمہ خشیت الٰہی ہے' ربیع پر اتنی خشیت طاری رہتی تھی کہ روتے روتے داڑھی آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھی' عذاب دوزخ کا معمولی نمونہ دیکھ کر بے ہوش ہو جاتے تھے۔ اعمش بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ لوہار کی بھٹی کی طرف سے گزرے تو بھٹی دیکھ کر بے ہوش ہو گئے[6]

شب بیداری:

ان کی عبادت کا خاص وقت شب کی تاریکی تھا' ساری رات عبادت کرتے تھے[7] پر موعظت آیات پڑھتے تھے' اور شدت تاثر میں ان کو دہراتے دہراتے صبح کر

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۲۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۵۰۔
[4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۷۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۴۲۔ [6] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۱۔
[7] تہذیب الکمال ص ۱۱۵۔

marfat.com

دیتے ان کے غلام نسیر بن ذعلوق بیان کرتے ہیں کہ ربیع رات کی تاریکی میں تہجد پڑھتے ہوئے جب اس پر آیت پر پہنچے:

﴿ ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین امنوا وعملو الصالحات سواء محیاھم ومماتھم سآء ما یحکمون ﴾ (جاثیہ ۲)

''کیا جنہوں نے برائیاں کی ہیں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کردیں گے جنہوں نے اچھے اعمال کیے جن کی زندگی اور موت برابر ہے' وہ لوگ کیا ہی برا فیصلہ کرتے ہیں''۔

تو اس کو دہراتے دہراتے صبح کردیتے تھے[1]

جماعت کا اہتمام:

نماز باجماعت کبھی ناغہ نہ ہوتی تھی۔ آخر عمر میں فالج کے اثر سے چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تھے' لیکن اس وقت بھی نماز باجماعت قضا نہ ہوتی تھی دوسروں کے سہارے یا گھسٹتے ہوئے مسجد پہنچتے تھے' ابوحیان اپنے والد کی زبان بیان کرتے ہیں کہ ربیع فالج سے معذور ہوگئے تھے۔ لیکن نماز کے لیے پیروں سے گھسٹتے ہوئے یا دوسروں کا سہارا لے کر مسجد میں آتے تھے' لوگ کہتے ابو یزید اس مجبوری کی حالت میں تو گھر پر نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ جواب دیتے حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح سننے کے بعد جہاں تک ہوسکے اس کا جواب دینا چاہیے' خواہ گھٹنے کے بل چلنا پڑے[2]

جہاد لوجہ اللہ:

اگر ربیع ایک زاہد گوشہ نشین تھے' اسی لیے وہ خلافت راشدہ کے دور میں موجود ہونے کے باوجود اس عہد کی عملی زندگی میں نہیں نظر آتے۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گوشہ عزلت سے باہر نکل آتے تھے' اور یہ جہاد اس قدر خالص اور لوجہ اللہ ہوتا تھا' کہ مال غنیمت بھی اپنے تصرف میں نہ لاتے تھے۔ بلکہ جو کچھ ملتا تھا' اس کو خدا ہی کی راہ میں

---

[1] ابن سعد ج ۲ ص ۲۳۔ [2] ایضاً ج ۶ ص ۱۳۳۔

marfat.com

صرف کر دیتے تھے۔ عبد خیر بیان کرتے ہیں کہ میں ایک جنگ میں ربیع کا رفیق جہاد تھا' اس میں انہیں غنیمت میں بہت سے غلام اور مویشی ملے' چند دنوں کے بعد مجھے ان کے پاس جانے کا اتفاق ہوا تو ان میں سے کوئی چیز نظر نہ آئی' میں نے پوچھا غلام اور مویشی کیا ہوئے؟ اس مرتبہ انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا' جب میں نے دوبارہ پوچھا تو فرمایا: ''سب اللہ کی راہ میں دے دیئے''

انفاق فی سبیل اللہ:

انفاق فی سبیل اللہ ان کا خاص وصف تھا' آپ کو شیرینی مرغوب تھی اس لیے جب کوئی سائل آتا' تو اسے شکر دیتے' لوگ آپ سے کہتے کہ وہ شکر کیا کرے گا۔ اس کے لیے تو اس سے بہتر روٹی ہے' جواب دیتے خدا فرماتا ہے: ''ویطعمون الطعام علی حبہ''[1] حاجت مند' نادار اور مجنون پڑوسیوں کو اچھے اچھے کھانے پکوا کر کھلاتے تھے۔ منذر ثوری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ربیع نے اپنے گھروں سے خبیص (ایک قسم کا کھانا) پکانے کو کہا' چونکہ وہ اپنے لیے کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں کرتے تھے' اس لیے ان کی بیوی نے بڑے اہتمام سے خبیص تیار کیا' ان کے پڑوس میں ایک دیوانہ رہتا تھا' ربیع نے خبیص لے جا کر اپنے ہاتھ سے اس کو کھلایا' اس کے منہ سے لعاب بہتا جاتا تھا۔ جب کھلا کر گھر واپس آئے تو بیوی نے کہا ہم نے زحمت اٹھا کر اتنے اہتمام سے پکایا اور تم نے لے جا کر ایسے شخص کو کھلا دیا جو یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ اس نے کیا کھایا' آپ نے جواب دیا خدا تو جانتا ہے[3]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ان کی زندگی کا اہم مشغلہ تھا۔ اگرچہ وہ نہایت خاموش اور عزلت نشین تھے' لیکن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے یہ عزلت نشینی اور خاموشی ٹوٹ جاتی تھی' آپ کے پاس جو شخص آتا اس سے فرماتے اچھی باتیں کہا کرو اور خود اچھی باتوں پر عمل کیا کرو' ہمیشہ بھلائی پر رہا کرو' جہاں تک ہو سکے نیک کاموں میں زیادتی کرو اور برے کاموں میں کمی' اپنے دلوں کو سخت نہ بنالو' تمہاری مدت زیادہ نہیں ہے۔

---

1 ابن سعد ج ۶ ص 2 ایضاً ج ۶ ص ۱۳۱۔ 3 ایضاً

marfat.com

ہے۔ ان لوگوں میں نہ ہو جو زبان سے تو کہتے ہیں ہم سنتے ہیں' لیکن حقیقۃً نہیں سنتے [1]
جو شخص نصیحت کی درخواست کرتا اسے قرآنی احکام لکھوا دیتے ایک شخص نے درخواست کی کہ کچھ وصیت فرمائیے' اس کی درخواست پر کاغذ منگوا کر" قل تعالوا ما حرم علیکم " سے "لعلکم تتقون " تک قرآن کی آیات لکھوا دیں' اس شخص نے کہا میں آپ کے پاس اس لیے آیا تھا کہ آپ مجھے وصیت فرمائیں گے۔ فرمایا بس اسی پر عمل کرو [2]

پندار تقویٰ سے احتراز:

اس راہ کی سب سے کٹھن منزل پندار تقویٰ ہے۔ جس میں بڑے بڑے زاہدوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں' اور عبائے زہد کا دامن پندار کے داغ سے داغدار بن جاتا ہے' ربیع کا یہ خاص کمال تھا کہ وہ تقویٰ کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہونے کے باوجود گنہگاروں کے لیے بھی اپنی زبان سے کوئی ناروا کلمہ نہ بولتے تھے۔ نسر بن ذعلوق کا بیان ہے کہ کسی نے ربیع سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو برا نہیں کہتے۔ آپ نے جواب دیا خدا کی قسم مجھے خود اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے کہ دوسروں کو برا کہوں' لوگوں کا عجیب حال ہے کہ وہ دوسروں کے گناہوں پر تو خدا سے ڈرتے ہیں۔ لیکن خود اپنے گناہوں کی جانب سے بے خوف ہیں [3]

شدت احتیاط:

ربیع کو اوامر و نواہی کی پابندی میں اتنا اہتمام تھا! اور وہ چھوٹی چھوٹی اور معمولی باتوں میں اتنی احتیاط برتتے تھے کہ ہر شخص کا ذہن ان کی طرف منتقل نہیں ہو سکتا۔ بکر بن ماعز کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ربیع کی بچی نے ان سے کہا' ابا میں کھیلنے جاتی ہوں' فرمایا جاؤ' اچھی باتیں کہو۔ چھوٹی بچی اس کو کیا سمجھتی' وہ سر ہوگئی کہ میں کھیلنے جاتی ہوں۔ لوگوں نے ربیع سے کہا آپ اسے کھیل کے لیے کیوں نہیں جانے دیتے' فرمایا میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے آج کے نامۂ اعمال میں یہ لکھا جائے کہ میں نے کھیل کا حکم دیا [4]
نردشیر کا کھیل لہو ولعب میں ہے' اور اس کی ممانعت کی حیثیت بھی اسی حد تک ہے لیکن ربیع

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۱۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً ص ۱۲۹۔ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۱۔

marfat.com

شدت احتیاط میں کہتے تھے کہ میں نردشیر کے پانسوں کو اپنے ہاتھ سے الٹنے کے مقابلہ میں سور کے گوشت کو اٹھالینا زیادہ پسند کرتا ہوں[1]

انکسار و تواضع:

ان کمالات پر انکسار و تواضع کا یہ حال تھا کہ پاخانہ تک اپنے ہاتھوں سے صاف کرتے تھے' ایک شخص نے کہا اس کام کے لیے دوسرے لوگ موجود ہیں' جواب دیا میں چاہتا ہوں کہ گھر کے کاروبار میں بھی حصہ لوں' ان کی خاکساری کو دیکھ کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے تھے کہ تم کو دیکھ کر متواضعین کی یاد آ جاتی ہے[2] کسی موقع پر بھی ان کی زبان سے برا کلمہ نہ نکلتا تھا' کسی سے تکلیف بھی پہنچتی تو اس کو دعا دیتے' ایک مرتبہ مسجد میں نمازیوں کا ہجوم زیادہ تھا۔ جب جماعت کھڑی ہونے لگی' اور لوگ آگے بڑھے تو ایک شخص نے جو ربیع کے پیچھے تھا ان سے کہا آگے بڑھو لیکن کثرت اژدہام سے آگے راستہ نہ تھا۔ انہوں نے صرف اس قدر کہا' خدا تم پر رحم کرے' اس شخص نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ربیع تھے انہیں دیکھ کر فرط ندامت سے رونے لگا۔[3]

مجمعوں سے احتراز:

ربیع نہایت تنہائی پسند تھے' نہ کہیں آتے جاتے تھے' نہ کسی مجمع میں بیٹھتے تھے' امام شعبی کا بیان ہے کہ ربیع جب سے سن شعور کو پہنچے' نہ کسی مجلس میں بیٹھے نہ کسی شاہراہ پر گئے' اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا کہ میں کسی مقام پر جاؤں اور وہاں کوئی ایسی چیز دیکھوں جس میں شہادت میں بلایا جاؤں اور شہادت نہ دے سکوں' یا کسی گرانبار آدمی کو دیکھوں اور اس کی مدد نہ کرسکوں یا مظلوم کو دیکھوں اور اس کی اعانت نہ کرسکوں[4]

سکوت و خاموشی:

وہ گھر میں بھی عموماً خاموش رہتے تھے' بہت کم باتیں کرتے تھے' فضول کلمہ تو زبان سے نکلتا ہی نہ تھا' ایک شخص کا جو آپ کی خدمت میں بیس سال تک رہا تھا' بیان ہے

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۲۔ [2] ایضاً ص ۱۲۷۔ [3] ایضاً ص ۱۳۰۔ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۹۔

marfat.com

کہ میں نے بیس سال کی طویل مدت میں ان کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہیں سنا جس پر نکتہ چینی کی جاسکے[1] اسی شخص کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال کے عرصہ میں ربیع کو کلمہ خیر کے علاوہ دوسرا کلمہ زبان سے نکالتے ہوئے نہیں دیکھا[2]

ایک تیمی کا بیان ہے کہ میں دو سال تک ربیع کے پاس بیٹھا' اس دوران میں انہوں نے مجھ سے انسانوں کے دنیاوی حالات کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا' صرف ایک مرتبہ اتنا پوچھا کہ تمہاری ماں زندہ ہیں' اور تمہارے محلہ میں کتنی مسجدیں ہیں[3] وہ دوسروں کو بھی فضول گوئی سے منع کرتے تھے' اور فرماتے تھے کہ باتیں کم کیا کرو' اگر ہو سکے تو فضول باتوں کی بجائے سُبْحَانَ اللّٰهِ' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ' لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کا ورد کیا کرو' لوگوں کو اچھی باتیں کرنے کی تلقین کیا کرو' بری باتوں سے روکا کرو' قرآن پڑھا کرو' خدا سے بھلائی کی درخواست کیا کرو اور شر سے پناہ مانگا کرو[4]

دوسروں پر اخلاق کا اثر:

ربیع گو خاموش اور عزلت نشین تھے' لیکن پھول کی خوشبو اور آفتاب کی روشنی قید نہیں کی جاسکتی' اس لیے ان کی گوشہ گیری کے باوجود ان کی نگہت اخلاق ہر طرف پھیل گئی اور ہر شخص ان کے اخلاقی فضائل سے متاثر ہوگیا' شقیق روایت کرتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے چند اصحاب کے ساتھ ربیع کی ملاقات کو گئے' ایک شخص نے راستہ میں پوچھا کہاں جاتے ہو' ہم نے کہا ربیع سے ملنے کے لیے' اس نے کہا تم لوگ ایسے شخص کے پاس جا رہے ہو کہ جب وہ کوئی بات کہتا ہے' تو جھوٹ نہیں کہتا' جب وہ وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی نہیں کرتا اگر اس کے پاس امانت رکھو تو اس میں خیانت نہیں کرتا[5]

کسی انسان میں حقیقی عظمت اس کے معاصرین کا اعتراف ہے' ربیع کے معاصرین ان سے اتنا متاثر تھے کہ ان کے مقابلہ میں ذہنی بڑائی بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ ایک شخص نے ابو وائل سے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا ربیع' انہوں نے

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۸۔ [2] ایضاً ص ۱۲۵۔ [3] ایضاً ۱۲۹۔ [4] ایضاً ص
[5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۰۔

marfat.com

جواب دیا کہ سن میں ان سے بڑا ہوں لیکن وہ عقل میں مجھ سے بڑے ہیں[1]

توکل علی اللہ:

توکل اور اعتماد علی اللہ کے اصل معنی ہیں کوشش کر کے کسی کام کی کامیابی اور ناکامیابی کو خدا کے حوالہ کردینا' لیکن توکل کا ایک درجہ اس سے بھی بلند ہے جو صرف خاصان خدا کا حصہ ہے' وہ یہ کہ دنیاوی وسائل ہی نہ اختیار کیے جائیں' اور اس کو بھی خدا کے حوالہ کردیا جائے' ربیع اسی درجہ قصوی پر فائز تھے' کہ وہ موت و زیست کے سوال کے موقع پر دنیاوی وسائل نہ اختیار کرتے تھے' فالج جیسے موذی اور زندہ درگور کردینے والے مرض میں مبتلا تھے' لیکن کسی طرح علاج نہیں کراتے تھے' لوگ ان سے کہتے' کاش آپ علاج کراتے' فرماتے عاد و ثمود اور اصحاب رس سب گزر گئے' ان کے درمیان بہت سے قرن تھے' اور ان میں علاج کرنے والے بھی موجود تھے' لیکن نہ تو علاج کرنے والے ہی باقی رہ گئے اور نہ علاج کرانے والے' سب مٹ گئے[2]

وفات:

اس توکل کا نتیجہ یہ ہوا کہ بالآخر فالج نے مرض الموت کی شکل اختیار کرلی' دم آخر انہوں نے لوگوں کے روبرو یہ اعترافات کیے کہ میں اپنے نفس پر اللہ کو گواہ بناتا ہوں' وہ اپنے نیک بندوں کی شہادت' انہیں بدلہ دینے اور ثواب دینے کے لیے کافی ہے۔ میں خدا کی ربوبیت' دین اسلام' محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت اور قرآن کی امامت سے راضی ہوں کہ ہم سب عابدین کے زمرہ میں خدا کی عبادت کریں' اور حمد کرنے والوں میں اس کی حمد کریں' اور مسلمانوں کی خیر خواہی کریں[3] ان وصیتوں کے بعد واصل بحق ہوئے' یہ کوفہ پر عبیداللہ بن زیاد کی ولایت کا زمانہ تھا[4]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۰۔ [2] ایضاً ص ۱۳۴۔ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۴۔ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۴

marfat.com

۲۲- ربیعہ بن فروخ المقلب بہ رائے رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ربیعہ نام' ابوعثمان کنیت' رائے لقب' باپ کا نام فروخ' اور کنیت ابوعبدالرحمٰن تھی' فروخ قبیلہ بنی تمیم بن جرہ کے غلام تھے' اس غلام کے گھر میں ربیعہ پیدا ہوئے جو آگے چل کر اقلیم علم کے تاجدار بنے۔

فضل وکمال:

فضل وکمال کے اعتبار سے' ربیعہ ائمہ تابعین میں تھے' ان کی علمی جلالت تمام علماء ومحدثین میں مسلم تھی' علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ربیع کی توثیق جلالت اور علمی اور عقلی عظمت پر تمام علماء اور محدثین کا اتفاق ہے[1] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ امام تھے' حافظ تھے' فقیہ تھے' مجتہد تھے اور رائے میں انہیں خاص بصیرت تھی۔ اس لیے ربیعۃ الرائے کہلاتے تھے[2] خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ تھے' اور فقہ وحدیث کے حافظ تھے[3]

پیدائش وتعلیم:

ربیعہ کے ابتدائی اور تعلیمی حالات نہایت سبق آموز اور دلچسپ ہیں' ابھی وہ مادر شکم میں تھے کہ ان کے والد فروخ کو خراسان کی مہم میں چلا جانا پڑا' اور کچھ ایسے اتفاقات پیش آتے گئے کہ وہ کامل ستائیس برس تک وطن نہ آسکے۔ ربیعہ کی ماں نہایت عاقلہ اور عاقبت اندیش خاتون تھیں' ربیعہ کی پیدائش کے بعد ان کی تعلیم وتربیت کا بڑا خیال رکھا' چنانچہ شوہر کی عدم موجودگی میں انہوں نے پوری توجہ سے لڑکے کو تعلیم وتربیت دلائی اور شوہر کا کل اندوختہ جس کی تعداد تیس ہزار اشرفی تھی' ربیعہ کی تعلیم پر صرف کردیا'

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱ ق ۱ ص ۱۵۹۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۱۔ [3] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۱۔

marfat.com

ربیعہ خود نہایت ذہین طباع اور شائق تھے اس لیے انہوں نے بہت جلد تعلیم حاصل کر لی اور آغار شباب ہی میں وہ جملہ علوم میں کامل ہو گئے۔ چھبیس ستائیس سال کی عمر میں ان کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا' اور ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی۔

ستائیس سال کے بعد ان کے والد گھر واپس آئے' گھر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا' باپ بیٹے دونوں ایک دوسرے سے ناواقف تھے' ربیعہ باہر نکلے تو دروازہ پر ایک اجنبی کو دیکھ کر سخت برہم ہوئے' اور کہا دشمن خدا تو میرے گھر پر حملہ کرتا ہے' فروخ نے جواب دیا دشمن خدا تو میرے حرم میں گھسا ہوا ہے' دونوں میں یہاں تک گفتگو بڑھی کہ باہم دست و گریبان ہو گئے' یہ شور ہنگامہ سن کر پاس پڑوس کے آدمی جمع ہو گئے یہاں آ کر دیکھا تو دونوں آدمی گتھے ہوئے تھے' ربیعہ فروخ سے لپٹے ہوئے کہہ رہے تھے کہ خدا کی قسم تجھ کو حاکم شہر کے پاس لے جائے بغیر نہ چھوڑوں گا' فروخ کی زبان پر بھی یہی کلمات تھے' اتنے میں حضرت انس بن مالک ؓ پہنچ گئے اور فروخ سے کہا' بڑے میاں آپ کسی دوسرے گھر میں ٹھہر جایئے' اس وقت فروخ نے اپنا تعارف کرایا کہ میں بنی فلاں کا غلام ہوں' میرا نام فروخ ہے' اور یہ میرا گھر ہے' ان کی آواز سن کر ان کی بیوی گھر سے نکل آئیں اور انہیں پہچان کر بیٹے سے کہا کہ یہ تمہارے باپ ہیں اور شوہر کو بتایا کہ یہ تمہارا فرزند ہے' جسے تم حمل کی حالت میں چھوڑ گئے تھے۔ یہ پردہ اٹھنے کے بعد دونوں باپ بیٹے گلے مل کر خوب روئے' گھر میں داخل ہونے کے بعد فروخ نے بیوی سے اندوختہ کے متعلق پوچھا اور کہا میرے پاس چار ہزار دینار اور ہیں' بیوی کل روپے بیٹے کی تعلیم پر صرف کر چکی تھیں۔ جواب دیا ابھی ایسی جلدی ہی کیا ہے' روپیہ حفاظت سے دفن ہے' اطمینان سے نکالوں گی' اس وقت ربیعہ کی ذات طالبان علم کا مرجع بن چکی تھی' مسجد نبوی میں ان کا حلقہ درس قائم تھا' جس میں مدینہ کے بڑے بڑے ارباب علم' عمائد اور اشراف شریک ہوتے تھے۔ ربیعہ معمول کے مطابق وقت پر مسجد چلے گئے' ان کی ماں نے درس کا وقت پہچان کر شوہر سے کہا ذرا مسجد نبوی ﷺ میں جا کر نماز پڑھ آؤ' فروخ مسجد گئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد لوگوں کا ہجوم لگا ہوا ہے۔ امام مالک' حسن بن زید' ابن ابو علی لہبی' اور مساحقی وغیرہ مدینہ

marfat.com

کے شرفا اور اکابر حلقہ درس میں شریک ہیں' فروخ یہ ہجوم دیکھ کر قریب چلے گئے' لوگوں نے راستہ دے دیا' ربیعہ نے درس میں خلل پڑنے کے خیال سے سر جھکا لیا' فروخ نے لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں' انہوں نے بتایا' ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن فروخ۔ یہ سن کر وفور مسرت میں بول اٹھے خدا نے میرے لڑکے کو یہ رتبہ عطا کیا' اور گھر جا کر بیوی سے کہا میں نے تمہارے لڑکے کو ایسے رتبہ پر دیکھا کہ اس سے قبل کسی صاحب علم فقیہ کو نہ دیکھا تھا' شوہر کی زبان سے یہ اعتراف سننے کے بعد بیوی نے کہا' اب بتاؤ کیا چاہتے ہو' بیٹے کی عظمت و شان یا تمیں ہزار اشرفیاں؟ فروخ نے جواب دیا خدا کی قسم لڑکے کی عظمت و شان' بیوی نے کہا تو پھر تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے تمہاری کل دولت اس کی تعلیم میں صرف کر دی۔ فروخ نے کہا خدا قسم ٹھکانے لگی۔[1]

حدیث:

ربیعہ کی شہرت زیادہ تر ان کے فقہی کمال کی وجہ سے ہے' لیکن وہ حدیث کے بھی ممتاز حفاظ تھے۔ ان کے حفظ حدیث پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے' علامہ ابن سعد انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث[2] خطیب بغدادی حافظ فقہ و حدیث'[3] اور حافظ ذہبی امام اور حافظ حدیث لکھتے ہیں۔[4] ان کی حدیث دانی ان کے معاصرین میں مسلم تھی' ایک مرتبہ عبدالعزیز بن ابی سلمہ عراق گئے۔ عراقیوں نے ان سے کہا کہ ربیعہ ''رائے'' کی حدیثیں سنی ہیں' انہوں نے کہا تم لوگ ان کو ''ربیعہ رائے'' کہتے ہو' خدا کی قسم میں نے ان سے زیادہ کسی کو سنت پر حاوی نہیں دیکھا۔[5]

حدیث میں ان کے درجہ ان کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ یحیٰی بن سعید جو ان کے تلمیذ رشید تھے' ان کی زندگی ہی میں صاحب درس ''محدث'' بن گئے تھے اور ربیعہ کی عدم موجودگی میں حدیث کا درس دیتے تھے۔[6]

---

[1] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۱' ۴۲۲۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۸ بحوالہ ابن سعد۔
[3] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۱۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۱۔
[5] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۴۔ [6] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۳۔

marfat.com

صحابہ میں ربیعہ نے انس بن مالک اور سائب بن یزید اور تابعین میں محمد بن یحییٰ بن حبان' ابن مسیب' قاسم بن محمد' ابن ابی لیلیٰ' اعرج' مکحول' حنظلہ بن قیس اور عبداللہ بن یزید وغیرہ جیسے محدثین سے استفادہ کیا تھا' اور یحییٰ بن سعید' ان کے بھائی عبدربہ' سلیمان التیمی' مالک' شعبہ' دونوں سفیان' حماد بن سلمہ اور لیث وغیرہ اکابر محدثین ان کے تلامذہ میں تھے[1]

فقہ:

لیکن ربیعہ کا خاص امتیازی فن فقہ تھا' اس میں وہ امامت واجتہاد کا درجہ رکھتے تھے' اور اپنے تمام معاصرین پر فائق تھے' ان کے فقہی کمالات میں ان کی فطری استعداد کو بہت بڑا دخل تھا۔ وہ نہایت ذہین اور طباع تھے' یحییٰ بن سعید کہتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ زیرک کسی کو نہیں دیکھا' دوسری روایت میں ہے کہ میں نے ان سے زیادہ صحیح عقل والا کوئی نہیں دیکھا[2]

اس ذہانت وذکاوت نے ان میں اجتہاد' استنباط اور تخریج مسائل کا خاص ملکہ پیدا کر دیا تھا' حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ربیعہ امام' حافظ' فقیہ اور مجتہد تھے' رائے میں انہیں اتنی بصیرت حاصل تھی کہ ''رائے'' ان کا لقب ہوگیا تھا[3]

اس فقہی کمال کی وجہ سے وہ مدینۃ العلم مدینہ کی مسند افتا پر فائز ہو گئے۔ ''کان صاحب الفتویٰ بالمدینۃ''[4] عباسی حکومت کے قیام کے بعد سفاح عباسی نے ان کو بلا کر عہدہ قضا پر ممتاز کیا' امام مالک کے تلامذۂ خاص میں تھے' ربیعہ کی موت کے بعد ان کی زبان پر یہ پُرحسرت کلمہ تھا کہ ''ربیعہ کے بعد فقہ کا مزا جاتا رہا''[5] امام ابوحنیفہ جو فقہ' رائے اور قیاس کے امام اعظم ہیں' ربیعہ کی خدمت میں استفادہ کے لیے آتے تھے' اور ان کے اقوال وآراء کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے[6]

فتاویٰ میں احتیاط:

لیکن اس قوت اجتہاد اور رائے اور قیاس میں اس ملکہ کے باوجود وہ اس قدر

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۔ [2] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۳۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۱۔
[4] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۱۔ [5] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۶۔ [6] تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۲۲۔

marfat.com

محتاط تھے کہ مسائل میں اپنی رائے اور قیاس کو کم دخل دیتے تھے اور بغیر سند کے جواب دینا سخت ناپسند کرتے تھے عبدالعزیز بن ابی سلمہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ربیعہ کے مرض الموت میں ان سے کہا کہ ہم لوگوں نے آپ ہی سے فیض پایا ہے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایسے مسائل پوچھتے ہیں جس کے بارے میں ہمارے پاس کوئی سند نہیں ہوتی اور ہم کو یہ یقین ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں ہماری رائے ان کی رائے سے بہتر ہوگی۔ ایسی حالت میں کیا ہم اپنی رائے سے فتویٰ دیا کریں یہ سن کر ربیعہ سہارا لے کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا: ''عبدالعزیز تم پر افسوس ہے کسی مسئلہ میں بغیر علم کے جواب دینے سے بہتر ہے کہ تم جاہل مرجاؤ'' اس جملہ کو تین مرتبہ دہرایا[1]

حلقہ درس:

ربیعہ کی ذات مرجع خلائق تھی ان کا حلقہ درس نہایت وسیع تھا اس میں مدینہ کے تمام بڑے بڑے علماء اور عمائد اور شرفا شریک ہوتے تھے امام مالک یحییٰ انصاری امام اوزاعی اور شعبہ وغیرہ ائمہ اسی حلقہ درس کے فیض یافتہ تھے خطیب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شمار کیا گیا تو چالیس بڑے بڑے عمامہ پوش ان کے حلقہ درس میں تھے[2]

تلامذہ:

ربیعہ کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ممتاز تلامذہ میں ہیں امام مالک یحییٰ انصاری سفیان ثوری شعبہ لیث اوزاعی ابن عیینہ سلیمان بن ہلال وغیرہ لائق ذکر ہیں۔ عام تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے[3]

ربیعہ کے معاصرین کا اعتراف:

ربیعہ کے تمام معاصرین میں ان کی علمی فضیلت مسلم تھی عبیداللہ بن عمر کہتے تھے کہ ربیعہ ہماری مشکلات کے عقدہ کشا ہمارے عالم اور ہم سب میں افضل تھے[4]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۹۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۵۸۔

[3] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۳۔ [4] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۳۔

maktabah.org

معاذ بن معاذ کا بیان ہے کہ سوار بن عبداللہ کہتے تھے کہ میں نے کسی کو ربیعہ رائے سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا حسن اور ابن سیرین کو بھی نہیں' انہوں نے کہا حسن اور ابن سیرین کو بھی نہیں[1] یحییٰ بن سعید انصاری اگر چہ ربیعہ کے خوشہ چینوں میں تھے لیکن عمر میں ان کے برابر تھے اور صاحب درس و افتا تھے' لیکن ربیعہ کی موجودگی میں درس نہیں دیتے تھے[2]

معاصرین تو پھر بھی برابر کے لوگ تھے' ربیعہ کے شیوخ تک ان کی وسعت علم کے قائل تھے' چنانچہ قاسم بن محمد سے جو ان کے شیوخ میں ہیں' جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اگر قرآن و حدیث میں اس کا جواب مل جاتا تو وہ خود بتا دیتے' ورنہ سائل کو ربیعہ کے پاس بھیج دیتے[3]

زہد وعبادت:

اس علم کے ساتھ وہ بڑے عابد و زاہد تھے' ابن زید کا بیان ہے کہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن ایک مدت دراز تک عبادت گزار رہے' رات دن نمازیں پڑھتے تھے' لیکن پھر جب انہوں نے علمی مجلسوں میں شرکت شروع کی اس وقت ان کا یہ رنگ قائم نہ رہ سکا[4]

بے نیازی:

ربیعہ زر و مال کی جانب سے بڑے بے نیاز تھے' سلاطین اور خلفاء تک کا احسان اٹھانا پسند نہ کرتے تھے' ایک مرتبہ وہ سفاح عباسی کے پاس غالباً عہدہ قضاء کے سلسلہ میں انبار گئے' سفاح نے بطور نذر ایک رقم پیش کی' ربیعہ نے اسے قبول نہ کیا۔ ان کے انکار پر سفاح نے لونڈی کی خریداری کے نام سے پانچ ہزار کی رقم دینی چاہی انہوں نے اسے بھی نہیں لیا[5]

فیاضی:

لیکن اپنے مال میں بڑے فیاض و سیر چشم تھے اور ان کا مال دوسروں کے لیے وقف تھا' ابن زید کا بیان ہے کہ مدینہ میں ربیعہ سے زیادہ دوستوں' دوست کے لڑکوں اور

---

[1] تاریخ خطیب جلد ۸ ص ۴۲۳۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔

marfat.com

عام سائلین کے لیے اپنے مال میں فیاض نہ تھا[1]

گویائی کا لطیفہ:

ربیعہ بڑے گویا اور لسان تھے' کہا کرتے تھے کہ خاموش آدمی خواب اور گونگے پن کی حالت میں ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت باتیں کیا کرتے تھے' ایک دن حسب معمول اپنی مجلس میں پھلجھڑی چھوڑ رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور دیر تک خاموشی کے ساتھ ان گلفشانیوں کو سنتا رہا' ربیعہ سمجھے کہ وہ ان کی باتوں سے مسحور ہو رہا ہے۔ اعراب کی فصاحت و بلاغت مشہور و مسلم ہے' ربیعہ نے غالباً داد لینے کے لیے اس سے سوال کیا کہ تم لوگوں کے نزدیک بلاغت کی تعریف کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: ''ادائے معنی کے ساتھ الفاظ میں اختصار'' ربیعہ نے پھر پوچھا اور عجز بیان کسے کہتے ہیں' اعرابی نے جواب دیا: ''جس میں تم مبتلا ہو'' یہ پرلطف جواب سن کر ربیعہ سخت شرمندہ ہوئے[2]

وفات:

ربیعہ کے سنہ وفات اور جائے وفات دونوں کے بارے میں دو بیانات ہیں۔ سنہ کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ ۱۳۰ھ یا ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔ جائے وفات کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ ایک بیان کے مطابق انبار میں اور دوسرے بیان کے مطابق مدینۃ الرسول میں انتقال کیا۔ ۱۳۶ھ والی روایت زیادہ مستند ہے[3]

---

[1] تاریخ خطیب جلد ۸ ص ۴۲۴۔

[2] ابن خلکان ج اول ص ۱۸۳۔

[3] تاریخ خطیب ج ۸ ص ۴۲۶۔

marfat.com

۲۳- رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

رجاء نام' ابونصر کنیت' نسب نامہ یہ ہے' رجاء بن حیوۃ بن جرول بن الاحنف ابن السمط بن امراؤ القیس بن عمرو الکندی اردنی۔ رجاء کے دادا جرول صحابی تھے۔

فضل وکمال:

فضل وکمال کے اعتبار سے رجاء شام کے اکابر علماء میں تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: "کان ثقۃ عالما فاضلا کثیر العلم"[1] علامہ نووی لکھتے ہیں ان کی جلالت اوران کی شخصی اور علمی فضیلت پر سب کا اتفاق ہے[2]

حدیث:

وہ حدیث اور فقہ دونوں میں یکساں کمال رکھتے تھے' حافظ ذہبی انہیں امام اور شیخ اہل الشام لکھتے ہیں۔[3] مطر الوراق کہتے تھے کہ رجاء بن حیٰوۃ سے افضل شامی اوران سے زیادہ روایات میں فقیہ شخص کہیں سے نہیں ملا[4]

عبداللہ بن عمرو بن العاص' عدی بن عمیرہ' عبادہ بن صامت' عبدالرحمٰن بن غنم' معاویہ' نواس بن سمعان' ابو درداء' ابوسعید خدری' ابو امامہ' مسور بن مخرمہ' قبیصہ بن ذویب' ابو صالح السمان اور درادکاتب وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا' اورعدی بن عدی' ابن عجلان' ثور بن یزید' ابن عون' مطر الوراق' زہری' محمد بن حجادہ اور حمید الطویل وغیرہ آپ کے زمرۂ تلامذہ میں تھے[5]

روایت میں الفاظ کی پابندی:

روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے' حدیثوں کو الفاظ کی پابندی کے ساتھ روایت کرتے تھے[6]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۱۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۹۰۔
[3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۲۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۵۔
[5] ایضاً ص ۲۶۵۔ [6] ابن سعد ج ۴ ق ۲ ص ۱۶۱۔

marfat.com

فقہ:

حدیث سے زیادہ فقہ میں ان کو دستگاہ حاصل تھی۔ مطر الوراق کہتے تھے کہ میں نے کسی شامی کو ان سے زیادہ فقیہ نہیں دیکھا[1] ابن حبان انہیں فقہائے شام میں لکھتے ہیں[2] ان کے تفقہ کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ منصب قضاء پر ممتاز تھے[3]

علماء رجاء کا درجہ:

اپنے ہم عصر علماء میں ممتاز درجہ رکھتے تھے' اس عہد کے تمام علماء ان کے کمالات علمی کے معترف تھے' مکحول جو شام کے بڑے نامور عالم تھے' ان کو اپنا شیخ اپنا آقا اور سارے اہل شام کا سردار کہتے تھے'[4] ان کی موجودگی میں مکحول خود کسی مسئلہ کا جواب نہ دیتے تھے' موسیٰ بن یسار کا بیان ہے کہ ایک شخص نے مکحول سے مسجد میں کوئی مسئلہ پوچھا' انہوں نے اس سے کہا ہمارے شیخ اور ہمارے سردار رجاء بن حیوۃ سے پوچھو۔[5] ابن عون کہتے ہیں کہ رجاء کا مثل شام میں نہیں دیکھا' ابن سیرین کا مثل عراق میں اور قاسم کا مثل حجاز میں نہیں دیکھا[6]

زہد و عبادت:

اس علم کے ساتھ وہ بڑے عابد و زاہد تھے' ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ شام کے عبادت گزار اور زاہد لوگوں میں تھے' ان کے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مسلمہ بن عبدالملک کہتا تھا کہ کندہ کے تین آدمیوں کے طفیل میں خدا پانی برساتا ہے' اور دشمنوں پر مدد دیتا ہے۔ ان میں ایک رجاء ہیں[7]

امراء سے استغنا:

اس زہد و تقویٰ کی وجہ سے وہ امراء اور سلاطین سے ہمیشہ بے نیاز رہے اور کسی کے آستانہ پر حاضری نہیں دی' ایک مرتبہ ان سے کسی نے پوچھا کہ آپ حاکم وقت کے

---

1 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۵۔ 2 تہذیب التہذیب ج اص ۲۲۶۔ 3 تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۹۰۔
4 تہذیب التہذیب ج ۳۔ 5 ایضاً۔ 6 تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۰۵۔
7 تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۶۶۔

marfat.com

پاس کیوں نہیں جاتے؟ جواب دیا میرے لیے اس رب العالمین کی ذات کافی ہے جس کے لیے میں نے ان کو چھوڑا ہے۔[1]

ایک اہم کارنامہ:

ان کا سب سے بڑا کارنامہ اور سب سے بڑی مذہبی خدمت یہ ہے کہ انہی نے سلیمان بن عبدالملک کو عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنانے کا مشورہ دیا تھا[2] اس لیے الداعی الی الخیر کفاعد کے مطابق وہ بھی اس کار خیر میں شریک ہیں۔

وفات:

۱۱۲ھ میں وفات پائی[3]

حلیہ:

آخر عمر میں سر اور داڑھی کے بال سپید ہوگئے تھے۔ سر میں خضاب لگاتے تھے اور داڑھی کو نورانی چھوڑ دیا تھا۔

---

[1] تہذیب الاسماء ج ا ص ۱۹۰۔

[2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۵۔

[3] ایضاً۔

marfat.com

۲۴- زر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

زر نام' ابو مریم کنیت' نسباً اسدی تھے' نسب نامہ یہ ہے: زر بن حبیش بن حباشہ ابن اوس بن بلال اسدی۔

فضل وکمال:

زر مخضرمی تھے' یعنی انہوں نے جاہلیت اور اسلام دنوں کا زمانہ پایا تھا۔ اس لیے ان کو کبار صحابہ کی صحبت کا موقعہ ملا' ان کے فیض نے انہیں جلیل القدر تابعی بنا دیا' امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں تھے' ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[1] حافظ ذہبی ان کو امام اور قدوہ لکھتے ہیں[2]

قرآن:

قرآن کے ممتاز قاری اور عالم تھے' حافظ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ: ''کان عالما بالقرآن قارئا فاضلا''[3] قرآن کا درس بھی دیتے تھے' عاصم بن بہدلہ انہی کے حلقہ درس کے فیض یافتہ تھے۔[4]

حدیث:

حدیث کے بڑے حافظ تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ: ''کان ثقة كثير الحديث''[5] حافظ ذہبی انہیں ائمہ حفاظ میں لکھتے ہیں' حدیث میں انہوں نے حضرت عمرؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت علیؓ' ابوذرؓ' عبداللہ بن مسعودؓ' عبدالرحمن بن عوفؓ' عباس بن مطلبؓ' سعید بن زیدؓ' حذیفہ بن یمانؓ' ابی بن کعب رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے اکابر صحابہ سے روایتیں کی ہیں۔ ابراہیم نخعی' عاصم بن بہدلہ' منہال بن عمرو' عیسیٰ بن عاصم' عدی بن ثابت' امام شعبی' زبید الیمانی' اور

---

1 تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۹۷۔ 2 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۹۔ 3 استیعاب ج اول ص ۲۱۲۔
4 تذکرۃ الحفاظ ج ۶ ص ۱۷۔ 5 ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۱۔

marfat.com

ابو اسحاق شیبانی وغیرہ آپ کے خوشہ چینوں میں تھے[1]

ادب:

مذہبی علوم کے علاوہ زر عربی زبان کے بھی بڑے فاضل تھے' اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ ان سے استفادہ کرتے تھے[2]

اختلاف رائے:

ان لوگوں کے لیے جن کی زبانیں ادنیٰ ادنیٰ اختلاف پر آپس میں تیرونشتر چلاتی ہیں' بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جنگ و جدال کی نوبت آ جاتی ہے' ان بزرگوں کا یہ نمونہ قابل تقلید ہے کہ اختلاف مسلک کے باوجود بشرطیکہ اس کا تعلق اصول اسلام سے نہ ہوتا تو سب شتم کجا اس کا اثر ان کے تعلقات تک پر نہ پڑتا' اور ایک دوسرے کے احترام میں سرمو فرق نہ آنے دیتے' زرعلوی تھے' اور ایک دوسرے تابعی ابو وائل عثمانی دونوں ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے' اور باہم اس اختلاف مسلک کا تذکرہ تک نہ کرتے تھے' دونوں ایک مسجد میں نماز پڑھتے تھے' ابو وائل زر کا بڑا احترام کرتے تھے[3]

توہین مذہب پر غیظ وغضب:

لیکن اگر کسی چیز میں کسی دینی شعار کی توہین کا ادنیٰ شائبہ بھی نکلتا تو یہ مصالحت اور درگزر غیظ وغضب میں بدل جاتا تھا' ایک مرتبہ زر اذان دے رہے تھے' ایک انصاری کا ادھر سے گزر ہوا' اس نے کہا ابو مریم میں تم کو اس سے بالاتر سمجھتا تھا' اذان کی یہ توہین سن کر انہوں نے کہا جب تک میں زندہ رہوں گا تم سے ایک لفظ نہ بولوں گا[4]

وفات:

زر نے بڑی طویل عمر پائی' آخر عمر میں اعضاء میں رعشہ پیدا ہو گیا تھا۔ باختلاف روایت ۸۱ھ یا ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں وفات پائی۔[5] وفات کے وقت ۱۲۲ سال کی عمر تھی۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج اول ص ۳۲۱۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۹۔ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۷۱۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۲۔ [5] ابن سعد ج ۶ ص ۷۱۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۲۔

marfat.com

۲۵- زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

زید نام' ابو اسامہ کنیت' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے۔

فضل وکمال:

زید اس بزرگ اور محترم ہستی کے غلام تھے جس کے ادنیٰ صحبت یافتہ علم وعمل کے پیکر بن گئے' زید تو خاص غلاموں میں تھے' انہوں نے آقا سے زیادہ آقازادہ یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے سرچشمہ علم سے فیض حاصل کیا' ان کے فیض صحبت نے زید کو دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا' اور ان کا شمار علماء مدینہ میں ہونے لگا تھا۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

تفسیر قرآن:

زید کو قرآن' حدیث' فقہ' جملہ مذہبی علوم میں پورا درک حاصل تھا' وہ قرآن کی تفسیر کے بڑے عالم تھے' ابن حجر لکھتے ہیں: ''کان عالما بتفسیر القرآن''[۲]

حدیث:

حدیث میں بھی ان کے علم کا دائرہ وسیع تھا' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة الحدیث''[۳] صحابہ میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر' انس بن مالک' جابر بن عبداللہ' عائشہ صدیقہ' ربیعہ بن عبادہ وائلی' سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہم اور تابعین میں ابو صالح السمان' عطاء بن یسار' حمران بن علی بن حسین' بسر بن سعید' اعرج' عبدالرحمن بن وعلہ' عبدالرحمن بن سعید' قعقاع بن حکیم' اور عیاض ابن عبداللہ بن سعد وغیرہ سے سماع کیا تھا۔[۴] ان کے لڑکے عبداللہ' عبدالرحمن اور اسامہ' مالک بن انس' ابن عجلان' ابن جریج'

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۶۔ [۲] ایضاً [۳] ایضاً بحوالہ ابن سعد۔

[۴] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۵ وتہذیب الاسماء۔

marfat.com

سلیمان بن ہلال، حفص بن میسرہ، داؤد بن قیس الفراء، ایوب سختیانی، جریر بن حازم، عبید اللہ بن عمر، ابن اسحاق، محمد بن جعفر بن ابی کثیر وغیرہ ان کے تلامذہ میں تھے[1]

فقہ:

فقہ میں خصوصیت کے ساتھ زیادہ درک تھا، حافظ ذہبی، امام نووی، حافظ ابن حجر سب ان کو بالاتفاق فقیہ مدینہ لکھتے ہیں[2]

حلقہ درس:

مسجد نبوی ﷺ میں زید کا حلقہ درس تھا جس میں بڑے بڑے فقہاء اور اکابر مدینہ شریک ہوتے تھے، اعرج اس حلقہ کے ایک رکن تھے، بیان ہے کہ زید بن اسلم کے حلقہ درس میں چالیس بڑے بڑے فقہاء شریک ہوتے تھے، ان میں باہم اتنی ہمدردی تھی کہ ہر شخص کا مال دوسرے کی ضرورت کے لیے وقف تھا، اس درس میں ایسی حدیثوں پر بحث و مباحثہ میں وقت ضائع نہیں کیا جاتا تھا، جس میں کوئی افادی پہلو نہ ہو[3]

امام زین العابدین اپنے خاندانی حلقہ کو چھوڑ کر اس حلقہ میں شریک ہوتے تھے نافع بن جبیر نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ اپنی خاندانی مجلس کو چھوڑ کر ابن خطاب کے غلام کے درس میں شریک ہوتے ہیں، آپ نے جواب دیا آدمی اسی مجلس میں شریک ہوتا ہے جس سے اس کے دین کو کوئی فائدہ پہنچتا ہو[4]

وقار و ہیبت:

زید اگرچہ غلام تھے، لیکن ان کی علمی جلالت کی وجہ سے سب پر ان کی ہیبت چھائی رہتی تھی، مالک بن عجلان بیان کرتے ہیں کہ مجھ پر کسی کا اتنا رعب نہ تھا، جس قدر زید بن اسلم کا۔ ہیبت سے لوگوں کو سوال کرنے اور پوچھنے کی ہمت نہ پڑتی تھی، جب ان کا دل چاہتا خود حدیثیں بیان کرتے، جب خاموش ہو جاتے تو پھر کسی کو سوال کرنے کی ہمت نہ ہوتی[5]

---

1 تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۵۔ 2 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۸ و تہذیب التہذیب حوالہ مذکور۔
3 تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۰۰۔ 4 تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۱۹۔
5 تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۶

marfat.com

محبوبیت:

اس ہیبت کے ساتھ ان کو بڑی محبوبیت اور مقبولیت حاصل تھی، وہ لوگوں کے محبوب القلوب تھے، ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ میرے والد کبھی کبھی مجھ کو اپنے کسی ہم جلیس کے پاس کام سے بھیج دیتے تھے، یہ میرا سر چومتے اور سہلا کر کہتے خدا کی قسم تمہارے والد میری اولاد اور میرے گھر والوں سے بھی زیادہ محبوب ہیں، اگر خدا ان دونوں میں سے کسی ایک کو اٹھانا چاہے اور ہم کو انتخاب کا اختیار دے تو ہم زید کی زندگی اور سلامتی کے مقابلہ میں اپنی اولاد اور اپنے اہل و اعیال کا اٹھ جانا پسند کریں گے[1]

ابو حازم دعا کیا کرتے تھے کہ خدایا مجھے زید کی موت کا دن نہ دکھانا، ان کے سوا میری ذات اور میرے مذہب کے لیے کوئی پسندیدہ اور نفع بخش باقی نہیں رہا ہے[2]

اخلاق:

علمی کمالات کے ساتھ زید اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ صالح تابعی تھے[3] ان کو ایک نظر دیکھ لینے سے عبادت کی قوت پیدا ہوتی تھی، ابو حازم کہتے تھے، خدایا تو خوب جانتا ہے کہ میں زید کو اس لیے دیکھتا ہوں کہ ان کو دیکھنے سے تیری عبادت کی طاقت آتی ہے، جب ان کی نظر کا یہ اثر ہے تو ان سے ملاقات اور گفتگو کا کیا اثر ہوگا[4]

وفات:

۱۳۲ھ میں انتقال کیا۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۹۶۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۸۔

[3] تہذیب الاسماء ق اول ص ۲۰۰۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

۲۶- سالم بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

سالم نام' ابوعمر کنیت' حضرت عمرؓ کے نامور فرزند حضرت عبداللہؓ کے خلف الصدق تھے' دودھیال کی طرح ان کا نانہال بھی روشن وتاباں تھا' حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں یزدگرد شہنشاہ ایران کی جولڑکیاں گرفتار ہوئی تھیں' ان میں سے ایک عبداللہ کو دی گئی تھی' سالم اسی کے بطن سے تھے' اس طرح ان کی رگوں میں ایران کے شاہی خاندان کا خون شامل تھا۔[1]

فضل وکمال:

سالم کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ان بزرگوں میں تھے جو علم وعمل کا پیکر اور زہد وورع کی تصویر تھے' ان کی تعلیم وتربیت نے انہیں بھی اپنا مثنیٰ بنادیا تھا' ارباب سیر کا متفقہ بیان ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی تمام اولادوں میں سب سے زیادہ ان سے مشابہ عبداللہ تھے' اور عبداللہ کی اولادوں میں ان کے مشابہ سالم تھے[2] اس طرح سالم گویا عمر فاروق کا نقش ثانی تھے۔

ان کا شمار مدینہ کے ان تابعین میں ہوتا تھا' جو اقلیم وعمل دونوں کے فرمانروا تھے' علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ سالم فقیہ' حجت اور ان مخصوص علماء میں تھے' جن کی ذات علم وعمل دونوں کی جامع تھی[3] امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ سالم کی امامت' جلالت' زہد وورع اور علوئے مرتبت پر سب کا اتفاق ہے۔[4]

تفسیر:

تفسیر' حدیث' فقہ جملہ فنون میں ان کو یکساں درک تھا' لیکن شدت احتیاط کی وجہ سے قرآن کی تفسیر نہ بیان کرتے تھے۔[5] اسی لیے مفسر کی حیثیت سے انہوں نے کوئی شہرت حاصل نہیں کی۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۳۸۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۵۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۷۷۔
[4] تہذیب الاسماء ج اق اول ص ۲۷۔ [5] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۸۔

marfat.com

حدیث:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ حدیث کے رکن اعظم تھے، سالم نے زیادہ تر انہی کے خرمن سے خوشہ چینی کی تھی، ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں ابو ہریرہؓ، ابوایوب انصاریؓ، اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔[1] ان بزرگوں کے فیض سے ان کا دامن علم نہایت وسیع ہوگیا تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ سالم ثقہ، کثیر الحدیث اور عالی مرتبہ لوگوں میں تھے۔[2]

تلامذہ:

حدیث میں عمرو بن دینار، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ، حمید الطویل، صالح بن کیسان، عبیداللہ بن عمرو بن حفص، ابو واقد لیثی، عاصم بن عبداللہ، عبداللہ بن ابی بکر، اور ابو قلابہ جرمی جیسے اکابر محدثین ان کے تلامذہ میں تھے۔[3]

فقہ:

سالم کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا، اس میں وہ امامت کا درجہ رکھتے تھے، بعض ائمہ جن میں ایک ابن مبارک بھی ہیں ان کو مدینہ کے مشہور سات فقہاء میں شمار کرتے تھے۔[4] گو ساتویں فقیہ کی تعیین میں اختلاف ہے، مختلف اشخاص نے اپنی اپنی نظر و بصیرت کے مطابق مختلف نام لیے ہیں۔ لیکن بہرحال اس زمرہ میں سالم کا نام بھی لیا جاتا ہے۔ ان کے فقہی کمالات کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کی صاحب افتا جماعت کے وہ ممتاز رکن تھے۔[5]

زہد و تقویٰ:

سالم علم کے ساتھ عمل کے بھی اسی درجہ پر تھے، امام مالک فرماتے تھے کہ سالم کے زمانہ میں ان سے زیادہ زہد و ورع میں سلف صالحین سے مشابہ کوئی نہ تھا۔[6] امام نوویؒ اور حافظ ذہبی وغیرہ جملہ ارباب سیر ان کے زہد و تقویٰ پر متفق البیان ہیں۔

صحت عقیدہ:

عقائد میں وہ سلف صالحین کے سادہ اور بے آمیز عقیدہ کے پابند تھے اور بعد

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۳۷۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۸۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۴۳۷۔
[4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۰۸۔ [5] اعلام الموقعین ج ۱ ص ۲۵۔ [6] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۷۔

marfat.com

میں جو نکتہ آفرینیاں ہوئیں انہیں سخت ناپسند کرتے تھے' چنانچہ قدریوں پر جو قدر کی بنا پر خیر و شر کا عقیدہ رکھتے ہیں لعنت بھیجتے تھے[1]

شدت احتیاط:

وہ ہر چیز میں انتہائی احتیاط برتتے تھے' جس بات میں جھوٹ کا خفیف سا شائبہ بھی نکلتا اسے پسند نہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں ایک کپڑا ست گزا مشہور تھا جو سات گز سے کچھ کم ہوتا تھا' لیکن عرف میں وہ ''ست گزا'' ہی کہلاتا تھا' مروان بن جبیر کا بیان ہے' کہ ایک مرتبہ سالم کپڑا خریدنے کے لیے لیے آئے۔ میں نے ان کے سامنے ست گزا پھیلا دیا' وہ سات گز سے کچھ کم تھا' فرمایا تم نے تو سات گز کہا تھا' میں نے کہا ہم لوگ اسی کو ''ست گزا'' کہتے ہیں' فرمایا جھوٹ ایسا ہی ہوتا ہے[2]

خون مسلم کی حرمت:

آپ کے نزدیک مسلمان کا خون اتنا ہی محترم تھا کہ مجرم مسلمان پر بھی ہاتھ نہ اٹھاتے تھے۔ ایک مرتبہ حجاج نے آپ کو ایک ایسے شخص کے قتل کا حکم دیا' جو حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کے معاونین میں تھا' آپ تلوار لے کر مجرم کی طرف بڑھے' اور پاس جا کر اس سے پوچھا تم مسلمان ہو' اس نے کہا ہاں' مسلمان ہوں' لیکن آپ کو جو حکم دیا گیا ہے' اسے پورا کیجیے' آپ نے پوچھا تم نے آج نماز صبح کی نماز پڑھی ہے' اس نے کہا ہاں پڑھی ہے' یہ سن کر سالم لوٹ گئے اور حجاج کے سامنے تلوار پھینک کر کہا' یہ شخص مسلمان ہے' آج صبح تک اس نے نماز پڑھی ہے' اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ خدا کے حفظ و امان میں آ گیا۔ حجاج نے کہا ہم اس کو صبح کی نماز کے لیے تھوڑے ہی قتل کرتے ہیں بلکہ اس لیے قتل کرتے ہیں کہ وہ قاتلین عثمان کے معاونوں میں ہے۔ فرمایا اس کے لیے اور لوگ موجود ہیں جو عثمان کے خون کا انتقام لینے کے ہم سے زیادہ حق دار ہیں سالم کے والد حضرت عبداللہ کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے فرمایا سالم نے سمجھ داری کا کام کیا[2]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۷۔ [2] ایضاً ص ۱۴۵۔

marfat.com

امراء کی دولت سے بے نیازی:

آپ غیر خدا کے سامنے کسی حاجت کو پیش کرنا پسند نہ کرتے تھے اور امراء کی دولت اور ان کی داد و دہش سے اتنے بے نیاز تھے کہ ان کی درخواست پر بھی کبھی خواہش کا اظہار نہ کرتے تھے' ہشام بن عبدالملک آپ کو بہت مانتا تھا' اور اتنا احترام کرتا تھا کہ آپ نہایت معمولی اور موٹے جھوٹے لباس میں بے محابا اس کے دربار میں چلے جاتے تھے اور وہ اسی لباس میں آپ کو تخت شاہی پر ساتھ بٹھاتا تھا[1] ایک مرتبہ وہ حج کے لیے آیا خانہ کعبہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی' ہشام نے آپ سے درخواست کی آپ کی جو ضروریات ہوں انہیں بیان کیجیے' آپ نے فرمایا خدا کے گھر میں کسی غیر سے نہ مانگوں گا۔[2]

پند و موعظت:

آپ کی پند و موعظت نہایت مؤثر اور دل پذیر ہوتی تھی' ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے آپ کو لکھا کہ عمر بن الخطابؓ کے کچھ مسائل لکھ بھیجیے' آپ نے جواب میں لکھا: ''عمر! ان بادشاہوں کو یاد کرو جن کی وہ آنکھیں بے نور ہوگئے جو لذت نظر سے کبھی سیر نہ ہوتی تھیں' وہ پیٹ پھٹ گئے جو ایوان نعمت سے کبھی آسودہ نہ ہوتے تھے' آج وہ زمین کے ٹیلوں کے نیچے مردار پڑے ہیں' اگر وہ ہماری آبادی سے قریب تر ہوتے تو ان کی عفونت سے ناک نہ دی جاتی۔[3]

باپ کی محبت:

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے والد بزرگوار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح بال بچوں سے بہت کم دلچسپی رکھتے تھے' لیکن سالم کے ساتھ ان کے محاسن اور کمالات کی وجہ سے والہانہ شیفتگی تھی چنانچہ سالم جب خاصے سن رسیدہ ہو گئے تھے' اس وقت بھی عبداللہ انہیں چومتے تھے اور فرماتے تھے' تم لوگ تعجب نہیں کرتے کہ ایک بوڑھا سن رسیدہ کو بوسہ دیتا ہے' ان کی اس غیر معتدل محبت پر لوگ ان پر نکتہ چینی کرتے تو جواب دیتے[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۷۔ [2] ابن خلکان ج اول ص ۱۹۸۔

[3] ایضاً۔ [4] تہذیب الاسماء ج اول ق ا ص ۷۷' و ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۵۔

marfat.com

یلومونني في سالم والومهم وجلدة بين العين والانف سالم

ترجمہ: ''لوگ مجھے سالم کے معاملہ میں ملامت کرتے ہیں اور میں ان کو ملامت کرتا ہوں سالم آنکھ اور ناک کے درمیانی چمڑے کی طرح عزیز ہے''

وفات:

ذی الحجہ ۱۰۶ھ میں مدینہ میں وفات پائی' ہشام بن عبدالملک نے جو حج سے فراغت کے بعد مدینہ آیا ہوا تھا' نماز جنازہ پڑھائی' جنازہ میں خلقت کا اتنا ہجوم تھا کہ بقیع کے میدان میں نماز پڑھائی گئی[1]

حلیہ ولباس وغیرہ:

سالم کی زندگی نہایت سادہ تھی' اس میں تکلف وتصنع کا گزر نہ تھا' حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کی زندگی نہایت خشک اور سادہ تھی' صوف کا لباس پہنتے تھے' پورے لباس کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ ہوتی تھی' غذا میں صرف روٹی اور روغن زیتون ہوتا تھا[2] (فاروق اعظم ؓ کی زندگی بھی یہی تھی) گوشت بہت کم کھاتے تھے' اور لوگوں کو منع کرتے تھے کہ گوشت کم کھایا کرو اس میں شراب کی جیسی تیزی ہوتی ہے[3]

لیکن اس غذا کے باوجود جسم نہایت تر وشاداب تھا' ایک شام حج کے موقعہ پر جبکہ لباس میں صرف احرام ہوتا ہے' ان کے جسم کی تازگی دیکھ کر پوچھا ابو عمیر کیا کھاتے ہو؟ انہوں نے کہا روٹی اور روغن زیتون' اس نے کہا یہ غذا کیسے کھائی جاتی ہے؟ فرمایا اسے ڈھک کر رکھ دیتا ہوں' جب بھوک معلوم ہوتی ہے' اس وقت کھا لیتا ہوں[4]

اولاد:

اپنے بعد کئی اولادیں چھوڑیں' عمر' ابوبکر' عبداللہ' عاصم' جعفر' عبدالعزیز' فاطمہ اور حفصہ۔

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۸۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۷۔

[3] ابن خلکان ج اول ص ۱۹۸۔ [4] ابن سعد ج اول ص ۱۴۸۔

marfat.com

۲۷- سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

سعید نام' ابوعبداللہ کنیت' بنی والبہ بن حارث اسدی کے غلام تھے' اس نسبت سے وہ والبی کہلاتے تھے' ان کا شمار ان تابعین میں ہوتا ہے' جو علم وعمل کے مجمع البحرین تھے۔

فضل وکمال:

سعید کا آغاز اگرچہ غلامی سے ہوا' لیکن آگے چل کر وہ اقلیم تاجدار بنے۔ حافظ ذہبی انہیں علمائے اعلام میں لکھتے ہیں۔[۱] امام نووی کا بیان ہے کہ سعید تابعین کے ائمہ کبار میں تھے' تفسیر' فقہ' عبادت اور زہد وورع جملہ کمالات میں وہ کبار ائمہ اور سرکردہ تابعین میں تھے۔[۲]

تعلیم:

سعید نے گواس زمانہ میں ہوش سنبھالا جب اکابر صحابہ کی بڑی تعداد اٹھ چکی تھی' پھر بھی باقیات صالحات میں عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابوسعید خدریؓ فیضان علم سے پورے طور سے مستفید ہوئے[۳] حبر الامۃ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے خرمن کمال سے خصوصیت کے ساتھ خوشہ چینی کی تھی[۴]

عبداللہ بن عباسؓ کا حلقہ درس اتنا وسیع اور جامع تھا کہ اس میں قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ' فرائض' ادب وانشاء اور شعر وشاعری جملہ فنون کا دریا بہتا تھا[۵] سعید بن جبیر اس بحر بے کراں سے زیادہ سیراب ہوئے' وہ نہایت پابندی سے اس حلقہ میں شریک ہوتے تھے۔ ان کے تعلیم حاصل کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ باہر کے سائلین جو سوالات کرتے

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۵۔ ۲ تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۱۶۔ ۳ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۱۔ ۴ ابن خلکان ج اول ص ۲۰۴۔ ۵ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۸۔

marfat.com

اور جو مسائل پوچھتے تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کے جو جوابات دیتے تھے سعید خاموشی کے ساتھ ان کو سنا کرتے تھے اور کبھی کبھی خود بھی کچھ پوچھ لیتے تھے ان سوالات میں حدیثیں بھی ہوتی تھیں اور فقہ کے مسائل بھی ہوتے تھے لیکن انہیں قلم بند کرنے کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ممانعت تھی اس لیے کچھ دنوں تک ابن جبیر بغیر لکھے ہوئے زبانی یاد کرلیا کرتے تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھر لکھنے کی اجازت مل گئی تھی چنانچہ انہوں نے لکھنا شروع کر دیا تھا بعض بعض دن اس کثرت سے مسائل پیش ہوتے تھے کہ لکھتے لکھتے ابن جبیر کی بیاض پر ہوجاتی تھی اور انہیں کپڑوں اور ہتھیاروں پر لکھنے کی نوبت آجاتی تھی۔ کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا کہ کوئی سائل نہ آتا اس دن ایک حدیث بھی لکھنے کی نوبت نہ آتی تھی اور یوں ہی لوٹ آتے تھے[1]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بعد انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا تھا۔ ان سے استفادہ کا سلسلہ ابن جبیر کے قیام کوفہ تک جب کہ وہ خود صاحب افتا ہوگئے تھے قائم رہا چنانچہ ان کا خود بیان ہے کہ جب کسی مسئلہ میں علمائے کوفہ میں اختلاف ہوتا تھا تو میں اسے لکھ لیتا اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھتا تھا[2]

ان بزرگوں کے فیض نے انہیں قرآن تفسیر حدیث فقہ اور فرائض وغیرہ جملہ مذہبی علوم کا دریا بنا دیا تھا[3]

قرأت:

قرآن کے نہایت اچھے قاری تھے قرأت ترجیع کے ساتھ کرتے تھے لیکن گا کر قرآن پڑھنا سخت ناپسند کرتے تھے[4] تمام مشہور قرأتوں کے عالم تھے اسماعیل بن عبدالملک کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر رمضان میں ہماری امامت کرتے تھے معمول تھا کہ ایک شب کو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق قرآن سناتے تھے ایک شب کو

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۹۔ [2] ایضاً۔ [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۱۶۔
[4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۱۔

marfat.com

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق، اسی طریقہ سے ہر شب کو باری باری سے تمام مشہور قاریوں کی قرأت سناتے تھے[1]

تفسیر:

قرأت اور تفسیر دونوں فنون کی تعلیم انہوں نے اس فن کے امام حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے حاصل کی تھی۔[2] آیات قرآنی کے شان نزول اور ان کی تفسیر و تاویل پر پوری نظر تھی، جب ان کے سامنے قرآن کی کوئی آیت پڑھی جاتی تھی تو وہ اس کا پورا مالہ وماعلیہ بتا دیتے تھے، ابو یونس قزی کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ سعید بن جبیر کے سامنے یہ آیت:

﴿المستضعفین من الرجال والنساء والولدان﴾

''مگر ناتواں مردوں عورتوں اورلڑکوں میں سے''۔

پڑھی تو انہوں نے کہا اس میں جن کا تذکرہ ہے، وہ مکہ کے کچھ مظلوم تھے، میں نے کہا میں ایسے ہی لوگوں (یعنی حجاج کے ستم رسیدہ) کے پاس آرہا ہوں، سعید نے کہا بھتیجے ہم لوگوں نے اس کے خلاف بڑی کوشش کی لیکن کیا کیا جائے خدا کی مرضی یہی ہے[3]

اعمش روایت کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر ''ان ارضی واسعة'' کی تفسیر میں بیان کرتے تھے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب اس میں گناہ کیا جائے تو اس سے نکل جاؤ[4]

تفسیر کا درس:

ابن جبیر تفسیر کا درس بھی دیتے تھے، وقاء بن ایاس بیان کرتے ہیں کہ عزرہ تفسیر کی کتاب (غالباً کاپی اور بیاض) اور دوات لے کر ابن جبیر کے پاس آتے جاتے تھے[5] لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تفسیر کا قلم بند کرنا ناپسند کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنے لیے آپ سے تفسیر قلم بند کرنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا تفسیر قلم بند کرنے کے مقابلہ میں مجھے یہ پسند ہے کہ میرا ایک پہلو مفلوج ہو جائے[6]

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۵۔ [2] ایضاً ص ۳۰۴۔ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۳۔
[4] ایضاً۔ [5] ایضاً ص ۱۸۶۔ [6] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۵۔

marfat.com

حدیث:

حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے، صحابہ میں انہوں نے ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، انس بن مالک، ابوسعید خدری، ابوموسیٰ اشعری، ابوہریرہ، ابومسعود بدری، عائشہ صدیقہ اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہم وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حلقہ درس سے خصوصیت کے ساتھ مستفید ہوئے تھے۔ ان کے علمی استعداد کی وجہ سے عبداللہ بن عباس ان پر بڑی شفقت کرتے تھے، اور ان کی تعلیم میں خصوصیت برتتے تھے، ان کی خامیوں کو دور کرنے کے لیے کبھی کبھی وہ امتحاناً ان سے حدیثیں سنتے تھے، مجاہد کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباسؓ نے ابن جبیر سے کہا کہ حدیثیں سناؤ، انہوں نے عرض کیا آپ کی موجودگی میں حدیث سناؤں۔ ابن عباسؓ نے کہا کہ یہ بھی خدا کی نعمت ہے کہ تم میرے سامنے حدیث بیان کرو۔ اگر صحیح بیان کرو گے تو فبہا اور اگر غلطی ہوگی تو میں اس کی تصحیح کر دوں گا۔[2]

بنی وداعہ کے موذن کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ابن عباسؓ کے پاس گیا۔ وہ حریر کے گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے اور سعید ان کے پیروں کے پاس بیٹھے تھے۔ ابن عباسؓ ان سے کہہ رہے تھے کہ تم نے مجھ سے بہت سی حدیثیں حفظ کی ہیں۔ دیکھوں ان کو کیسے روایت کرتے ہو۔[3]

ان کی اس توجہ نے ابن جبیر کو حفاظ حدیث کا امام اور سرکردہ بنا دیا تھا۔ ان کی مرویات کا بڑا حصہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث پر مشتمل ہے، اس سے حدیث میں ان کے درجہ کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

فقہ:

فقہاء کی جماعت میں بھی انہیں امتیازی درجہ حاصل تھا،[4] اس فن کی تعلیم بھی انہوں نے ابن عباسؓ ہی سے حاصل کی تھی اور اس میں ان کو اتنا کمال حاصل تھا کہ مرکز فقہ کوفہ کے صاحب افتاء تابعین میں ہو گئے تھے[5] کوفہ کے عہدہ قضا پر بھی کچھ دنوں تک

[1] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۱۱۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۹۔
[3] ایضاً۔ [4] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۱ ص ۲۱۶۔ [5] ایضاً۔

marfat.com

ممتاز رہے۔ پھر ابو بردہؓ ابن ابو موسیٰ اشعری قاضی کوفہ کے مشیر ہو گئے تھے[1] مرکز علم و افتاء مکہ میں جب آنا ہوتا تھا' تو یہاں بھی افتا کا سلسلہ جاری رہتا تھا[2] حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو ان کے فتووں پر اتنا اعتماد تھا کہ اگر کوفہ کا کوئی آدمی آپ سے فتویٰ پوچھنے کے لیے آتا تو آپ اس سے فرماتے کیا سعید بن جبیر تمہارے یہاں نہیں ہیں[3] مسائل طلاق کے خصوصیت کے ساتھ بڑے عالم تھے' کان اعلم التابعین بالطلاق سعید بن جبیر[4]

فرائض:

ریاضی کے بڑے ماہر تھے اس لیے فرائض میں خاص ملکہ تھا' اکابر صحابہ فرائض کے سائلین کو ان کے پاس بھیجتے تھے' ایک مرتبہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس فرائض کا ایک سائل آیا۔ آپ نے اس سے کہا ابن جبیر کے پاس جاؤ وہ مجھ سے زیادہ حساب جانتے ہیں' وہ تم کو وہی بتائیں گے جو فرض مقرر ہے[5] جب انہیں مدینہ جانے کا اتفاق ہوتا تھا' تو علمائے مدینہ ان سے فرائض سیکھتے تھے۔ امام زین العابدین کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر جب ہمارے یہاں سے گزرتے تھے تو ہم لوگ ان سے فرائض اور ان باتوں کو پوچھتے تھے جن سے خدا ہم کو فائدہ پہنچاتا تھا[6]

جامعیت:

غرض سعید بن جبیر کی ذات علوم و فنون کی جامع تھی' جو کمالات دوسرے علماء میں فرداً فرداً تھے' وہ ان کی ذات میں تنہا مجتمع تھے۔ خصیف کا بیان ہے کہ مسائل طلاق کے سب سے بڑے عالم سعید بن میتب تھے' حج کے عطاء تھے' حلال و حرام کے طاؤس تھے اور تفسیر کے مجاہد تھے' اور ان سب کی جامع سعید بن جبیر کی ذات تھی[7]

وہ علم کا ایسا سرچشمہ تھے جس کی اس عہد کے تمام علماء کو احتیاج تھی' میمون ابن

---

[1] ابن خلکان ج اص ۲۰۴۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۴۔ [3] تہذیب الاسماء ق اول ص ۲۱۶۔

[4] شذرات الذہب ج اص ۱۰۸۔ [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۰۔ [6] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۰۔

[7] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۵۔

marfat.com

مہران کا بیان ہے کہ سعید نے ایسے وقت میں انتقال کیا کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ رہا ہو[1]

اشاعت علم:

علم وفن کا یہ ذخیرہ انہوں نے اپنی ذات تک محدود نہ رکھا' بلکہ جہاں تک ہوسکا اس سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا' آپ کے بعض کوتاہ نظر اصحاب آپ کو حدیث بیان کرنے پر ملامت کرتے تھے' آپ انہیں جواب دیتے' مجھے تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے حدیث بیان کرنا زیادہ پسند ہے' بہ نسبت اس کے کہ میں اسے اپنی قبر میں ساتھ لے جاؤں[2]

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کا دائرہ انتہائی وسیع تھا' بعضوں کے نام یہ ہیں: آپ کے صاحبزادگان عبدالملک اور عبداللہ' یعلی بن حکیم' یعلی بن مسلم' ابواسحاق سبیعی' ابوالزبیر مکی' آدم بن سلیمان' اشعث بن ابی الشعثاء' ذر بن عبداللہ مرہبی' سالم الافطس' سلمہ بن کہیل' طلحہ بن مصرف اور عطاء بن سائب وغیرہ[3]

ناقدروں سے بخل:

لیکن یہ علمی فیاضی انہیں لوگوں کے لیے تھی' جو اس کے مرتبہ شناس اور قدردان ہوتے تھے۔ ورنہ نااہلوں سے وہ اسے چھپاتے تھے' محمد بن حبیب کا بیان ہے کہ سعید بن جبیر کے اصفہان کے قیام کے زمانہ میں جب لوگ ان سے حدیثیں پوچھتے تو وہ نہ بتاتے' لیکن جب کوفہ آئے' تو فیض جاری کر دیا' لوگوں نے پوچھا ابومحمد کیا بات ہے' اصفہان میں تو آپ حدیثیں نہیں بیان کرتے تھے اور کوفہ میں بیان کرتے ہیں' جواب دیا اپنی متاع وہاں پیش کرو جہاں اس کے قدر شناس ہوں[4]

---

1. ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۶۔ 2. ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۶۔
3. تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۲۔ 4. ابن خلکان ج اول ص ۲۰۴۔

marfat.com

مذہبی کمالات:

مذہبی کمالات میں بھی تابعین میں ابن جبیر کا درجہ نہایت بلند تھا' وہ عبادت وریاضت اور زہد وورع کا مجسم پیکر تھے۔

سوز قلب وخشیت الٰہی:

ابن جبیر کا دل اتنا پرسوز تھا' اوران پرخشیت الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ ہروقت ان کی آنکھیں اشکبار رہتی تھیں' پردۂ شب کی تاریکی میں جوان کی عبادت اور راز و نیاز کا خاص وقت تھا' زار زار روتے تھے۔ روتے روتے ان کی آنکھوں کی بینائی کم ہوگئی تھی' اوران سے پانی بہنے لگا تھا[1]

نماز میں تاثر اور خشوع:

ان کی نماز تاثر اور خشوع وخضوع کی تصویر ہوتی تھی' کبھی کبھی ایک ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کردیتے تھے' پرموعظت آیات کو بار بار دہراتے تھے۔ سعید بن عبید کا بیان ہے کہ میں نے جبیر کو امامت کی حالت میں اس آیت:

﴿ اذالا غلال فی اعناقھم والسلاسل یسحبون فی الحمیم ﴾(مومن: ۸)

''جب کہ طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں اور وہ کھولتا ہوا پانی پینے کے لیے گھسیٹتے جاتے ہوں گے''۔

کو بار بار دہراتے سنا ہے۔ قاسم بن ایوب بیان کرتے ہیں کہ میں نے ان کو یہ آیت:

﴿ واتقوا یومًا ترجعون فیه الی الله ﴾ (بقرہ: ۳۸)

''اس دن سے ڈرو جس دن خدا کی طرف لوٹائے جاؤ گے''۔

بیس مرتبہ سے زیادہ دہراتے سنا ہے[3]

ذکر وشغل:

صبح صادق سے لے کر نماز فجر تک ذکر وشغل میں مصروف رہتے تھے' اس وقت

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۱۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۶۶۔ [3] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۵۱۔

marfat.com

خدا کے ذکر کے علاوہ کسی سے نہ بولتے تھے[1]

رمضان میں عبادت:

رمضان میں ان کی عبادت بہت بڑھ جاتی تھی' مغرب سے عشا تک کا وقت جو عموماً روزہ داروں کے آرام وسکون کا وقت ہوتا ہے تلاوت قرآن میں گزرتا تھا' رمضان کے زمانہ میں کبھی کبھی ایک نشست میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے[2] اپنے قبیلہ کی مسجد میں اعتکاف کرتے تھے[3]

حج:

حجوں کی صحیح تعداد نہیں بتائی جا سکتی' لیکن مختلف روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر حج کرتے تھے' اور وفور شوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ کر نکلتے تھے[4] مکہ کے قیام کے زمانہ میں طواف کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا' گرفتاری کے زمانہ میں' جس کے حالات بعد میں آئیں گے پابجولاں طواف کرتے تھے[5]

تلاوت قرآن:

تلاوت قرآن سے خاص شغف تھا۔ عموماً دو رات میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے' سفر اور بیماری کی حالت میں صرف اس معمول میں فرق آتا تھا[6]

تحقیر نفس:

اپنے نفس کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ گنہگاروں کو بھی ان کے گناہوں پر ٹوکتے ہوئے شرماتے تھے' فرماتے تھے کہ میں ایک شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتا ہوں' لیکن خود اپنا نفس اپنی نگاہ میں اتنا حقیر ہے کہ دوسرے کو ٹوکتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے[7]

غیبت سے احتراز:

غیبت کرنا اور غیبت سننا دونوں باتیں سخت ناپسند تھیں' مسلم البطین کا بیان ہے'

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۱۔ [2] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۵۔ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۲۔
[4] ایضاً ص ۱۸۴۔ [5] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۴۔ [6] ایضاً۔ [7] مختصر صفوۃ الصفوۃ۔

maktabah.org

اختیار کرلی' ابن جبیر نے بھی ابن اشعث کا ساتھ دیا' اور ابن اشعث سیستان سے عراق پہنچا' حجاج بھی مقابلہ کے لیے نکلا۔ دونوں میں مہینوں جنگ جاری رہی' اور ابن اشعث نے عراق کے بڑے حصہ پر قبضہ کرلیا' اس مخالفت میں کوفہ کے بہت سے علماء اور قراء بھی ابن اشعث کے ساتھ ہوگئے تھے' ابن جبیر اس جماعت کے سرگروہ تھے' اور میدان جنگ میں لوگوں کو حجاج اور بنی امیہ کے خلاف یہ کہہ کر ابھارتے تھے کہ ان کی ظالمانہ حکومت' ان کی بے دینی' خدا کے بندوں پر ان کے مظالم' نمازوں میں تاخیر اور مسلمانوں کی تذلیل و تحقیر پر ان کا مقابلہ کرو۔[1]

لیکن اس جوش مخالفت میں بھی حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا' ایک غلام زبرقان اسدی کا آقا حجاج کے حامیوں میں تھا۔ غلام مذکور نے ابن جبیر سے پوچھا ایسی حالت میں کہ میرا آقا حجاج کے ساتھ ہے' اگر میں ابن اشعث کے ساتھ ہو جاؤں اور لڑ کر جان دے دوں تو مجھ پر اس کا مواخذہ تو نہ ہوگا' ابن جبیر نے جواب دیا' تم مت لڑو اگر تمہارا آقا یہاں موجود ہوتا تو میں تم کو لے کر حجاج سے لڑتا۔[2]

شکست اور گرفتاری:

اگرچہ ابتدا میں ابن اشعث کی قوت نہایت مضبوط تھی اور اس نے عراق کا بڑا حصہ فتح کرلیا تھا۔ لیکن اس مخالفت میں اس نے حکومت کو بھی شامل کرلیا تھا۔ اس لیے زیادہ دنوں تک مقابلہ دشوار تھا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیر جماجم کے معرکہ میں اس کو نہایت فاش شکست ہوئی۔ اس کی قوت بالکل پاش پاش ہوگئی' اور وہ شکست کھا کر سیستان بھاگ گیا۔

اس شکست کے بعد ابن جبیر مکہ چلے آئے۔ یہاں کے والی خالد بن عبداللہ قسری نے انہیں گرفتار کر کے حجاج کے پاس بھجوا دیا۔ وہ ان سے خار کھائے ہوئے تھا اس لیے انہیں دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اور دونوں میں حسب ذیل مکالمہ ہوا:

---

[1] ایضاً ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۵۔

[2] ایضاً ص ۱۸۲۔

marfat.com

حجاج: تمہارا نام کیا ہے؟
ابن جبیر: سعید بن جبیر۔
حجاج: نہیں بلکہ اس کے برعکس شقی بن کسیر۔
ابن جبیر: میری ماں تم سے زیادہ میرے نام سے واقف تھی۔
حجاج: تمہاری ماں بھی بد بخت تھی اور تم بھی بد بخت ہو۔
ابن جبیر: غیب کا علم دوسری ذات کو ہے۔
حجاج: میں تمہاری دنیا کو دہکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا۔
ابن جبیر: اگر مجھ کو یقین ہوتا کہ یہ تمہارے اختیار میں ہے تو میں تم کو معبود بنا لیتا۔
حجاج: محمد (ﷺ) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟
ابن جبیر: وہ امام ہدیٰ اور نبی رحمت تھے۔
حجاج: علیؓ اور عثمانؓ کے بارے میں کیا رائے ہے' وہ جنت میں ہیں یا دوزخ میں۔
ابن جبیر: اگر میں وہاں گیا ہوتا اور وہاں کے رہنے والوں کو دیکھے ہوتا تو بتا سکتا تھا۔ (غیب کے سوال کا میں کیا جواب دے سکتا ہوں)
حجاج: خلفاء کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟
ابن جبیر: میں ان کا وکیل نہیں ہوں۔
حجاج: ان میں سے تم کس کو زیادہ پسند کرتے ہو؟
ابن جبیر: جو میرے خالق کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھا۔
حجاج: خالق کے نزدیک کون سب سے زیادہ پسندیدہ تھا؟
ابن جبیر: اس کا علم اس ذات کو ہے جو بھیدوں اور ان کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔
حجاج: عبدالملک کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟
ابن جبیر: تم ایسے شخص کے بارے میں پوچھتے ہو' جس کے گناہوں میں سے ایک گناہ تمہارا وجود ہے۔
حجاج: تم ہنستے کیوں نہیں؟

marfat.com

ابن جبیر: وہ کس طرح ہنس سکتا ہے' جو مٹی سے پیدا گیا ہے' اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے۔

حجاج: پھر ہم لوگ تفریحی مشاغل سے کیوں ہنستے ہیں؟

ابن جبیر: سب کے دل یکساں نہیں ہوتے۔

حجاج: تم نے کبھی تفریح کا سامان بھی دیکھا ہے۔

یہ پوچھ کر حجاج نے عود اور بانسری بجانے کا حکم دیا۔ اس کا نغمہ سن کر ابن جبیر رو دیئے۔ حجاج نے کہا یہ رونے کا کیا موقع ہے' موسیقی تو ایک تفریحی چیز ہے۔ ابن جبیر نے جواب دیا نہیں' وہ نالہ غم ہے' بانسری کی پھونک نے مجھے وہ آنے والا دن یاد دلایا جس دن صور پھونکا جائے گا اور عود ایک کاٹے ہوئے درخت کی لکڑی ہے' جو ممکن ہے ناحق کاٹی گئی ہو اور اس کے تار ان بکریوں کے پٹھوں کے ہیں جو ان کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائی جائیں گی۔ یہ سن کر حجاج بولا سعید تمہاری حالت بھی افسوس کے قابل ہے' انہوں نے جواب دیا وہ شخص افسوس کے قابل نہیں ہے جو آگ سے نجات دے کر جنت میں داخل کیا گیا' اس گفتگو کے بعد پھر مکالمہ شروع ہوگیا۔

حجاج: کیا میں نے تم کو کوفہ کا امام نہیں بنایا تھا؟

ابن جبیر: ہاں بنایا تھا۔

حجاج: کیا میں نے تم عہدہ قضا پر نہیں ممتاز کیا اور جب کوفہ والوں نے تمہاری مخالفت کی کہ قاضی عربی النسل ہونا چاہیے' تو میں نے ابو بردہ کو قاضی بنایا اور ان کو ہدایت کر دی کہ وہ بغیر تمہارے مشورہ کے کوئی کام نہ کریں۔

ابن جبیر: یہ بھی صحیح ہے۔

حجاج: کیا میں نے تم کو اپنا ندیم خاص نہیں بنایا' حالانکہ وہ سب سرداران عرب تھے۔

ابن جبیر: ہاں یہ بھی درست ہے۔

حجاج: کیا میں نے تم کو ایک لاکھ کی خطیر رقم حاجت مندوں میں تقسیم کرنے کے لیے نہیں دی' اور پھر اس کا کوئی حساب کتاب نہیں مانگا۔

ابن جبیر: ہاں دی۔

marfat.com

حجاج: ان احسانات کے بعد پھر تم کو کس چیز نے میری مخالفت پر آمادہ کیا۔

ابن جبیر: میری گردن میں ابن اشعث کی بیعت کا طوق تھا۔

حجاج: ایک دشمن خدا کی بیعت کا اتنا پاس تھا' اور امیر المومنین کی بیعت اور خدا کا کوئی پاس نہ تھا' خدا کی قسم میں تم کو قتل کر کے واصل جہنم کیے بغیر اس جگہ سے نہیں ہٹوں گا۔ بتاؤ تم کس طرح قتل کیا جانا پسند کرتے ہو۔

ابن جبیر: خدا کی قسم تم دنیا میں جس طرح مجھے قتل کرو گے' خدا تم کو آخرت میں اسی طرح قتل کرے گا۔

حجاج: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تم کو معاف کروں۔

ابن جبیر: اگر تم معاف کردو گے تو وہ خدا کی جانب سے ہوگا (تمہارا احسان نہ ہوگا)

حجاج: تو میں تم کو قتل کردوں گا۔

ابن جبیر: اللہ تعالیٰ نے میرا ایک وقت مقرر کردیا ہے' اس وقت تک پہنچنا ضروری ہے' اس کے بعد اگر میرا وقت آگیا ہے' تو پھر وہ ایک فیصل شدہ امر ہے' اس سے مفر نہیں ہے' اور اگر عافیت مقدر ہے تو وہ بھی خدا کے ہاتھ میں ہے۔

قتل کا حکم اور استقلال و استقامت:

اس گفتگو کے بعد حجاج نے جلاد کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ یہ حکم سن کر حاضرین میں سے ایک شخص رونے لگا' ابن جبیر نے اس سے پوچھا تم کیوں روتے ہو؟ اس نے کہا آپ کے قتل پر' فرمایا' اس کے لیے رونے کی ضرورت نہیں' یہ واقعہ تو خدا کے علم میں پہلے سے موجود تھا۔ پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿ ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب قبل ان نبراها ﴾ (حديد: ٣)

''تم کو زمین اور اپنی جانوں میں جو مصیبتیں پہنچیں ان کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے لکھ رکھا ہے''۔

مقتل میں جانے سے پہلے اپنے صاحبزادے کو دیکھنے کے لیے بلایا' وہ بھی آ کر

marfat.com

رونے لگے۔ آپ نے ان سے فرمایا تم روتے کیوں ہو ستاون سال کے بعد تمہارے باپ کی زندگی تھی ہی نہیں، پھر رونے کا کون سا مقام ہے۔

غرض نہایت صبر واستقلال کے ساتھ ہنستے ہوئے مقتل کی طرف چلے حجاج کو اطلاع دی گئی کہ اس وقت بھی ابن جبیر کے لبوں پر ہنسی ہے اس نے واپس بلا کر پوچھا تم ہنس کس بات پر رہے تھے فرمایا: ''خدا کے مقابلہ میں تمہاری جرأتوں اور تمہارے مقابلہ میں اس کے حلم پر''۔

آخری مشاغل:

یہ سن کر حجاج نے اپنے سامنے ہی قتل کا چمڑا بچھانے کا حکم دیا، اور قتل کا حکم دیا، ابن جبیر نے کہا اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں، حجاج نے کہا اگر مشرق کی سمت رخ کرو تو اجازت مل سکتی ہے، فرمایا کچھ حرج نہیں اینما تولوا فثم وجہ اللہ پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿ اِنِّیۡ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴾ (انعام: ۹)

''میں نے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ذات کی طرف کیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں''۔

حجاج نے حکم دیا سر کے بل جھکا دو، یہ حکم سن کر ابن جبیر نے راہ تسلیم و رضا میں خود سر کو خم کر دیا اور یہ آیت پڑھی:

﴿ منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى ﴾ (حم: ۳)

''اسی (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور اسی میں تم کو لوٹائیں گے، پھر اسی میں سے تم کو دوبارہ نکالیں گے''۔

اور کلمہ شہادت پڑھ کر بارگاہ ایزدی میں دعا کی کہ ''میرے قتل کے بعد پھر اس کو (حجاج) کسی کے قتل پر قادر نہ کرنا''۔

شہادت:

جلاد شمشیر برہنہ موجود تھا، حجاج کے حکم پر دفعتہ تلوار چمکی اور ایک کشتہ حق کا سر زمین پر تڑپنے لگا، زمین پر گرنے کے بعد زبان سے آخری کلمہ لا الہ الا اللہ نکلا۔

marfat.com

ایک تعجب انگیز امر:

اس سلسلہ میں یہ واقعہ لائق ذکر ہے کہ ابن جبیر کے جسم سے عام قتل ہونے والوں سے بہت زیادہ خون نکلا تھا' حجاج نے اطباء کو بلا کر اس کا سبب دریافت کیا کہ دوسرے مقتولوں کے جسم سے خون بہت کم نکلتا ہے' اور ان کے جسم سے خون کے فوارے رواں تھے' اطبا نے جواب دیا کہ خون روح کے تابع ہے' جن لوگوں کو پہلے قتل کیا گیا ان کی روح قتل سے پہلے ہی اس کے حکم ہی سے تحلیل ہو چکی تھی' اور ابن جبیر کی روح پر اس کا کوئی اثر نہ تھا[1] یہ واقعہ شعبان ۹۴ھ میں پیش آیا' اس وقت ابن جبیر کی عمر باختلاف روایت ۵۷ یا ۵۹ سال کی تھی۔

حسن بصری پر اثر:

سعید بن جبیر کی شخصیت ایسی تھی کہ تمام اکابر تابعین اس واقعہ سے سخت متاثر ہوئے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا: ''خدا ثقیف کے فاسق (حجاج) سے اس کا انتقال لے' خدا کی قسم اگر سارے روئے زمین کے باشندے بھی ان کے قتل میں شریک ہوتے تو خدا ان سب کو منہ کے بل دوزخ میں جھونک دیتا[2]

حلیہ:

حلیہ یہ تھا' رنگ سیاہ۔ سر اور داڑھی دونوں سپید' خضاب لگانا پسند نہ کرتے تھے' کسی نے وسمہ کے خضاب کے بارے میں پوچھا' فرمایا خدا تو بندہ کے چہرے کو نور سے روشن کرتا تھا' اور بندہ اس کو سیاہی سے بجھا دیتا ہے[3]

حجاج کا انجام:

سعید کی بددعا بے اثر نہ رہی' ان کا خون ناحق رنگ لایا۔ چنانچہ ان کے مقتول ہونے کے بعد ہی حجاج سخت دماغی امراض اور توہم میں مبتلا ہو کر چند ہی دنوں کے بعد

---

[1] یہ تمام حالات ابن خلکان ج اول ص ۲۰۵ و ص ۲۰۶' وشذرات الذہب ج اول ص ۱۰۹ و ص ۱۱۰ اور ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۴ و ص ۱۸۵ کی مختلف روایات میں غیر مرتب طور سے ہیں' ہم نے انہیں سلسلہ وار کر دیا۔

[2] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۶۔ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۶۔

marfat.com

بستر مرگ پر لیٹ گیا۔ بیماری کی حالت میں اس کو بے ہوشی کے دورے ہوتے تھے۔ بے ہوشی اور غنودگی کی حالت میں اسے نظر آتا تھا کہ ابن جبیر اپنے کپڑے سمیٹے ہوئے اس سے پوچھ رہے ہیں کہ دشمن خدا تو نے مجھے کس جرم میں قتل کیا؟ یہ خواب پریشان دیکھ کر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھتا تھا' اور کہتا تھا' مجھے سعید سے کیا واسطہ' اسی مجنونانہ حالت میں ۹۵ ھ میں مر گیا' اس طرح ابن جبیر کے قتل کے بعد اسے دوسرے آدمیوں کے قتل کرنے کا موقع نہ مل سکا۔[1]

حجاج کی موت کے بعد اس کو ایک شخص نے خواب میں دیکھا' پوچھا خدا نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا' اس نے کہا ہر ہر مقتول کے بدلہ میں مجھے ایک ایک مرتبہ قتل کیا گیا اور ابن جبیر کے انتقام میں ستر مرتبہ۔[2]

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۶۔

[2] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۶۔

marfat.com

۲۸-سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

سعید نام' ابو محمد کنیت' نسب نامہ یہ ہے' سعید بن مسیب بن حزن بن ابی وہب بن عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب قرشی مخزومی۔ ان کی ماں قبیلہ اسلم سے تھیں' ننہالی شجرہ یہ ہے' ام سعید بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن الاوقص اسلمی۔

ابن مسیب بڑے جلیل القدر تابعی اور ان نفوس قدسیہ میں تھے' جو اپنے علم وعمل کے اعتبار سے ساری دنیائے اسلام کے امام اور مقتدیٰ مانے جاتے تھے' ان کے والد مسیب اور دادا حزن دونوں صحابی تھے' فتح مکہ کے دن مشرف باسلام ہوئے تھے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ناموں کو جن کے معنی میں برائی کا پہلو نکلتا ہو پسند نہ فرماتے تھے' اس لیے حزن کا نام جس کے معنی غم کے ہیں بدل کر سہیل رکھنا چاہا' لیکن حزن نے جن میں اس وقت تک قدامت پرستی کا جذبہ باقی تھا یہ عذر کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نام والدین کا رکھا ہوا' اور اس نام سے مشہور بھی ہو چکا ہوں۔ اس لیے اس کو نہ بدلیے' ان کے عذر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنے دیا' لیکن اس نام کی نحوست کا یہ اثر تھا کہ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ ہمارے گھر میں ہمیشہ غمگینی چھائی رہی [1]

پیدائش:

باختلاف روایت ۲ھ یا ۴ھ جلوس عمری میں سعید بن مسیب پیدا ہوئے ایک بیان یہ بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات سے دو سال پہلے تولد ہوئے' لیکن پہلی روایت زیادہ معتبر ہے [2]

عہد معاویہ رضی اللہ عنہ:

ابن مسیب خلافت راشدہ کے آخری دور میں بالکل کم سن تھے' اس لیے اس عہد کا کوئی واقعہ قابل ذکر نہیں ہے' امیر معاویہؓ کے زمانہ میں بھی وہ عملی زندگی میں کہیں نظر نہیں

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۸۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۸۸۔

marfat.com

آتے، بعض روایات سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحصیل علم سے فارغ ہو کر مسند علم و افتا کی زینت بن چکے تھے[1]

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعت سے اختلاف:

عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانہ سے ان کے حالات کا پورا پتہ چلتا ہے اور اس کا آغاز ان کی حق گوئی سے ہوتا ہے۔ وہ ایسے حق گو اور حق پرست تھے کہ خلفاء اور سلاطین کے مقابلہ میں بھی ان کی زبان خاموش نہ رہتی تھی، چنانچہ ان کی تاریخ کا آغاز ہی خلفاء کے ساتھ اختلاف سے ہوتا ہے، عبداللہ بن زبیرؓ نے جب خلافت کا دعویٰ کیا اور جابر بن اسود اہل مدینہ سے ان کی بیعت لینے کے لیے آیا تو ابن مسیب نے اختلاف کیا، اور کہا جب تک مسلمانوں کا کسی شخص پر اتفاق نہ ہو جائے، اس وقت تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرنی چاہیے[2]

اعلان حق:

ابن مسیب مدینہ کے ممتاز ترین بزرگ تھے، ان کی مخالفت کے معنی یہ تھے کہ مدینہ سے ایک ہاتھ بھی بیعت کے لیے نہ بڑھتا، اس لیے جابر نے حکومت کے گھمنڈ میں آپ کو کوڑوں سے پٹوایا، لیکن آپ کی حق گو زبان جبر و تشدد سے رکنے والی نہ تھی، چنانچہ وہ عین سزا کی حالت میں بھی اعلان حق کرتی رہی، جابر کے چار بیویاں تھیں۔ ایک کو اس نے طلاق دے کر عدت گزارنے سے پہلے پانچویں شادی کر لی تھی جو صریحاً جرم ہے، چنانچہ ٹھیک اس وقت جب ان پر کوڑے برس رہے تھے، وہ کہہ رہے تھے کہ کتاب اللہ کا حکم سنانے سے مجھے کوئی چیز نہیں روک سکتی، خدا فرماتا ہے: ''انکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث وربع '' اور تو نے چوتھی عدت ختم ہونے سے قبل پانچویں عورت سے شادی کر لی۔ جو تیرے دل میں آئے کر گزر، عنقریب تجھ پر برا وقت آنے والا ہے اس واقعہ کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد عبداللہ بن زبیر قتل ہو گئے[3] ابن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے مقتول ہونے سے پہلے ابن مسیب کے ساتھ جابر کی اس گستاخی کا علم ہو چکا تھا

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۰۔ [2] ایضاً۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۹۱۔

marfat.com

وہ ان کے مرتبہ شناس تھے، اس لیے انہوں نے جابر کو خط لکھ کر سخت تنبیہ کی اور لکھا کہ ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔[1]

عبدالملک سے اختلاف:

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بعد عبدالملک خلیفہ ہوئے، اس کے ساتھ بھی ابن میسب کا اختلاف قائم رہا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اموی حکومت کا بانی اور مجدد مروان بن حکم اپنے بعد علی الترتیب عبدالملک اور اس کے بعد اس کے بھائی عبدالعزیز کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ مروان کے بعد عبدالملک کی نیت میں فتور پیدا ہوا، اس نے عبدالعزیز کو ولی عہدی سے خارج کر کے اپنے لڑکوں ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنانا چاہا، لیکن پھر قبیصہ بن ذویب کے سمجھانے سے کہ اس میں آپ کی بڑی بدنامی ہے، رک گیا، عبدالملک کی خوش قسمتی سے چند ہی دنوں کے بعد عبدالعزیز کا انتقال ہو گیا۔[2]

عبدالعزیز کے انتقال کے بعد عبدالملک کے لیے میدان بالکل صاف ہو گیا، اور اس نے ولید اور سلیمان کو ولی عہد بنا کر ان کی بیعت کے لیے صوبہ داروں کے نام فرمان جاری کر دیئے چنانچہ ہشام بن اسماعیل والی مدینہ سے بیعت لے کر سعید بن میسب کو بلایا۔ انہوں نے کہا میں بغیر سوچے سمجھے بیعت نہیں کر سکتا، ایک بیان یہ ہے کہ انہوں نے جواب یہ دیا کہ میں عبدالملک کی زندگی میں دوسری بیعت نہیں کر سکتا۔[3]

کوڑوں کی مار اور قید کی سزا:

ان کے اس جواب پر ہشام نے انہیں کوڑوں سے پٹوایا اور تشہیر کراتے ہوئے راس الثنیہ تک جہاں مجرموں کو سولی دی جاتی تھی، بھیجا، سعید بن میسب سولی کے لیے تیار ہو گئے تھے، چنانچہ سولی کے وقت ستر کھل جانے کے خیال سے جانگھیا پہن لیا تھا، لیکن راس الثنیہ لے جانے کا منشاء غالباً محض تخویف تھا، اس لیے وہاں لے جا کر واپس لے آئے ابن میسب نے پوچھا، اب کہاں لیے جاتے ہو، جواب ملا قید خانہ۔ چنانچہ واپس لا کر قید کر

---

1. ابن سعد ج ۵ ص ۹۰۔ 2. ابن اثیر ج ۴ ص ۴۰۹۔ 3. ابن سعد ج ۶ ص ۹۲۔

marfat.com

دیئے گئے' اور ہشام نے اپنی اس کارگزاری کی اطلاع بارگاہ خلافت بھجوادی[1]

استقلال:

قید خانہ میں انہیں سمجھا بجھا کر رام کرنے کی کوشش کی گئی' چنانچہ ابوبکر بن عبدالرحمن نے ان سے مل کر کہا سعید تم بالکل سٹھیا گئے ہو' انہوں نے جواب دیا ابوبکر خدا سے ڈرو اور اس کو سب قوتوں سے بڑھ کر سمجھو' ابوبکر برابر یہی کہتے رہے کہ تم تو اور زیادہ سٹھیا گئے ہو کسی طرح نرم ہی نہیں پڑتے' آخر میں ابن میتب نے جواب دیا خدا کی قسم تمہارے دل اور آنکھ دونوں کی روشنی جاتی رہی ہے' یہ جواب سن کر ابوبکر واپس چلے گئے' ہشام نے پچھوا بھیجا کہ سعید مار کے بعد کچھ نرم پڑے' ابوبکر نے جواب دیا تمہارے اس سلوک کے بعد سے خدا کی قسم وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوگئے ہیں۔ اب اپنا ہاتھ روک لو[2]

رہائی:

قبیصہ بن ذویب عبدالملک کے پرائیویٹ سیکریٹری تھے۔ تمام شاہی ڈاک پہلے ان کے پاس آتی تھی' یہ پڑھنے کے بعد اس کو عبدالملک کے سامنے پیش کرتے تھے' چنانچہ ہشام کا خط بھی جس میں اس نے عبدالملک کو اپنی کارگزاریوں کی اطلاع دی تھی پہلے قبیصہ کے ہاتھ میں پڑا' یہ بڑے عاقبت اندیش' مصلحت شناس' اور سعید بن میتب کے مرتبہ شناس تھے اس لیے ہشام کی کارگزاری پڑھ کر بہت برہم ہوئے اور اسی وقت عبدالملک کے پاس خط لے جاکر کہا امیر المومنین! ہشام خودرائی سے جو چاہتا ہے' کرتا ہے' ابن میتب کو اس طرح مارتا اور ان کی تشہیر کرتا ہے' خدا کی قسم وہ اس تشدد اور مار سے زیادہ سخت ہو جائیں گے' اگر وہ بیعت نہ کریں تب بھی ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے' وہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جن سے رخنہ اندازی یا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ کسی قسم کی برائی کا خطرہ ہو' وہ اہل سنت والجماعۃ میں ہیں۔ آپ خود سعید کو اس کی معذرت لکھئے' عبدالملک نے کہا تم ہی اپنی طرف سے لکھ دو اور یہ ظاہر کردو کہ ہشام نے میرے منشاء کے خلاف یہ کارروائی خود

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۳۔ [2] ایضاً ص ۹۴۔

marfat.com

کی ہے، چنانچہ قبیصہ نے اسی وقت ابن مسیب کو خط لکھ دیا۔ انہوں نے اسے پڑھ کر کہا جس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اس کے اور میرے درمیان خدا ہے[1]

ابن مسیب کو خط بھجوانے کے بعد عبدالملک نے ہشام کو بھی ایک تنبیہ اور ملامت آمیز خط بھیجا اور لکھا کہ خدا کی قسم ابن مسیب کے مارے جانے کے بجائے صلح رحم کے زیادہ مستحق ہیں۔ مجھ کو خوب معلوم ہے کہ ان سے کسی مخالفت اور تفرقہ کا خطرہ نہیں ہے[2]

یہ خط پڑھ کر ہشام سخت نادم اور شرمسار ہوا اور ابن مسیب کو رہا کر دیا[3]

ولید کا زمانہ:

ولید کے ساتھ ابن مسیب کی کوئی مخالفت نہیں ہوئی، لیکن جیسا کہ آئندہ چل کر معلوم ہوگا کہ انہوں نے کبھی اس کے سامنے سر بھی نہیں جھکایا۔

حجاج کا طرزِ عمل:

یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ اموی خلیفہ کے مقابلہ میں اس بے نیازی اور خودداری کے باوجود حجاج نے جو ہر شخص کا جو امویوں کا بندہ فرمان نہ ہو سخت دشمن تھا، ابن مسیب کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی، لوگوں کو اس پر سخت حیرت تھی، چنانچہ بعض آدمیوں نے ابن مسیب سے پوچھا بھی کہ یہ کیا بات ہے کہ حجاج نہ آپ کے پاس کسی کو بھیجتا ہے، نہ آپ کو اپنی جگہ سے ہٹاتا ہے نہ کوئی تکلیف پہنچاتا ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے خود اس کا سبب نہیں معلوم، ایک واقعہ البتہ اس کے ساتھ پیش آیا ہے، ایک مرتبہ وہ اپنے باپ کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا اور رکوع اور سجدہ ٹھیک نہیں کرتا تھا۔ میں نے تنبیہ کے لیے ایک مٹھی کنکریاں اس پر ماری تھیں، لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے بعد سے اس کی نماز درست ہوگئی[4]

وفات:

ولید ہی کے عہد ۹۴ھ میں سعید بن مسیب مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ دمِ آخرت اپنے صاحبزادے محمد کو بلا کر تجہیز و تکفین وغیرہ کے متعلق وصیت کی کہ جنازہ پر سرخ چادر نہ

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۳۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً ص ۹۴۔ [4] ابن سعد ج ۵ ص ۹۵۔

marfat.com

اڑھائی جائے' جنازہ کے پیچھے آگ نہ لی جائے' ایسے بین کرنے والے ساتھ نہ ہوں جو وہ اوصاف بیان کریں جو مجھ میں نہیں ہیں' کسی کو جنازہ اٹھنے کی اطلاع نہ دی جائے' صرف چار آدمی اٹھانے کے لیے کافی ہیں۔ قبر پر خیمہ نہ لگایا جائے۔

اختصار کی حالت میں نافع بن جبیر نے محمد سے کہا کہ بستر کو قبلہ رخ کر دو' ابن مسیب نے سن کر کہا اس کی ضرورت نہیں' میں اسی (قبلہ) پر پیدا ہوا ہوں' اسی پر مروں گا' اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت میں اسی پر اٹھوں گا۔

تھوڑی دیر کے بعد غشی طاری ہوگئی' اس وقت نافع نے بستر کو قبلہ رخ کر دیا' ابن مسیب کو ہوش آیا' تو پوچھا بستر کو کس نے پھیرا' کسی کو جواب دینے کی ہمت نہ ہوئی' لیکن ہوش کی حالت میں نافع کو کہتے سن چکے تھے' اس لیے خود ہی جواب دیا کہ نافع نے کیا ہوگا' پھر فرمایا اگر میں مسلمان ہوں تو خواہ کسی سمت مروں' قبلہ ہی کی جانب رخ رہے گا' اور اگر ملت اسلام پر نہیں ہوں اور دل قبلہ کی جانب نہیں ہے تو پھر رخ کو قبلہ کی طرف پھیرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں مسلمان ہوں۔ جس سمت میں بھی رخ ہو قبلہ ہی کی طرف ہوگا۔ اینما تولوا فثم وجہ اللہ۔

اسی مرض میں ۹۴ھ میں وفات پائی' وفات کے وقت پچھتر سال کا سن شریف تھا' یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس سال بہت بڑے بڑے فقہاء کا انتقال ہوا' اسی لیے اس سنہ کو سنۃ الفقہاء کہا جاتا تھا[1]

فضل وکمال:

سعید بن مسیب گو ایسے زمانہ میں پیدا ہوئے' جب رسالت کا مقدس دور ختم ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی اس بہار کو گزرے ہوئے زیادہ زمانہ نہیں ہوا تھا' مدینہ کی گلی گلی عہد رسالت کے پھولوں سے بھری ہوئی تھی' دو چار کے سوا اکثر اکابر صحابہ جو علوم نبوی ﷺ کے وارث تھے' مدینۃ العلم کے زیب مسند تھے' ابن مسیب کو علم کا فطری ذوق تھا' اس لیے ان بزرگوں کے فیض نے انہیں علم وعمل کا مجمع البحرین بنا دیا' وہ بالاتفاق اپنے زمانہ میں علم وعمل

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۰۵، ۱۰۶۔

marfat.com

اور جملہ علمی اور اخلاقی فضائل و کمالات میں یگانہ و یکتا تھے' امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی امامت و جلالت' علمی فضیلت اور جملہ اعمال خیر میں ان کے معاصرین پر ان کے تفوق اور برتری پر تمام علماء کا اتفاق ہے' ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ میں تمام اہل مدینہ کے سردار تھے[1] حافظ ذہبی ان کو امام' شیخ الاسلام اور اجلہ تابعین میں لکھتے ہیں[2] ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں حدیث' فقہ' زہد و ورع اور عبادت جملہ علمی اور عملی کمالات جمع تھے[3]

تفسیر قرآن:

جیسا کہ ابن عماد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر قرآن میں بھی ان کو پورا کمال حاصل تھا' لیکن قرآن میں شدت احتیاط کی وجہ سے انہوں نے بحیثیت مفسر کوئی شہرت نہیں حاصل کی' قرآن کی تفسیر میں وہ اتنے محتاط اور متشدد تھے کہ آیات قرآنی کی تفسیر و تاویل میں کبھی لب کشائی نہ کرتے تھے' جب ان سے کچھ پوچھا جاتا تو جواب دیتے کہ میں قرآن کے بارے میں کچھ نہ کہوں گا[4] اسی احتیاط کی وجہ سے ان کی قرآنی مہارت ظاہر نہ ہو سکی۔

حدیث:

حدیث رسول کا نہیں خاص ذوق تھا۔ ایک ایک حدیث کے لیے وہ کئی کئی رات اور کئی کئی دن کا سفر کرتے تھے[5] ایک طرف ان کا یہ ذوق و شوق تھا' دوسری طرف ان کا مولد و منشا یعنی مدینۃ الرسول اکابر صحابہ سے جو علم حدیث کے اساطین تھے معمور تھا' اور حضرت عثمانؓ، علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، زید بن ثابت، حسان ابن ثابت، ابو موسیٰ اشعریؓ، ابو ہریرہؓ، ابو درداانصاریؓ، ابوذر غفاریؓ، ابوقتادہ انصاریؓ، حکیم بن حزامؓ، جبیر بن مطعمؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، صفوان بن امیہؓ، مسور بن مخرمہؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابوسعید خدریؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، معمر بن عبداللہؓ، عبداللہ بن زید حارثیؓ، عتاب بن اسیدؓ، عثمان بن ابی العاصؓ وغیرہ صحابہ کرام کی بڑی جماعت موجود

---

1. تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۲۰۔ 2. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۶۔
3. شذرات الذہب ج اول ص ۱۰۳۔ 4. ابن سعد ج ۵ ص ۱۰۱۔ 5. ایضاً ص ۸۹۔

marfat.com

تھی، ابن میسیب نے ان تمام خرمنوں سے خوشہ چینی کی، مشہور حافظ حدیث صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے خسر تھے، اس تعلق سے ان سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ فیض یاب ہوئے تھے، چنانچہ ان کی مرویات کا بڑا حصہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث پر مشتمل ہے[1] حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو بات کانوں میں پڑ جاتی تھی، وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتی تھی[2] اس حافظہ اور ذوق وشوق نے حدیث میں سعید بن میسیب کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا۔

علماء کا اعتراف:

ان کے عہد کے تمام علماء ان کے کمال حفظ حدیث کے معترف تھے۔ مکحول جو خود بڑے امام اور محدث تھے کہتے تھے کہ میں نے علم کی تلاش میں ساری دنیا کا سفر کیا، لیکن سعید بن میسیب جیسا عالم کوئی نہیں ملا[3] امام زین العابدین فرماتے تھے کہ سعید بن میسیب گزشتہ آثار کے سب سے بڑے واقف کار تھے[4] علی بن مدائنی کہتے ہیں کہ میں تابعین کی جماعت میں سعید بن میسیب سے زیادہ وسیع العلم کسی کو نہیں جانتا[5]

مرویات کا پایہ:

محدثین اور ارباب فن کے نزدیک ان کی مرویات کا پایہ اتنا بلند تھا کہ امام احمد بن حنبل وغیرہ ان کی مرسلات کو بھی صحاح کا درجہ دیتے تھے[6] امام شافعی فرماتے تھے سعید کی مرسلات ہمارے نزدیک حسن ہیں[7] اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سعید کا سماع ثابت نہیں ہے، لیکن امام احمد ان سے بھی ان کی روایت کو حجت سمجھتے تھے[8] یحییٰ بن معین ان کی مرسلات کو حسن بصری کی مرسلات پر ترجیح دیتے تھے[9] علی بن مدائنی کہتے تھے کہ کسی مسئلہ

---

1. تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۴ و تہذیب الاسماء ج اول ق ۱ ص ۲۲۰۔ 2. ابن سعد ج ۵ ص ۹۰۔
3. تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۱ ص ۲۲۰۔ 4. ابن سعد ج ۵ ص ۹۰۔ 5. تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۲۰۔
6. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۷۔ 7. تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۶۔
8. ایضاً ص ۸۵۔ 9. تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۶۔

marfat.com

میں سعید بن مسیب کا صرف یہ کہہ دینا کہ اس بارے میں سنت موجود ہے کافی ہے[1]

فقہ:

سعید بن مسیب کا خاص فن فقہ تھا' وہ اس عہد کے مدینہ کے ان سات مشہور فقہاء میں سے تھے جو اس فن کے امام مانے جاتے تھے[2] اور ان میں بھی بلکہ پوری جماعت تابعین میں ابن مسیب کا پایہ سب سے بلند تھا' ابن حبان کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے سردار اور فتویٰ میں ان سب پر فائق تھے' ان کو فقیہ الفقہاء کہا جاتا تھا۔ قتادہ کہتے تھے کہ میں نے ابن مسیب سے زیادہ حلال وحرام کا جاننے والا نہیں دیکھا' سلیمان بن موسیٰ کا بیان ہے کہ سعید بن مسیب افقہ التابعین تھے[3] باہر کے جو طالبین فقہ مدینہ آتے تھے' انہیں سیدھے ان کا گھر بتا دیا جاتا تھا۔ میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں جب مدینہ گیا اور وہاں کے سب سے بڑے فقیہ کو پوچھا' تو لوگوں نے سعید بن مسیب کے گھر پہنچا دیا[4] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ عبادلہ اربعہ یعنی عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، اور عبداللہ بن زبیرؓ کے بعد دنیائے اسلام میں فقہ کی مسند موالی کے قبضہ میں آ گئی تھی' مکہ کے فقہ عطاء تھے یمن کے طاؤس یمامہ کے یحییٰ بن ابی کثیر' بصرہ کے حسن بصری' کوفہ کے ابراہیم نخعی' شام کے مکحول اور خراسان کے عطاء خراسانی' صرف مدینہ کی مسند ایک قرشی یعنی سعید بن مسیب کے حصہ میں رہی[5]

شیخین کے فیصلوں سے واقفیت:

اگرچہ سعید بن مسیب نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا' عہد فاروقی میں بہت صغیر السن تھے' لیکن تلاش وجستجو سے وہ آنحضرت ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے سب سے بڑے واقف کار بن گئے تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ اب مجھ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے فیصلوں کا جاننے والا کوئی نہیں ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ واقفیت رکھتے تھے'

---

1 تہذیب الاسماء ج اق اص ۲۲۰۔ 2 اعلام الموقعین ج اول ص ۲۵۔ 3 تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۲۰۔ 4 ابن سعد ج ۵ ص ۹۰۔ 5 شذرات الذہب ج ا ص ۱۰۳۔

marfat.com

اسی لیے وہ ''روایہ عمر'' کہلاتے تھے[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احکام اور فیصلوں کے بارے میں ان کا علم اتنا وسیع تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبداللہ تک جو خود حبر الامۃ تھے اپنے والد بزرگوار کے بعض حالات کے متعلق ان سے معلومات حاصل کرتے تھے[2]

فقہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مرتبہ محتاج بیان نہیں' آپ کے زمانہ میں صدہا نئے مسائل پیدا ہوئے۔ آپ نے ان جدید مسائل کے متعلق قوانین بتائے اور فیصلے دیئے' یہ سارا ذخیرہ معلومات ابن مسیب کے حصہ میں آیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلوں سے بھی واقفیت تھی[3]

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اعتراف:

یہ خصوصیت و جامعیت تابعی کیا صحابی میں بھی مشکل سے نکل سکتی تھی اسی لیے وہ عہد صحابہ میں ہی صاحب افتا ہو گئے تھے[4] اور بڑے بڑے صحابہ ان کی اس اہلیت کو تسلیم کرتے تھے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے تھے واللہ وہ مفتیوں میں سے ایک ہیں[5] کبھی کبھی سائلین کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے' ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کوئی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اس سے کہا سعید بن مسیب کے پاس جاؤ اور وہ جو جواب دیں وہ مجھے بھی آ کر بتانا' اس نے اس حکم کی تعمیل کی' ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب سن کر فرمایا میں تم لوگوں سے کہتا نہ ہوں کہ وہ علماء میں ہیں[6]

اکابر علماء اور تابعین کا اعتراف و استفادہ:

اس عہد کے تمام بڑے بڑے علماء اور اکابر تابعین ان کے کمالات کے اتنے معترف تھے کہ مشکل میں وہ خود ان کی طرف رجوع کرتے تھے' اور دوسروں کو ان سے استفادہ کرنے کی ہدایت کرتے تھے' حسن بصری جیسے بزرگ کو جب کسی مسئلہ میں اشکال پیش آتا تھا' تو وہ ان کے پاس لکھ بھیجتے تھے[7]

امام ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ عبداللہ بن ثعلبہ نے مجھ کو ہدایت کی تھی کہ اگر تم فقہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس شیخ (سعید بن مسیب) کا دامن پکڑو۔[8]

---

[1] شذرات الذہب' ج ا ص ۸۹۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۶۔ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۸۷۔
[4] ابن سعد ج ۵ ص ۸۹۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۴۔ [6] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۶۔
[7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۷۔ [8] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۴۔

marfat.com

حضرت عمر بن عبدالعزیز بغیر ان سے پوچھے ہوئے کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے' اور ان کا اتنا احترام کرتے تھے کہ انہیں اپنے پاس بلانے کی زحمت نہ دیتے تھے' بلکہ آدمی کے ذریعے پچھوا بھیجتے تھے' فرماتے تھے کہ مدینہ میں کوئی عالم ایسا نہ تھا جو اپنے علم کو لے کو خود میرے پاس نہ آیا ہو' لیکن ابن میتب کا علم میرے پاس لایا جاتا تھا۔[1]

ایک مرتبہ ایک شخص کو ابن میتب کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے بھیجا' وہ پوچھنے کے بجائے انہیں بلا لے گیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے انہیں دیکھ کر فرمایا' اس نے غلطی سے آپ کو تکلیف دی میں نے تو صرف پوچھنے کے لیے بھیجا تھا۔[2]

تلامذہ:

ابن میتب کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا' بعض مشہور اور ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں: سالم بن عبداللہ بن عمر' زہری' قتادہ' شریک بن ابی نمیر' ابوالزناد' سعد بن ابراہیم' عمرو بن مرہ' یحییٰ بن سعید انصاری' داؤد بن ابی ہند' طارق بن عبدالرحمٰن' عبدالحمید بن جبیر' شعبہ' عبدالخالق بن سلمہ' عبدالمجید بن سہیل' عمرو بن مسلم' امام باقر' ابن منکدر' ہاشم بن ہاشم بن عتبہ اور یونس بن یوسف وغیرہ۔[3]

ذوق وسخن:

سعید بن میتب اگرچہ خالص مذہبی بزرگ تھے' اس کے باوجود ان کو شعر وسخن کا بھی مذاق تھا' وہ اسے خلاف تقویٰ نہیں سمجھتے تھے' کسی نے ان سے کہا کہ عراق میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو شاعر و شاعری کو برا سمجھتے ہیں' فرمایا ان لوگوں نے عجمی تقشف اختیار کر لیا ہے۔[4] آپ خود تو شعر نہیں کہتے تھے' لیکن شعر سننا پسند کرتے تھے۔

تعبیر خواب:

آپ کے صحیفۂ کمال کا ایک نمایاں باب تعبیر خواب بھی ہے' آپ کو اس سے فطری مناسبت تھی' اس فن کو آپ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اسماء رضی اللہ عنہا سے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۰۔ [2] ایضاً۔ [3] تہذیب التہذیب ج۴ ص ۸۵۔
[4] کتاب العمدہ ابن رشیق ص ۱۱۔

marfat.com

سیکھا تھا۔ جنہوں نے اپنے والد بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔[1]

آپ کی تعبیروں کی بڑی شہرت تھی' اور بکثرت لوگ آپ کے پاس تعبیر لینے کے لیے آتے تھے' جب کوئی شخص آتا اور تعبیر کے لیے خواب بیان کرتا' تو آپ تفاولاً پہلے فرماتے کہ تم نے اچھی بات دیکھی'[2] اس موقع پر ہم یہاں چند خواب اور ان کی تعبیریں نقل کرتے ہیں:

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور عبدالملک کی جنگ کے زمانہ میں ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ عبدالملک کو میں نے چت لٹا کر پھر منہ کے بل کر کے اس کی پیٹھ میں چار میخیں ٹھونک دی ہیں۔ یہ خواب سن کر انہوں نے اس شخص سے کہا تم نے خود یہ خواب نہیں دیکھا ہے' اس نے کہا نہیں میں ہی نے دیکھا ہے' سعید نے کہا اگر تم صحیح نہیں بیان کرتے تو میں خود بتائے دیتا ہوں' ان کے اس کہنے پر اس شخص نے اقرار کیا کہ میں نے نہیں بلکہ ابن زبیرؓ نے دیکھا ہے' اور مجھے آپ کے پاس تعبیر کے لیے بھیجا ہے' فرمایا اگر تم نے خواب صحیح بیان کیا ہے تو عبدالملک' ابن زبیر کو قتل کر دے گا اور اس کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے۔

ایک شخص نے خواب دیکھا کہ عبدالملک نے چار مرتبہ مسجد نبوی کے سامنے پیشاب کیا ہے۔ سعید بن مسیب نے اس یہ تعبیر دی کہ عبدالملک کی صلب سے چار خلیفہ ہوں گے۔

ان دونوں خوابوں کی تعبیر بالکل صحیح نکلی' ابن زبیر رضی اللہ عنہما عبدالملک کے مقابلہ میں مقتول ہوئے اور عبدالملک کے چار لڑکے خلیفہ ہوئے۔ ولید، سلیمان' یزید اور ہشام۔

شریک بن ابی نمیر نے اپنا خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ میرے دانت میرے ہاتھوں میں گر گئے ہیں اور میں نے انہیں دفن کر دیا' ابن مسیب نے اس کی یہ تعبیر دی کہ تم اپنے خاندان کے ہم سنوں کو دفن کرو گے۔

ایک اور شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ اپنے ہاتھ پر پیشاب کر رہا ہوں' سعید نے تعبیر دی کہ تمہاری بیوی تمہاری محرم ہے' تحقیقات کی تو واقعی اس کی

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۶۸۔ [2] ایضاً ص ۹۲۔

marfat.com

بیوی اس کے رضاعی محرمات میں نکلی۔

مسلم الخیاط کا بیان ہے کہ ایک شخص نے یہ خواب سن کر بیان کیا کہ ایک کبوتر مسجد کے منارہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ آپ نے یہ تعبیر دی کہ حجاج' جعفر بن ابی طالبؓ کی پوتی سے شادی کرے گا۔

ایک اور شخص نے اپنا خواب بیان کیا' کہ ایک بکرا ثنیۃ الوداع سے دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا مجھے ذبح کرو' مجھے ذبح کرو' میں نے ذبح کر دیا' ابن مسیب نے تعبیر دی کہ ابن صلاء مر جائیں گے' ابن صلاء مدینہ کے موالی میں تھے' اور لوگوں کے ساتھ سعی کیا کرتے تھے۔

عبدالرحمٰن بن سائب کا بیان ہے کہ قبلہ فہر کے ایک آدمی نے بیان کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ وہ آگ میں گھس رہا ہے۔ ابن مسیب نے تعبیر دی کہ تم اپنی موت سے پہلے بحری سفر کرو گے اور تمہاری موت قتل کے ذریعہ ہوگی۔ عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ واقعی اس شخص نے سمندر کا سفر کیا اور دوران سفر میں ہلاک ہوتے ہوتے بچا' پھر قدید کے معرکہ میں مقتول ہوا۔

حصین بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میری خواہش کے باوجود میرے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی' میں نے خواب میں دیکھا کہ میری گود میں کسی نے ایک انڈا پھینک دیا ہے۔ میں نے ابن مسیب سے بیان کیا' انہوں نے کہا وہ انڈا عجمی مرغی کا ہے۔ تم عجم میں رشتہ پیدا کرو چنانچہ میں نے ایک عجمی لونڈی کو بیوی بنالیا' اس کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔

ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں سایہ میں بیٹھا ہوں۔ پھر اٹھ کر دھوپ میں چلا گیا' ابن مسیب نے کہا خدا کی قسم اگر تمہارا خواب سچا ہے تو تم اسلام کے دائرہ سے نکل جاؤ گے' یہ سن کر اس شخص نے اپنے بیان کی تصحیح کی کہ مجھے زبردستی دھوپ میں لایا گیا۔ لیکن پھر میں موقع پا کے نکل آیا' اس وقت ابن مسیب نے تعبیر میں یہ ترمیم کر دی کہ تم کفر پر مجبور کیے جاؤ گے' یہ تعبیر بالکل صحیح نکلی یہ شخص عبدالملک کے زمانہ میں کسی جنگ میں قید ہو کر زبردستی کفر پر مجبور کیا گیا' لیکن پھر چھوٹ کر۔۔۔

maarfat.com

واپس آیا یہ واقعہ خود یہ شخص بیان کرتا تھا[1]

کلمات طیبات:

سعید بن مسیب کے کلمات طیبات اور حکیمانہ اقوال بڑے سبق آموز ہیں:

فرماتے تھے کہ شیطان جب کسی کام میں انسان سے مایوس ہوجاتا ہے تو اس کو عورتوں کے ذریعہ سے پورا کرتا ہے[2] میں اپنے نفس کے بارے میں سب سے زیادہ عورتوں سے خوف کرتا ہوں، لوگوں نے عرض کیا ابو محمد آپ جیسے ضعیف العمر آدمی کو تو عورتوں کی خواہش باقی نہیں رہ جاتی، اور نہ خود عورتیں ایسے شخص کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ (پھر کیا خطرہ) فرمایا لیکن جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں وہ واقعہ ہے[3]

فرماتے تھے کہ خدا کی اطاعت کرنا بندوں کے لیے اپنے نفس کی سب سے بڑی عزت کرنا ہے اور اس کی سب سے بڑی تحقیر خدا کی نافرمانی ہے۔

دنیا ایک فرومایہ شے ہے اور ہر اس فرومایہ کی طرف مائل ہوتی ہے۔ جو بغیر حق کے اسے حاصل کرتا ہے، بے جا وسیلوں سے طلب کرتا ہے، اور بے محل صرف کرتا ہے۔

اس دولت دنیا میں کوئی خیر نہیں ہے جس کو انسان اس نیت سے حاصل نہیں کرتا کہ اس کے ذریعہ سے وہ اپنے مذہب اور اپنی شرافت کو بچائے اور صلہ رحم کرے۔

ظلم کے اعوان و انصار کو جب بھی دیکھو تو دل سے ان کے مظالم سے نفرت کرو تاکہ تمہارے اچھے اعمال برباد نہ ہو جائیں۔

تمام انسان خدا کی پناہ و نگرانی میں اعمال کرتے ہیں، جب خدا انہیں رسوا کرنا چاہتا ہے تو ان کو اپنی نگرانی سے نکال دیتا ہے۔ اس وقت لوگوں میں اس کا پردہ فاش ہوجاتا ہے۔

کوئی شریف کوئی عالم اور کوئی باکمال ایسا نہیں ہے، جس میں کوئی عیب نہ ہو، لیکن ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے عیوب بیان نہ کرنا چاہئیں، اور یہ وہ ہیں جن کی بھلائیاں ان کی خامیوں سے زیادہ ہوں، ان کی خامیوں سے ان کی بھلائیوں کی وجہ سے درگزر کرنا چاہیے[4]

---

[1] یہ تمام خواب اور اس کی تعبیریں ابن سعد نے نقل کی ہیں، دیکھئے ج ۵ ص ۹۱ تا ۹۳۔

[2] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۰۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۰۰۔

[4] یہ تمام اقوال مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۰، ۱۳۱ سے ماخوذ ہیں۔

marfat.com

آپ کے غلام برد نے ایک مرتبہ آپ سے بعض آدمیوں کی کثرت عبادت کا تذکرہ کیا کہ وہ لوگ ظہر سے عصر تک برابر عبادت کرتے رہتے ہیں' آپ نے فرمایا برد خدا کی قسم یہ عبادت نہیں ہے' تم جانتے بھی ہو عبادت کسے کہتے ہیں۔ عبادت کہتے ہیں امور الٰہی میں غور و فکر کرنے اور اس کے محارم سے بچنے کو[1]

فضائل اخلاق:

عملی کمالات کے ساتھ سعید بن مسیب فضائل اخلاق کی دولت سے بھی مالا مال تھے' اور اقلیم علم و عمل دونوں پر اس کی فرمانروائی یکساں تھی۔

زہد و ورع:

وہ بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے' ابن حبان لکھتے ہیں کہ ابن مسیب' فقہ' دین داری' زہد و ورع' عبادت و ریاضت جملہ فضائل میں سادات تابعین میں تھے[2] امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ان کی علمی جلالت و امامت اور ان کی دینی عظمت و بزرگی پر سلف و خلف کے اقوال متفق ہیں[3]

جماعت کا اہتمام:

نماز با جماعت میں اتنا اہتمام تھا کہ چالیس سال اور ایک روایت کے مطابق پچاس سال تک ایک وقت بھی نماز باجماعت ناغہ نہ ہوئی[4] کبھی ایسے وقت مسجد آنے کا اتفاق نہیں ہوا' جب لوگ نماز تمام کر کے واپس جا رہے ہوں[5]

ان پر آشوب زمانوں میں بھی جب مدینہ میں گھر سے باہر قدم نکالنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تھا' ابن مسیب سے مسجد نہ چھوٹی' مدینہ کی تاریخ میں حرہ کا واقعہ نہایت مشہور واقعہ ہے۔ یہ واقعہ یزید اور عبداللہ بن زبیرؓ کے اختلاف کے زمانہ میں پیش آیا تھا۔ اہل مدینہ نے جب عبداللہ بن زبیرؓ کی حمایت میں عبداللہ بن حنظلہ کو سردار بنا کر یزید کی بیعت توڑ دی تھی اس وقت یزید کی فوجیں تین دن تک برابر مدینۃ الرسول میں قتل عام کرتی اور اس کو

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۰۰۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۸۷۔ [3] تہذیب الاسماء ج اق اول
[4] ابن سعد ج ۵ ص ۹۷۔ [5] ایضاً ۹۰۔

marfat.com

لوٹتی رہیں۔ اس پر آشوب زمانہ میں کوئی شخص گھر سے باہر قدم رکھنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ مسجدوں میں بالکل سناٹا رہتا تھا' ایسے نازک وقت میں بھی سعید بن مسیب مسجد ہی میں جا کر نماز پڑھتے تھے۔ بنی امیہ انہیں دیکھ کر کہتے ذرا اس بوڑھے مجنوں کو دیکھو[1] (کہ اس حالت میں بھی مسجد نہیں چھوڑتا)

نماز باجماعت کے خیال سے علاج اور صحت کے لیے بھی ایسے مقامات پر نہ جاتے تھے جہاں نماز باجماعت کا انتظام نہ ہوسکتا ہو' آپ کی آنکھ میں شکایت پیدا ہوگئی تھی' لوگوں نے مشورہ دیا کہ مدینہ سے باہر عقیق چلے جاؤ' وہاں کے سبزہ زار سے آپ کی آنکھوں کو فائدہ پہنچے گا' فرمایا رات اور صبح کی نماز کی حاضری کو کیا کروں[2]

ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن مسیب سے دیہات کی خوبیوں اور اس کی پرلطف زندگی کا تذکرہ کر کے ان سے کہا کیا اچھا ہوتا آپ کچھ دنوں کے لیے دیہات چلے جاتے' فرمایا رات کی نماز کی حاضری کس طرح ہوگی۔[3]

عبادت شب اور محاسبۂ نفس:

آپ کی عبادت کا اصل وقت تاریکی شب میں تھا' اس وقت وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتے تھے،[4] روزانہ رات گئے اپنے نفس سے خطاب کرتے کہ ''برائیوں اور بدیوں کا سرچشمہ اٹھ میں تجھ کو اس اونٹ کی طرح خستہ کر کے چھوڑ دوں گا جو خستگی اور ماندگی سے چلنے میں لڑکھڑاتا ہے''[5] یہ کہہ کر تہجد میں مشغول ہوجاتے تھے' اور صبح تک پڑھتے رہتے' رات بھر کھڑے کھڑے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے' صبح کو پھر نفس سے مخاطب ہو کر فرماتے: ''تجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے' اور تو اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔''[6]

روزے:

ممنوعہ دنوں کے علاوہ ہمیشہ روزے رکھتے تھے' مغرب کے وقت افطار کے لیے گھر سے پینے کی کوئی چیز آجاتی تھی اسی سے مسجد میں افطار کرتے تھے۔[7]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۹۷۔ [2] ایضاً ص ۱۹۷۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۹۷۔ [4] صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۰۔
[5] ایضاً۔ [6] ابن سعد ج ۵ ص ۹۸۔ [7] صفوۃ الصفوۃ ص ۱۴۰۔

marfat.com

حج:

قریب قریب ہر سال حج کرتے تھے‘ بعض روایتوں کے مطابق آپ کے حجوں کی تعداد پچاس تک پہنچتی ہے۔ بنی امیہ نے مخاصمت کی وجہ سے درمیان میں کچھ دنوں کے لیے ان کو حج سے روک دیا تھا۔ علی بن زید نے ایک مرتبہ ان سے کہا کہ آپ کی قوم کا خیال ہے کہ آپ کو حج سے اس لیے روکا گیا ہے کہ آپ نے اپنے اوپر لازم کرلیا تھا کہ جب کعبہ دیکھیں گے تو آل مروان کے لیے بددعا کریں گے‘ فرمایا یہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن میں ہر نماز میں ان کے لیے بددعا کرتا ہوں‘ ساری عمر میں صرف ایک حج یا عمرہ فرض ہے‘ اور میں بیس حج سے زیادہ کر چکا ہوں‘ تمہاری قوم میں بہتیرے ایسے آدمی ہیں جنہیں دینداری کا دعویٰ ہے‘ اور وہ حج اور عمرہ کر کے مرجاتے ہیں‘ لیکن ان کا حج نہیں ہوتا‘ میں تو نفل کے حج اور عمرہ سے جمعہ کی نماز کو زیادہ ترجیح دیتا ہوں[1]

تلاوت قرآن:

قرآن کی تلاوت میں کبھی ناغہ نہ ہوتا تھا‘ سفر کی حالت میں سواری پر تلاوت کرتے تھے[2]

محرمات الٰہی کا احترام:

آپ تمام محترم چیزوں کی بڑی عظمت کرتے تھے‘ انبیاء و رسل کا اتنا احترام تھا کہ ان کے نام پر اپنے لڑکوں کے نام رکھنا پسند نہ کرتے تھے‘ قرآن اور مسجد کی اتنی عظمت کرتے تھے کہ اس کی تصغیر بھی گوارا نہ تھی۔ ابن حرملہ کا بیان ہے کہ سعید بن میسب کہتے تھے کہ مصیحف اور مسجد یعنی چھوٹا قرآن اور چھوٹی مسجد نہ کہا کرو۔ خدا نے جس چیز کو بڑائی بخشی ہے اس کی عظمت کیا کرو‘ خدا نے جس کو بڑائی دی ہے وہ بڑی اور اچھی ہے‘[3] بیماری کی حالت میں بھی حدیث سناتے وقت اٹھ کر بیٹھ جاتے تھے‘ ایک مرتبہ کسی شخص نے بیماری

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۹۔ [2] ایضاً ج ۵ ص ۸۹۔

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۰۱۔

marfat.com

کی حالت میں آپ سے ایک حدیث پوچھی' آپ لیٹے ہوئے تھے' فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے' سائل نے کہا میں چاہتا تھا کہ آپ زحمت نہ اٹھاتے' آپ نے فرمایا میں لیٹے لیٹے رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرنا برا سمجھتا ہوں [1]

اخلاق وآداب:

عادات و خصائل میں سعید بن میتب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نمونہ تھے۔ بڑے بڑے صحابہ ان کے اخلاقی کمالات کے معترف تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ ان کو دیکھتے تو خوش ہوتے [2]

نرمی و صلح پسندی:

طبعاً بڑے نرم اور صلح پسند تھے' اختلاف اور جنگ و جدال کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ عمران بن عبداللہ خزاعی کا بیان ہے کہ سعید بن میتب کسی سے جھگڑتے نہ تھے اگر کوئی شخص ان کی چادر چھیننا چاہتا تو وہ اس کو خود اس کی طرف پھینک دیتے [3]

شدت احتیاط:

منہیات کے بارے میں اس قدر محتاط تھے کہ بچوں کے کھیل تک میں اس کا لحاظ نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ اپنی لڑکی کو ہاتھی دانت کی گڑیا کھیلنے کی اجازت نہ دیتے تھے [4]

جرأت وحق گوئی:

لیکن اعلان حق میں یہ نرمی درشتی اور سختی بدل جاتی تھی۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ سعید بن میتب بڑے حق گو تھے [5] حق کے مقابلہ میں وہ کبھی خاموش نہ رہتے تھے اس سلسلہ میں انہوں نے جو سختیاں جھیلیں ان کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ بنی امیہ کے مقابلہ میں ان کی تیغ زبان ہمیشہ بے نیام رہتی تھی۔ کسی موقعہ پر بھی ان کی عیب چینی سے باز نہ رہتے تھے۔ مطلب بن سائب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابن میتب کے ساتھ بازار

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۔ [2] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۶۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۹۹۔

[4] ایضاً۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۴۔

marfat.com

میں بیٹھا ہوا تھا کہ بنی مروان کا ہرکارہ ادھر سے گزرا۔ سعید نے اس سے پوچھا تم بنی مروان کے ہرکارے ہو؟ اس نے کہا ہاں، پوچھا تم نے ان کو کس حال میں چھوڑا، اس نے کہا اچھے حال میں، ابن مسیب نے کہا وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں، یہ سن کر ہرکارہ سخت غضب ناک ہوا۔ میں نے سمجھا بجھا کر کسی طرح اسے واپس کیا اور سعید سے کہا کہ خدا تمہاری مغفرت کرے، تم کیوں اپنی ان کے پیچھے پڑے ہو، انہوں نے کہا احمق چپ رہ، خدا کی قسم جب تک میں خدا کے حقوق کی حفاظت کرتا رہوں گا اس وقت تک وہ مجھے ان کے قبضہ میں نہ دے گا[1]

خلفاء اور سلاطین سے بے نیازی:

خلفاء اور سلاطین کے مقابلہ میں سعید بن مسیب کی بے نیازی بے اعتنائی کے درجہ تک پہنچی ہوئی تھی، انہوں نے متعدد اموی خلفاء کا زمانہ پایا، لیکن ان میں سے کسی کے سامنے سرخم نہیں کیا بلکہ ان کو قابل التفات بھی نہ سمجھا، عبدالملک کے ساتھ ان کے کئی واقعات اس قسم کے پیش آئے، جن سے ان کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے اگر عبدالملک کبھی ان سے ملنے کی خواہش بھی کرتا تھا تو وہ انکار کردیتے تھے، ایک مرتبہ وہ مدینہ گیا اور مسجد نبویؐ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر انہیں ملنے کے بلا بھیجا، عبدالملک کے آدمی نے ان کے پاس جا کر کہا امیر المومنین دروازہ پر کھڑے ہیں، آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا نہ امیر المومنین کو مجھ سے کوئی ضرورت ہے، اور نہ مجھے ان سے۔ اگر امیر المومنین کی کوئی ضرورت ہو بھی تو وہ پوری نہیں ہوسکتی، آدمی نے جا کر عبدالملک کو یہ جواب سنا دیا، اس نے پھر اس کو واپس کیا کہ دوبارہ جا کر کہو لیکن اگر وہ نہ آئیں تو زبردستی نہ کرنا۔ آدمی نے دوبارہ جا کر پھر وہی کہا پھر وہی جواب ملا، عبدالملک کے آدمی نے یہ خشک جواب سن کر کہا، امیر المومنین نے ہدایت نہ کردی ہوتی تو میں تمہارا سر لے جاتا، امیر المومنین تم کو بار بار بلا بھیجتے ہیں اور تم اس قسم کا جواب دیتے ہو، ابن مسیب نے کہا اگر وہ میرے ساتھ کوئی بھلائی کرنا چاہتا ہے تو وہ میں تمہیں بخشتا ہوں، اور اگر اس کا کچھ اور ارادہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۷۔

marfat.com

ہے تو میں اس تک حبوہ[1] نہ کھولوں گا جب تک وہ جو کچھ چاہتا ہے' اسے کر نہ گزرے۔ عبدالملک کے آدمی نے پھر واپس جا کر یہ جواب سنایا' اس نے سن کر کہا خدا ابو محمد پر رحم کرے' ان کی سختی بڑھتی ہی جاتی ہے۔[2]

ایک مرتبہ اور عبدالملک مدینہ آیا ہوا تھا' ایک رات اسے نیند نہیں آئی' اس نے حاجب کو حکم دیا کہ مسجد میں جا کر دیکھو اگر مدینہ کا کوئی قصہ خوان مل جائے تو لے آؤ حاجب مسجد گیا مگر ایسے ناوقت یہاں کون ملتا' سعید بن مسیب ذکر و شغل میں مشغول تھے۔ حاجب انہیں پہچانتا نہ تھا' ان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا' اور اشارہ سے ان کو بلایا' یہ اپنی جگہ بیٹھے رہے' حاجب نے یہ خیال کر کے کہ یہ شخص عمداً متوجہ نہیں ہو رہا ہے قریب جا کر اشارہ کیا اور کہا میں نے اشارہ کیا تھا' تم نے دیکھا نہیں' ابن مسیب نے کہا اپنی ضروریات بیان کرو' حاجب نے کہا امیر المومنین کی آنکھ کھل گئی ہے' انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ کسی باتیں کرنے والے کو لے آؤں' اس لیے تم چلو' ابن مسیب نے پوچھا کیا مجھ کو بلایا ہے؟ حاجب نے کہا نہیں' انہوں نے کہا تھا کہ جا کر دیکھو اگر اہل شہر میں کوئی قصہ خوان ہو تو لے آؤ۔ میں نے تم سے زیادہ مستعد کسی کو نہیں پایا' یہ سن کر ابن مسیب نے کہا امیر المومنین سے جا کر کہہ دو کہ میں ان کا قصہ خوان نہیں ہوں۔ یہ جواب سن کر حاجب سمجھا کہ یہ کوئی دیوانہ آدمی ہے' اس لیے لوٹ گیا' اور عبدالملک سے کہا کہ مسجد میں صرف ایک بوڑھا شخص نظر آیا' میں نے اسے اشارہ کیا' مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ پھر میں نے اس کے پاس جا کر کہا امیر المومنین نے مجھے کسی باتیں کرنے والے کو بلانے کے لیے بھیجا ہے' اس شخص نے جواب دیا کہ امیر المومنین سے جا کر کہہ دو کہ میں ان کا قصہ خوان نہیں ہوں۔ عبدالملک ان کے مزاج سے خوب واقف تھا اس لیے یہ واقعہ سن کر اس نے کہا وہ سعید بن مسیب ہیں انہیں چھوڑ دو۔[3]

---

[1] نشست کا ایک خاص طریقہ ہے جس میں کپڑا باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۹۵۔

[3] ایضاً ص ۹۶۔

marfat.com

عبدالملک کو ایسے ایسے تلخ جواب دیتے تھے کہ معمولی آدمیوں کو بھی نہیں دیئے جا سکتے۔ ایک مرتبہ اس نے ان سے کہا ابو محمد اب میری یہ حالت ہوگئی ہے کہ اگر اچھا کام کرتا ہوں تو اس کی کوئی خوشی نہیں ہوتی' برا کام کرتا ہوں تو اس کا کوئی رنج نہیں ہوتا۔ فرمایا اب تمہارا قلب پوری طرح سے مرگیا ہے۔[1]

عبدالملک کے بعد ولید کے ساتھ بھی یہی طرز عمل رہا' مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کرانے کے بعد جب ولید اس کے معائنہ کے لیے آیا تو مسجد میں جس قدر آدمی تھے سب ہٹا دیئے گئے ابن مسیب بھی مسجد کے ایک گوشہ میں تھے انہیں اٹھانے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ ایک شخص نے صرف اتنا کہا کہ اس وقت آپ ہٹ جاتے تو اچھا ہوتا' آپ نے جواب دیا' میرے اٹھنے کا جو وقت ہے' اس سے پہلے نہ اٹھوں گا۔ عرض کیا گیا اچھا نہ اٹھیے لیکن کم از کم اتنا کیجیے کہ جب امیر المومنین ادھر سے گزریں تو سلام کے لیے کھڑے ہو جایئے فرمایا خدا کی قسم میں اس کے لیے نہیں کھڑا ہو سکتا' حضرت عمر بن عبدالعزیز ولید کو مسجد کا معائنہ کرا رہے تھے' یہ ابن مسیب کے مرتبہ شناس اور ان کی طبیعت سے واقف تھے۔ اس لیے ولید کی نظر بچانے کے لیے اس کو دوسری سمتوں میں ادھر ادھر پھراتے رہے لیکن جب وہ قبلہ کی طرف بڑھا' تو اس کی نظر ابن مسیب پر پڑ گئی' اس نے پوچھا یہ شیخ کون ہیں؟ سعید تو نہیں ہیں' عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا ہاں اور ان کی جانب سے معذرت کے طور پر ان کی مجبوریاں بیان کرنے لگے' کہ اب وہ ضعیف ہو گئے ہیں' آنکھوں سے کم دکھائی دیتا ہے' اگر وہ آپ کو پہچانتے تو سلام کے لیے ضرور اٹھتے۔ ولید نے کہا ہاں میں ان کی حالت سے واقف ہوں' میں خود ان کے پاس چلتا ہوں' چنانچہ گھومتا پھرتا سعید کے پاس پہنچا اور پوچھا شیخ کیسا مزاج ہے؟ شیخ نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے جواب دیا' الحمد للہ' اچھا ہوں' لیکن اتنا اخلاق برتا کہ جواب میں ولید کا مزاج پوچھ لیا۔ اس مختصر گفتگو کے بعد ولید یہ کہتا ہوا لوٹ گیا کہ یہ پرانی یادگار ہیں۔[2]

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۱۵۔ [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۳۸۔

marfat.com

پردہ پوشی:

اگر چہ سعید احکام خداوندی کے باب میں متشدد تھے' لیکن کسی کے گناہ کی پردہ دری پسند نہ کرتے تھے اور دوسروں کو پردہ پوشی کی تلقین کرتے تھے' ابن حرملہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں صبح کو باہر نکلا تو ایک شخص کو نشہ کی حالت میں پایا' اس کو زبردستی اپنے گھر گھسیٹ لایا' اس کے بعد سعید سے ملاقات ہوئی' ان سے میں نے پوچھا کہ ایک شخص نے ایک شخص کو نشہ کی حالت میں پایا' اس صورت میں وہ کیا کرے اس کو حاکم کے سپرد کرکے اس پر حد جاری کرائے؟ ابن مسیب نے جواب دیا' اگر تم اس کو اپنے کپڑے سے چھپا سکو تو چھپا لو' یہ سن کر میں گھر واپس آیا' اس وقت وہ شخص ہوش میں آ چکا تھا' مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرہ پر شرمندگی طاری ہوگئی' میں نے اس سے کہا کہ کیا شرم نہیں آتی' اگر تم صبح اس حالت میں پکڑ لیے جاتے اور تم پر حد جاری کی جاتی تو لوگوں کی نگاہوں میں تمہاری کیا آبرو رہ جاتی۔ تم زندگی ہی میں مردہ ہو جاتے' تمہاری شہادت قبول تک نہ کی جاتی' یہ نصیحت سن کر اس شخص نے کہا خدا کی قسم آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا' اس پردہ پوشی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیے تائب ہو گیا[1]

ایک سبق آموز واقعہ:

ابن مسیب کی لڑکی کی شادی کا واقعہ' ایثار' ہمدردی' غربت پسندی اور سادگی مختلف حیثیتوں سے نہایت سبق آموز ہے' ان کی لڑکی بڑی حسین وجمیل اور تعلیم یافتہ تھی' عبدالملک اس کو اپنی بہو بنانا چاہتا تھا' اس نے اپنے ولی عہد کے ساتھ اس کی نسبت کا پیغام بھیجا' ابن مسیب نے انکار کر دیا۔ عبدالملک نے بہت دباؤ ڈالا اور مختلف قسم کی سختیاں کی' ابن مسیب برابر انکار پر قائم رہے اور چند دنوں کے بعد قریش کے ایک نہایت معمولی اور غریب آدمی ابو وداعہ کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔

اس واقعہ کے بارے میں خود ابو وداعہ کا یہ بیان ہے کہ میں سعید بن مسیب کے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۰۱۔

marfat.com

پاس پابندی سے جا کر بیٹھتا تھا' ایک مرتبہ چند دن غیر حاضری کے بعد جانے کا اتفاق ہوا' ابن مسیب نے پوچھا' اتنے دن تک کہاں غائب رہے۔ میں نے کہا میری بیوی کا انتقال ہوگیا تھا اس لیے حاضر نہ ہو سکا' فرمایا مجھے کیوں خبر نہ دی۔ میں بھی تجہیز و تکفین میں شریک ہوتا' تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھنے لگا تو انہوں نے کہا تم نے دوسری بیوی کا کوئی انتظام کیا؟ میں نے جواب دیا میں غریب نادار دو چار پیسے کی حیثیت کا آدمی ہوں' میرے ساتھ کون شادی کرے گا فرمایا میں کروں گا' تم تیار ہو' میں نے کہا بہت خوب' سعید نے اسی وقت دو یا تین درہم پر میرے ساتھ اپنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیا۔ میں وہاں سے اٹھا تو فرط مسرت میں میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ گھر پہنچ کر رخصتی کے لیے قرض کی فکر میں پڑ گیا۔

شام کے وقت سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا' پہلے دو رکعت نماز خود پڑھی اور دو رکعت لڑکی سے پڑھوائی' اس کے بعد اس کو لیے ہوئے میرے گھر پہنچے۔ میں مغرب کے بعد روزہ افطار کرنے جا رہا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا' میں نے پوچھا کون ہے؟ جواب ملا سعید' میں سوچنے لگا سعید بن مسیب تو اپنے گھر اور مسجد کے علاوہ کہیں آتے جاتے نہیں' یہ سعید کون ہیں۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا سعید بن مسیب تھے' انہیں دیکھ کر میں نے کہا آپ نے کیوں زحمت گوارا کی' مجھے بلا بھیجا ہوتا فرمایا نہیں مجھے تمہارے پاس آنا چاہیے تھا' میں نے عرض کیا فرمایئے کیا ارشاد ہے' فرمایا تم تنہا آدمی تھے اور تمہاری بیوی موجود تھی میں نے خیال کیا کہ تنہا کیوں رات بسر کرو' اس لیے تمہاری بیوی کو لے کر آیا ہوں وہ ان کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس کو دروازے کے اندر کر کے باہر سے دروازہ بند کر لیا' میری بیوی شرم سے گر پڑی۔ میں نے اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اس کے بعد چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں میں اعلان کیا کو آج سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کا عقد میرے ساتھ کر دیا' اور اسے میرے گھر پہنچا گئے' میری ماں نے تین دن تک دستور کے مطابق اس کو بنایا سنوارا' بننے سنورنے کے بعد میں نے اس کو دیکھا تو وہ نہایت حسین' کتاب اللہ کی حافظ' سنت رسول اللہ ﷺ کی عالم' اور حقوق شوہر

marfat.com

کی واقف کار عورت تھی[1]

ذریعہ معاش:

اگرچہ ابن مسیب بڑے عابد و زاہد اور دنیا سے کنارہ کش بزرگ تھے اس قدر ترک دنیا ناپسند کرتے تھے، جس سے انسان اپنی عزت نہ قائم رکھ سکے، اور دوسروں کے ساتھ سلوک نہ کر سکے[2] اس لیے کسب معاش کے لیے تجارت کا پاک شغل اختیار کیا تھا روغن زیتون وغیرہ کی تجارت کرتے تھے[3]

ایک زمانہ میں حکومت کی طرف سے وظیفہ ملتا تھا، لیکن پھر اسے لینا بند کر دیا تھا، ان کے وظیفہ کی تیس ہزار سے زیادہ رقم بیت المال میں جمع تھی، کئی مرتبہ انہیں اس کے لینے کے لیے بلایا گیا، لیکن انہیں نے انکار کر دیا۔ اور کہا مجھے اس وقت تک اس کی حاجت نہیں ہے جب تک میرا خدا میرے اور بنی مروان کے درمیان فیصلہ نہ کر دے[4]

حلیہ ولباس:

آخر عمر میں سر اور داڑھی دونوں کے بال سپید ہو گئے تھے، جو کبھی یوں ہی رہتے تھے، اور کبھی داڑھی میں خضاب کرتے تھے۔ مونچھیں کبھی بہت باریک اور کبھی ذرا موٹی کترواتے تھے، لباس میں کوئی خاص اہتمام نہ تھا، لیکن بالعموم اچھا لباس پہنتے تھے۔ کبھی کبھی کلاہ بھی استعمال کرتے تھے طیلسانی کپڑا زیادہ مرغوب تھا، اس میں کتان کی گھنڈی ہوتی تھی، کبھی باریک ابریشم کی چادر استعمال کرتے تھے، کپڑے پورے پہنتے تھے، ازار قمیص، لہنا کرتا، موزہ اور عمامہ، کبھی کبھی پاجامہ بھی پہنتے تھے[5]

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۰۷، یہ واقعہ مختصراً ابن سعد میں بھی لکھا ہے۔

[2] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۰۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۷۔

[4] ایضاً ص ۹۵۔ [5] ایضاً ص ۱۰۲ و ص ۱۰۳۔

marfat.com

۲۹- سلمہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

سلمہ نام' ابوحازم کنیت' نسلاً عجمی تھے' ان کے والد دینار ایرانی تھے' اور ان کی ماں رومی تھیں' ابن سعد بن ابی سفیان مخزومی کے غلام تھے' اس نسبت سے مخزومی کہلاتے تھے۔

فضل وکمال:

اگرچہ وہ ماں باپ دونوں کی جانب سے عجمی نژاد تھے' لیکن اسلام کے فیض مساوات نے ان کو مدینہ کے شیوخ اور وہاں کے عابد وزاہد علماء کے گروہ میں شامل کر دیا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''الواعظ الزاهد عالم المدينة وشيخها''[۱] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق وجلالت اور مدح وثنا پر سب کا اتفاق ہے۔[۲]

حدیث:

حدیث کے بڑے حافظ تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''كان ثقة كثير الحديث''[۳] حدیث میں انہوں نے صحابہ میں سہیل بن سعد الساعدیؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو العاصؓ کے خرمن علم سے خوشہ چینی کی تھی' لیکن محدثین کے نزدیک آخر الذکر دونوں بزرگوں سے ان کا سماع ثابت نہیں ہے' غیر صحابی علماء میں ایک جماعت کثیر سے روایتیں کی ہیں' ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں' ابوامامہ بن سہل بن حنیف' سعید بن مسیب' عامر بن عبداللہ بن زبیر' عبداللہ بن ابی قتادہ' نعمان بن عیاش' یزید بن رومان' عبیداللہ بن مقسم ابراہیم بن عبدالرحمٰن' نعجہ بن عبداللہ' ابوصالح السمان' ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن اور ابن منکدر وغیرہ۔ زہری' عبیداللہ بن عمرو بن اسحاق' ابن عجلان' ابن ابی ذئب' مالک' حماد' سفیان'

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۹۔ ۲ تہذیب ۱۱۱ سا ج ۲ ص ۲۰۸۔

۳ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۴ بحوالہ ابن سعد۔

marfat.com

سلیمان ابن ہلال' سعید بن ہلال' عمر بن علی' ابوغسان المدنی' ہشام بن سعد' وہیب بن خالد' ابوصخر' حمید بن زیاد الخراط' اسامہ بن زید لیثی' محمد بن جعفر بن ابی کثیر اور افلح بن سلیمان النمری وغیرہ آپ کے حلقہ تلامذہ میں ہیں[1]

فقہ:

فقہ میں بھی انہیں پورا درک تھا' اور وہ مدینہ کے مشہور فقیہ تھے' حافظ ذہبی اور امام نووی سب انہیں فقہا میں لکھتے ہیں[2] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ النفس تھے' ان کے مناقب بہت ہیں۔ وہ فقیہ' ثبت اور بلند مرتبہ تھے[3] ان کے تفقہ کی ایک سند یہ ہے کہ وہ مدینۃ الرسول کے قاضی تھے[4]

وعظ و پند:

مدینہ میں وعظ و پند کے فرائض بھی انجام دیتے تھے[5]

زہد وعبادت:

عبادت و ریاضت کے لحاظ سے ان کا شمار صلحائے مدینہ میں تھا' ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ مدینہ کے عابد و زاہد لوگوں میں تھے[6] حافظ ذہبی' امام نووی اور ابن حجر وغیرہ سب ان کے نام کے ساتھ ''زاہد'' کا لقب لکھتے ہیں' غرض جماعت تابعین میں وہ ہر اعتبار سے نہایت ممتاز تھے' محمد بن اسحاق بن خزیمہ کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں کوئی ان کا مثل نہ تھا[7]

امراء اور سلاطین سے بے نیازی:

امراء وسلاطین سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ کبھی ان کی آستان بوسی کا ننگ گوارا نہ کیا' سلیمان بن عبدالملک نے ایک مرتبہ ان کو امام زہری کی وساطت سے بلا بھیجا' انہوں نے زہری سے کہا اگر مجھے ضرورت ہے تو اس کو خود میرے پاس آنا چاہیے' اور میری

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۴۳۔ [2] دیکھئے تذکرۃ الحفاظ و تہذیب الاسماء حوالہ مذکور۔
[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۹۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۴۴۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۹۔
[6] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۴۴۔ [7] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۲۰۸۔

marfat.com

اس سے کوئی ضرورت نہیں ہے[1]

حکمت ودانائی:

مذہبی اور اخلاقی کمالات کے ساتھ ان کو حکمت سے بھی وافر حصہ ملا تھا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جس کے منہ سے ابوحازم کے منہ سے زیادہ حکمت قریب ہو[2] ابن خزیمہ کا بیان ہے کہ حکم ومواعظ میں ان کے زمانہ میں کوئی ان کا مثل نہ تھا[3]

حکیمانہ مقولے:

آپ کے بعض حکیمانہ مقولوں سے آپ کی حکمت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ فرماتے تھے کہ وہ تمام اعمال جن کی وجہ سے موت کا آنا گراں گزرتا ہوا ان کو چھوڑ دو' پھر جس وقت بھی موت آجائے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا' جو بندہ اپنے اور اپنے رب کے درمیان فرائض و تعلقات کو اچھے اور درست رکھتا ہے تو خدا اس کے اور دوسرے بندوں کے تعلقات کو درست رکھتا ہے اور جو بندہ اپنے اور خدا کے فرائض میں کوتاہی کرتا ہے' تو خدا اس کے اور دوسرے بندوں کے درمیانی فرائض میں کوتاہی پیدا کرتا ہے۔ ایک شخص سے تعلقات خوش گوار رکھنا بہت سے لوگوں کے ساتھ تعلقات خوش گوار رکھنے سے زیادہ آسان ہے۔ یعنی اگر ایک خدا سے تعلقات خوش گوار ہوں تو ساری دنیا سے خوشگوار ہوجائیں گے' ایک مرتبہ خلیفہ ہشام نے آپ سے پوچھا کہ میں حکومت کی ذمہ داریوں کے مواخذہ سے کس طرح بچ سکتا ہوں؟ فرمایا بہت آسان ہے' ہر چیز کو جائز طریقہ سے لو' اور جائز مصرف میں اس کو صرف کرو' ہشام نے کہا یہ وہی شخص کرسکتا ہے' جس کو ہوائے نفس سے بچنے کی خدا کی جانب سے توفیق حاصل ہو[4]

وفات:

۱۴۰ھ میں وفات پائی[5]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۴۴۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۹۹۔

[3] شذرات الذہب ص ۲۰۸۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۹۔ [5] ایضاً۔

marfat.com

۳۰- سلیمان بن طرخان تیمی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

سلیمان نام' ابو معتمر کنیت' نسباً مری تھے' لیکن بنی تیم میں بود و باش اختیار کر لینے کے بعد تیمی مشہور ہو گئے تھے' بصرہ کے بڑے عابد و زاہد تابعین میں تھے۔ کان من العباد المجتهدين [1]

فضل وکمال:

اگر چہ سلیمان کا طغرائے کمال ان کا زہد وورع اور ریاضت وعبادت ہے' لیکن علمی حیثیت سے بھی وہ بصرہ کے بڑے علماء سے تھے' حافظ ذہبی حافظ امام' اور شیخ الاسلام کے القاب کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں [2]

حدیث:

حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے' علامہ ابن سعد انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں [3] اس عہد کے اکابر محدثین ان کی فقط حدیث دانی کے معترف تھے' سفیان ثوری کہتے تھے کہ بصرہ کے حفاظ تین ہیں' ان میں ایک کا نام سلیمان تھا [4]

صحابہ میں انہوں نے انس بن مالکؓ اور تابعین میں حسن بصری' اعمش' قتادہ' طاؤس' ابو اسحاق سبیعی' ابو عثمان نہدی' ابو نضرہ عبدی' نعیم بن ابی ہند' ابی المنہال' ثابت البنانی' ابو مجلز' یزید بن عبداللہ بن شخیر' معبد بن ہلال اور یحییٰ بن معمر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا [5]
ان کی مرویات کی تعداد دو سو تک پہنچتی ہے [6] شعبہ ان سے زیادہ کسی کو سچا نہ سمجھتے تھے [7]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۸۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵۔ [3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۸۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۲۔ [5] ایضاً ج ۴ ص ۲۰۱۔ [6] ایضاً۔ [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵۔

marfat.com

اوران کے شک کو بھی یقین کا درجہ دیتے تھے[1]

احتیاط فی الروایہ:

اس حفظ کے باوجود وہ حدیث بیان کرنے میں اتنے محتاط تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے وقت ان کا رنگ بدل جاتا تھا[2]

ان کے تلامذہ کا دائرہ خاصہ وسیع تھا' ان میں معتمر' شعبہ' دونوں سفیان' زائدہ' زہیر' حماد بن سلمہ' ابن علیہ' ابن مبارک' عبدالوارث بن سعید' ابراہیم بن سعد' جریر' حفص بن غیاث' عیسیٰ بن یونس' معاذ بن معاذ' ہشیم' قطان اور محمد بن عبداللہ انصاری لائق ذکر ہیں[3]

زہدوورع:

لیکن ان کا اصل طغریٰ کمال ان کا زہدوورع اوران کی عبادت وریاضت ہے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ بڑے سخت عبادت گزارلوگوں میں تھے[4] ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ عابدوزاہد قائم اللیل صائم النہاراور خدا کے مطیع لوگوں میں تھے۔[5]

خشیت الٰہی:

خدا کا خوف ان کی رگ وپے میں جاری وساری تھا' یحییٰ القطان کہتے تھے کہ میں نے سلیمان سے زیادہ خدا کا خوف کرنے والانہیں دیکھا[6]

عبادت وریاضت:

ساری ساری رات عبادت کرتے تھے' اکثر عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھتے تھے' ان کے صاحبزادے معتمر بھی اپنے باپ کا صحیح نمونہ تھے' دونوں باپ بیٹے رات بھر گھوم گھوم کر مختلف مسجدوں میں نماز پڑھتے تھے[7] معتمر کا بیان ہے کہ چالیس سال تک انہوں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی' ہر سجدہ میں ستر مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہتے

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۴ص ۳۰۔ [2] تذکرۃ الحفاظ جلداول ص ۱۳۵۔ [3] تہذیب التہذیب جلد ۴ص ۲۰۱۔
[4] ابن سعد جلد ۷ق ۲ص ۱۸۔ [5] شذرات الذہب جلداول ص ۱۲۔
[6] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۲۵۔ [7] ابن سعد ج ۷ق ۲ص ۱۸۔

marfat.com

تھے' اور عصر سے لے کر مغرب تک تسبیح پڑھتے تھے[1]

روزوں سے بھی یہی شغف تھا' بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ روزہ رکھتے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دن ناغہ دے کر[2]

صدقہ وخیرات:

صدقہ بکثرت کرتے تھے' جریر کا بیان ہے کہ سلیمان ہر وقت صدقہ کیا کرتے تھے' جب صدقہ کے لیے کوئی چیز نہ ملتی تھی' تو اس بدلے میں دو رکعت نماز ہی پڑھ لیتے[3]

حسن وعمل:

غرض ان کی زندگی کا ہر لمحہ حسن عمل میں گزرتا تھا' حماد بن سلمہ کا بیان ہے کہ جب ہم خدا کی عبادت کے اوقات میں سلیمان کے پاس جاتے' تو ان کو اطاعت ہی کرتے پاتے معلوم ہوتا تھا کہ ان میں معصیت کا مادہ ہی نہ تھا[4]

مواخذہ کا خوف:

لیکن اس زندگی کے باوجود انہیں اپنے اعمال پر اعتماد نہ تھا کہ خدا کے یہاں کیا معاملہ پیش آنے والا ہے' فضیل بن عیاض کا بیان ہے کہ سلیمان سے کسی نے کہا کہ آپ ہی آپ ہیں' آپ کے مثل کون ہے' فرمایا ایسا نہ کہو مجھے نہیں معلوم کہ میرا رب میرے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ اس نے خود فرمایا کہ: ''بدالهم من الله مالم يكونوا يحتسبون'' ان کے لیے اللہ کی جانب سے ایسی بات ظاہر ہوگی' جس کا وہ لوگ گمان بھی نہ کرتے تھے[5]

ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں مواخذہ کا خوف کرتے تھے' سعید بن عامر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ سلیمان بیمار ہوئے' بیماری کی حالت میں رونے لگے' کسی نے پوچھا رونے کا کیا سبب ہے فرمایا ایک مرتبہ میں ایک قدری کے پاس سے گزرا تھا تو اسے سلام کیا تھا۔ مجھے خوف ہے کہ اس کا مجھ سے مواخذہ نہ کیا جائے[6]

---

1 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵۔ 2 ایضاً۔ 3 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۵۔
4 ایضاً۔ 5 ایضاً۔ 6 ایضاً۔

marfat.com

امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی حسن عمل کا ایک بڑا درجہ ہے۔ سلیمان اس کو ایک ضرور فرض سمجھتے تھے اور امراء کے قصور و محلات میں جا کر اس فرض کو ادا کرتے تھے۔[1]

ایک نکتہ:

زمانہ کا کوئی دور سہولت پسند افراد بلکہ جماعتوں تک سے خالی نہیں رہا ہے اور آج کل تو ہر شخص مذہب میں آسانی ڈھونڈھتا ہے' اس قبیل کے اشخاص آسانی کے لیے کسی خاص مسلک کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب تمام ائمہ برحق' ان کی رائیں صحیح اور ان کے مسلک درست ہیں' تو پھر کسی خاص امام اور خاص مسلک کی پابندی کیوں ضروری ہے' اور ''الدین یسر'' کے ماتحت ان سب کے آسان مسائل کیوں نہ اختیار کیے جائیں' سلیمان اس قسم کی سہل پسندی کے مفاسد میں ایک دلچسپ نکتہ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر تمام علماء کی رخصتوں یعنی جائز کردہ چیزوں اور ان کی لغزشوں کو تم اختیار کرلو تو تمہاری ذات میں ساری برائیاں جمع ہو جائیں گی۔[2]

وفات:

سنہ ۱۴۳ھ میں وفات پائی۔[3] وفات کے وقت ستاون سال کی عمر تھی۔[4]

---

[1] طبقات کبریٰ امام شعرانی ج اول ص ۲۳۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۳۵

[3] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۸۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۰۱۔

marfat.com

۳۱۔ سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

سلیمان نام' ابو تراب کنیت' ام المومنین حضرت میمونہ ؓ کی غلامی کا شرف رکھتے تھے' پھر انہوں نے ان کو مکاتب بنا دیا تھا' اس غلامی نے سلیمان کو علم وعمل کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔

حرم نبوی ﷺ میں آمد ورفت:

حضرت میمونہ ؓ کے توسل سے سلیمان حضرت عائشہ ؓ وغیرہ کی خدمت میں آتے جاتے تھے' اوران کی غلامی کے زمانہ تک ان سے پردہ نہ کرتی تھیں۔ خود سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر باریابی کی اجازت چاہی' آپ نے آواز پہچان کر فرمایا' تم نے آزادی کے متعلق جو طے کیا تھا' اسے پورا کیا' میں نے عرض کیا' ہاں لیکن ابھی تھوڑا سا باقی ہے' فرمایا تو اندر چلے آؤ' تم اس وقت تک غلام ہو جب تک تمہارے ذمہ کچھ بھی باقی ہے[1]

فضل وکمال:

سلیمان اولاً خود ذاتی صلاحیت اور استعداد کے لحاظ سے نہایت ذہین اور سمجھدار تھے[2] پھر انہیں امیر المومنین کی غلامی کے تعلق سے مدینہ میں رہنے والے صحابہ کرام کی صحبت سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا تھا' س لیے وہ مدینہ کے ممتاز ترین علماء میں ہو گئے[3] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت اور علمی کمال پر سب کا اتفاق ہے[4]

قرآن:

ان کو قرآن مجید' حدیث نبوی ﷺ' فقہ' جملہ علوم میں درک تھا' قرآن کے ممتاز

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۰۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۹۔
[3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۳۴۔ [4] ایضاً ص ۳۵۔

marfat.com

قاریوں میں تھے[1]

حدیث:

جس گھر کے وہ ملازم تھے' وہ حدیث نبوی ﷺ کا سرچشمہ تھا' اس لیے قدرتاً احادیث نبوی کا معتدبہ ذخیرہ ان کے حصہ میں آیا تھا' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ عالی مرتبہ' رفیع المنزلت فقیہ' اور کثیر الحدیث تھے[2]

- انہوں نے حدیث میں ام المومنین عائشہ صدیقہ ؓ اور میمونہ ؓ کے خرمن کمال سے زیادہ خوشہ چینی کی تھی ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں زید بن ثابت' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن عباس' فضل ابن عباس' ابوہریرہ، ابوسعید خدری' مقداد بن اسود' عبداللہ بن حذافہ سہمی ؓ اور عام محدثین میں جعفر بن عمرو بن امیہ ضمری' عبداللہ بن حارث بن نوفل' عبدالرحمن بن جابر' عراک بن مالک' مالک بن ابی عامر اصبحی وغیرہ سے فیض یاب ہوئے تھے[3]

تلامذہ:

حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا' بعض کے نام یہ ہیں' عمرو بن دینار' عبداللہ بن دینار' عبداللہ بن فضل ہاشمی' ابوالزناد' بکیر بن الاشج' جعفر بن عبداللہ' ابن حکم' سالم' ابوالنضر' صالح بن کیسان' عمرو بن میمون' محمد بن ابی حرملہ' زہری' مکحول' نافع' یحییٰ بن سعید انصاری' یعلی بن حکیم اور یونس بن سیف وغیرہ[4]

فقہ:

مگر ان کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا' اس میں وہ امامت اور اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے' حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ علم اور ائمہ اجتہاد میں تھے[5] وہ مدینہ کے ان سات مشہور فقہاء میں تھے' جو اس عہد کے امام فقہ مانے جاتے تھے[6] مسائل طلاق کے خصوصیت کے ساتھ بڑے عالم تھے' قتادہ کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ مدینہ گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۲۹۔ [2] ابن سعد جلد ۵ ص ۱۳۰۔ [3] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۲۸

[4] ایضاً۔ [5] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۹۔ [6] تہذیب الاسماء وتذکرۃ الحفاظ حوالہ مذکور۔

marfat.com

یہاں طلاق کے مسائل کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ لوگوں نے سلیمان بن یسار کا نام بتایا[1] بعض علماء فقہ میں انہیں ان ائمہ پر جن کی علمی عظمت مسلم تھی ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ محمد بن حنفیہ کے صاحبزادے حسن انہیں سعید بن مسیب سے زیادہ فہیم سمجھتے تھے' خود ابن مسیب کے اتنے معترف تھے کہ جب ان کے پاس کوئی مستفتی آتا تھا' تو اسے سلیمان کے پاس بھیج دیتے تھے[2] اور فرماتے تھے موجودہ لوگوں میں سب سے بڑے عالم وہی ہیں[3]

زہدوورع:

زہد و عبادت کے اعتبار سے بھی ممتاز شخصیت رکھتے تھے' ابوزرعہ کا بیان ہے کہ سلیمان بن یسار مدنی فاضل اور عبادت گزار تھے[4] عجلی ان کے فضائل علمی کے ساتھ ان کی عبادت وریاضت کی بھی شہادت دیتے تھے[5]

عفت:

بڑے عفیف و پاک دامن تھے' اگرچہ تابعین کی مقدس جماعت کے لیے عفت و پاک دامنی کوئی بڑا وصف نہیں ہے' لیکن ترغیبات اور آزمائش و امتحان کے موقع پر پورا اترنا ہر شخص کے لیے کمال ہے' سلیمان نہایت حسین وجمیل شخص تھے' ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کے گھر کے اندر دام ڈالنا چاہا' آپ گھر سے نکل کر بھاگ گئے[6]

وفات:

آپ کے زمانہ وفات کے بارے میں کئی روایتیں ہیں' ان سب میں زیادہ معتبر یہ ہے کہ ۱۰۷ھ میں وفات پائی' وفات کے وقت ۷۳ سال کی عمر تھی[7]

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۱۳۔ [2] ابن خلکان ج اول ص ۲۱۳۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۹۔

[4] شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۴۔ [5] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۳۵۔

[6] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۲۳۰۔ [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۰۔

marfat.com

۳۲۔ قاضی شریح بن حارث رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

شریح نام' ابوامیہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے' شریح بن حارث بن قیس بن الجہم بن معاویہ بن عامر بن رائش بن حارث بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن کندہ کندی' بعض روایتوں میں نسب نامہ کے اوپر کے ناموں میں تھوڑا اختلاف ہے' ایک روایت یہ بھی ہے کہ شریح نسلاً عرب نہ تھے بلکہ عجم کے ان خانوادوں میں سے تھے' جو کندہ کے حلیف بن کر یمن میں آباد ہو گئے تھے۔

عہد رسالت:

شریح عہد رسالت میں موجود تھے' اور بعض روایتوں کے مطابق وہ آنحضرت ﷺ کے شرف زیارت سے بھی مشرف ہوئے' لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ اسلام کے شرف سے تو بے شک وہ اسی عہد میں مشرف ہو گئے تھے۔ لیکن دولت دیدار سے محروم رہے۔ حافظ ابن حجر کا بھی یہی فیصلہ ہے' چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ خلفاء اربعہ کے زمانہ کے شریح کے حالات بہت ملتے ہیں' لیکن کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا' جس سے رسول اللہ ﷺ سے ان کی ملاقات ثابت ہوتی ہو[1]

فضل وکمال:

شریح نے بہت سے اکابر صحابہ کو پایا تھا' اور صحبت اٹھائی تھی۔ پھر وہ فطرۃً نہایت ذہین وطباع تھے۔ اس لیے علمی اعتبار سے انہوں نے اپنے اقران میں نہایت ممتاز حیثیت حاصل کر لی تھی' امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ شریح کی توثیق' دینداری' فضل وکمال' ذکاوت اور

---

[1] اصابہ ج ۳ ص ۲۰۲۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۶۷۔

marfat.com

ان کی روایات سے احتجاج پر سب کا اتفاق ہے[1] حافظ صفی الدین خزرجی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے جلیل القدر اور ذکی علماء میں تھے[2]

حدیث:

بصرہ کے ممتاز حفاظ حدیث میں تھے' صحابہ میں انہوں نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، زید بن ثابتؓ جیسے اکابر سے استفادہ کیا تھا' امام شعبی' ابووائل' قیس بن ابی حازم' ابن سیرین' عبدالعزیز بن رفیع' مجاہد بن جبیر' عطاء بن سائب' انس بن سیرین' اور ابراہیم نخعی جیسے ائمہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔[3]

فقہ:

اگرچہ شریح حدیث کے بھی حافظ تھے' لیکن ان کا خاص فن فقہ تھا' حافظ ذہبی اور ابن حجر وغیرہ ان کا خصوصی فن فقہ ہی کو شمار کرتے ہیں' اور ان کے نام کے ساتھ فقیہ کا لقب لکھتے ہیں[4] وہ مرکز فقہ کوفہ کی جماعت افتاء کے ایک رکن تھے۔[5]

قیافہ وشاعری:

حدیث و فقہ کے علاوہ وہ عرب کے مروجہ فنون قیافہ اور شاعری میں بھی دستگاہ رکھتے تھے[6] شاعری میں اتنا کمال حاصل تھا کہ ایک مرتبہ انہوں نے نظم میں فیصلہ دیا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک عورت کے خلاف جس کے ایک لڑکا تھا اور اپنے شوہر کی موت کے بعد اس نے دوسری شادی کر لی تھی' اس کی ساس نے قاضی شریح کے یہاں دعویٰ دائر کیا' عورت کا دعویٰ تھا کہ لڑکے کی ولی وہ ہے۔ کیونکہ ان کے باپ کی ماں ہے۔ اور ساس کا دعویٰ تھا کہ بہو کے عقد ثانی کے بعد حق تولیت اسے ملنا چاہیے' ساس نے نظم میں اپنا دعویٰ پیش کیا۔

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۴۴۔ [2] تہذیب الکمال ص ۱۶۵۔ [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۴۴۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۱ وتہذیب التہذیب حوالہ مذکور۔

[5] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۷۔ [6] ابن سعد ج ۶ ص ۹۰۔

marfat.com

یـــاابـــا امیة اتینـــاك　　وانـــت الـــمـــرأنـــاتیـــه

اتـــاك ابـــنـــی وامـــاه　　وکـــلـــتـــانـــا فـــفـــدیـــه

تـــزوجـــت فهـــاتیـــه　　ولا یـــذهـــب بك الیتـــه

فـــلـــو کـــنـــت تـــایـــت　　مـــمـــا نـــازعتـــنـــی فیـــه

الا یـــایـــهـــا الـــقـــاضـــی　　هـــذقـــصـــتـــی فیـــه

یعنی ابوامیہ ہم آپ کے پاس انصاف کے لیے آئے ہیں' میرا لڑکا (پوتا) اور اس کی ماں تیرے پاس آئے ہیں اور ہم دونوں اس پر فدا ہیں (بہو سے خطاب) جب تم نے دوسری شادی کر لی تو لڑکا مجھے دے دو' زبردستی مت کرو' بیوہ ہو جانے کے بعد تم اس کے بارے میں مجھ سے جھگڑتی ہو (قاضی سے خطاب) قاضی صاحب لڑکے کے بارے میں ہم دونوں کا قصہ یہ ہے۔ بہو نے ساس کے اس دعویٰ کا یہ جواب دیا:

یـــاایـــهـــا الـــقـــاضـــی　　قـــد قـــالـــت لك ابـــحـــده

وقـــولا فـــاســـتـــمـــع مـــنـــی　　ولا تبـــطـــرنـــی ردہ

اعـــزی الـــنـــفـــســـی عـــن ابـــن　　وکبـــدی حـــمـــلـــت کبـــده

فـــلـــمـــا کـــان فـــی حـــجـــری　　یتـــیـــمـــا ضـــائـــعـــا وحـــده

تـــزوجـــت رجـــاء الـــخـــیـــر　　مـــن یـــکـــفـــنـــی فـــقـــده

ومـــن یـــظـــهـــرلـــی وده　　ومـــن یـــکـــفـــل لـــی رفـــده

قاضی صاحب دادی یعنی میری ساس کا بیان آپ نے سن لیا' اب میرا بھی سنئے اور اس کو رد نہ کیجئے' میں اپنے لڑکے سے اپنے دل کو تسلی دیتی ہوں' میں نے ہمیشہ اس کو کلیجے سے لگائے رکھا ہے' میری بیوہ گود میں تنہائی کی وجہ سے اس یتیم کے ضائع ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اس لیے میں نے اس کی بھلائی اور اس کی نگہداشت کی خاطر ایسے شخص سے شادی کر لی جو اس کو ضائع نہ ہونے دے' اور اس کی کفالت کر سکے۔

چونکہ ساس بہو نے نظم میں دعویٰ پیش کیا تھا' اس لیے قاضی شریح نے نظم ہی میں اس کا فیصلہ دیا:

marfat.com

قـدفـهـم الـقـاضـی مـاقتلما وقـضـا بـيـنـكـمـا ثـم فصل

بـقـضـاء بـيـن بـيـنـكـهـا وعلى القاضی جهدان عقل

قـال لـلـجـده بـينـی بـالصبی وخذی ابنك من ذات العلل

انهـا لـو صبرت كـان لـهـا قبل دعـواهـا تبغيهـا البدل

تم دونوں نے جو کچھ کہا قاضی نے اسے سمجھا' اور دونوں کے درمیان ایک واضح فیصلہ کر دیا۔ اگر قاضی سمجھ دار ہے تو اس پر کوشش کرنا فرض ہے پھر دادی سے کہا لڑکے کو اس حیلہ ساز سے لے کر الگ ہو جا۔ اگر وہ نکاح نہ کرتی تو بچہ اس کے پاس رہتا۔[1]

قضا کی استعداد و قابلیت:

ایک قاضی کے لیے جن اوصاف اور صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے' وہ تمام شریح کی ذات میں بدرجہ اتم موجود تھیں' فضل و کمال کا حال اوپر گزر چکا' طبعاً نہایت ذہین' ذکی' طباع' فریس اور فہیم تھے۔[2] پیچیدہ سے پیچیدہ اور ظاہر فریب سے ظاہر فریب معاملات کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے' اس کی مثالیں آئندہ آئیں گی' ان اوصاف نے ان میں قدرۃً قضاء کی نہایت اعلیٰ استعداد پیدا کر دی تھی' حضرت علیؓ جن کو زبان رسالت سے ''اقـضـاهـم عـلـی'' کی سند ملی تھی' شریح کو ''اقضی العرب'' عرب کا سب سے بڑا قاضی فرماتے تھے۔[3]

عہدہ قضاء پر تقرر:

عہد قضا پر تقرر سے پہلے' ان کی یہ استعداد و صلاحیت مشہور ہو چکی تھی اور لوگ متنازعہ فیہ معاملات میں ان کو حکم بناتے تھے' چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے ان کے ایک فیصلہ کو دیکھ انہیں کوفہ کا قاضی بنا دیا۔

اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے بشرط پسندگی ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لیے ایک سوار کو دیا' گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داغی ہو گیا' حضرت عمرؓ

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۴۔ [2] استیعاب ج ۲ ص ۶۷۔ [3] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۴۳۔

marfat.com

نے اس کو واپس کرنا چاہا' گھوڑے کے مالک نے لینے سے انکار کر دیا' اس پر نزاع ہوئی' اور شریح ثالث بنائے گئے' انہوں نے فیصلہ دیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لے کر سواری کی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جا سکتا ہے ورنہ نہیں۔[1]

ایک دوسری روایت میں اس واقعہ کی شکل یہ ہے کہ گھوڑا امتحان میں ہلاک ہو گیا' حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کرنا چاہا' اس پر تنازعہ ہوا' اور شریح حکم مقرر ہوئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ جس کو خریدا ہے اسی کو لینا ہو گا یا جس حالت میں لیا تھا' اسی حالت میں واپس کرنا ہو گا' اس فیصلہ پر حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا قاضی بنا دیا۔[2]

قاضی شریح نے اس خدمت کو اس قابلیت' اس خوش اسلوبی اور دیانت سے ادا کیا کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر عبدالملک کے زمانہ تک مسلسل ساٹھ برس قاضی رہے۔[3] اس طویل مدت میں بڑے بڑے انقلابات و حوادث ہوئے' خلافت راشدہ کا دور ختم ہو کر اموی حکومت کا آغاز ہوا' ابن زبیرؓ اور امویوں میں خون ریز معرکہ آرائیاں ہوئیں' ساری دنیائے اسلام میں انقلاب برپا ہوا' لیکن شریح بدستور مسند قضا پر متمکن رہے' ابن زبیرؓ اور عبدالملک کی جنگ کے زمانہ میں اپنا دامن بچانے کے لیے صرف چند برسوں کے لیے مستعفی ہو گئے تھے۔[4]

فیصلوں میں عدل:

ایک قاضی کا سب سے مقدم فرض اور سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ فیصلہ کرنے میں کسی خارجی اور داخلی اثر سے متاثر نہ ہو' اور کسی حالت میں بھی حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے' شریح میں یہ وصف اس حد تک تھا کہ وہ قانون اور حق و انصاف کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی شخصیت اور بڑے سے بڑے تعلق کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایک معمولی شخص کے مقابلہ میں حضرت عمرؓ کے خلاف فیصلہ دینے کے فیصلہ کا واقعہ اوپر

---

[1] کتاب الاوائل الباب السابع ذکر القضاۃ۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۹۱۔

[3] استیعاب ج ۲ ص ۶۷۔ [4] ابن خلکان ص ۲۲۴۔

marfat.com

گزر چکا ہے' اگر ان کا لڑکا بھی قانون کی زد میں آ جاتا تھا تو اس کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے' ایک مرتبہ ان کے ایک لڑکے نے ایک ملزم کی ضمانت کی' ملزم بھاگ گیا۔ شریح نے اس کے بدلہ میں لڑکے کو قید کر دیا[1] ایک مرتبہ ان کے اردلی نے ایک شخص کو کوڑوں سے مارا' انہوں نے مضروب سے اس کو کوڑے لگوائے[2]

ایک مرتبہ ان کے ایک ہم خاندان نے ایک شخص پر کچھ ناروا ظلم کیا' شریح نے اس کو ایک ستون میں بندھوا دیا۔ جب وہ فیصلہ کر کے اٹھے' تو اس شخص نے کچھ کہنا چاہا' شریح نے کہا مجھ سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ میں نے تم کو نہیں قید کیا ہے' بلکہ حق نے قید کیا ہے[3]

اس حد تک انصاف' عدل گستری کا کوئی غیر معمولی نمونہ نہیں ہے' شریح کے بعض ایسے واقعات بھی ہیں' جن کی مثالیں مشکل سے مل سکتی ہیں' ان کے ایک لڑکے اور بعض دوسرے اشخاص کے درمیان کسی حق کے بارے میں تنازعہ تھا' لڑکے نے ان سے واقعات بتا کر پوچھا کہ اگر میرا حق نکلتا ہو' اور مقدمہ میں کامیابی کی امید ہو تو میں دعویٰ کر دوں ورنہ خاموش رہوں' شریح نے مقدمہ کی نوعیت پر غور کر کے دعویٰ کرنے کا مشورہ کیا' لیکن جب مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوا' تو لڑکے کے خلاف فیصلہ دیا' فیصلہ دے کر جب گھر واپس آئے تو لڑکے نے کہا اگر میں نے پہلے آپ سے مشورہ نہ کر لیا ہوتا' تو مجھ کو آپ سے کوئی شکایت نہ ہوتی۔ لیکن مشورہ دینے کے بعد آپ نے مجھے ذلیل کیا' شریح نے جواب دیا جان پدر تو مجھے ان لوگوں کے جیسے روئے زمین بھر کے آدمیوں سے زیادہ عزیز ہے' لیکن خدا مجھے تجھ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ جب تو نے مجھ سے مشورہ کیا تو مقدمہ دیکھنے کے بعد مجھے ان لوگوں کا حق نظر آیا' اگر میں اس وقت تجھ سے اس کو ظاہر کر دیتا تو تو ان سے صلح کر لیتا' اور ان لوگوں کا حق ضائع ہو جاتا[4]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۲۔ [2] ایضاً ص ۹۵۔

[3] ایضاً ص ۹۳۔ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۶۔

marfat.com

شہادت میں سچائی کا اہتمام:

یوں تو نہ کبھی جھوٹی شہادتوں کا انسداد ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن شریح حتی الامکان اخلاقی حیثیت سے جھوٹی شہادتوں کو روکنے کی کوشش کرتے تھے' اور گواہوں کو سمجھا کر جھوٹی شہادت سے روکتے تھے' اگر اس میں ناکامی ہوتی تو اسی شہادت پر فیصلہ دے دیتے' کیونکہ شہادت کے مقابلہ میں ذاتی علم کی کوئی حیثیت نہیں۔

ابن سیرین کا بیان ہے کہ شریح کو جب ثبوت کے گواہ مشکوک نظر آتے' مگر ان کی ظاہری صداقت پر کوئی گرفت نہ ہو سکتی' تو وہ پہلے گواہوں سے کہتے کہ میں نے تم کو طلب نہیں کیا ہے' اگر تم واپس جانا چاہو تو میں تم کو نہیں روکوں گا' تمہاری شہادت پر اس مقدمہ کا فیصلہ ہوگا' تمہاری شہادت سے میرا دامن محفوظ ہو جاتا ہے لیکن تم بھی اپنے کو بچاؤ۔ اگر گواہ سمجھانے پر بھی باز نہ آتا تو مجبوراً اس کی شہادت پر فیصلہ کر دیتے اس لیے کہ کوئی قاضی کسی گواہ کو شہادت سے نہیں روک سکتا لیکن اس فریق سے کہہ دیتے کہ مجھ کو یقین ہے کہ تم اس معاملہ میں ظالم ہو مگر اپنے خیال و گمان پر فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ ثبوت کے مطابق فیصلہ کرنے پر مجبور ہوں مگر یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ جو چیز خدا نے تم پر حرام کی ہے' میرا فیصلہ اسے حلال نہیں کر سکتا[1]

عزیز قریب کی شہادت کا قانون:

حدیث میں اعزہ قریب کی شہادت کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔ اس لیے ایک عزیز کے مقدمہ میں دوسرے ثقہ عزیز کی شہادت قبول کرنے میں کوئی قانونی رکاوٹ نہیں ہے' ابن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ قاضی شریح نے عزیز کے مقابلہ میں عزیز کی شہادت نا قابل اعتبار قرار دی اور یہ قانون بنا دیا کہ لڑکے کی شہادت باپ کے متعلق باپ کی شہادت لڑکے کے متعلق' بی بی کی شہادت شوہر کے متعلق' شوہر کی شہادت بی بی کے متعلق' آقا کی شہادت غلام کے متعلق' اور غلام کی شہادت آقا کے متعلق اور راجیر کی شہادت اس شخص کے متعلق جس نے اس کو

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۵۸۔

marfat.com

اجرت پر کیا ہو قبول نہیں کی جاسکتی' اس اصول پر وہ اس سختی سے عامل تھے کہ حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت امام حسنؓ کی شہادت مسترد کر دی' اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی زرہ کہیں گر پڑی اور ایک ذمی کے ہاتھ لگی۔ حضرت علیؓ نے شریح کی عدالت میں دعویٰ کیا' شریح نے ذمی سے پوچھا تم کیا کہتے ہو' اس نے کہا' میری ملکیت کا ثبوت یہ ہے کہ زرہ میرے قبضہ میں ہے' شریح نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے پاس اس کی کوئی شہادت ہے کہ زرہ گری تھی' انہوں نے حضرت حسنؓ اور قنبر کو شہادت میں پیش کیا' شریح نے کہا قنبر کی شہادت تو قبول کرتا ہوں' لیکن حسنؓ کی شہادت مسترد کرتا ہوں' حضرت علیؓ نے فرمایا آپ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے کہ: ''الحسن والحسین سیدا شباب الجنة'' شریح نے کہا سنا ہے' لیکن میں باپ کے مقابلہ میں لڑکے کی شہادت معتبر نہیں سمجھتا' اس فیصلہ کو حضرت علیؓ نے تسلیم کر لیا' اور زرہ یہودی کے پاس رہنے دی' اس واقعہ کا یہودی پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے خود اقرار کر لیا کہ زرہ آپ ہی کی ہے' اور تمہارا دین سچا ہے' مسلمانوں کا قاضی امیر المومنین کے خلاف فیصلہ کرتا ہے' اور وہ بلا چون و چرا سر خم کر دیتا ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ محمد خدا کے سچے رسول تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کے اسلام سے اتنی مسرت ہوئی کہ اس یادگار میں انہوں نے زرہ اپنی طرف سے اس کو دے دی[1]

فقہ کی کتابوں میں یہ قانون حدیث کے حوالہ سے منقول ہے' لیکن صاحب نصیب الرایہ نے تصریح کر دی ہے' کہ یہ حدیث نہیں بلکہ شریح کا قول ہے[2]

خفیہ تحقیقات:

شریح سے پہلے اسلامی عدالت میں خفیہ تحقیقات کا طریقہ رائج نہ تھا' سب سے پہلے اس کو شریح نے جاری کیا' چونکہ یہ نئی بات تھی اس لیے لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ تم نے بدعت کیوں جاری کی؟ انہوں نے جواب دیا جب لوگوں نے نئی نئی باتیں جاری

---

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۸۵۔ [2] نصب الرایہ باب من یقبل شہادتہ و من یقبل۔

marfat.com

کیں' تو میں نے بھی نئی بات جاری کی[1] (یعنی جب نئے نئے جرائم ہونے لگے تو مجھ کو بھی نئے طریقے اختیار کرنے پڑے)

جھوٹے حلف پر سچی شہادت کو ترجیح:

ثبوت کو قسم سے زیادہ اہم سمجھتے تھے اور تنہا حلف کو چنداں اہمیت نہ دیتے تھے بلکہ ثبوت کے ساتھ قسم لیتے تھے[2] ایک مقدمہ میں ایک مدعی نے اپنے فریق سے قسم لی' قسم لینے کے بعد اس کے خلاف ثبوت پیش کیا۔ شریح نے کہا عادل ثبوت جھوٹی قسم سے زیادہ معتبر ہے[3]

اہل مقدمہ کو صفائی اور ثبوت کا موقع:

مدعی کو ثبوت اور ملزم کو صفائی کا پورا موقع دینا ہر عدالت کا فرض ہے۔ شریح اس کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ مقدمہ فیصل کر دینے کے بعد بھی اگر فریقین کچھ کہنا چاہتے تو اس کا موقع دیتے تھے' احنف کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شریح کی عدالت میں گیا' انہوں نے ایک شخص کے خلاف فیصلہ دیا' اس نے کہا ابھی جلدی نہ کیجیے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں' شریح نے اسے موقع دیا' جب وہ کہہ چکا تھا تو کہا کیا میں چھوڑ دوں تم نے بہت فضول باتیں کیں تم نے جو کچھ کہا اس پر ثبوت پیش کرو[4]

وہ خود اپنے فیصلے کے خلاف اپیل سننے کے لیے تیار رہتے تھے' چنانچہ کہا کرتے تھے کہ جو شخص میرے فیصلہ کے خلاف دعویٰ کرے تو میرا فیصلہ اس وقت تک قائم رہے گا' جب تک مدعی اپنے دعویٰ کو ثابت نہ کر دے' حق بہرحال میرے فیصلے کے مقابلہ میں زیادہ حق ہے۔[5]

غیر جانبداری:

مقدمات غیر جانبدارانہ کرتے تھے کسی فریق کے ساتھ کوئی رعایت نہ کرتے

---

[1] محاضرۃ الاوائل ص ۹۷۔ [2] ابن سعد ص ۹۶۔ [3] ایضاً۔

[4] ابن سعد ج ۶ ص ۹۲۔ [5] ایضاً ص ۹۳۔

marfat.com

تھے' نہ کسی فریق سے جرح میں کمی کرتے تھے' اور نہ کسی فریق کو کوئی پوائنٹ بتاتے تھے[1]

راز داری:

مقدمات میں پوری راز داری سے کام لیتے تھے' اور اس کی روداد کسی پر بھی ظاہر نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے لڑکے نے اپنے مقدمے کے سلسلہ میں کچھ پوچھا' انہوں نے جواب دیا کہ تم چاہتے ہو کہ میں تم کو تمہارے فریق پر بھڑکاؤں؟[2]

خاندانی رواج:

مقدمات میں خاندانی رواج کو قبول نہ کرتے تھے' ایک مرتبہ چند غزالوں نے ایک مقدمہ دائر کیا' ان میں سے بعض نے کہا کہ اس مقابلہ میں ہمارا خاندانی دستور یہ رہا ہے' شریح نے کہا تمہارے خاندانی دستور تمہارے گھر تک ہیں[3]

دلالوں کی مخالفت:

اہل مقدمہ کے دلالوں کے سخت مخالف تھے' انہیں اپنی عدالت سے نکلوا دیتے تھے اور لوگوں کو ان کے بچنے کی ہدایت کرتے تھے[4]

رشوت میں احتیاط:

رشوت سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا ہے' مہذب دور میں رشوت ہدایا و تحائف کی شکل اختیار کر لیتی ہے' جس سے بچنا بہت مشکل ہے اس لیے شریح ہدیہ قبول کر لیتے تھے' لیکن رشوت سے محفوظ رہنے کے لیے فوراً اس کا بدل کر دیتے تھے[5]

آداب قضا:

جب گھر سے عدالت جانے لگتے' تو یہ کلمات کہتے ''عنقریب ظالم اس حصہ کو جان لے گا' جو اس نے کم کیا ہے اور ظالم کو سزا اور مظلوم کو مدد کا انتظار کرنا چاہیے[6] بھوک

---

1 ابن سعد ج ۶ ص ۹۲۔ 2 ابن سعد ترجمہ شریح۔

3 ابن سعد ج ۶ ص ۹۴۔ 4 ایضاً۔

5 ابن سعد ج ۶ ص ۹۹۔ 6 ایضاً ص ۹۳۔

marfat.com

اور غصہ کی حالت میں مقدمہ نہ کرتے تھے' اور عدالت سے اٹھ جاتے تھے۔[1]

فیصلوں کی مقبولیت:

عموماً عدالت کے حکام جمہور کو خوش نہیں رکھ سکتے' عام حالات میں ان کے فیصلوں سے کسی نہ کسی جماعت کو شکایت ضرور رہتی ہے' لیکن شریح کے فیصلوں سے پبلک بہت مطمئن رہتی تھی' جابر بن زیاد کا بیان ہے کہ شریح ہمارے یہاں بصرہ میں قریب قریب ایک سال تک قاضی رہے' اس قلیل مدت میں انہوں نے بے مثل قضات کی کہ اس کے قبل اور مابعد کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔[2]

ان کے فیصلے علمی درس ہوتے تھے:

ان کے فیصلے اس قدر پراز معلومات اور فاضلانہ ہوتے تھے کہ ان کی عدالت فقہاء کی درس گاہ بن گئی تھی' بڑے بڑے علماء فقہی واقفیت حاصل کرنے کے لیے ان کے فیصلے سننے کو آتے تھے۔ مکحول کا جو خود بہت بڑے عالم تھے بیان ہے کہ میں چھ مہینہ تک شریح کی عدالت میں معلومات حاصل کرنے کے لیے جاتا رہا' میں ان سے کچھ پوچھتا نہ تھا' ان کے فیصلے میری معلومات کے لیے کافی ہوتے تھے۔[3]

نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی:

چونکہ شریح نہایت ذہین اور طباع تھے' اس لیے اہل مقدمہ کی ظاہری حالت سے دھوکا نہ کھاتے تھے' ایک مرتبہ ایک عورت نے ایک مرد پر استغاثہ دائر کیا اور عدالت میں آ کر زار و قطار رونے لگی' امام شعبی بھی موجود تھے۔ انہوں نے شریح سے کہا یہ عورت مظلوم معلوم ہوتی ہے' شریح نے کہا رونا مظلومیت کا ثبوت نہیں ہے' برادران یوسف بھی باپ کے پاس روتے ہوئے آئے تھے۔[4]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۴۔ [2] ایضاً ص ۹۵۔

[3] ایضاً الطریق الحکمیہ ابن قیم ص ۲۵۔

[4] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۲۲۴۔

marfat.com

عبادت:

علمی کمالات کے ساتھ وہ فضائل اخلاق سے بھی آراستہ تھے' بڑے دیندار اور عبادت گزار تھے' قضا کی ذمہ داریوں اور مشغولیتوں کے باوجود ان کا کافی وقت عبادت میں گزرتا تھا۔ ان کے غلام ابوطلحہ کا بیان ہے' کہ جب وہ صبح کی نماز پڑھ کر واپس آتے تھے تو گھر کے دروازے بند کر کے قریب قریب آدھے دن تک نوافل میں مشغول رہتے تھے۔[1]

سلام میں سبقت:

طبعاً نہایت خوش اخلاق اور منکسر المزاج تھے' سلام میں ہمیشہ خود سبقت کرتے تھے' قاسم کا بیان ہے کہ میں ہمیشہ سبقت کرنے کی کوشش کرتا تھا' مگر کبھی کامیاب نہ ہوا[2] میرا ان کا اکثر راہ میں سامنا ہوتا تھا' میں اس انتظار میں رہتا کہ اب سلام کروں اب سلام کروں کہ اتنے میں وہ قریب پہنچ کر السلام علیکم کہہ دیتے۔[3]

فتنہ سے کنارہ کشی:

وہ فتنہ و فساد ناپسند کرتے تھے' ان کی زندگی میں بڑے بڑے سیاسی انقلابات ہوئے' عبدالملک اور ابن زبیر کا ہنگامہ برسوں جاری رہا' جس کی لپیٹ سے بہت کم لوگ محفوظ رہ سکے' لیکن شریح کا دامن اس سے بچا رہا۔ اس ہنگامہ کے زمانہ میں چند برسوں کے لیے مستعفی ہو گئے تھے۔[4] اس میں پڑنے سے وہ اتنی احتیار برتتے تھے کہ کسی سے اس کے حالات تک نہ پوچھتے تھے' لوگ بھی ان کی بے تعلقی دیکھ کر ان سے کوئی تذکرہ نہ کرتے تھے۔[5]

دوسروں کی راحت کا خیال:

دوسروں کی راحت کا اتنا خیال تھا کہ اپنے لیے کسی کو ادنیٰ تکلیف دینا بھی پسند نہ کرتے تھے' اپنے گھر کے تمام پرنالے اندر لگاتے تھے' کہ اس کے پانی سے دوسروں کو

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۸۔ [2] ایضاً ص ۹۷۔

[3] ایضاً۔ [4] ابن خلکان جلد اول ص ۲۲۴۔ [5] ایضاً

marfat.com

تکلیف نہ پہنچے[1] اس معاملہ میں اتنے مبالغہ سے کام لیتے تھے کہ اگر ان کے گھر میں کوئی موت ہوتی تو دوسروں کی زحمت کے خیال سے کسی کو خبر نہ کرتے' اور راتوں رات دفن کر دیتے' اگر کوئی شخص مریض کی موت پوچھتا تو کہہ دیتے 'اب سکون ہے' اپنے لڑکوں تک کو انہوں نے بغیر اطلاع دیئے ہوئے دفن کر دیا[2]

ظرافت و خوش طبعی:

طبیعت میں ظرافت اور خوش طبعی کا مادہ زیادہ تھا ''کان رجلا مزاحا'' کبھی کبھی سنجیدہ مواقع پر بھی ان کی ظرافت گلفشانی کر جاتی تھی' ایک مرتبہ عدی بن ارطاۃ نے ان کے سامنے ایک دعویٰ پیش کیا' دونوں میں حسب ذیل گفتگو ہوئی[3]

عدی: میں آپ کے سامنے کچھ باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

شریح: فرمایئے میں سننے کے لیے تیار ہوں۔

عدی: میں شام کا رہنے والا ہوں۔

شریح: اتنے دور دراز کے مقام کے (مزاحا)

عدی: میں نے آپ کے یہاں شادی کی ہے۔

شریح: بالوفاء والبنین شادی مبارک ہو۔

عدی: میں اپنی بیوی کو ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔

شریح: شوہر اپنی بیوی کا حق دار اور مختار ہے۔

عدی: لیکن اس نے اپنے گھر میں رہنے کی شرط کر لی تھی۔

شریح: تو پھر شرط پوری کرنی چاہیے۔

عدی: آپ ہمارا فیصلہ کر دیجئے۔

شریح: فیصلہ کر دیا۔

عدی: کس کے خلاف؟

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۷۔ [2] ایضاً ص ۹۸۔ [3] ایضاً ص ۹۹۔

marfat.com

عدی: تمہاری ماں کے لڑکے کے (یعنی تمہارے)

عدی: کس کی شہادت پر؟

شریح: تمہارے ماموں کی بہن کے لڑکے کی شہادت (یعنی خود تمہاری شہادت پر) کیونکہ عدی نے خود اقرار کرلیا تھا کہ بیوی سے گھر میں رہنے کی شرط کرلی تھی۔

لطائف:

ان کی ظرافت اور بذلہ سنجی کی وجہ سے بعض اوقات دلچسپ لطائف پیش آجایا کرتے تھے' ایک مرتبہ ایک بدوی نے ان سے پوچھا تم کس خاندان سے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ان لوگوں میں سے ہوں جن کو خدا نے اسلام کے انعام سے نوازا ہے' یہ سن کر وہ اعرابی ان کے پاس چلا گیا۔ اور لوگوں سے کہا' خدا کی قسم تمہارا قاضی اپنا خاندان بھی نہیں جانتا' ایک روایت یہ ہے کہ اس نے کہا کہ تم لوگوں نے مجھ کو ایک غلام کے پاس بھیج دیا[1] (کیونکہ عموماً غلام یا وہ لوگ جن کا کوئی قابل ذکر نسب نہ ہوتا تھا' اسلام کی طرف اپنا انتساب کرتے تھے)

ان میں اور ابن زیاد میں سخت اختلاف تھا' ابن زیاد ایک مرتبہ طاعون میں مبتلا ہوا' اس کی سمیت کا اثر داہنے ہاتھ پر تھا' اطبا نے اس کو کٹوانے کا مشورہ دیا' اس نے شریح سے مشورہ کیا' انہوں نے اس سے اختلاف کیا ان سے کچھ ان کے مشورے اور کچھ خوف سے ہاتھ نہیں کٹوایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی سمیت کے اثر سے مرگیا' لوگوں نے شریح کو بڑی ملامت کی کہ تم نے محض دشمنی کی وجہ سے ہاتھ نہیں کٹوانے دیا' انہوں نے جواب دیا کہ مشیر امین ہوتا ہے۔ اس لیے اگر مجھے اس کی خیر خواہی کا خیال نہ ہوتا تو میں چاہتا کہ ایک دن اس کا ہاتھ کاٹا جائے' ایک دن پاؤں کاٹا جائے' اسی طریقہ سے روزانہ اس کے تمام اعضاء جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ کر الگ کردیئے جائیں[2]

ایک مرتبہ ان کی عدالت میں ایک شخص نے ایک گواہ کو جس کا نام ربیعہ تھا' پکارا اس نے کوئی جواب نہ دیا' اس کی خاموشی پر پکارنے والے نے جھلا کر دوبارہ کافر کہہ کر

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۰۔۹۱۔ [2] ابن خلکان ج اول ص ۲۲۴۔

marfat.com

پکارا۔ اس خطاب پر وہ بول اٹھا' شریح نے اس پر ظریفانہ الزام لگایا کہ تم نے کفر کا اقرار کر لیا۔ اس لیے تمہاری شہادت قبول نہیں کی جا سکتی۔[1]

وفات:

آخر میں ضعف پیری کی وجہ سے مستعفی ہوگئے تھے۔ استعفا کے کچھ دنوں بعد بیمار پڑے' عمر ایک سو سال سے متجاوز ہو چکی تھی' زیست کی امید باقی نہ تھی' اس لیے دم آخر لوگوں کو ہدایت کی کہ قبر بغلی کھودی جائے' جنازہ کی اطلاع کسی کو نہ دی جائے۔ جنازہ کے ساتھ نوحہ نہ کیا جائے' جنازہ کو آہستہ آہستہ لے جایا جائے' قبر پر چادر نہ ڈالی جائے ان وصایا کے بعد انتقال فرمایا' سنہ وفات میں اختلاف ہے' ۷۶ھ سے ۹۷ھ تک کسی سنہ میں انتقال کیا۔[2]

حلیہ:

شریح اطلس تھے' یعنی پیدائشی طور پر داڑھی مونچھ نہ تھی۔[3]

تنخواہ:

پانچ سو ماہوار تنخواہ پاتے تھے۔[4]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۹۵۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۹۹۔

[3] ابن خلکان ج اول ص ۲۲۴۔ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۹۵۔

marfat.com

۳۳۳۔ صفوان بن سلیم زہری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

صفوان نام' ابوعبداللہ کنیت' والد کے نام میں اختلاف ہے' بعض سلیم اور بعض سلام لکھتے ہیں' مدینہ کے ممتاز تابعین میں تھے۔

فضل وکمال:

اگرچہ صفوان کا اصل طغرائے کمال ان کا زہد و ورع تھا۔ لیکن علمی فضائل سے بھی وہ تہی دامن نہ تھے' حافظ ذہبی ان کو ثقة حجة اور اعلام لکھتے ہیں[1]

حدیث:

حدیث میں انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ' انس بن مالکؓ' ابوامامہؓ' سعید بن مسیبؒ' عبدالرحمٰن بن اغنم' ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن' سعید بن سلمہ' عبداللہ بن سلیمان الاغر' عبدالرحمٰن ابن سعد اور عطاء بن یسار وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا۔[2] اور زید بن اسلمؒ' ابن منکدرؒ' موسیٰ بن عقبہ' ابن جریج' یزید بن حبیب' مالک بن انس' اکابر علماء کی بڑی جماعت ان کے تلامذہ میں تھی۔[3]

فقہ:

فقہ میں انہیں درک حاصل تھا' اور ان کا شمار مدینۃ الرسول کے فقہا میں تھا[4] ابن عماد حنبلی انہیں فقیہ القدوہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں[5]

عبادت وریاضت:

ان کا امتیازی وصف ان کا زہد و ورع اور عبادت و ریاضت ہے اس کے علاوہ ان کا اور کوئی مشغلہ نہ تھا' احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ وہ خدا کے بہترین بندوں میں تھے' ان

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۰۔ ۲ تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۲۵۔
۳ ایضاً۔ ۴ ایضاً۔ ۵ شذرات الذہب ج اول ص ۱۸۹۔

marfat.com

کے وسیلہ سے پانی کی دعا کی جاتی تھی۔[1]

بڑی سخت عبادتیں کرتے تھے' نیند کے غلبہ کے خوف سے جاڑوں کے موسم میں کھلی چھت پر اور گرمیوں میں بند مکان میں عبادت کرتے تھے کہ سردی اور گرمی کے غلبہ سے نیند نہ آنے پائے' نمازیں پڑھتے پڑھتے دونوں پاؤں سوج جاتے تھے' اور تھک کر گر پڑتے تھے[2] سجدوں کی کثرت سے پیشانی زخمی ہوگئی تھی۔[3]

عبادت کی معراج کمال:

کمال کی آخری حد یہ ہے کہ پھر اس میں مزید ترقی کی گنجائش باقی نہ رہے' صفوان عبادت کے اسی ذروۂ کمال پر فائز تھے' ابوحمزہ کا بیان ہے کہ میں نے صفوان کو عبادت کے اس درجہ پر یکھا ہے کہ اگر ان سے کہا جاتا' کہ کل قیامت ہے تو جس حد تک وہ پہنچ چکے تھے' اس میں مزید اضافہ نہ ہوسکتا تھا۔[4]

انفاق فی سبیل اللہ:

خدا کی راہ میں انفاق کا یہ حال تھا کہ بدن کے کپڑے تک اتار کر دے دیتے تھے۔ ایک شب کو مسجد سے نکلے' سردی سخت تھی' مسجد کے باہر ایک آدمی ننگے بدن نظر آیا۔ صفوان نے اسی وقت اپنے جسم کے کپڑے اتار کر دے دیئے۔[5]

دولت دنیا سے بے نیازی:

استغناء اور بے نیازی کے اس درجہ پر تھے کہ سلاطین اور فرماں روا ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے' مگر وہ قبول نہ کرتے تھے' مسجد نبوی میں عبادت کیا کرتے تھے' ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک مدینہ آیا اور عمر بن عبدالعزیز کے ہمراہ مسجد نبوی دیکھنے کے لیے گیا۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد مقصورہ کا دروازہ کھولا تو اس میں صفوان نظر آئے۔

---

[1] شذرات الذہب ج اص ۱۸۹۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۰۔

[3] ایضاً۔ [4] صفوۃ الصفوہ ص ۱۴۸۔

[5] ایضاً۔

marfat.com

سلیمان انہیں پہچانتا نہ تھا، عمر بن عبدالعزیز سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ ان کے بشرہ سے بہتر آثار میں نے نہیں دیکھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا امیر المومنین یہ صفوان بن سلیم ہیں، ان کا نام سن کر اس نے غلام کو پانچ سو دینار کی تھیلی ان کی خدمت میں پیش کرنے کا حکم دیا، غلام نے لے جا کر پیش کی کہ یہ امیر المومنین کی جانب سے نذر ہے، وہ یہاں موجود ہیں، صفوان نے کہا تم کو دھوکا ہوا ہے، کسی اور کے پاس بھیجی ہوگی، غلام نے عرض کیا آپ صفوان نہیں ہیں؟ فرمایا ہوں تو میں ہی، غلام نے کہا تو آپ ہی کو دیا ہے، فرمایا جاؤ، دوبارہ پوچھ آؤ، جیسے ہی غلام پوچھنے کے لیے لوٹا، صفوان فوراً جوتا اٹھا کر مسجد سے نکل لئے اور پھر جتنی دیر سلیمان مسجد میں رہا، دکھائی نہ دیئے[1]

وفات:

۱۳۲ھ میں وفات پائی۔

---

[1] صفوۃ الصفوۃ ص ۱۴۸۔

marfat.com

۳۴۔ صفوان بن محرز رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

صفوان نام، نسبی تعلق بنی تمیم کی شاخ بنی مازن سے تھا، بصرہ کے عابد و زاہد تابعین میں تھے۔

فضل وکمال:

علم میں کوئی امتیازی حیثیت نہ رکھتے تھے، تاہم اس سے بالکل تہی دامن بھی نہ تھے۔ بصرہ کے علماء باعمل میں شمار تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان لہ فضل وورع[1] حافظ ذہبی لکھتے ہیں صفوان بن محرز المازنی احد العلماء العاملین[2]

حدیث میں انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عمران بن حصینؓ اور حکیم بن حزامؓ وغیرہ اکابر صحابہ سے استفادہ کیا تھا۔

ابوحمزہ، جامع بن شداد، خالد بن عبداللہ الاشج، عاصم الاحول، قتادہ، محمد بن واسع اور علی بن زید بن جدعان وغیرہ آپ کے تلامذہ میں تھے[3]

عمل کا درجہ:

صفوان کے نزدیک تنہا علم کی کوئی حیثیت نہ تھی جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو، فرماتے تھے کہ ہم کو علم سے کوئی افادہ نہیں پہنچ سکتا، جب تک اس پر عمل نہ کریں، کاش میں کچھ نہ جانتا ہوتا[4]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۷۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۲۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۳۰۔

[4] صفوۃ الصفوۃ ص ۱۵۹۔

marfat.com

زہد و عبادت:

ان کی پوری زندگی اس اصول کا عملی نمونہ تھی، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عابد تابعین میں تھے[1]

گداز قلب:

روح کا آئینہ اشک سے جلا پاتا ہے اور دل کی کھیتی آنسوؤں کی آبیاری سے ہری ہوتی ہے، صفوان کی آنکھیں شمع سوزاں تھیں، انہوں نے ایک کنج یا غار بنالیا تھا، جس میں بیٹھ کر رویا کرتے تھے، اور صرف نماز کے اوقات میں اس سے باہر نکلتے تھے۔ نماز پڑھنے کے بعد فوراً اسی میں چلے جاتے تھے[2]

ذکر و شغل:

آپ کا ذکر و شغل حدیث خوانی تھا، جریر کا بیان ہے کہ صفوان اور ان کے بھائی مذاکرہ حدیث کے لیے جمع ہوتے تھے، اس حلقہ میں جب کیفیت اور رقت قلب محسوس نہ ہوتی تو حاضرین ان سے حدیث بیان کرنے کی درخواست کرتے، ان کی زبان سے جیسے ہی الحمد للہ نکلتا حاضرین پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی، اور مشکیزہ کے منہ کی طرح ان کی آنکھوں سے آنسو پھوٹ نکلتے[3]

قیام اللیل:

آپ کی عبادت کا خاص وقت شب کا تھا، تہجد پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے[4]

دنیا سے کنارہ کشی:

دنیا اور اس کی نعمتوں سے کبھی دامن آلودہ نہ ہوا، فرماتے تھے، اگر مجھے کھانے کے لیے روٹی کا ایک ٹکڑا جس سے توانائی قائم رہ سکے اور پینے کے لیے پانی کا ایک کوزہ مل جائے تو پھر مجھے دنیا اور اہل دنیا کی ضرورت نہیں۔[5]

---

1. صفوۃ الصفوۃ ص ۵۹۱ و تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۳۰۔ 2. ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۷۔

3. ایضاً۔ 4. تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۳۰۔ 5. ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۷۔

marfat.com

دنیا کو کارواں سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ مستقل گھر نہیں بنایا، رہنے کے لیے ایک چھپر تھا، اس کی مرمت تک نہ کراتے تھے، ایک مرتبہ اس کی ایک لکڑی ٹوٹ گئی، لوگوں نے کہا اس کو درست کر لیجیے، فرمایا کل مرنا ہے، اگر گھر کا حقیقی مالک اس میں زیادہ ٹھہرنے کا موقع دیتا تو درست کر لیتا۔[1]

خانہ خدا کا احترام:

خانہ خدا میں ہنگامہ آرائی مسجد کے احترام کے خلاف سمجھتے تھے، اور ایسے مواقع پر مسجد سے چلے جاتے تھے ایک مرتبہ کچھ لوگ مسجد میں لڑ رہے تھے، آپ یہ کہہ کر وہاں سے ہٹ گئے کہ ''تم لوگ جنگجو ہو''۔[2]

فرمان رسول ﷺ کا پاس:

فرمان رسول ﷺ کا مرتے دم تک پاس رہا۔ مرض الموت میں گھر والوں سے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پیش نظر رہے کہ چلا کر بین کرنے والا سر نوچنے والا، اور کپڑے پھاڑنے والا ہماری جماعت میں نہیں ہے۔[3]

وفات:

اس مرض میں وفات پائی، سنہ وفات معین طور پر نہیں بتایا جا سکتا، ابن حبان نے ۷۴ھ لکھا ہے، لیکن یہ قابل اعتبار نہیں۔

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۷۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۸۔ [3] ایضاً۔

marfat.com

۳۵۔ طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

طاؤس نام، عبدالرحمٰن کنیت، بحیر بن ریسان حمیری کے غلام تھے۔ ان کے والد نسلاً عجمی تھے۔ لیکن آل حمدان سے تعلقات پیدا کر کے یمن کے شہر جند میں بودوباش اختیار کر لی تھی۔

فضل وکمال:

فضل وکمال کے اعتبار سے طاؤس کا شمار کبار تابعین میں تھا۔ علامہ نووی لکھتے ہیں طاؤس صاحب علم وفضل اور کبار تابعین میں تھے۔ ان کی جلالت، فضیلت، وفور علم اور صلاح وحفظ پر سب کا اتفاق ہے۔[1] ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ امام علم وعمل کے اعتبار سے علماء اعلام میں تھے۔[2]

حدیث:

حدیث کے وہ بڑے حافظ تھے۔ ان کا حفظ حدیث ارباب علم میں مسلم تھا۔[3] پچاس صحابہ کے دیدار کا شرف حاصل تھا،[4] ان میں عبداللہ بن عمرؓ، عمرو بن عاصؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ابن زبیرؓ، زید بن ارقم، زید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ، عائشہ صدیقہؓ، سراقہ بن مالکؓ، صفوان بن امیہؓ، اور جابرؓ وغیرہ صحابہ کے سرچشمہ علم سے سیراب ہوئے تھے۔ حبر الامۃ عبداللہ بن مسعودؓ سے خصوصیت کے ساتھ استفادہ کیا تھا۔

فقہ:

فقہ میں بڑا پایہ تھا۔ علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں: کان فقیہا جلیل القدر رفیع الذکر[5]

تلامذہ:

تلامذہ کا دائرہ بھی خاصا وسیع تھا۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ آپ کے

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۵۱۔ [2] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۳۔ [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۵۱۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹۔ [5] ابن خلکان ج اول ص ۲۳۳۔

maftat.com

صاحبزادے عبداللہ‘ وہب بن میسرہ‘ حبیب بن ابی ثابت‘ اصم بن عتیبہ‘ حسن بن مسلم‘ سلیمان بن موسیٰ‘ عبدالکریم جزری‘ عبدالملک بن میسرہ‘ عمرو بن شعیب‘ عمرو بن دینار‘ عمرو بن مسلم‘ قیس بن سعد‘ مجاہد‘ لیث‘ ابو سالم اور ہشام وغیرہ[1]

معاصر علماء میں ان کا درجہ:

علمی اعتبار سے ان کا شمار اس عہد کے اکابر علماء کے زمرہ میں تھا‘ ابن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے عبداللہ بن یزید سے پوچھا کہ تم کن لوگوں کے ساتھ ابن عباسؓ کے پاس جاتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا‘ عطاء اور ان کی جماعت کے ساتھ۔ میں نے کہا اور طاؤس‘ انہوں نے کہا وہ خواص کے ساتھ جاتے تھے[2]

ارباب علم کا اعتراف:

اس عہد کے تمام ارباب علم ان کے کمال کے معترف تھے‘ عمرو بن دینار کہتے تھے کہ میں نے کسی شخص کو طاؤس کے برابر نہیں دیکھا‘ بعض لوگوں کے نزدیک وہ یمن کے ابن سیرین تھے‘ سعید بن ابی سیرین کا بیان ہے کہ قیس بن سعد کہتے تھے کہ طاؤس ہمارے یہاں کے ابن سیرین ہیں[3] بعض علماء انہیں حضرت ابن جبیر کا ہم پایہ سمجھتے تھے عثمان دارمی کا بیان ہے کہ میں نے ابن معین سے پوچھا کہ آپ کو طاؤس زیادہ پسند ہیں یا سعید بن جبیر‘ انہوں نے کسی کو ترجیح نہیں دی[4]

زہد و عبادت:

اس علم کے ساتھ طاؤس میں اسی درجہ کا عمل بھی تھا‘ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ یمن کے عبادت گزار لوگوں میں تھے[5] کثرت عبادت سے پیشانی پر نشان سجدہ تاباں تھا‘ بستر مرگ پر بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔[6] چالیس حج کیے[7] طواف میں خاموش رہتے

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۳۲۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۹۱۔
[3] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۴۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹۔
[5] ایضاً۔ [6] ابن سعد ج ۵ ص ۹۳ و ص ۳۵۹۔
[7] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۹۔

marfat.com

تھے، کسی بات کا جواب نہ دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ طواف نماز ہے۔[1]

انفاق فی سبیل اللہ:

خدا کی راہ میں بھی حسب اطاعت صرف کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک سزایاب کو اس کا جرمانہ ادا کر کے چھڑایا۔[2]

دولت دنیا سے بے نیازی:

دنیا اور اس کی خواہشوں سے بالکل بے نیاز تھے۔ کبھی دنیاوی نعمتوں کی خواہش نہیں کی، ہمیشہ یہی دعا کرتے تھے کہ ''خدایا مجھے مال اور اولاد سے محروم رکھ اور اس کے بدلہ میں ایمان و عمل کی دولت عطا فرما''۔[3]

اہل دنیا سے بے تعلقی:

ارباب حکومت اور ثروت سے ہمیشہ گریز کرتے تھے، اور ان کو شر سمجھتے تھے، ابن عیینہ کا بیان ہے کہ حکومت اور حکمرانوں سے گریز کرنے والے تین آدمی تھے، ابوذر صحابی اپنے زمانے میں اور طاؤس وثوری اپنے زمانہ میں،[4] فرماتے تھے، ارباب شرف و دل سے زیادہ میں نے کسی کو شر نہیں دیکھا۔[5]

امراء اور سلاطین کا معمولی احسان اٹھانا بھی پسند نہ کرتے تھے، ایک مرتبہ وہب بن منبہ کے ہمراہ حجاج بن یوسف کے بھائی محمد کے یہاں گئے، اس وقت سردی زیادہ تھی، اس لیے محمد بن یوسف نے ان کے اوپر چادر ڈلوادی۔ مگر انہوں نے کندھا ہلا کر گرادیا، محمد کو یہ بہت ناگوار ہوا، یہاں سے اٹھنے کے بعد ان کے ہمراہی وہب نے ان سے کہا اگر تم کو چادر کی ضرورت نہ تھی تو بھی لوگوں کو محمد کے غصہ سے بچانے کے لیے تم کو اس وقت لے لینا چاہیے تھا، زیادہ سے زیادہ اسے بیچ کر اس کی قیمت مساکین میں تقسیم کر دیتے، انہوں نے جواب دیا، اگر اس کا خیال نہ ہوتا کہ میرے بعد لوگ میرے اس فعل کو سند جواز بنائیں گے تو ایسا نہ کرتا۔[6]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۳۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۴۔ [3] ایضاً۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۱۰۔
[5] ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۲۔ [6] ایضاً ص ۳۹۴۔

marfat.com

تحصیل داری کا عہدہ:

ایک مرتبہ محمد بن یوسف نے انہیں چند دنوں کے لیے تحصیل داری کے عہدہ پر مامور کردیا' ان کے جیسے شخص کو اس عہدہ سے کیا مناسبت ہوسکتی تھی' وہ جس طرح اس کام کو کرتے تھے اس کی تفصیل خود ان کی زبان سے یہ ہے ابراہیم بن میسرہ نے ان سے پوچھا آپ تحصیل داری کے زمانہ میں کیا کرتے تھے' فرمایا میں باقی دار سے کہتا تھا خدا تم پر رحم کرے اس نے تم کو جو عطا کیا' اس کو (شریعت کا حق دے کر) پاک کرو' اگر وہ اس کہنے پر خراج دے دیتا تھا تو لے لیتا تھا اور اگر کوئی اعراض کرتا تھا تو میں اسے بلاتا بھی نہ تھا[1]

خلفاء کو نصیحت:

قیام عدل و خدمت خلق کا دارومدار صالح عہدہ داروں پر ہے اس لیے طاؤس سلاطین اور خلفاء کو حکام کے انتخاب کے باب میں نصیحت کیا کرتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو انہیں لکھ بھیجا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے تمام کام اچھے ہوں تو اچھے لوگوں کو عہدہ دار بنائے' انہوں نے جواب میں لکھا کہ ''میری بھلائی کے لیے آپ کی نصیحت کافی ہے''[2]

ان کے صاحبزادے عبداللہ بھی بالکل ان کے ہم رنگ تھے ایک مرتبہ ابوجعفر منصور عباسی نے انہیں اور امام مالک کو بلا بھیجا' یہ دونوں گئے' منصور نے عبداللہ سے کہا کہ اپنے والد کی کوئی حدیث سنایئے' انہوں نے یہ حدیث سنائی کہ ''قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص پر ہوگا جو خدا کی حکومت میں شرک کرے گا''، یعنی اس میں ظلم کو شریک بنائے گا' یہ نصیحت آموز حدیث سن کر منصور خاموش ہوگیا' تھوڑی دیر خاموش کے بعد منصور نے تین مرتبہ عبداللہ سے دوات اٹھانے کے لیے کہا' مگر انہوں نے تعمیل نہیں کی' منصور نے کہا دوات کیوں نہیں اٹھاتے' انہوں نے کہا اس لیے کہ اگر تم اس سے کوئی ظالمانہ حکم لکھو گے تو اس میں میری شرکت بھی ہوجائے گی' ان کی یہ کھری باتیں سن کر

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۳۔ [2] ابن خلکان ج اول ص ۲۳۳۔

marfat.com

منصور نے دونوں کو اٹھا دیا' عبداللہ نے کہا ہم تو چاہتے تھے ہی یہی تھے' امام مالک کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے میں عبداللہ کے فضل کا معترف ہو گیا۔[1]

قرآن کا احترام:

وہ کلام الٰہی سے مالی فائدہ اٹھانے کو نہایت برا اور احترام قرآن کے منافی سمجھتے تھے' ایک مرتبہ کچھ لوگوں کو قرآن مجید کا ہدیہ کرتے سنا تو انا للہ وانا الیہ راجعون . پڑھنے لگے۔[2]

نوجوانوں کی اصلاح:

نوجوانوں کی جدت آمیز وضع قطع اور چال ڈھال کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قریش کے چند خوش پوش اور جدت پسند نوجوانوں کو طواف کی حالت میں دیکھ کر ٹوکا کہ تم لوگ ایسا لباس پہنتے ہو جو تمہارے اسلاف نہ پہنتے تھے' اور ایسی اٹھلائی ہوئی چال چلتے ہو کہ ہیجڑے بھی نہیں چل سکتے۔[3]

عید المومنین:

عید کی خوشی منانا ضروری سمجھتے تھے۔ اس دن اپنی تمام لونڈیوں کے ہاتھوں اور پیروں پر مہندی لگواتے تھے' اور فرماتے تھے یہ عید کا دن ہے۔[4]

وفات:

جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے وہ حج بکثرت کرتے تھے اس کا سلسلہ آخر عمر تک جاری رہا' خدا نے ان کے اس ذوق کو حسن قبول بخشا' چنانچہ ۱۰۶ھ کے حج کے موسم میں مکہ ہی میں ترویہ سے ایک دن پہلے انتقال کیا' اس طرح وہ ہمیشہ کے لیے ارض مکہ میں مقیم ہو گئے[5] حج کی وجہ سے جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ جنازہ لے جانا دشوار ہو گیا' ابراہیم بن ہشام مخزومی نے انتظام کے لیے پولیس بھیجی' پھر بھی اتنا مجمع تھا کہ جنازہ اٹھانے والوں کے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے' اور ہزاروں حاجیوں کے ہاتھوں مدفون ہوئے۔[6]

---

[1] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۳۳۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۳۔ [3] ایضاً ص ۳۹۵۔
[4] ایضاً ص ۳۹۳۔ [5] ایضاً ص ۳۹۵۔ [6] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۳۳۔

marfat.com

۳۶۔ عامر بن شراحیل الشعبی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عامر نام' ابوعمر کنیت' شعبی قبیلہ کی نسبت ہے۔ لیکن شہرت کی وجہ سے اس نسبت نے لقب کی حیثیت اختیار کر لی ہے' یمن کے نامور حمیری خاندان میں حسان بن عمرؓ ایک مشہور تاریخی شخص گزرا ہے۔ یہ شخص یمن کی ایک پہاڑی ذوالشعبین میں پیدا ہوا تھا اور مرنے کے بعد یہیں دفن ہوا۔ اس لیے وہ خود ذوالشعبین مشہور ہوگیا' اس کے بعد اس کی نسل میں بھی یہ نسبت قائم رہی' اس کی نسل کی ایک شاخ فتوحات اسلامی سے قبل ہمدان میں آباد تھی۔ پھر اسلامی عہد میں کوفہ میں بس گئی' یہ شاخ شعبی کہلاتی تھی۔ عامر بن شراحیل اسی شاخ سے تھے۔ حسان بن عمرو کے اوپر اس خاندان کا نسب نامہ یہ ہے: حسان بن عمرو بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبدشمس بن وائل بن غوث بن قطن بن عریب بن زہیر بن ایمن بن ہمسیع بن حمیر۔

پیدائش:

عامر الشعبی کے سنہ ولادت کے بارے میں مختلف روایات ہیں' خود ان کا بیان ہے کہ وہ جنگ جلولا کے سال پیدا ہوئے[1] ایک بیان یہ بھی ہے کہ ان کی ماں جلولاء کے قیدیوں میں تھیں جو ان کے والد شراحیل کے حصہ میں پڑی تھیں۔ اس حساب سے ان کی پیدائش ۱۹ھ میں ہوئی۔

تعلیم:

عامر کے ہوش سنبھالنے کے وقت صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت موجود تھی' اور ان کی بود و باش بھی ایسے مرکزی مقام پر تھی' جہاں بہت سے صحابہ اقامت پذیر تھے اور ان کی آمد و رفت رہتی تھی' اس لیے انہیں پانچ سو صحابہ کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا تھا' ان

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۷۲۔

marfat.com

میں اڑتالیس سے فیض اٹھایا تھا[1] حبر الامت عبداللہ بن عمر کی خدمت میں آٹھ دس مہینہ مستقل قیام کر کے ان کے کمالات سے فیض یاب ہوئے تھے[2] ان بزرگوں کے فیض نے ان کو امام عصر بنا دیا۔

فضل و کمال:

علمی لحاظ سے وہ اپنے عہد کے امام تھے' حافظ ذہبی ان کو امام' حافظ' فقیہ اور متقن[3] اور ابن عماد حنبلی امام البحر العلامہ لکھتے ہیں[4] انہیں جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا' ابو اسحاق الحبال کا بیان ہے کہ شعبی جملہ علوم میں یگانہ عصر تھے[5] قرآن' حدیث' فقہ' مغازی' ریاضی اور ادب و شاعری سب میں انہیں یکساں دستگاہ حاصل تھی۔

قرآن:

قرآن کے اتنے قاری ممتاز قاری تھے کہ زعیم القراء کہلاتے تھے[6] تفسیر میں بھی انہیں پورا درک تھا' لیکن احتیاط کی وجہ سے انہوں نے مفسر کی حیثیت سے کوئی شہرت حاصل نہیں کی' وہ تفسیر قرآن میں بڑے محتاط تھے' ہر شخص کو اس کا مجاز نہیں سمجھتے تھے' زکریا بن ابی زائدہ کا بیان ہے کہ شعبی ابو صالح کے پاس سے گزرتے تو ان کے کان پکڑ کر کہتے کہ تم قرآن نہیں پڑھتے' اور اس کی تفسیر بیان کرتے ہو[7]

حدیث:

حدیث کے جلیل القدر حافظ بلکہ امام العصر تھے' انہوں نے صحابہ کرام اور تابعین کی بڑی جماعت سے سماع حدیث کیا تھا۔ صحابہ میں حضرت علی' سعد بن ابی وقاص' سعید ابن زید' زید بن ثابت' قیس بن عبادہ' قرظہ بن کعب' عبادہ بن صامت' ابوموسیٰ اشعری' ابومسعود انصاری' ابو ہریرہ' مغیرہ بن شعبہ' نعمان بن بشیر' ابوثعلبہ خشنی' جریر بن عبداللہ بجلی'

---

1. تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۷۔ 2. ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۲۔ 3. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۹۔
4. شذرات الذہب ج ا ص ۱۲۶۔ 5. تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۹۔
6. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۳۔ 7. ایضاً ص ۷۲۔

marfat.com

بریدہ ابن حصیب' براء بن عازب' معاویہ' جابر بن عبداللہ' جابر بن سمرہ' حارث بن مالک حبشی ابن جنادہ' حسین بن علی' زید بن ارقم' ضحاک بن قیس' سمرہ بن جندب' عامر بن شہر' عبداللہ بن عمر' ابن عباس' ابن زبیر' ابن عمرو بن العاص' عبداللہ بن مطیع' عبدالرحمٰن بن سمرہ' عدی بن حاتم' عروہ بن جعد البارقی' عروہ بن مضرس' عمرو بن امیہ' عمرو بن حریث' عمران بن حصین' عوف بن مالک' عیاض اشعری' کعب بن عجرہ' محمد بن سیفی' مقدام بن معدیکرب' وابصہ بن معبد' ابی جبیرہ بن ضحاک' ابوسریحہ غفاری' ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم اور صحابیات میں ام سلمہؓ، میمونہ بنت حارثؓ، اسماء بنت عمیسؓ، فاطمہ بنت قیس، اور ام ہانی وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا' ان میں سے بعض مرسل روایات ہیں' صحابہ کے علاوہ تابعین کی بہت بڑی تعداد سے استفادہ کیا تھا[1]

تلاش حدیث میں مشقت:

حدیث کا انہیں خاص ذوق تھا اور اس کو انہوں نے بڑی مشقت سے حاصل کیا تھا' ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اتنا علم کہاں سے حاصل کیا' انہوں نے جواب دیا' غم واندوہ کو بھلا کر ملکوں کی سیاحت کر کے گدھوں کی طاقت برداشت اور کوؤں کی سحر خیزی کے ذریعہ[2]

قوت حافظہ:

حافظہ اتنا قوی تھا کہ کبھی کاغذ قلم اور دوات کے شرمندۂ احسان نہیں ہوئے ایک مرتبہ جو حدیث سن لی وہ ہمیشہ کے لیے سینہ میں محفوظ ہوگئی' ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی بیاض کو کتابت سے سیاہ نہیں کیا' یعنی کبھی لکھا نہیں' جب کسی نے کوئی حدیث سنائی تو وہ میرے سینہ میں محفوظ ہوگئی' اور اس کے دوبارہ سننے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی[3]

اخذ حدیث میں احتیاط:

لیکن دوسروں سے حدیثوں کے لینے میں وہ بڑے محتاط تھے ان ہی لوگوں سے احادیث لیتے تھے جو علم کے ساتھ عقل وتقویٰ کے زیور سے آراستہ ہوتے تھے' اس

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۶۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۱۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۳۔

marfat.com

میں ان کا اصول یہ تھا کہ علم اسی شخص سے حاصل کرنا چاہیے' جس میں زہد و عبادت اور عقل و دانش دونوں جمع ہوں' تنہا عقل یا تنہا تقویٰ رکھنے والا علم کی حقیقت کو نہیں پا سکتا[1]

حدیث میں وسعت علم:

حدیث میں ان کے علم کا دائرہ نہایت وسیع تھا' ان کا بیان ہے کہ میں نے بیس سال کے عرصہ میں کسی سے کوئی ایسی نئی حدیث نہیں سنی جس سے میں بیان کرنے والے سے زیادہ واقف نہ رہا ہوں[2] اہل حجاز' بصرہ اور کوفہ تینوں علمی مرکزوں کے محدثین کی احادیث کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا[3] سنن کے بھی بڑے عالم تھے۔ مکحول کا بیان ہے کہ میں نے شعبی سے زیادہ سنت ماضیہ کا عالم نہیں دیکھا[4] ابن ابی لیلیٰ کہتے تھے کہ شعبی صاحب آثار تھے اور ابراہیم صاحب قیاس[5]

احتیاط فی الحدیث:

لیکن اس وسعت علم کے باوجود وہ خود روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے۔ زیادہ روایت کرنا پسند نہ کرتے تھے' اور فرماتے تھے کہ گزشتہ صلحاء زیادہ حدیثیں بیان کرنا برا سمجھتے تھے' اگر مجھے یہ پہلے معلوم ہوتا جو بعد میں ہوا' تو میں صرف محدثین کی متفقہ حدیثیں بیان کرتا[6]

روایت بالمعنی:

لیکن روایت بالمعنی کو خلاف احتیاط نہیں سمجھتے تھے' یعنی روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے' ابن عون کا بیان ہے کہ شعبی حدیثیں بالمعنی روایت کرتے تھے[7]

فقہ:

اگرچہ ان کو جملہ علوم وفنون میں یکساں درک حاصل تھا' لیکن ان کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا' اس میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ سمجھے

---

1 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۳۔ 2 ایضاً ص ۷۷۔ 3 ایضاً ص ۷۴۔ 4 ابن سعد ج ۱ ص ۱۷۷۔
5 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۱۔ 6 ایضاً ص ۱۷۲۔ 7 ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴۔

marfat.com

جاتے تھے، ابوالحسن کہتے تھے کہ میں نے کسی کو شعبی سے بڑا فقیہ نہیں پایا، بعض علماء تو انہیں اس عہد کے کل ائمہ پر ترجیح دیتے تھے، ابومجلو کہتے تھے کہ میں نے سعید بن مسیب، طاؤس، عطاء، حسن بصری اور ابن سیرین کسی کو بھی شعبی سے بلند مرتبہ فقیہ نہیں پایا۔[1]

ابراہیم نخعی جو خود بہت بڑے فقیہ تھے، ان کے تفقہ کے اتنے قائل تھے کہ جو مسئلہ ان کو معلوم نہ ہوتا اس کے سائل کو شعبی کے پاس بھیج دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا، انہوں نے لاعلمی ظاہر کی، اسی درمیان میں شعبی گزرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ابراہیم نخعی نے مستفتی سے کہا ان شیخ کے پاس جا کر پوچھو، اور وہ جو جواب دیں اسے مجھے بتاؤ۔ چنانچہ سائل نے جا کر ان سے دریافت کیا، انہوں نے بھی لاعلمی ظاہر کی، نخعی کو یہ جواب معلوم ہوا تو انہوں نے کہا واللہ یہ فقہ ہے۔[2]

ان کا فقہی کمال اتنا مسلم تھا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی موجودگی میں جو علوم نبوی ﷺ کے حقیقی وارث تھے، وہ مسند افتاء پر بیٹھ گئے تھے، ابوبکر ہذلی کا بیان ہے کہ ابن سیرین نے مجھے ہدایت کی تھی کہ شعبی کے دامن سے وابستہ رہو، کیونکہ وہ صحابہ کی بڑی تعداد کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے۔[3]

جواب میں احتیاط:

حدیث کی طرح فقہ میں بھی محتاط تھے، اور اس احتیاط کی بناء پر عموماً مسائل کے جواب میں اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے تھے۔ صلت بن بہرام کا بیان ہے کہ میں نے کسی ایسے شخص کو جو علم میں شعبی کا ہم پایہ ہو، ان سے زیادہ ''لاادری'' کہنے والا نہیں دیکھا۔[4]

ابن عون کا بیان ہے کہ شعبی کے پاس جب کوئی سائل آتا تھا تو حتی الامکان جواب سے بچتے تھے، اور ابراہیم برابر جواب دیتے چلے جاتے تھے، شعبی فطرۃ خنداں جبیں اور ابراہیم خشک مزاج تھے، لیکن جب دونوں کے سامنے کوئی فتویٰ پیش ہوتا تھا، تو دونوں

---

1. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۰۔ 2. ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۱۔
3. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۷۱۔ 4. ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴۔

marfat.com

کے اوصاف بدل جاتے، شعبی میں انقباض پیدا ہو جاتا تھا اور ابراہیم میں انبساط[1]

لیکن بہر حال وہ ایک ممتاز عالم اور بلند پایہ فقیہ تھے، کوفہ کی مسند پر تھے ان کی ذات مرجع خلائق تھی، اس لیے ہمیشہ لاادری تو کہہ نہیں سکتے تھے، بہت سے مسائل کا جواب دینا پڑتا ہے۔ پھر بھی وہ اتنی احتیاط ہر حالت میں قائم رکھتے تھے کہ ان کے جواب کی بنیاد احادیث وسنن پر ہوتی تھی۔

جواب میں اپنی رائے کو مطلق دخل نہ دیتے تھے، محمد بن حجادہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شعبی سے ایک مسئلہ پوچھا گیا جس کے بارے میں ان کے پاس کوئی سند نہ تھی، کسی نے کہا اپنی رائے سے جواب دے دیجئے، فرمایا میرے رائے کیا کرو گے، اس پر پیشاب کر دو[2]

قیاس کی عقلی بے حقیقتی:

وہ نہ صرف مذہباً وعقیدۃً امور شریعہ میں قیاس کو برا سمجھتے تھے بلکہ عقلاً بھی اس کے قائل نہ تھے، ایک مرتبہ انہوں نے ابوبکر ہذلی کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لیے ان سے پوچھا کہ اگر احنف بن قیس (تابعی جن کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ اس عہد کے نامور مدبر) قتل کر دیئے جائیں اور انہی کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ بھی قتل کر دیا جائے تو دونوں کی دیت پوری ہوگی یا احنف کی دیت ان کی عقل اور حلم کی وجہ سے زیادہ ہوگی، ابوبکر نے جواب دیا برابر ہوگی۔ حالانکہ قیاس کا اقتضاء یہ تھا کہ احنف کی دیت زیادہ ہوتی[3]

علم میں خوف خشیت:

اس علم کے باوجود خوف وخشیت کا یہ حال تھا کہ کہا کرتے تھے کہ کاش میں اس علم سے برابر سرابر پر چھوٹ جاتا نہ مجھ سے مواخذہ ہوتا اور نہ مجھ کو اس کا صلہ ملتا[5] اگر میں ننانوے سوالوں کا صحیح جواب دوں اور صرف ایک غلط ہو جائے تو لوگ اس پر گرفت

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۴۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۷۶۔

[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۲۔

marfat.com

کریں گے[1]

مغازی:

مغازی کے ممتاز عالم تھے' خود وہ صحابہ جنہوں نے غزوات میں شرکت کی تھی ان کی علمی واقفیت کے معترف تھے' عبدالملک بن عمیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شعبی مغازی بیان کر رہے تھے کہ ابن عمر ؓ ادھر سے گزرے' انہوں نے سن کر کہا' یہ مجھ سے زیادہ مغازی سے واقف ہیں[2]

ریاضی:

مذہبی ذوق کے علماء کو عموماً ریاضیات سے کم لگاؤ ہوتا ہے' لیکن شعبی اس فن کے بھی ماہر تھے' اس کی تعلیم انہوں نے مشہور ریاضی داں حارث الاعور سے حاصل کی تھی[3]

فرائض:

ریاضی میں مہارت کی وجہ سے فرائض میں پورا درک تھا' اور اس کو غالباً انہوں نے حضرت علی سے سیکھا تھا' بعضوں کے نزدیک آپ نے سیکھا نہ تھا بلکہ آپ کے اقوال سے استنباط کیا تھا[4]

شاعری:

شاعری کا نہایت ستھرا مذاق رکھتے تھے۔ شعرائے قدیم کے ہزاروں اشعار حفظ تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اگر میں چاہوں تو مسلسل ایک مہینہ تک اشعار سناتا رہوں اور کوئی شعر مکرر نہ ہونے پائے[5] خود بھی شعر کہتے تھے۔

حلقہ درس:

صحابہ کی موجودگی ہی میں ان کا حلقہ درس قائم ہوگیا تھا' ابن سیرین کا بیان ہے کہ جس زمانہ میں میں کوفہ آیا اس وقت شعبی کا حلقہ درس قائم تھا' اور اصحاب رسول کی بڑی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۶۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۳۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۷۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۳۔ [5] ایضاً۔

marfat.com

تعداد موجود تھی۔ حلقہ درس میں زیادہ مجمع پسند نہ کرتے' اور فرماتے تھے کہ حلقہ جب بہت بڑھ جاتا ہے تو شور و شغب بن جاتا ہے[1]

اور جن مساجد میں حلقہائے درس میں ہنگامہ ہوتا تھا' انہیں چھوڑ دیتے تھے۔ صالح بن کیسان کا بیان ہے' کہ ایک مرتبہ ہم اور شعبی ہاتھ میں ہاتھ دیئے' ٹہلتے ٹہلتے مسجد میں پہنچے' حماد کے گرد ان کے اصحاب کا مجمع تھا اور بڑا شور و غوغا مچا ہوا تھا' شعبی نے سن کر کہا خدا کی قسم ان بازاریوں نے مسجد کو میرے لیے مبغوض بنا دیا ہے' اور یہ کہہ کر لوٹ آئے[2]

تلامذہ:

ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا' صرف حدیث میں ان کے تلامذہ کی مختصر فہرست یہ ہے' ابواسحاق سبیعی' سعید بن عمرو بن اشوع' اسماعیل بن ابی خالد' بیان بن بشر' حصین بن عبدالرحمٰن' داؤد بن ابی ہند' زبید الیمامی' زکریا بن ابی زائدہ' سعید بن مسروق' سلمہ بن کہیل' ابواسحاق شیبانی' اعمش' منصور' مغیرہ' سماک بن حرب' عاصم الاحول' ابوالزناد' ابن عون' عبدالملک بن سعید بن الجبر' عون بن عبداللہ' قتادہ' مجالد بن سعید' مطرب بن طریف اور ابوحیان تیمی وغیرہ[3]

اکابر علماء اور ائمہ کا اعتراف:

اس عہد کے تمام بڑے بڑے علماء اور ائمہ میں ان کی علمی منزلت مسلم تھی۔ حسن بصری ان کو کثیر العلم فرماتے تھے[4] امام زہری کہتے تھے کہ علماء صرف چار ہیں' مدینہ میں ابن مسیب' کوفہ میں شعبی' بصرہ میں حسن بصری اور شام میں مکحول[5] ابن عیینہ کا بیان ہے کہ لوگ کہتے تھے کہ صحابہ کے بعد ابن عباس اپنے زمانہ میں' شعبی اپنے زمانہ میں اور ثوری اپنے زمانہ میں یگانہ تھے[6]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۳۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۷۔ [3] ایضاً۔

[4] تفصیل کے لیے دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۶۔

[5] ابن خلکان ج اول ص ۲۴۴۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۷۔

marfat.com

مذہب:

شعبی ابتداء میں شیعہ تھے' لیکن پھر ان کے اعمال دیکھ کر ان کے خیالات اور ان کی غیر معتدل باتیں سن کر اس مذہب سے تائب ہو گئے' اور اس کی مذمت کرنے لگے تھے[1] لیکن اہل سنت کے عقائد اختیار کرنے کے بعد بھی انہوں نے عام تبدیل مذہب کرنے والوں کی طرح جادۂ اعتدال سے باہر قدم نہیں نکالا۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ صالح مومنین اور صالح بنی ہاشم کو دوست رکھو' لیکن شیعہ نہ بنو۔ جو چیز تمہارے علم میں نہیں ہے اس میں بھلائی کی امید رکھو' لیکن مرجی نہ بنو' اس کا یقین رکھو کہ بھلائیاں خدا کی جانب سے ہیں اور برائیاں تمہارے نفس کی جانب سے' لیکن قدری نہ بنو' جس شخص کو تم اچھے اعمال کرتے دیکھو' خواہ وہ نک چپٹا سندھی ہی کیوں نہ ہو' اسے دوست رکھو[2]

بعض حکیمانہ مقولے:

فرماتے تھے کہ فقیہ وہ ہے جو خدا کے محارم سے بچتا رہے' اور عالم وہ ہے جو خدا کا خوف کرتا ہے۔ تم لوگ کم استعداد علماء اور جاہل عبادت گزاروں سے بچتے رہو[3]

عادات وخصائل:

شعبی طبعاً نہایت نرم خو اور حلیم تھے' حضرت حسن بصری فرماتے تھے کہ واللہ شعبی بڑے صاحب علم اور بڑے حلیم الطبع تھے[4] نرم خو ایسے تھے کہ کبھی اپنے غلام تک کو نہ ماتے تھے' صاحب اور اعزہ شناس تھے۔ جب ان کا کوئی عزیز قرض چھوڑ کر مر جاتا تھا' تو اپنی جیب سے اس کا قرض ادا کرتے تھے۔[5]

ظرافت وخوش طبعی:

علمی کمال کے ساتھ وہ بڑے ظریف' خوش طبع اور بذلہ سنج تھے۔ کان مزاحاً[6] ظرافت کا مادہ اتنا غالب تھا کہ بات بات میں لطائف پیدا کرتے تھے' ان کے بہت سے لطائف کتابوں میں مذکور ہیں[7]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۳۔ [2] ایضاً۔ [3] شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۷۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۶۷۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۷۰۔ [6] ایضاً۔ [7] ابن خلکان ج اول ص ۲۴۴۔

marfat.com

ایک مرتبہ ایک شخص نے ان سے پوچھا' ابلیس کی بیوی کا کیا نام ہے' جواب دیا میں اس کی شادی میں شریک نہیں ہوا تھا کہ معلوم ہوتا[1] ایک مرتبہ ایک شخص نے حرامی لڑکے کے بارے میں پوچھا کہ کیا تینوں (ماں باپ خود) میں سب سے زیادہ شر وہی ہوتا ہے' جواب دیا' اگر سب میں زیادہ شر وہی ہوتا تو اس کے پیٹ ہی میں ہونے کی حالت اس کی ماں سنگسار کر دی جاتی[2]

عمرو بن سعید کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ شعبی سے کہا کہ آپ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی تھی وہ اب میرے حافظہ سے جاتی رہی' انہوں نے کہا کچھ بتاؤ تو معلوم ہو' میں نے کہا کچھ بھی یاد نہیں۔ شعبی نے ایک حدیث سنا کر کہا یہ تو نہیں ہے' میں نے کہا نہیں' انہوں نے دوسری بیان کر کے کہا شاید یہ ہو۔ میں نے کہا یہ بھی نہیں' آخر میں انہوں نے یہ عاشقانہ شعر پڑھ کر کہا ممکن ہے یہ ہو[3]

هنيا مريا غير داء مخامر لعزة من اعواضنا استحلت

ایک مرتبہ حجاج نے پوچھا کہ عطاوك فی السنة سال میں تمہارا وظیفہ کتنا ہے (زبان کے لحاظ سے اس موقع پر فی السنة کہنا درست نہیں ہے) اس لیے شعبی نے بھی غلط جواب دیا' الفین (دو ہزار) حالانکہ الفین کے بجائے الفان کہنا چاہیے تھا۔ اس ٹوکنے پر حجاج نے اپنی غلطی محسوس کر کے فوراً اس کی تصحیح کی کم عطاء ك تمہارا وظیفہ کتنا ہے۔ اس وقت شعبی نے صحیح جواب دیا الفان حجاج نے کہا پہلے تم نے عربی میں کیوں غلطی کی۔ جواب دیا کہ امیر نے غلطی کی تھی' جب امیر نے صحیح کہا تو میں نے بھی تصحیح کر لی' میری مجال نہ تھی کہ امیر تو غلط بولیں اور میں صحیح بولوں[4]

ایک مرتبہ ایک شخص ان کے گھر ان سے ملنے گیا' گھر میں میاں بیوی دونوں تھے شعبی خلقۃً نہایت کمزور اور پست قامت تھے اس لیے آنے والے نے مذاق سے پوچھا شعبی ان میں سے کون ہے' شعبی نے بیوی کی طرف اشارہ کر دیا[5]

---

1 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۶۔ 2 تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۰۔
3 ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۴۔ 4 ابن خلکان ج ۱ ص ۳۴۴۔ 5 ایضاً۔

marfat.com

ایک مرتبہ ایک درزی سے مذاقاً پوچھا میرے پاس ایک ٹوٹا ہوا دانہ ہے۔ اس کو سی سکتے ہو۔ درزی بھی حاضر جواب تھا' بولا اگر آپ کے پاس ہوا کا تاگا ہو تو سی دوں گا[1]

ایک مرتبہ ایک نصرانی کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ اسلامی سلام کیا' ایک شخص نے اعتراض کیا' شعبی نے جواب دیا کہ اگر اس پر اللہ کی رحمت نہ ہوتی تو وہ ہلاک ہو گیا ہوتا اس لیے میں نے رحمۃ اللہ کہنے میں کیا غلطی کی۔[2]

اپنے بعض معاصرین کو جن سے زیادہ بے تکلفی تھی اپنی بذلہ سنجی سے اس قدر پریشان کرتے تھے کہ وہ ان کے پاس جاتے ہوئے گھبراتے تھے' ایک مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں غیاث کے لڑکے حفص نے غیاث سے کہا آپ جا کر شعبی سے پوچھ لیجیے غیاث نے کہا میں ان کے پاس کیسے جاؤں' وہ جب مجھے دیکھتے ہیں میرا مذاق اڑانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور مجھ سے کہتے ہیں تمہاری جو ہیئت ہوتی ہے' یہ تو جلاہوں کی ہیئت ہے' اور جب میں ابراہیم کے پاس جاتا ہوں تو وہ میری عزت کرتے ہیں[3]

شعبی کا تعلق دولت بنی امیہ سے:

اموی حکومت میں شعبی مختلف اوقات میں مختلف خدمات اور عہدوں پر مامور ہوتے رہے' حجاج انہیں بہت مانتا تھا' اس لیے اپنے دور امارت میں ان کو بہت آگے بڑھایا' ان کے وظیفہ میں اضافہ کیا' انہیں ان کے قبیلہ کا امام اور عریف (چودھری) بنایا' اور سرکاری وفود میں عبدالملک کے پاس بھیجتا تھا[4] ایک مرتبہ رتبیل والی سجستان کے یہاں سفیر بنا کر بھیجا۔ جہاں انہیں انعام واکرام ملا[5]

ایک اہم سفارت:

ان کے فہم وتدبر کی وجہ سے خود عبدالملک بعض اہم خدمات ان کے متعلق کرتا تھا اور بڑی سفارتوں میں ان کو بھیجتا تھا۔ خود شعبی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عبدالملک نے مجھ کو

---

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۷۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۶۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۔
[4] ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۳۔ [5] ایضاً ص ۱۷۷۔

marfat.com

ایک سفارت میں قیصر روم کے پاس بھیجا' قیصر نے مجھ سے جس قدر سوالات کیے میں نے سب کے شافی جواب دیئے' عموماً وہاں سفراء کے زیادہ دنوں ٹھہرنے کا دستور نہ تھا' لیکن اس نے مجھ کو بہت دنوں تک روکے رکھا' یہاں تک کہ میں گھبرا کر لوٹنے کے لیے آمادہ ہو گیا' اس وقت اس نے مجھ سے پوچھا کیا تم شاہی گھرانے سے ہو؟ میں نے کہا نہیں' بلکہ عام عربوں میں سے ہوں' یہ سن کر اس نے زیر لب کچھ کہا اور ایک رقعہ مجھے دیا کہ اپنے بادشاہ کو میرے پیغامات پہنچانے کے بعد یہ رقعہ دے دینا' میں نے واپس ہو کر پیغامات تو پہنچا دیئے مگر رقعہ دینا بھول گیا' دارالخلافہ سے نکلتے وقت رقعہ یاد آیا' میں نے واپس جا کر اس کو عبدالملک کے حوالہ کیا' اس نے پڑھ کر مجھ سے پوچھا قیصر نے رقعہ دینے سے پہلے تم سے کچھ کہا بھی تھا' میں نے کہا ہاں اس نے مجھ سے پوچھا تھا کہ کیا تم شاہی خاندان سے ہو میں نے جواب دیا نہیں میں عام عربوں سے ہوں' یہ کہہ کر میں واپس ہو گیا' دروازہ تک پہنچا تھا کہ عبدالملک نے پھر بلا لیا' اور پوچھا تم کو رقعہ کا مضمون معلوم ہے؟ میں نے کہا نہیں' اس نے پڑھنے کو کہا میں نے سے پڑھا تو اس میں لکھا تھا کہ ''مجھے اس قوم پر حیرت ہوتی ہے کہ ایسے شخص کے ہوتے ہوئے اس نے ایک دوسرے شخص کو بادشاہ کیسے بنایا'' یہ تحریر پڑھ کر میں نے عبدالملک سے کہا۔ خدا کی قسم اگر مجھے پہلے سے اس مضمون کا علم ہوتا تو میں کبھی اسے نہ لاتا' اس نے ایسا اس لیے لکھا کہ اس نے آپ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا' عبدالملک نے مجھ سے پوچھا تم سمجھے اس لکھنے کا مقصد کیا ہے' میں نے کہا نہیں۔ عبدالملک نے کہا مجھے تمہارے خلاف بھڑکا کر تمہارے قتل پر آمادہ کرنا چاہا ہے۔ قیصر کو عبدالملک کا یہ قیاس معلوم ہوا تو اس نے کہا واقعی میرا یہی مقصد تھا[1]

حجاج اور عبدالملک کی مخالفت:

لیکن اموی حکومت کے ساتھ ان کے یہ روابط زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکے' ابن اشعث کے ہنگامہ کے زمانہ میں شعبی نے حجاج اور عبدالملک کی مخالفت کے زمانہ میں

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۲۴۴۔

marfat.com

ابن اشعث کا ساتھ دیا' اس واقعہ کے متعلق ان کا بیان ہے کہ حجاج نے مجھ کو میری قوم کا عریف اور پورے ہمدان کا معتمد بنایا' اور وظیفہ مقرر کیا تھا' ابن اشعث کے ہنگامے تک اس کے یہاں میری قدر و منزلت قائم رہی' ابن اشعث کے انقلاب میں کوفہ کے قاریوں نے آ کر مجھ سے کہا کہ آپ قاریوں کے زعیم ہیں' اس لیے ہمارا ساتھ دیجیے' اور اتنا اصرار کیا کہ مجھے مجبوراً ان کے ساتھ جانا پڑا' چنانچہ میدان جنگ میں صفوں کے درمیان کھڑے ہو کر حجاج کے عیوب بیان کر کے لوگوں کو اس کے خلاف ابھارتا تھا[1]

شکست اور روپوشی:

دیر جماجم کے معرکہ میں ابن اشعث کو فاش شکست ہوئی اور اس کی قوت پارہ پارہ ہوگئی' اس وقت شعبی روپوش ہوگئے' ایک روایت یہ ہے کہ وہ حجاج کی سفاکیوں کے خوف سے نو مہینہ تک اپنے گھر کے دروازے بند کیے بیٹھے رہے' نو مہینہ کے بعد قتیبہ بن مسلم نے خراسان پر فوج کشی کا ارادہ کیا' اور لوگوں کو اس میں شرکت کی ترغیب دینے کے اعلان کرا دیا کہ جو شخص فوج میں بھرتی ہو جائے گا' اس کی گزشتہ خطائیں معاف کر دی جائیں گی' اس اعلان پر شعبی فوج میں شامل ہوگئے اور فرغانہ پہنچے' قتیبہ انہیں پہچانتے نہ تھے' ایک دن وہ مجلس عام میں بیٹھے ہوئے تھے' شعبی نے اپنی علمی خدمات ان کے سامنے پیش کیں کہ مجھے علم و فن میں درک ہے' قتیبہ نے پوچھا تم کون ہو' وہ اگرچہ انہیں پہچانتا نہ تھا لیکن نام سے واقف تھا' اس لیے شعبی نے کہا یہ نہ پوچھو' قتیبہ نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا' اس کو حجاج کے پاس فتوحات کی اطلاع بھیجنا تھی' اس نے ان کو مسودہ لکھنے کا حکم دیا' انہوں نے کہا مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں اور اسی وقت زبانی بول کر لکھوا دیا' قتیبہ نے اس تحریر کو بہت پسند کیا' اور اس کے صلہ میں ان کو ایک خچر اور حریر کا حلہ دیا' اس کے بعد شعبی بڑی قدر و منزلت کے ساتھ رہنے لگے' رات کو قتیبہ انہیں اپنے ساتھ دسترخوان پر کھلاتا تھا۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۷۔

marfat.com

گرفتاری:

حجاج شعبی کا انداز تحریر پہچانتا تھا' قتیبہ کا خط دیکھ کر پہچان گیا کہ شعبی کے علاوہ اور کوئی اس کا لکھنے والا نہیں ہو سکتا' چنانچہ فوراً قتیبہ کو لکھا کہ تمہارا خط لکھنے والے شعبی ہیں انہیں فوراً گرفتار کر لو' اگر وہ بچ کر نکل گئے تو تمہیں معزول کر کے تمہارے ہاتھ پاؤں کٹوا دوں گا۔ یہ حکم پڑھ کر قتیبہ نے شعبی سے کہا کہ میں نے اب تک آپ کو نہ پہچانا تھا۔ آپ آزاد ہیں جہاں آپ کا دل چاہے چلے جایئے۔ میں حجاج کے سامنے ہر قسم کی قسم کھا لوں گا' شعبی نے کہا اگر میں چلا بھی جاؤں تو میرا جیسا شخص چھپا نہیں رہ سکتا' قتیبہ نے کہا اسے آپ زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں' غرض ان کے انکار پر اس نے ان کو حجاج کے پاس بھجوا دیا' واسط کے قریب ان کے پیروں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں' کوفہ میں یزید بن ابی مسلم سے جوان سے ملنے کو آئے تھے' ملاقات ہوئی' انہوں نے ان سے کہا کہ ابو عمرو جب تم امیر کے سامنے پیش کیے جاؤ تو تم اس سے اس طرح سے اور یہ کہنا' امید ہے کہ تمہاری جان بچ جائے گی' غرض وہ پابجولاں حجاج کے سامنے پیش کیے گئے[1]

دوسری روایت میں اس واقعہ کی شکل یہ ہے کہ دیر جماجم کے معرکہ کے بعد شعبی عرصہ تک روپوش رہے' اور یزید بن مسلم کو لکھا کہ تم حجاج سے میری صفائی کرا دو' انہوں نے جواب دیا مجھ میں اتنی جرأت نہیں ہے' میرا یہ مشورہ ہے کہ تم خود چلے آؤ اور دربار عام کے وقت امیر کے سامنے دفعۃً جا کر اپنی غلطیوں کا اعتراف کر کے معذرت پیش کرو' اس کا میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم مجھے جس چیز کا شاہد بناؤ گے میں تمہاری صفائی میں گواہی دوں گا۔

رہائی:

شعبی نے اس مشورہ پر عمل کیا اور ایک دن دفعۃً حجاج کے سامنے پہنچ گئے اس نے دیکھتے ہی کہا اخاہ شعبی ہیں' پھر ان کے سامنے اپنے تمام احسانات جو ان پر کیے تھے گنائے' یہ ہر احسان کا اقرار کرتے جاتے تھے' آخر میں حجاج نے پوچھا تم نے عدو الرحمٰن

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۷۴ و ص ۷۵۔

marfat.com

(عبدالرحمٰن) کا ساتھ کیوں دیا' شعبی نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرکے ندامت ظاہر کی' ان کے اعتراف اور انفعال پر حجاج نے ان کی خطا معاف کردی۔[1]

قضات:

عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں کوفہ کے منصب قضاء پر مامور ہوئے۔[2]

وفات:

باختلاف روایت ۱۰۳ھ یا ۱۰۴ھ میں دفعۃً انتقال کیا' انتقال کے وقت ستر سال کی عمر تھی۔[3] لیکن ستر سال کی عمر صحیح نہیں معلوم ہوتی' اس لیے کہ وہ جلولا کے سال یعنی ۱۹ھ میں پیدا ہوئے' اور ۱۰۳ھ، ۱۰۴ھ میں انتقال ہوا اس حساب سے ستر سال سے کچھ اوپر عمر رہی ہوگی۔

حلیہ:

توام پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے خلقۃً نہایت کمزور اور نحیف تھے۔

---

۱ ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۵۔ ۲ ایضاً ص ۱۷۴۔ ۳ ایضاً ص ۱۷۸۔

marfat.com

۳۷۔ عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عامر نام' ابوعمر کنیت' نسب نامہ یہ ہے' عامر بن عبداللہ بن قیس بن ثابت بن اسامہ بن حذیفہ بن معاویہ تمیمی عنبری۔

تابعین کرام کا نمایاں اور مشترک وصف' ان کا علم وعمل اور خدمت علم دین تھا۔ لیکن ان میں ایک مختصر جماعت ایسی بھی تھی' جس نے نہ صرف تمام دنیاوی علائق کو چھوڑ دیا تھا بلکہ علم کی بساط بھی تہہ کر کے محض عبادت و ریاضت' یاد الٰہی اور تزکیہ روح کو اپنا مقصد قرار دیا تھا' عامر بھی اسی مقدس جماعت کے ایک ممتاز فرد تھے' حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ بڑے بلند مرتبہ اور مرتاض تابعین میں تھے' کعب احبار جو ایک تارک الدنیا تابعی تھے عامر کو ''امت محمدیہ کے راہب'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔[1]

عامر پر یہ رنگ ایسا گہرا تھا' اور ان کے ہر عمل میں ایسا نمایاں تھا کہ ان کی زندگی کے دوسرے حالات کو زہد وورع سے جدا کر کے دکھانا مشکل ہے' ان کا کوئی عمل اس روح سے خالی نہ تھا۔

عہد فاروقی:

عامر گو زاہد خلوت نشین تھے' لیکن شرف جہاد کے حصول کے لیے جنگی مہمات میں شریک ہوتے تھے' سب سے اول وہ عہد فاروقی میں مدائن کی مہم میں نظر آتے ہیں[2] اگرچہ تصریح کے ساتھ دوسری مہمات میں ان کی شرکت کا پتہ نہیں چلتا لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر مہمات میں شریک رہتے تھے' قتادہ کا بیان ہے کہ جب غزوات میں

---

[1] اصابہ ج ۵ ص ۸۶۔ [2] ایضاً۔

marfat.com

جاتے اور راستہ میں جھاڑیاں ملتیں اور ان سے کہا جاتا کہ اس میں شیر کا خوف ہے' تو جواب دیتے کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کا خوف کروں[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت:

حضرت عثمانؓ کے خلاف جو انقلاب برپا ہوا تھا' اس کے تین بڑے مرکز تھے' بصرہ' کوفہ اور مصر' اس انقلاب کے شعلوں کی لپیٹ میں بعض بڑے صحابہ تک آ گئے تھے۔ بصرہ عامر کا وطن تھا' گو وہ اس فتنے میں مبتلا نہ ہوئے تاہم ان کا دامن اس سے پاک بھی نہ رہ سکا اور وہ بھی مخالفین عثمان کے دام میں پھنس کر ان کے ساتھ ہو گئے ایک موقع پر اہل بصرہ نے انہیں حضرت عثمانؓ کے پاس اپنا نمائندہ بنا کر بھیج دیا' انہوں نے مدینہ جا کر حضرت عثمانؓ کے سامنے برملا اپنے خیالات ظاہر کیے کہ ''مسلمانوں کی ایک جماعت نے آپ کے اعمال کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آپ سے بہت سے برے افعال سرزد ہوئے ہیں' اس لیے خدا کا خوف کیجیے اور اس کے سامنے آئندہ کے لیے توبہ کیجیے' حضرت عثمانؓ ان کے حقیقی حالات سے اب تک ناواقف تھے' اس لیے ان کی باتیں سن کر فرمایا' لوگو ذرا انہیں دیکھو یہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر گفتگو کرنے کے لیے آئے ہیں' لوگ انہیں قاری سمجھتے ہیں' حالانکہ انہیں یہ بھی خبر نہیں کہ خدا ہے کہاں' عامر نے یہ کلمات سن کر قرآن کی اس آیت:

﴿ اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴾

''تمہارا رب تاک میں ہے''۔

کی طرف اشارہ کر کے کہا خدا کی قسم میں خوب جانتا ہوں وہ نافرمانوں کی تاک میں ہے[2] اس گفتگو کے بعد عامر بصرہ واپس چلے گئے۔

بعض مذہبی الزامات:

خلیفہ وقت کے ساتھ اس سیاسی اختلاف کے علاوہ عامر پر بعض مذہبی الزام بھی تھے' یا ان کی طرف منسوب کیے جاتے تھے کہ وہ شادی نہیں کرتے' گوشت نہیں کھاتے

---

[1] ابن سعد ج ۶ ق اول ص ۷۶۔ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۱۷۔

marfat.com

اپنے کو حضرت ابراہیمؑ سے بہتر یا ان کا مثل سمجھتے ہیں' حکومت کے ساتھ ان کا سیاسی اختلاف ہو ہی چکا تھا' اس لیے ان کے بعض مخالفین نے والی بصرہ کو ان باتوں کی خبر کر دی اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اطلاع دے دی وہاں سے تحقیقات کا حکم آیا اور صحت کی صورت میں شام بھیج دیئے جانے کی ہدایت ملی' اس حکم پر والی بصرہ نے عامر کے سامنے ان الزاموں کو پیش کر کے ان کا جواب طلب کیا' انہوں نے جواب دیا کہ میں نے عورتوں کو اس لیے چھوڑا ہے کہ جب بیوی ہوگی تو اولاد بھی ہوگی اور اولاد ہوئی کہ دنیا میرے دل میں بس جائے گی' گوشت اس لیے نہیں کھاتا کہ میں مجوسیوں کے ملک میں رہتا ہوں' اور اس کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی کہ ذبیحہ صحیح ہے اس لیے مجھے اس پر اطمینان نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے برتر ہونے کے سوال میں اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں دوں گا کہ میری آرزو ہے کہ کاش میں ان کے پاؤں کی خاک ہوتا جو ان کے قدموں سے لگ کر جنت میں جائے گی۔ ایک سیاسی الزام امراء و حکام دولت سے نہ ملنے کا تھا' اس کا جواب یہ دیا کہ تم لوگوں کے دروازوں پر حاجت مندوں کا ہجوم رہتا ہے' ان کی حاجت روائی کیا کرو' اور بے غرض لوگوں کو ان کے حال پر رہنے دو[1]

جلا وطنی:

اگرچہ مذہبی الزامات تحقیقات کے بعد غلط نکلے' لیکن سیاسی اور انتظامی حیثیت سے عامر بصرہ سے شام بھیج دیئے گئے' امیر معاویہؓ نے انہیں عزت و احترام کے ساتھ ٹھہرایا ان کی خدمت کے لیے ایک لونڈی مقرر کر کے اس کو ہدایت کر دی کہ ان کے حالات و مشاغل دیکھ کر انہیں اطلاع دیتی رہے' شام آنے کے بعد بھی ان کے معمولات و مشاغل میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ چنانچہ وہ روزانہ صبح سویرے گھر سے نکل جاتے تھے اور شام کی تاریکی میں واپس آتے' امیر معاویہؓ ان کے لیے کھانا بھیجتے تھے۔ عامر اس کو مطلق ہاتھ نہ لگاتے' کہیں سے روٹی کا ایک ٹکڑا لیتے آتے' اسی کو پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور وہی

---

[1] یہ واقعات ابن سعد کی مختلف روایات سے ماخوذ ہیں۔

marfat.com

پانی اوپر سے پی کر عبادت میں مصروف ہوجاتے اور رات سے صبح تک مصروف رہتے' لونڈی نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ حالات بتائے۔ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا جب آپ کو عامر کی اصل حقیقت معلوم ہوئی تو امیر معاویہ کو انہیں مقرب بنانے اور دس غلام اور دس سواریاں آپ کی خدمت میں پیش کرنے کا حکم دیا' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عامر کو اطلاع دی کہ امیر المومنین نے مجھے آپ کی خدمت میں دس غلام اور دس سواریاں پیش کرنے اور آپ کو مقرب بنانے کا حکم دیا ہے' انہوں نے جواب دیا ایک شیطان پہلے سے مسلط ہے' اسی کا بار کیا کم ہے کہ دس غلاموں کا بار اٹھاؤں' ایک خچر میرے پاس ہے' وہ سواری کے لیے کافی ہے' مجھ کو خوف ہے کہ قیامت کے دن خدا مجھ سے فاضل سواریوں کے متعلق باز پرس کرے گا۔ رہا عزت وتقرب تو اس کی مجھ کو کوئی خواہش نہیں ہے[1]

واپسی سے انکار اور شام کی مستقل اقامت:

عامر کے اصل حالات معلوم ہونے کے بعد امیر معاویہؓ نے ان سے کہا اگر چاہیں تو آپ بصرہ واپس جاسکتے ہیں' انہوں نے جواب دیا اب میں ایسے شہر میں واپس نہ جاؤں گا جہاں کے باشندوں نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا' اور شام ہی میں قیام کیا' لیکن حکومت کی نگرانی ان پر سے اٹھ گئی' اور وہ ساحلی علاقے کی طرف نقل گئے' کبھی کبھی امیر معاویہؓ سے ملنے کو چلے آتے تھے' امیر معاویہؓ ان سے ان کی ضروریات پوچھا کرتے' یہ ہمیشہ یہی جواب دیتے کہ میری کوئی ضرورت ہی نہیں ہے' جب معاویہ کا اصرار زیادہ بڑھا تو یہ فرمائش کی کہ "شام کے سرد موسم کی وجہ سے روزوں کی شدت اور چاشنی کا لطف جاتا رہا' اگر چہ ہو سکے تو بصرہ کی جیسی گرمی یہاں پیدا کردو"[2]

وطن سے بے تعلقی:

عامر جیسے بے نیاز شخص کے لیے وطن اور پردیس سب برابر تھے وطن میں ان کے کے لیے کوئی خاص کشش نہ تھی' پھر شام جیسی مقدس اور انبیاء وصلحاء کا موطن و مدفن سرزمین

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۸۔ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۱۵۔

marfat.com

مل گئی تھی اس لیے رہا سہا وطن سے جو تعلق تھا وہ بھی منقطع کر لیا اور وطن اور اہل وطن سب کو بھلا کر یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ بصرہ سے جو لوگ شام آتے اور ملنے کے لیے ان کے پاس جاتے ان کی ملاقات بھی عامر کے لیے خوشگوار باقی نہ رہ گئی تھی۔ قاضی عبیداللہ بن حسن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں شام گیا تو عامر سے ملاقات کے لیے انہیں تلاش کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک مقام پر ایک بوڑھی عورت کے یہاں آتے جاتے ہیں۔ میں اس عورت کے یہاں پہنچا اس نے کہا وہ شب و روز اس پہاڑ کے دامن میں روزہ نماز میں مشغول رہتے ہیں اگر تم ان سے ملنا چاہتے ہو تو افطار کے وقت جاؤ۔ اس وقت وہ ضرور ملیں گے' چنانچہ میں افطار کے وقت پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ عامر موجود تھے۔ میں نے سلام کیا انہوں نے صرف ایک شخص کا اور وہ بھی ایسے شخص کا حال پوچھا جس سے میں صرف ایک دن قبل مل چکا تھا۔ اپنے وطن اور اہل وطن کا کوئی حال دریافت نہ کیا یہ بھی نہ پوچھا کہ کون زندہ ہے کون مر گیا۔ کھانے تک کا اخلاق نہیں کیا۔

یہ خلاف امید باتیں دیکھ کر میں نے کہا میں آپ میں عجیب باتیں پاتا ہوں' فرمایا کیا؟ میں نے کہا آپ کو ہم لوگوں سے جدا ہوئے مدت گزر گئی لیکن آپ نے ان میں سے کسی کا حال نہیں پوچھا اور پوچھا بھی تو ایک ایسے شخص کا جس سے میں صرف ایک دن پہلے ملا تھا۔ فرمایا میں نے تم کو صالح پایا اس لیے تمہارے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ وطن سے تازہ وارد تھا آپ نے یہ بھی نہ پوچھا کہ کون مر گیا کون زندہ ہے؟ فرمایا ایسے لوگوں کے متعلق کیا پوچھتا کہ جو مر چکے وہ ختم ہو چکے اور جو نہیں مرے وہ عنقریب مرنے والے ہیں۔ میں نے کہا آپ نے شب کے کھانے کے متعلق بھی مجھ سے اخلاق نہیں کیا۔ فرمایا میں جانتا تھا کہ تم عمدہ غذا کھاتے ہو اس لیے خشک اور روکھی سوکھی روٹی کے لیے کیا پوچھتا۔

مجاہدات ونفس کشی:

عامر عبادت و ریاضت زہد و ورع اور مجاہدہ نفس کشی کی اس معراج تک پہنچ گئے تھے' جہاں کسی دنیاوی دل فریبی اور آرام و راحت کا گزر نہ تھا' انہوں نے نفس کشی اور مجاہدات کو اپنا مقصد حیات بنا لیا تھا' ایک زمانہ میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہو سکا تو زندگی کا

marfat.com

صرف ایک مقصد بنالوں گا[1] انہوں نے اس عزم کو اس کامیابی کے ساتھ پورا کیا کہ دنیا کی ان تمام نعمتوں اور لذتوں کو جن سے اس مقصد عظیم میں خلل پڑنے کا احتمال تھا چھوڑ دیا وہ خدا سے دعا کیا کرتے تھے کہ میرے دل سے عورتوں کی خواہش دور کردے کہ یہ شے میرے دین کے لیے سب سے خطرناک ہے۔ اپنے ماسوا کا خوف دل نکال دے اور آنکھوں سے نیند کو اڑا دے کہ جس طرح چاہوں آزادی سے رات دن تیری عبادت کرسکوں' خدانے ان کی پہلی دعائیں قبول کیں لیکن ایک عرصہ تک نیند پر پورا قابو حاصل نہ ہوسکا۔ آپ فرماتے تھے کہ دنیا چار چیزوں کا نام ہے' خواب وخور۔ دولت اور عورت' دو چیزوں یعنی عورت اور مال سے میں نے نفس کو روک لیا ہے۔ مال کی مجھے حاجت نہیں اور عورت اور دیوار میرے نزدیک برابر ہیں البتہ نیند اور کھانے پر ابھی پورا قابو نہیں ہے لیکن خدا کی قسم میں ان دونوں خواہشوں کو مٹانے میں پوری کوشش صرف کردوں گا۔[3]

چنانچہ نیند اڑانے اور بھوک کو بہلانے کی یہ تدبیر نکالی تھی کہ رات بھر جاگ کر عبادت کرتے تھے اور دن کو روزہ رکھ کر سوتے تھے[4] شام کے زمانہ قیام میں سارا دن روزے میں گزرتا تھا اور پوری رات نماز میں بسر ہوتی تھی غذا میں صرف روکھی روٹی ہوتی تھی جس کو پانی میں بھگو کر کھالیتے تھے'[5] اس مجاہدہ ریاضت نے جسم کو ایسا زار ونزار کردیا تھا' کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا تھا' ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ آپ اپنے اوپر بڑا ظلم کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے ہاتھوں کا چمڑا پکڑ کر فرمایا' خدا کی قسم اگر ہوسکا تو اس کو ایسا بنادوں گا کہ زمین کو اس سے بہت کم تخمی تری ملے[6] ماسوا اللہ سے بے خوفی کا یہ حال تھا کہ وحشی حیوانوں تک سے نہیں ڈرتے تھے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ عامر جب غزوات میں شریک ہوتے تھے اور راستہ میں جھاڑیاں ملتیں اور ان سے کہا جاتا کہ ان میں شیر کا ڈر ہے تو جواب دیتے کہ مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کے سوا کسی کا خوف کروں[7]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۸'۷۹۔ [2] ایضاً ص ۷۵۔ [3] ایضاً ص ۷۵۔

[4] ایضاً ۸۰۔ [5] ایضاً ص ۷۷۔ [6] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۶۔ [7] ایضاً۔

marfat.com

عبادت میں اخفا:

عبادت میں ہمیشہ اخفا کا اہتمام رکھتے اور عام نگاہوں سے چھپ کر عبادت کرتے تھے۔ ان کے ایک شریک سفر کا جو کسی جہاد میں ہمراہ تھے بیان ہے کہ ایک مہم میں میرا اور عامر کا ساتھ ہو گیا ایک جھاڑی کے پاس منزل ہوئی۔ عامر نے اپنا سامان ایک جگہ جمع کیا اور گھوڑے کو باندھ کر اس کے سامنے چارہ ڈال کر جھاڑی میں گھس گئے۔ میں نے طے کیا کہ آج میں ان کو ضرور دیکھوں گا کہ وہ رات کو کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کی نگرانی شروع کی وہ جا کر ایک ٹیلہ پر نماز میں مشغول ہو گئے اور صبح تک نماز پڑھتے رہے۔

طلوع صبح کے وقت انہوں نے یہ دعا مانگی۔ خدایا میں نے تجھ سے تین چیزیں مانگی تھیں دو تو نے عطا فرمائیں اور ایک نہیں دی۔ خدایا وہ بھی دے دے کہ میں حسب خواہش تیری عبادت کر سکوں۔ یہ دعا کرتے کرتے صبح ہو گئی۔ اس وقت مجھ پر ان کی نظر پڑی۔ مجھے دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے تم رات بھر میری نگرانی کرتے رہے۔ میں ابھی تم کو بتاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ مجھ پر بڑے زور سے بگڑے۔ میں نے بھی درشت لہجہ میں جواب دیا کہ اس ہنگامہ آرائی کو جانے دیجیے آپ نے دعا میں خدا سے جن باتوں کے چاہنے کا ذکر کیا۔ ان کو بتائیں ورنہ رات کا سارا ماجرا لوگوں پر ظاہر کر دوں گا۔ انہوں نے کہا دیکھو ایسا نہ کرنا۔ میں نے کہا نہیں ایسا ضرور کہوں گا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں باز آنے والا نہیں ہوں تو کہا اچھا میں بتائے دیتا ہوں لیکن جب تک میں زندہ رہوں اس وقت تک کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ میں نے خدا کو درمیان میں ڈال کر رازداری کا وعدہ کیا' اس وقت انہوں نے کہا میں نے اپنے رب سے چاہا تھا کہ وہ میرے دل سے عورت کی خواہش نکال دے جو میرے دین کے لیے سب سے خطرناک ہے۔ خدا نے اسے قبول کر لیا' اور اب میرے نزدیک عورت اور دیوار دونوں برابر ہیں' دوسری دعا یہ تھی کہ میرے دل میں اس کے علاوہ اور کسی کا خوف باقی نہ رہے' چنانچہ اب میں کسی سے نہیں ڈرتا' تیسری دعا یہ تھی کہ میری نیند اڑ جائے تاکہ رات دن جب چاہوں عبادت کر سکوں' یہ دعا قبول نہ ہوئی[1]

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۵۔

marfat.com

بعض شکوک کا ازالہ:

اگرچہ بظاہر اس نفس کشی کی سرحد رہبانیت سے ملتی ہوئی معلوم ہوتی ہے' لیکن مقربین بارگاہ کے لیے یہ منزل بھی ابتدائی ہے۔ ''جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے''۔ خود ان کے زمانہ میں لوگوں نے ان کے اس راہبانہ تقشف پر اعتراضات کیے تھے اور انہوں نے اس کے جو جوابات دیئے تھے ان سے بڑی حد تک ظاہری شکوک رفع ہو جاتے ہیں' ایک شخص نے ان کی تجرد کی زندگی کے خلاف دلیل پیش کی:

﴿ قَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ﴾

''ہم نے تمہارے پہلے بہت سے رسول بھیجے' اور ان کے لیے جوڑے اور اولاد بنائی''

یعنی جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو خدا کے سب سے بڑے عبادت گزار بندے تھے' ازدواج نہیں چھوڑا تو ایک معمولی انسان کے لیے اس کا جواز کیوں ہو سکتا ہے۔

عامر نے قرآن ہی سے اس کا جواب دیا:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ﴾

''ہم نے جن اور انس کو صرف عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے''۔

ایک اور شخص نے کہا آپ شادی کیوں نہیں کرتے' انہوں نے اس کی یہ نفسیاتی توجیہ بیان کی کہ مجھ میں نہ نشاط و امنگ ہے اور نہ مال دولت ایسی حالت میں میں کیوں کسی مسلمان عورت کو دھوکا دوں[1]

ایک مرتبہ کچھ لوگ ایک موقع پر کہہ رہے تھے کہ عامر گوشت اور چربی نہیں کھاتے' مسجد میں نماز نہیں پڑھتے' شادی نہیں کرتے' آج تک ان کے جسم نے دوسرے جسم کو مس نہیں کیا ہے' اور وہ اپنے کو ابراہیم علیہ السلام کے مثل سمجھتے ہیں۔ مؤکل بن یسار نے یہ باتیں سنیں تو وہ اس کی تصدیق یا تردید کے لیے عامر کے پاس گئے اور ان سے کہا آپ کے متعلق لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں آپ کیا فرماتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۷۔

marfat.com

مجھے گوشت کھانے کی خواہش ہوتی ہے تو خود بکری ذبح کر کے کھاتا ہوں چربی بھی کھاتا ہوں مگر وہاں سے (بادیہ کی طرف اشارہ کر کے بتایا) آئی ہوئی روزانہ کی نمازیں مسجد میں نہیں پڑھتا لیکن جمعہ کی نماز باجماعت پڑھتا ہوں۔ بقیہ نمازیں یہاں اپنے مقام پر ادا کرتا ہوں۔ شادی اس لیے نہیں کرتا کہ میرے ایک ہی نفس ہے مجھے ڈر ہے کہ شادی کے بعد وہ مجھے مغلوب نہ کر لے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں ابراہیم علیہ السلام کے مثل ہوں البتہ یہ ضرور کہتا ہوں کہ مجھ کو خدا سے امید ہے کہ وہ مجھے نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صلحاء کے ساتھ رکھے گا یہ لوگ بہترین رفیق ہیں۔[1] ان اعتراضوں کے انہوں نے اور بھی جواب دیئے ہیں جو اوپر گزر چکے ہیں۔

جہاد فی سبیل اللہ:

اگرچہ عامر گوشہ عزلت کے خیال سے پہاڑوں کے دامنوں میں، ویرانوں میں اور نامعلوم مقامات پر عبادت کیا کرتے تھے لیکن اس عزلت نشینی نے انہیں محض حجرہ نشین زاہد نہ بنا دیا تھا بلکہ ان کی رگوں میں جہاد کا خون دوڑتا رہتا تھا۔ چنانچہ بعض مہمات میں ان کی شرکت کے واقعات اوپر مختلف سلسلوں کے ماتحت گزر چکے ہیں، ان کا معمول تھا کہ جب وہ کسی جہاد میں جانے لگتے تو پہلے موافق مزاج رفیق تلاش کرتے جب وہ مل جاتا تو اس سے کہتے کہ میں اس شرط پر تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں کہ تم تین باتوں کی مجھے اجازت دو، ایک یہ کہ میں تمہارا موذن رہوں، دوسرے یہ کہ خدمت گزاری کروں اور اس میں کوئی شخص خلل اندازی نہ کرے تیسرے، اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق تم پر صرف کروں، اگر وہ ان باتوں کو مان لیتا تو عامر اس کے ساتھ ہو جاتے، ورنہ اس کا ساتھ چھوڑ کر دوسرا ساتھی تلاش کرتے[2] اپنی سواری پر دوسرے مجاہدین کو باری باری سوار کرتے تھے۔[3]

ان کا جہاد خالصۃً لوجہ اللہ ہوتا تھا، اسماء بن عبید کا بیان ہے کہ عامر عنبری ایک مہم میں تھے، جنگ میں ایک بڑے دشمن کی لڑکی ہاتھ آئی، لوگوں نے عامر کے سامنے اس کے اوصاف بیان کیے انہوں نے سن کر کہا میں بھی مرد ہوں مجھے یہ لڑکی دے دو، ان کی اس

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۵۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۸۔ [3] ایضاً ص ۷۸۔

marfat.com

غیر متوقع خواہش پر لوگوں نے نہایت مسرت کے ساتھ لونڈی ان کے حوالے کر دی۔ جب وہ ان کے قبضہ میں آ گئی تو اس سے کہا تم لوجہ اللہ آزاد ہو' لوگوں نے ان سے کہا آپ اس کے بدلہ میں دوسری لونڈی آزاد کر سکتے تھے' انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنے رب سے ثواب چاہتا ہوں[1]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے جہاد میں بھی ان کی تیغ زبان بے نیام رہتی تھی اور خدا کے رسول کے احکام کی پامالی پر جوش غضب سے لبریز ہو جاتے تھے' ایک مرتبہ رحبہ میں ایک راستہ سے گزر رہے تھے کہ دیکھا ایک ذمی کو لوگ پکڑے ہوئے اس پر ظلم کر رہے ہیں' پہلے انہوں نے زبانی نصیحت کر کے ان کو روکنے کی کوشش کی مگر جب وہ باز نہ آئے تو عامر کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے کہا تم لوگ جھوٹ کہتے ہو میں اپنی زندگی میں ذمۃ اللہ کے ساتھ بدعہدی نہیں دیکھ سکتا اور ذمی کو زبردستی چھڑا لیا۔[2]

امراؤ سلاطین سے بے نیازی:

امراء اور ارباب دول سے ان کی بے نیازی بیزاری کی حد تک پہنچی ہوئی تھی' وہ ان سے ملنا بھی پسند نہ کرتے تھے' ان پر جو الزام قائم کیے گئے تھے' ان میں ایک الزام امراء اور حکام سے نہ ملنے کا بھی تھا' جس کا انہوں نے یہ جواب دیا تھا کہ تم لوگوں کے یہاں خود ہی حاجت مندوں کا ہجوم لگا رہتا ہے' ان کی حاجتیں پوری کیا کرو' اور بے غرض لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔[3] وہ خلفاء و سلاطین کسی سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انہوں نے جس جرأت اور بے باکی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا اس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے' اسی طرح معاویہؓ کے عہد خلافت میں بصرہ کے قراء کا ایک وفد شام بھیجا گیا' اس میں ایک عامر بھی تھے' مضارب بن حزن نے جو وفد میں بھیجنے والوں میں تھے' امیر معاویہؓ سے پوچھا آپ نے ہمارے قراء

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۹۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۹۔ [3] ایضاً ص ۷۹۔

marfat.com

کو جنہیں ہم نے وفد کے ساتھ بھیجا تھا' کیسا پایا' انہوں نے کہا ایک شخص کے علاوہ باقی سب جھوٹی تعریفیں اور فضول گوئی کرتے ہیں' جھوٹ لے کر آتے ہیں' اور خیانت لے کر واپس جاتے ہیں' صرف ایک شخص طبیعت کا مرد ہے۔ ہم لوگوں نے پوچھا امیر المومنین وہ کون شخص' جواب دیا' عامر بن قیس [1]

اگر کبھی کوئی امیر یا عہدہ دار خود ان کے پاس آتا تو اس کے ساتھ بھی یہی طرز عمل رہتا۔ ایک مرتبہ کسی غزوہ میں گئے ہوئے تھے' راستہ میں ایک مقام پر منزل ہوئی۔ عامر ایک کنیسہ کے احاطہ میں اترے اور ایک آدمی کو متعین کر دیا' کہ کوئی شخص اندر نہ آنے پائے' تھوڑی دیر کے بعد اس شخص نے آ کر اطلاع دی کہ امیر آنے کی اجازت چاہتے ہیں' عامر نے اندر بلا لیا' جب وہ آیا تو اس سے کہا میں تم کو خدا کی قسم دلاتا ہوں' کہ تم مجھ کو دنیا کی ترغیب نہ دلانا' اور آخرت کو میری نگاہ سے نہ گرانا [2]

دو دوست:

حقیقت یہ ہے کہ عامر جس عالم میں تھے وہاں تعلقات و مراسم دنیاوی کا گزر ہی نہ تھا' چنانچہ ان کی نہ صرف امراء بلکہ کسی سے بھی راہ و رسم نہ تھی' ساری دنیا میں ان کی محبت صرف مطرف بصری کے حصہ میں آئی تھی' عورتوں میں ایک ادنیٰ درجہ کی بکری چرانے والی عورت سے اس کے اوصاف کی بنا پر ہمدردی ہوگئی تھی' لیکن اس سے ربط بھی قائم نہ ہونے پایا تھا کہ وہ مرگئی۔

مطرف کے ساتھ مجذوبانہ محبت تھی' چنانچہ بصرہ چھوڑتے وقت ان سے رخصت ہونے کے لیے شب میں کئی مرتبہ مطرف کے گھر گئے اور ہر مرتبہ ان سے کہتے تھے کہ ''میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں خدا کی قسم تمہاری محبت مجھ کو بار بار تمہارے پاس لاتی ہے [3]

عورت کا قصہ یہ ہے کہ ایک مسکین اور عابدہ عورت چند بدویوں کی بکریاں چرایا کرتی تھی اور ان کی ہر قسم کی وحشیانہ سختیاں جھیلتی تھی۔ عامر کے ساتھ معنوی مماثلت کی وجہ سے بعض لوگوں نے عامر سے کہا کہ فلاں عورت تمہاری بیوی ہے اور جنتی ہے۔ عامر اس

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۸۔ [2] ایضاً ص ۸۷۔ [3] ایضاً ص ۸۰۔

marfat.com

کی تلاش میں نکلے' اس عورت کی زندگی یہ تھی کہ دن بھر وحشی اور بدخو بدویوں کی بکریاں چراتی تھی' شام کو جب بکریاں لے کر واپس آتی تو بدوی گالیوں کی بوچھاڑ سے اس کا استقبال کرتے' اور اس کے سامنے روٹی کے دو ٹکڑے پھینک دیتے۔ یہ انہیں اٹھا لیتی' اور ان میں سے ایک لے جا کر اپنے گھر والوں کو دیتی تھی' خود دن بھر روزے سے رہتی تھی' شام کو دوسرے ٹکڑے سے افطار کرتی' عامر تلاش کر کے اس کے پاس پہنچے' جب وہ بکریاں چرانے کے لئے نکلی تو عامر بھی ساتھ ہو گئے' ایک مقام پر پہنچ کر عورت نے بکریوں کو چھوڑ دیا' اور نماز میں مصروف ہو گئی۔ عامر نے اس سے کہا کہ اگر تمہاری کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے بیان کرو' اس نے کہا میری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب عامر کا اصرار زیادہ بڑھا تو اس نے کہا میری خواہش ہے کہ میرے پاس دو سفید کپڑے ہوتے جو میرے کفن کے کام آتے' عامر نے اس سے پوچھا وہ لوگ (بدوی) تم کو گالیاں کیوں دیتے ہیں' اس نے جواب دیا اس میں مجھے خدا سے اجر کی توقع ہے' اس گفتگو کے بعد عامر اس کے آقاؤں کے پاس گئے اور ان سے کہا تم لوگ اپنی لونڈی کو گالیاں کیوں دیتے ہو' انہوں نے جواب دیا کہ اگر ہم ایسا نہ کریں تو وہ ہمارے کام کی نہ رہے۔

عامر نے کہا اچھا اس کو تم لوگ بیچو گے۔ انہوں نے کہا ہم کسی قیمت پر بھی اسے الگ نہ کریں گے' یہ جواب سن کر عامر لوٹ گئے اور لونڈی کی خواہش کے مطابق دو سفید کپڑے مہیا کر کے اس کے پاس گئے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق کہ اس وقت لونڈی اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ عامر نے اس کے آقاؤں سے اجازت لے کر اس کی تجہیز و تکفین کی۔[1] اس طرح دنیا میں انہیں ایک عورت سے ہمدردی بھی پیدا ہوئی تو یوں ختم ہو گئی۔

صدقات وخیرات:

عامر بڑے مخیر و فیاض تھے' مجاہدین کی مالی خدمت کا واقعہ اوپر گزر چکا ہے۔ ان

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۵۔

marfat.com

کو دو ہزار وظیفہ ملتا تھا' جس وقت ملتا اسی وقت سے راستے میں انہیں جس قدر سائل ملتے انہیں تقسیم کرتے ہوئے گھر آتے[1]

دشمن کے لیے دعا:

ان کی زبان کسی کی بدی سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ کسی کے لیے ان کی زبان سے کبھی بددعا نکلی' اپنے دشمنوں کے لیے بھی دعا ہی کرتے تھے' چنانچہ جن لوگوں نے انہیں وطن سے نکلوایا تھا۔ ان کے حق میں بددعا کرتے تھے کہ خدایا جن لوگوں نے میری چغلی کھائی ہے اور مجھ کو میرے وطن سے نکلوایا ہے' اور میرے بھائیوں سے مجھ کو جدا کرایا ہے' ان کے مال اور ان کی اولاد میں ترقی دے' انہیں تندرست رکھ اور ان کی عمر بڑھا[2]

ایک قابل ذکر خواب:

ان کے متعلق ایک شخص کا خواب لائق ذکر ہے' جس سے ان کے روحانی مرتبہ کا اندازہ ہوتا ہے' سعید بن جزری کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص کو خواب میں جمال نبوی ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا' اس شخص نے آپ سے التجا کی کہ حضور ﷺ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں' آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لیے عامر دعا کر رہے ہیں' اس شخص نے عامر سے یہ خواب بیان کیا' یہ لطف و کرم سن کر ان پر اتنی رقت طاری ہوئی کہ ہچکی بندھ گئی[3]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۷۵۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً ص ۸۰۔

marfat.com

۳۸۔ عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبداللہ نام' ابوعبدالرحمٰن کنیت' مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے' عبداللہ بن عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کابل بن الحارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل ہذلی۔

عبداللہ عہد رسالت میں پیدا ہو چکے تھے' اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنا ہوش بھی ہوگیا تھا کہ آپ کو دیکھا تھا' اور آپ کے متعلق بعض واقعات ان کے حافظہ میں محفوظ تھے' اسی لیے عقیلی نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے' لیکن یہ صحیح نہیں ہے' وہ عہد رسالت میں پیدا ضرور ہوئے' لیکن حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بالکل بچہ تھے' اکثر ارباب سیر کا فیصلہ یہی ہے کہ وہ تابعی ہیں' چنانچہ علامہ ابن سعد نے تابعین ہی کے زمرہ میں ان کے حالات لکھے ہیں' حافظ ابن عبدالبر نے اگرچہ احتیاطاً استیعاب میں ان کے حالات لکھ دیئے ہیں' لیکن ان کے نزدیک بھی وہ صحابی نہیں ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ عقیلی نے صحابہ میں ان کا ذکر کیا ہے' لیکن یہ سراسر غلط ہے البتہ وہ کبار تابعین میں ہیں۔[1]

بعض لوگ ان کی صحابیت پر یہ دلیل لاتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو والی بنایا تھا' اور وہ غیر صحابی کو کسی عہدہ پر مقرر نہیں کرتے تھے' لیکن یہ کوئی قطعی دلیل نہیں ہے۔

فضل وکمال:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ذات سے ان کا گھر علم وعمل کا گہوارہ تھا' عبداللہ بن عتبہ نے اسی گہوارہ میں پرورش پائی تھی' اس لیے گھر کی یہ دولت ان کے حصہ میں

---

[1] استیعاب ج اول ص ۳۹۰۔

marfat.com

آئی' چنانچہ وہ مدینہ کے ممتاز علماء میں تھے اور حدیث اور فقہ وغیرہ مذہبی علوم میں پوری دستگاہ رکھتے تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة رفيعا' كثير الحديث والفتياء فقيها''[1]

حدیث میں انہوں نے اپنے چچا عبداللہ بن مسعود' عمار بن یاسر' ابوذر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایتیں کی ہیں' ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے عبیداللہ' عون اور حمید بن عبدالرحمٰن' معاویہ بن ابن عبداللہ بن جعفر' ابواسحاق سبیعی' عامر الشعبی' عبداللہ بن معید زمانی اور محمد بن سیرین وغیرہ قابل ذکر ہیں[2]

وفات:

عبدالملک کے عہد خلافت میں بشر بن مروان کی ولایت عراق کے زمانہ میں وفات پائی[3]

اولاد:

عبداللہ اولاد کی جانب سے بڑے خوش قسم تھے' ان کے ایک لڑکے مدینہ کے بڑے نامور عالم اور وہاں کے سات مشہور فقہا میں سے ایک تھے' ان کے حالات آئندہ آئیں گے اور عون زہد وورع میں مشہور تھے[4]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۴۲۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۱۱۔

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۲۔ [4] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۷۸۔

marfat.com

۳۹۔ عبداللہ بن عون رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبداللہ نام' ابوعون کنیت' عبداللہ بن درہ مزنی کے غلام تھے۔

پیدائش:

سیل جارف کے تین سال قبل پیدا ہوئے[1]

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے کوفہ کے اکابر علماء میں تھے' امام ثوری کہتے تھے کہ میں نے ایوب یونس تیمی اور ابن عون جیسے فضلا کسی ایک شہر میں اکٹھا نہیں دیکھے[2]

حدیث:

اگرچہ عبداللہ جملہ مذہبی علوم میں دستگاہ رکھتے تھے' لیکن حدیث نبوی ﷺ سے ان کو خاص ذوق تھا' اور اس میں امتیازی پایہ رکھتے تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں۔ کان ثقة كثير الحديث[3]

انہوں نے اس عہد کے تمام اکابر محدثین کا علم اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا' ابن مدائنی کا بیان ہے کہ ابن عون نے ایسی مستند احادیث محفوظ کی تھیں' جو ان کے کسی ساتھی کے حصہ میں نہ آئی ہوں گی' مدینہ کے ممتاز محدثین میں انہوں نے سالم اور قاسم' بصرہ کے محدثین میں حسن بصری اور ابن سیرین اور کوفہ کے محدثین میں امام شعبی اور امام نخعی' مکہ کے محدثین میں عطاء اور مجاہد' اور شام کے محدثین میں مکحول اور رجاء بن حیوہ سے سماع حدیث کیا تھا۔[4] اس

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۵۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۷۔

[3] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۲۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۷۔

marfat.com

طرح اس عہد کے تمام مراکز حدیث کے اکابر محدثین کی حدیثیں انہوں نے حاصل کر لی تھیں۔

ان کے علاوہ اور بہت سے علماء سے بھی مستفید ہوئے تھے' ان میں بعضوں کے نام یہ ہیں' ثمامہ بن عبداللہ بن انس' انس بن سیرین' زیاد بن جبیر بن حیہ' عبدالرحمٰن ابن ابی بکرہ' موسیٰ بن انس بن مالک' ہشام بن زید بن انس' سعید بن جبیر اور نافع وغیرہ[1]

ان بزرگوں کے فیض نے ابن عون کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا' ابن مہدی کا بیان ہے کہ عراق میں ابن عون سے بڑا سنت کا عالم کوئی نہ تھا[2]

ابن مبارک کہتے تھے کہ میں نے ملاقات سے پہلے جن جن لوگوں کا تذکرہ سنا تھا ان میں ابن عون' حیوۃ اور سفیان کے علاوہ باقی سب کو ملنے کے بعد کم پایا' مگر ابن عون سے ملنے کے بعد دل چاہتا تھا کہ ہمیشہ کے لیے ان کے دامن سے وابستہ ہو جاؤں اور مرتے دم تک جدا نہ ہوں[3]

ایک مرتبہ ہشام بن حسان نے ایک حدیث بیان کی' کسی نے پوچھا یہ حدیث کس سے سنی' جواب دیا' اس شخص سے جس کا مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا' انہوں نے حسن بصری اور ابن سیرین کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا[4]

روایت حدیث میں خوف واحتیاط:

اس وسعت علم کے باوجود حدیث بیان کرنے میں بڑے محتاط تھے انہوں نے روایت حدیث کے خوف سے راستہ نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ بکار بن محمد کا بیان ہے کہ ابن عون نے مجھ سے کہا کہ بھتیجے لوگوں نے میرا رستہ بند کر دیا' میں اپنی ضرورت کے لیے بھی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا' بکار کہتے کہ اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ لوگ ان سے حدیثیں پوچھتے تھے[5]

تاہم انہوں نے روایت حدیث کا دروازہ بالکل بند نہیں کر دیا تھا۔ اور علماء کی مصدقہ حدیثیں بیان کرتے تھے' بکار روایت کرتے ہیں کہ ابن عون نے کوفہ میں بڑا علم

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۷۔ [2] ایضاً ص ۳۴۸۔

[3] ایضاً [4] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۷۔ [5] ایضاً ص ۲۵۔

marfat.com

حاصل کیا اور اس کو محمد کے سامنے پیش کیا' محمد نے سن کر جس حدیث پر پسندیدگی ظاہر کی' اس کو ابن عون نے بیان کیا' باقی احادیث چھوڑ دیں [1]

تلامذہ:

ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے ائمہ تھے' اعمش' سفیان ثوری' شعبہ اور ابن مبارک وغیرہ۔ عام تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا' ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں' داؤد بن ابی ہند' یحییٰ القطان' عباد بن العوام' ہشیم' یزید بن زریع' ابن علیہ' بشر بن مفضل' معاذ بن معاذ' یزید بن ہارون' ابوعاصم اور محمد بن عبداللہ انصاری وغیرہ [2]

فضائل اخلاق:

علم سے زیادہ ان کا طغرائے کمال ان کا زہد و ورع اور ان کے اخلاقی و روحانی فضائل تھے' ابن حبان کا بیان ہے کہ ابن عون عبادت و ریاضت زہد و ورع فضل و کمال پابندی سنت اور اہل بدعت پر تشدد میں اپنے زمانہ کے سرداروں میں تھے [3]

عقیدہ میں تشدد:

عقائد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاک اوصاف عقیدہ کے پابند تھے اور اس میں مبتدعانہ خیالات کی آمیزش کو سخت ناپسند کرتے تھے' اور ایسے لوگوں کو سلام تک نہ کرتے تھے [4] ایک مرتبہ ان کے سامنے قدر کا ذکر آیا' انہوں نے کہا میری عمر اس عقیدہ کی عمر سے زیادہ ہے۔ میں نے سعید جہنی اور سنہویہ کے علاوہ اسلاف میں کسی کو اس کا ذکر کرتے ہوئے نہیں سنا' یہ خیال شر ہے [5]

عبادت:

ان کے زہد و ورع اور عبادت و ریاضت نے ابن سیرین کو بھلا دیا تھا' قرہ کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو ابن سیرین ہی کے ورع پر حیرت ہوتی تھی' ابن عون نے انہیں

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۷۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۷۷۔

[3] ایضاً صفحہ ۳۴۸۔ [4] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۵۔ [5] ایضاً ص ۲۷۔

marfat.com

بھی بھلا دیا[1] ان کا سب سے بڑا شغل عبادت تھا' نماز فجر کے بعد قبلہ رو بیٹھ کر ذکر کرتے تھے' طلوع آفتاب کے بعد اشراق کی نماز پڑھ کر لوگوں سے مخاطب ہوتے[2] ہر رات کوئی سورکعتیں پڑھتے تھے' اگر کسی شب کو ناغہ ہو جاتا تو دن کو پورا کرتے[3] گھر کے احاطہ میں ایک خاص مسجد تھی' مغرب اور عشاء کے علاوہ باقی تین نمازیں اپنے لڑکوں' بھائیوں اور دوسرے حاضرین کے ساتھ اسی مسجد میں پڑھتے تھے۔

جمعہ اور عیدین میں بڑا اہتمام کرتے تھے' غسل کرکے بہترین لباس زیب تن کرتے' خوشبو لگاتے کبھی سواری پر اور کبھی پاپیادہ مسجد جاتے' جمعہ کی نماز پڑھ کر گھر لوٹ جاتے' اور سنتیں وغیرہ گھر ہی پر پڑھتے' رمضان کے زمانہ میں عبادت بہت بڑھ جاتی تھی۔ فرض نماز باجماعت پڑھ کر گھر چلے آتے' اور تنہائی میں عبادت کرتے۔ تنہائی میں الحمد للہ ربنا کے ورد میں مشغول رہتے تھے[4] ایک دن درمیان دے کر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ اس معمول میں مرتے دم تک فرق نہ آیا[5]

جہاد فی سبیل اللہ کے لیے خاص طور سے ایک اونٹنی پال رکھی تھی جس کو بہت محبوب رکھتے تھے' بعض مہمات میں ان کی شرکت کی تصریح ملتی ہے' چنانچہ روم کی کسی جنگ میں شریک ہوئے تھے' اور ایک رومی سے مبارزطلبی کرکے اس کو قتل کیا تھا[6]

اصلاح نفس:

اپنے نفس کی اصلاح کے علاوہ دنیا کے اور مشغلوں میں کوئی دلچسپی نہ تھی بکار بن محمد روایت کرتے ہیں کہ ابن عون نہ کسی سے مذاق کرتے تھے' نہ کسی سے بحث و مناظرہ کرتے تھے۔ نہ شعر خوانی کرتے تھے' بس انہیں اپنے نفس کی اصلاح سے کام تھا[7]

احسان میں خفاء:

کسی کے ساتھ احسان کرکے اس کا اظہار برا سمجھتے تھے۔ بکار بن محمد کا بیان ہے

---

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۲۳۰۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۵۔ [3] ایضاً ص ۲۸۔
[4] ایضاً ص ۲۶۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۳۴۸۔ [6] ابن سعد ج ۵ ق ۲ ص ۲۸۔
[7] ایضاً ص ۲۵۔

marfat.com

کہ ابن عون جب کسی کے ساتھ کوئی سلوک کرتے تھے تو اس کو مخفی طریقہ سے کہ کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ دوسروں پر اس کا اظہار نہایت برا جانتے تھے[1]

قسم سے احتراز:

قسم کھانا اچھا نہ سمجھتے تھے' چنانچہ کبھی سچی قسم بھی نہ کھاتے تھے' بکار بن محمد بیان کرتے ہیں کہ میں ایک زمانہ دراز بلکہ ان کی موت تک ان کے ساتھ رہا' اس طویل مدت میں نے کبھی ان کو جھوٹی سچی کسی قسم کی قسم کھاتے نہیں دیکھا[2]

اخلاق:

نہایت خوش اخلاق' حلیم الطبع اور نرم خو تھے' کسی موقع پر بھی ان کی زبان سے کوئی ناروا کلمہ نہیں نکلتا تھا' بکار کا بیان ہے کہ میں نے ابن عون سے زیادہ زبان پر قابو رکھنے والا آدمی نہیں دیکھا' وہ اپنی لونڈی غلاموں بلکہ بکری اور مرغی تک کو کبھی گالی نہ دیتے تھے[3] جہاد کی جس اونٹنی کو بہت محبوب رکھتے تھے' ایک مرتبہ ایک غلام کو اس پر پانی لاد کر لانے کا حکم دیا' اس نے اس کو ایسی بے دردی کے ساتھ مارا کہ اس کی آنکھ بہہ گئی' لوگوں کو خیال ہوا کہ اگر انہیں کسی بات پر غصہ آ سکتا ہے تو غلام کی اس حرکت پر ضرور آئے گا۔

لیکن جب ان کی نظر اونٹنی کی پر پڑی تو غلام سے صرف اس قدر کہا سبحان اللہ خدا تم کو برکت دے کیا تم کو مارنے کے لیے چہرہ کے علاوہ اور کوئی عضو نہ ملتا تھا' اور اس کو گھر سے نکال کر آزاد کر دیا۔[4] یہ ان کی انتہائی خفگی تھی۔ اپنے دشمنوں کو بھی جن کے ہاتھوں ایذا پہنچتی تھی برا نہ کہتے تھے' ایک مرتبہ انہوں نے ایک عربی عورت سے شادی کی۔ بلال بن ابی بردہ نے اس عصبیت میں کہ ایک غلام نے ایک عربی عورت سے شادی کی انہیں کوڑوں سے پٹوایا۔

بکار کا بیان ہے کہ میں نے واقعہ کے بعد بھی ابن عون کی زبان سے بلال کے متعلق ایک لفظ نہیں سنا' ایک مرتبہ بعض لوگوں نے کہا کہ بلال نے آپ کے ساتھ نہایت برا سلوک کیا' فرمایا ایک آدمی مظلوم ہوتا ہے' لیکن پھر وہی ظلم کی شکایت کر کے ظالم بن

---

[1] ابن سعد ج ۵ ق ۲ ص ۲۸۔ [2] ابن سعد ج ۵ ق ۲ ص ۲۸۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً ج ۷ ص ۲۸۔

marfat.com

جاتا ہے۔ تم میں سے کوئی بھی بلال کے لیے مجھ سے زیادہ سخت نہیں ہے لیکن میں اس کی شکایت کر کے ظالم نہیں بنوں گا۔[1]

حب رسول ﷺ:

ذات نبوی ﷺ کے ساتھ والہانہ شیفتگی رکھتے تھے چنانچہ ان کی سب سے بڑی تمنا یہ تھی کہ ایک مرتبہ خواب ہی میں رخ انور کی زیارت ہو جاتی' خدا نے ان کی یہ تمنا پوری کی' وفات سے کچھ دنوں پہلے خواب میں دیدار جمال نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے' اس شرف پر ایسے وارفتہ ہوئے کہ بالا خانہ سے اتر کر فوراً مسجد میں آئے اور انتہائی مسرت میں گر پڑے پیروں میں چوٹ آئی' لیکن ایک بابرکت یادگار کی حیثیت سے اس چوٹ کا علاج نہ کیا کہ[2]

زخم دل مظہر مبادا بہ شود ہشیار باش کیں جراحت یادگار ناوک مژگا اوست

وفات:

بالآخر یہی چوٹ مرض الموت کا سبب بن گئی' لیکن ابن عون نے نہایت صبر و استقلال کے ساتھ اس مرض کی تکلیفوں کا مقابلہ کیا' بکار بن محمد کا بیان ہے کہ بیماری کی حالت میں وہ شیر سے زیادہ ضابط و صابر تھے۔ دوران علالت میں مطلق حرف شکایت زبان پر نہ لائے۔ ہوش و حواس آخر دم تک قائم رہے' اپنی پھوپھی ام محمد بنت عبداللہ کے کہنے پر میں نے ابن عون کی حالت نزع میں سورہ یاسین پڑھی تھی۔ میں نے موت کے وقت ان سے زیادہ عاقل کسی کو نہیں دیکھا' جب تک آخری سانسیں آتی رہیں' اس وقت تک وہ قبلہ رو خدا کا ذکر کرتے رہے' بالآخر خدا نے ان کی مشکل آسان کی' اور رجب ۱۵۱ھ میں وہ واصل بحق ہو گئے' جنازہ میں لوگوں کا اتنا ہجوم تھا کہ مسجد کا صحن اور اس کی عمارت ناکافی ثابت ہوئی' اور محراب میں جنازہ رکھ کر نماز پڑھائی گئی جمیل بن محفوظ ازدی نے نماز جنازہ پڑھائی۔[3]

---

[1] ابن سعد جلد ۷ ق ۲ ص ۲۵۔ [2] ابن سعد ج ۲ ق ۲ ص ۲۹۔ [3] ایضاً ص ۲۹' ۳۰۔

marfat.com

ترکہ:

ابن عون کے پاس نقد روپیہ تھا' ترکہ میں دو مکانات چھوڑے' مرض الموت میں پانچویں حصہ کی وصیت اپنے اعزہ واقرباء کے لیے کر گئے تھے۔ دس ہزار سے کچھ اوپر قرض تھا۔ اس کو ادا کرنے کے بعد وصیت پوری کی گئی[1]

حلیہ:

نہایت خوش جمال آدمی تھے' نصف کانوں تک پٹے تھے' مونچھیں زیادہ گہری نہیں کترواتے تھے[2]

نفاست:

خوش جمالی کے ساتھ بڑے نفاست پسند' لطیف مزاج اور خوش لباس تھے' کپڑے نہایت نرم و باریک پہنتے تھے' خوشبو زیادہ لگاتے تھے' پورا لباس پہن کر گھر سے باہر نکلتے تھے' وضو اور کھانے کے وقت خادم رومال پیش کرتا تھا اس سے ہاتھ منہ صاف کرتے تھے' لہسن وغیرہ بدبودار چیزوں سے سخت نفرت تھی' جس کھانے میں لہسن ہوتا تھا اس کو ہاتھ نہ لگاتے تھے' ایک مرتبہ لونڈی نے کھانا پکا کر سامنے لگایا' اس میں لہسن کی بو معلوم ہوئی لونڈی سے پوچھا' اس نے اقرار کیا لیکن طبیعت میں ضبط وتحمل بہت تھا' اس لیے صرف اس قدر کہا' خدا تجھ کو برکت دے' اس کو میرے سامنے سے لے جاؤ[3]

---

1 ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۳۰۔ 2 ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۷۔ 3 ایضاً ص ۲۶۔

marfat.com

۴۰۔ عبیداللہ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبیداللہ نام' ابوعبداللہ کنیت۔ مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ کے پوتے تھے۔ نسب نامہ یہ ہے۔ عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم مخزومی۔

فضل وکمال:

عبیداللہ کا گھر علم وعمل کا گہوارہ تھا' اس ماحول نے ان کو علم وعمل کا مجمع البحرین بنادیا۔ فضل وکمال کے لحاظ سے وہ ممتاز ترین تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ انہیں حدیث فقہ شعر و شاعری اور دوسرے مروجہ علوم میں پورا درک تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة کثیر الحدیث العلم شاعر ''[1] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت امامت اور عظیم منزلت پر سب کا اتفاق ہے[2]

حدیث:

حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے' حفاظ میں انہوں نے ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوواقد لیثیؓ، زید بن خالدؓ، نعمان بن بشیرؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوطلحہ انصاریؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور فاطمہ بنت قیسؓ اور تابعین میں ایک کثیر جماعت سے فیض اٹھایا تھا[3]

حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو حدیث سن لیتے تھے' وہ ہمیشہ کے لیے دماغ میں محفوظ ہو جاتی تھی' اس حافظہ نے ان کے علم کا دائرہ نہایت وسیع کر دیا تھا۔

---

۱ ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۵۔ ۲ تہذیب الاسماء ج اق اص ۳۱۲۔
۳ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۳ـ۔ ۴ ایضاً ص ۲۳ـ۔

marfat.com

امام زہری کا بیان ہے کہ میں جن جن علماء کے پاس بیٹھا ان کے پاس جو کچھ تھا سب حاصل کر لیا، لیکن عبید اللہ علم کا بحر بے پایاں تھے، ان کے پاس جب آتا تھا تو ہمیشہ تازہ علم حاصل ہوتا تھا[1] میں نے بہت علم حاصل کیا، اور ایک حد پر پہنچنے کے بعد خیال ہوا کہ جو کچھ میں حاصل کر چکا ہوں وہ بہت کافی ہے، لیکن جب عبید اللہ سے ملا تو معلوم ہوا کہ میرا علم کچھ بھی نہیں ہے[2]

تلامذہ:

حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع ہے، بعض کے نام یہ ہیں عون، سعد بن ابراہیم، ابو الزناد، صالح بن کیسان، عراک بن مالک، موسیٰ بن ابی عائشہ، ابو بکرہ بن ابی الجہم عدوی، ضمرہ بن سعید، طلحہ بن یحییٰ، عبید اللہ بن عبدہ، عبد المجید بن سہیل وغیرہ[3]

امام زہری ان کے حلقہ درس کے ممتاز طالب علم اور ان کے مخصوص تلامذہ میں تھے، ان سے ان کا استفادہ ہمیشہ جاری رہا، امام مالک کا بیان ہے کہ ابن شہاب زہری اس وقت بھی جب کہ وہ عالم ہو چکے تھے عبید اللہ کے پاس آتے جاتے تھے۔

عبید اللہ ان سے حدیثیں بیان کرتے تھے اور وہ کنوئیں سے پانی بھرتے تھے[4]

فقہ:

فقہ میں خصوصیت کے ساتھ ان کا پایہ نہایت بلند تھا، امام ابو جعفر طبری کا بیان ہے کہ علم احکام اور حلال وحرام کی معرفت میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا، ان کے تفقہ کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ وہ مدینہ کے سات مشہور فقہا میں سے ایک تھے[5]

حافظ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ وہ مدینہ کے ان دس پھر ان سات فقہاء میں سے تھے، جو فقہ و فتاویٰ کا محور تھے، وہ بڑے صاحب علم، فاضل اور فقہ میں بڑے بلند پایہ تھے[6]

شاعری:

شاعر بھی تھے، ابن عبد البر کا بیان ہے کہ وہ نہایت اچھے شاعر تھے، میرے علم میں

---

1 تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۳۔ 2 ابن خلکان ج ۱ ص ۲۷۱۔ 3 تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۳۔
4 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۸۔ 5 تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۴ بحوالہ طبری۔ 6 ایضاً بحوالہ ابن عبد البر۔

دور صحابہ سے اس وقت تک قضاء میں ان سے بڑا شاعر اور شاعروں میں اتنا بڑا فقیہ کوئی نہ تھا[1] وہ حقیقی شاعر تھے' ان کی شاعری تفنن طبع کے لیے نہ ہوتی تھی بلکہ سوز قلب سے مجبور ہو کر شعر کہتے تھے' جب ان کی شعر گوئی پر کوئی اعتراض کرتا تو جواب دیتے کہ ایک دردمند اور دل کا بیمار اگر سانس نہ لے تو کیسے زندہ رہ سکتا ہے[2] ابو تمام نے حماسہ میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں:

شققت القلب ثم ذررت فيه هواك فليم فالتام الفطور

''میں نے اپنا دل چیر کر اس میں تیری محبت کا بیج بویا' بونے کے بعد شگاف برابر ہوگیا''۔

تغلغل حب عثمة في فؤادي فباديه مع الخافي يسير

''عثمہ کی محبت میرے قلب میں ساری اور پیوست ہوگئی' وہ محبت جو علانیہ نظر آتی ہے اس محبت سے کم ہے جو مخفی ہے''۔

تغلغل حيث لم يبلغ شرابا ولا حزن ولم يبلغ سرور

''وہ دل کی گہرائی میں پہنچ گئی ہے جہاں شراب' غم اور خوشی کوئی شے نہیں پہنچ سکتی''

بعض لوگوں نے ان کے اشعار پر اعتراض کیا کہ آپ ایسے رنگین اور عاشقانہ اشعار کہتے ہیں' فرمایا' دل کے بیمار کو لدود (ایک تلخ دوا جو منہ میں لگائی جاتی ہے) سے راحت ہوتی ہے۔

زہد وعبادت:

اس درد دل اور سوز باطن نے ان کو بڑا عابد و متورع بنا دیا تھا۔ امام نووی انہیں صلحائے تابعین میں اور ابن خلکان عبادت گزار لکھتے ہیں[3] ان کی نمازیں بڑی طویل اور سکون و اطمینان کی ہوتی تھیں' امام مالک کا بیان ہے کہ عبیداللہ بڑی طویل نمازیں پڑھتے تھے اور کسی شخص کے لیے بھی اس میں جلدی نہ کرتے تھے' ایک مرتبہ علی بن حسین

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۴۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۴۔ [3] ابن خلکان ج اول ص ۳۷۲۔

[4] تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۱۲۔ [5] ابن خلکان ج اول ص ۲۷۱۔

marfat.com

(امام زین العابدین) ان کے پاس آئے' اس وقت عبیداللہ نماز پڑھ رہے تھے' وہ بدستور نماز میں مشغول رہے۔ علی دیر تک ان کا انتظار کرتے رہے' نماز تمام کرنے کے بعد لوگوں نے اعتراض کیا کہ تمہارے پاس رسول اللہ ﷺ کے نواسہ آئے اور تم نے اتنی دیر تک ان کو انتظار کرایا' فرمایا خدا میری مغفرت فرما جس کو علم کی تلاش ہو اسے تکلیف اٹھانا چاہیے۔[1]

اگر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو عبیداللہ کے اخلاقی فضائل و کمالات کا اندازہ کرنے کے لیے یہ مثال کافی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ان ہی کے تربیت یافتہ تھے' ان پر ان کے اخلاقی کمالات کا اتنا اثر تھا کہ وہ کہا کرتے تھے کہ عبیداللہ کی ایک صحبت اور تھوڑی دیر ان کے ساتھ ہم نشینی مجھے دنیا مافیہا سے عزیز ہے خدا کی قسم ان کی ایک رات میں بیت المال کے ایک ہزار دینار سے خریدنے کو تیار ہوں' لوگوں نے کہا امیر المومنین بیت المال کے تحفظ میں شدت و اہتمام کے باوجود آپ ایسا فرماتے ہیں' جواب دیا خدا کی قسم میں ان کی رائے' ان کی نصیحت اور ان کی نصیحت کے وسیلہ سے ایک ہزار کے بجائے بیت المال میں ہزاروں داخل کروں گا' باہمی گفتگو سے عقل میں تازگی پیدا ہوتی ہے' قلب کو راحت ملتی ہے' غم دور ہوتا ہے' اور ادب سدھرتا ہے۔[2]

وفات:

باختلاف روایت ۹۸ھ یا ۹۹ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۶۸۔ [2] ابن خلکان ج اول ص ۲۷۱۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۶۔

marfat.com

۴۱۔عبدالرحمٰن بن اسود رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبدالرحمٰن نام' ابوحفص کنیت' نسب نامہ یہ ہے' عبدالرحمٰن بن اسود بن یزید بن قیس بن عبداللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن سہل بن بکر بن عوف بن نخع نخعی مذحجی ان کے والد اسود بن یزید بڑے صاحب علم اور عابد و زاہد تابعی تھے' ان کے حالات اوپر گزر چکے ہیں۔

فضل وکمال:

اگرچہ علم میں عبدالرحمٰن کا کوئی قابل ذکر پایہ نہ تھا۔ لیکن وہ اس سے تہی دامن بھی نہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ان کے والد کے عقیدت مندانہ مراسم تھے۔ اس سلسلہ میں ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری کا اتفاق ہوتا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ جب تک میں نابالغ تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بغیر حصول اجازت چلا جاتا تھا۔ بلوغ کے بعد پھر اجازت لینے لگا[1]

حدیث:

ان تعلقات کی بناء پر ان کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے استفادہ کا موقع ملتا تھا' چنانچہ حدیث میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا' انس بن مالک رضی اللہ عنہ' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور اپنے والد اور والد کے چچا علقمہ بن قیس سے فیض اٹھایا تھا۔ اور ان سے ابواسحاق سبیعی' ابواسحاق شیبانی' مالک بن مغول' ہارون بن عنترہ' عاصم بن کلیب' لیث بن ابی مسلم' اور محمد بن اسحاق' ابن یسار وغیرہ نے سماع حدیث کیا تھا[2]

---

۱ ابن سعد ج ۶ ص ۲۰۲۔ ۲ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۰۔

marfat.com

فقہ:

حدیث سے زیادہ ان کو فقہ میں درک تھا۔ حافظ ابن حجر ان کو فقیہ لکھتے ہیں[1]

عبادت وریاضت:

گوعلم میں اپنے والد کے برابر نہ تھے، لیکن عملی لحاظ سے ان کے خلف الصدق تھے، رات بھر عبادت کرتے تھے، محمد بن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن حج کے سلسلہ میں ہمارے یہاں آئے۔ ان کے ایک پاؤں میں کچھ تکلیف تھی۔ مگر اس حالت میں بھی وہ صبح تک نمازیں پڑھتے رہے اور عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی،[2] زندگی بھر میں علیحدہ علیحدہ اسی حج اور اسی عمرے کیے۔[3]

رمضان میں اپنے قبیلہ کی امامت کرتے تھے، اور اہل قبیلہ کے ساتھ بارہ ترویحے پڑھتے تھے، اور اس میں ایک تہائی قرآن سناتے تھے، ان کے علاوہ خود علیحدہ ایک ترویحہ میں بارہ بارہ رکعتیں پڑھے تھے۔[4]

بلاتفریق مذہب اسلام:

سلام اسلام کی نشانی سمجھتے تھے، اور بلاقید مذہب وملت مسلم اور غیر مسلم سب کو سلام کرتے تھے۔ سنان بن حبیب سلمی کا بیان ہے کہ میں عبدالرحمٰن بن اسود کے ساتھ پل کی طرف گیا۔ راستہ میں جو بھی یہودی اور نصرانی ملتا تھا، سب کو سلام کرتے تھے، میں نے کہا آپ ان مشرکوں کو سلام کرتے ہیں۔ جواب دیا سلام مسلم کی نشانی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ لوگ پہچان لیں کہ میں مسلمان ہوں۔[5]

تعلقات کا لحاظ:

قدیم تعلقات اور بزرگوں کے مراسم وتعلقات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۰۔ [2] ایضاً۔

[3] تہذیب الکمال ص ۲۲۴۔ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۲۰۳۔

[5] ایضاً ص ۲۰۳۔

marfat.com

ابی غیام طلق کا بیان ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں ہم میں اور اسود بن یزید میں ہمسنی کے تعلقات تھے، عبدالرحمٰن اس کا اتنا لحاظ کرتے تھے کہ جب کسی سفر میں جاتے یا سفر سے آتے، تو ہم لوگوں کو آ کر سلام کرتے تھے[1]

وفات:

سنہ وفات میں بڑا اختلاف ہے۔

حلیہ اور لباس:

حنا کا خضاب لگاتے تھے اور خز کی چادر اوڑھتے تھے۔

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۲۰۳۔

marfat.com

۴۲۔ عبدالرحمٰن بن ابی الیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبدالرحمٰن نام' ابوعیسیٰ کنیت' والد کا نام یسار اور کنیت ابی لیلیٰ تھی۔ اس نے نام کی جگہ لے لی۔ نسب نامہ یہ ہے عبدالرحمٰن بن یسار بن بلال بن بلیل بن احیحہ بن الحلاج بن الحیرش ابن جحجبہ ابن کلفہ بن عوف بن عمرو بن عوف اوسی انصاری۔

ابن ابی لیلیٰ علمی اعتبار سے ممتاز تابعین میں تھے' ان والد ابی لیلیٰ صحابی تھے اور متعدد غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی اور جہاد کا شرف حاصل کیا تھا' کوفہ آباد ہونے کے بعد یہاں بودوباش اختیار کرلی تھی' جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں شہید ہوئے[1]

پیدائش:

عبدالرحمٰن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وسط عہد خلافت میں پیدا ہوئے[2]

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے عبدالرحمٰن بلند مرتبہ تھے' خوش قسمتی سے انہوں نے زمانہ ایسا پایا تھا کہ جب صحابہ کرام کی بڑی تعداد موجود تھی' چنانچہ انہوں نے ایک سو بیس انصار صحابہ کو دیکھا تھا[3] اور ان میں بہتوں سے فائدہ اٹھایا' ان کے فیض و برکات نے عبدالرحمٰن کو دولت علم سے مالا مال کردیا' علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ انہیں قرآن وحدیث اور فقہ جملہ فنون میں درک تھا[4]

قرآن:

قرآن کی قرأت کا خاص ذوق تھا۔ ان کے یہاں ہروقت قراء کا مجمع لگا رہتا

---

[1] تہذیب التہذیب ج اول ق اول ص ۳۰۴۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۶۰۔

[3] ابن سعد ج ۲ ص ۶۷۔ [4] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۳۰۴۔

marfat.com

تھا، مجاہد کا بیان ہے کہ عبدالرحمٰن کے ایک خاص مکان میں بہت سے مصاحف رکھے رہتے تھے، یہاں ہر وقت قراء کا مجمع رہتا تھا، صرف کھانے کے اوقات میں یہ لوگ یہاں سے ہٹتے تھے[1]

حدیث:

حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی انہیں امام لکھتے ہیں[2] صحابہ میں انہوں نے اپنے والد ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، سعد رضی اللہ عنہ، حذیفہ رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، بلال بن ریاح رضی اللہ عنہ، سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہما، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، قیس بن سعد رضی اللہ عنہ، ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ، کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، براء بن عازب رضی اللہ عنہ، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ، صہیب رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن حکم رضی اللہ عنہ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا، ان میں بعضوں سے سماع ثابت نہیں ہے[3]

حلقہ درس:

حدیث میں ان کا علم اتنا وسیع اور مسلم تھا کہ صحابہ تک ان کے حلقہ درس میں شریک ہو کر ان کی احادیث سنتے تھے، عبدالملک بن عمیر کا بیان ہے کہ میں نے عبدالرحمٰن کے حلقہ درس میں متعدد صحابہ کو دیکھا جن میں ایک براء تھے، یہ لوگ خاموشی کے ساتھ عبدالرحمٰن کی احادیث سنتے تھے[4]

مذاکرہ حدیث:

حفظ حدیث کے لیے مذاکرہ ضروری سمجھتے تھے، چنانچہ خود ان کے یہاں برابر مذاکرہ حدیث جاری رہتا تھا، اور دوسروں کو بھی ہدایت کرتے تھے کہ حدیث کی زندگی اس کے مذاکرہ میں ہے[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۰۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۶۰۔

[3] ایضاً۔ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۷۶۔ [5] ایضاً ص ۷۶۔

marfat.com

فقہ:

فقہ میں بھی پوری دستگاہ حاصل تھی، حافظ ذہبی انہیں امام وفقیہ لکھتے ہیں[1]

عہدہ قضا:

ان کا فقہی کمال اتنا مسلم تھا کہ حجاج نے کوفہ کے عہدہ قضا کا انتظام کرنا چاہا تو اس کی نظر انہی پر پڑی، اس کے پولیس افسر حوشب نے مخالفت بھی کی اور کہا اگر آپ علی بن ابی طالب کو قاضی بنانا چاہتے ہیں تو انہیں بنایئے[2] (یعنی وہ ان ہی کی طرح تمہاری مخالفت کریں گے) لیکن حجاج نے اس کے باوجود ان ہی کو قاضی بنایا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد اختلاف کی بنا پر جن کا تذکرہ آگے آئے گا معزول کر دیا[3]

احتیاط:

فتاوی کے جواب دینے میں بڑے محتاط تھے۔ کہا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک سو بیس انصاری اصحاب کو دیکھا ہے کہ جب ان میں سے کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو وہ اپنا پہلو بچا کر چاہتا تھا کہ دوسرا شخص جواب دے دے اور اب یہ حال ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑھتے ہیں[4]

تلامذہ:

ان کے تلامذہ کا دائرہ خاصا وسیع تھا۔ ان میں ان کے لڑکے عیسیٰ، پوتے عبداللہ عمرو بن میمون شعبی ثابت البنانی، حکم بن عتیبہ، حسین بن عبدالرحمن، عمرو بن مرہ، مجاہد بن جبیر، یحییٰ بن الجزا، ہلال الوزان، یزید بن ابی زیاد، ابواسحاق شیبانی، منہال بن عمرو، عبدالملک بن عمیر، اعمش اور اسماعیل بن ابی خالد وغیرہ لائق ذکر ہیں[5]

سادگی:

طبعاً نہایت سادہ مزاج تھے۔ تکلفات کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وضو کے بعد منہ پونچھنے کے لیے رومال پیش کیا۔ انہوں نے پھینک دیا[6]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۰۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۷۶۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۵۰۔
[4] ابن سعد ج ۶ ص ۷۶۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۶۱۔ [6] ابن سعد ج ۶ ص ۷۵۔

marfat.com

ہیبت:

لیکن اس سادگی کے باوجود لوگوں کے دلوں میں ان کی اتنی عظمت و ہیبت تھی کہ ان کے ساتھ امراء کی جیسی عظمت کرتے تھے[1]

ایک آزمائش:

ان کے دور قضاءت میں انہیں ایک سخت آزمائش سے دو چار ہونا پڑا ان کا پورا گھرانہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فدائیوں میں تھا۔ ان کے والد ابولیلیٰ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جنگ صفین میں مارے گئے تھے[3] خود یہ جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پرجوش حامیوں میں تھے اور ان کی فوج کا علم ان کے ہاتھ میں تھا۔ خارجیوں کے مقابلہ میں نہروان کے معرکہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے' اس فدویت کی بناء پر حجاج نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تبرا کریں' تو یہ توریہ کرتے تھے صاف برا نہ کہتے تھے' اس لیے حجاج نے ان کو معزول کر کے انہیں مارا[4]

ایک بہترین اسوہ:

عبدالرحمٰن علوی تھے یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے' ان کے ایک دوسرے معاصر عبداللہ بن حکیم عثمانی تھے۔ لیکن اس اختلاف عقیدہ کے باوجود دونوں ایک مسجد میں نماز پڑھتے تھے اور کبھی حضرت عثمان اور علی رضی اللہ عنہما کی فضیلت پر بحث و مناظرہ نہ کرتے تھے۔[5]

وفات:

حجاج کے ان مظالم سے تنگ آ کر اس کی مخالفت میں ابن اشعث کے ساتھ ہو گئے تھے' اور اسی جنگ میں وہ کام آئے' یا ڈوب کر انتقال کیا۔[6]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۰۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۴۔

[3] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۲۷۵۔ [4] تاریخ خطیب ج ۱۰ صفحہ ۲۰۰۔

[5] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۵۰۔ [6] تاریخ خطیب بغدادی ج ۱۰ ص ۲۰۱۔

marfat.com

۴۳۔عبدالرحمٰن بن غنم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبدالرحمٰن نام، والد کا نام غنم تھا، نسب نامہ یہ ہے، عبدالرحمٰن بن غنم بن کریب ابن ہانی بن ربیعہ بن عامر بن عدی بن وائل بن ناجیہ بن الحنیل بن جماہر بن اوغم بن اشعر اشعری۔ بعض علماء انہیں صحابی بتاتے ہیں، اور اس کے ثبوت میں یہ واقعہ پیش کرتے ہیں کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ آئے تھے، لیکن یہ بیان صحیح نہیں ہے، وہ عہد رسالت میں موجود ضرور تھے اور اسی عہد میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف زیارت سے محروم رہے۔ یہ روایت تقریباً متفق علیہ ہے۔[1]

فضل وکمال:

فضل وکمال کے لحاظ سے عبدالرحمٰن ممتاز تابعین میں تھے، ابومسہر غسانی انہیں راس التابعین کہتے تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "کان کثیر القدر صادقا فاضلاً "[2] ابن سعد نے انہیں شام کے تابعین طبقہ اول میں لکھا ہے، عجلی کبار تابعین میں لکھتے ہیں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ صاحب جلالت اور ذی مرتبہ تھے۔[3]

حدیث:

انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا، اس لیے انہیں صحابہ کبار کی ایک بڑی جماعت سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ابوذر غفاریؓ، ابودرداءؓ، ابوعبیدہؓ بن جراح، ابومالک اشعریؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوہریرہؓ، عبادہ بن صامتؓ، ثوبانؓ اور معاویہؓ وغیرہ سے انہوں نے سماع حدیث کیا تھا۔[4]

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۵۰۔ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۴۴۔
[3] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۱۔ [4] ایضاً ص ۲۵۰۔

marfat.com

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی صحبت سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے' ان کی ہم جلیسی اور صحبت کی وجہ سے صاحب معاذ ان کا لقب ہو گیا تھا۔[1]

خود ان سے فیض پانے والوں میں ان کے لڑکے محمد بن عبدالرحمٰن' عطیہ بن قیس' ابو سلام الاسود' مکحول شامی' شہر بن حوشب' رجاء بن حیوۃ' عبادہ بن نسی' مالک بن ابی مریم' اور صفوان بن سلیم وغیرہ لائق ذکر ہیں[2]

فقہ:

عبدالرحمٰن کا خاص فن فقہ تھا' اس میں ان کو بڑی بصیرت حاصل تھی' ان کے تفقہ کی بڑی سند یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو فقہ کی تعلیم دینے کے لیے شام بھیجا تھا۔ شام کے تمام تابعین نے فقہ ان ہی سے حاصل کی تھی[3]

وفات:

۷۸ھ میں شام میں وفات پائی[4]

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۰۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۰۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۴ و تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۰۳۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

۴۴۔ عبدالرحمٰن بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

قاسم نام' ابو محمد کنیت مشہور تابعی قاسم بن محمد بن ابی بکر کے صاحبزادے ہیں۔ نسب نامہ یہ ہے۔ عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ ماں کا نام قریبہ تھا۔ یہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں' اس طرح عبدالرحمٰن کی رگوں میں دودھیال اور ننھیال دونوں جانب سے صدیقی خون تھا۔

پیدائش:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں پیدا ہو چکے تھے[1]

فضل وکمال:

عبدالرحمٰن کے والد قاسم بن محمد فضل وکمال اور زہد و ورع کے لحاظ سے بڑے رتبہ کے تابعی تھے۔ اس لیے یہ دونوں کمالات گویا انہیں وراثۃً ملے تھے' امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت' امامت' فضیلت اور صلاح پر سب کا اتفاق ہے[2] حافظ ذہبی انہیں ثقہ امام متورع اور بلند مرتبت لکھتے ہیں[3] ابن حبان فقہ' علم' دیانت' حفظ اور اتقان میں سادات اہل مدینہ میں شمار کرتے ہیں[4]

حدیث:

مدینہ کے بڑے حفاظ میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ورع کثیر الحدیث'' حافظ ذہبی امام اور حجت لکھتے ہیں۔ حدیث میں انہوں نے اپنے والد قاسم' ابن

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۱۲۔ ۲ تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۰۳۔ ۳ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲۔
۴ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۴۔ ۵ تہذیب الاسماء بحوالہ ابن سعد۔ ۶ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۲۔

marfat.com

مسیب، عبداللہ بن عبداللہ بن عمر، سالم بن عبداللہ بن عمر، نافع اور محمد بن جعفر بن زبیر وغیرہ بڑے بڑے تابعین سے استفادہ کیا تھا۔ اور سماک بن حرب، امام زہری، عبیداللہ بن عمرو بن عجلان، ہشام بن عروہ، منصور بن زاذان، یحییٰ بن منصور، یحییٰ بن سعد انصاری، موسیٰ بن عقبہ، ایوب سختیانی، حمید الطویل، مالک، شعبہ، حماد بن سلمہ، ثوری، اوزاعی، ابن جریج اور لیث وغیرہ جیسے اکابر آپ کے فیض یافتہ تھے[1]

فقہ:

فقہ میں بھی ممتاز پایہ رکھتے تھے، ابن حبان انہیں مدینہ کے سادات فقہا میں لکھتے ہیں، امام نووی رضی الرضی اور فقیہ ابن الفقیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں[2]

زہد و ورع:

زہد و ورع میں بھی ممتاز پایہ رکھتے تھے، ابن سعد، حافظ ذہبی، ابن حجر اور امام نووی تمام ارباب سیر و طبقات ان کے زہد و ورع پر متفق البیان ہیں، مصعب خیار مسلمین میں لکھتے ہیں۔ عروہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ان سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ ابن عیینہ انہیں اس عہد کا افضل ترین شخص کہتے تھے[4]

وفات:

ان کی جائے وفات اور سنہ وفات دونوں میں ارباب سیر کا اختلاف ہے، ابن سعد کا بیان ہے کہ شام میں ۱۲۶ھ میں وفات پائی۔ خلیفہ کی روایت کے مطابق سنہ یہی ہے۔ لیکن جائے وفات مدینہ ہے، بعض ۱۳۱ھ لکھتے ہیں[5]

---

۱ تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۵۵۔ ۲ تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۳۰۳۔

۳ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۶۴۔ ۴ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۲۔

۵ تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۵۵۔

marfat.com

۴۵۔ عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عروہ نام، ابوعبداللہ کنیت، مشہور صحابی حواری رسول حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے، ان کی ماں اسماءؓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، اس طرح عروہ کی رگوں میں ایک جانب حواری رسول اور دوسری جانب صدیق رسول کا خون تھا۔

پیدائش:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخر یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آغاز عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ پہلی روایت زیادہ مرجح ہے[1]

جنگ جمل وصفین:

جنگ جمل میں اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکلنا چاہا، لیکن ان کی عمر اس وقت کل تیرہ سال کی تھی، اس لیے شریک نہیں کیے گئے۔[2] حضرت علی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ میں وہ کسی جانب نہ تھے۔

بھائی کی حمایت:

اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک کی معرکہ آرائیوں میں اپنے بھائی کے ساتھ تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ کے مقتول ہونے کے بعد حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکوا دی تھی اور تجہیز وتکفین کے لیے حوالہ نہ کرتا تھا، اس وقت عروہ ہی عبدالملک کے پاس شام گئے تھے وہ بڑی محبت اور عزت سے پیش آیا، عروہ کو گلے لگا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اس وقت تک اس کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل ہونے کی خبر نہ پہنچی تھی، عروہ ہی کی زبانی اسے معلوم ہوا۔ یہ خبر سن کر اس نے سجدہ شکر ادا کیا، اور عروہ کی درخواست پر فوراً حجاج کے نام لاش حوالہ کرنے کا حکم جاری کر دیا، اور اس کی اس حرکت پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔[3]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ص ۱۸۳۔ [2] ایضاً۔ [3] ابن اثیر ج ۴ص ۲۹۱۔

marfat.com

عبدالملک کی بیعت:

ادھر مکہ میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد حجاج عروہ کی تلاش میں تھا۔ جب ان کا پتہ نہ چلا تو اس نے عبدالملک کو لکھا کہ عروہ اپنے بھائی کے ساتھ تھے، ان کے قتل ہونے کے بعد خدا کا مال لے کر بھاگ گئے، اس وقت عروہ شام میں موجود تھے، اس لیے عبدالملک نے جواب دیا کہ "وہ بھاگے نہیں ہیں، بلکہ میری بیعت کر لی ہے، میں نے ان کی خطاؤں کو معاف کر کے انہیں امان دے دی ہے، وہ مکہ واپس جاتے ہیں وہاں ان کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی نہ کی جائے، غرض وہ عبدالملک سے بیعت کر کے مکہ واپس آئے، ان کی واپسی کے بعد ان کے بھائی کی لاش دفن کی گئی۔[1]

عقیق کا قیام:

اگرچہ عروہ نے عبدالملک کی بیعت کر لی تھی، اور دونوں میں کوئی ناخوشگواری باقی نہ رہ گئی تھی، مگر وہ امویوں کی بے عنوانیوں اور جابرانہ طریق حکومت کو سخت ناپسند کرتے تھے، لیکن ان کا روکنا بھی ان کے بس میں نہ تھا، اس لیے انہوں نے شہر کا قیام ترک کر کے مدینہ کے قریب عقیق کے دیہات میں سکونت اختیار کر لی۔[2]

عبداللہ بن حسن کا بیان ہے کہ علی بن حسین (زین العابدین) اور عروہ روزانہ بعد عشاء مسجد نبویؐ کے ایک گوشے میں بیٹھتے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھتا تھا ایک دن گفتگو میں بنی امیہ کے مظالم کا تذکرہ آیا اور یہ خیال ظاہر کیا گیا کہ جب کسی میں ان مظالم کو روکنے کی طاقت نہیں ہے تو ان کے ساتھ رہنا کہاں تک مناسب ہے۔ خدا ان مظالم کی سزا میں ایک نہ ایک دن ان پر عذاب نازل کرے گا۔ عروہ نے علی بن حسین سے کہا جو شخص ظالموں سے علیحدہ رہے گا اور خدا کی بیزاری سے واقف ہوگا تو امید ہے کہ جب خدا ان کو کسی مصیبت میں مبتلا کرے گا تو ظالموں سے علیحدہ رہنے والا شخص خواہ ان سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ہو، اس مصیبت سے محفوظ رہے گا۔ اس گفتگو کے بعد عروہ مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے۔[3]

لوگوں نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا ان کی مسجدیں لہو ولعب اور ان کے بازار

---

[1] ابن اثیر جلد ۴ ص ۲۹۱۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۵۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۷۔

marfat.com

لغویات کا گہوارہ ہیں اور ان کے راستوں میں بے حیائی کی گرم بازاری ہے۔[1]

مصر کا قیام:

ابن یونس کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ عروہ سات سال تک مصر میں بھی رہے۔[2]

فضل و کمال:

عروہ ان اسلاف اور ان بزرگوں کی یادگار تھے جو علم و عمل کا مجمع البحرین تھے۔ ان کے والد زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حواری رسول ﷺ تھے ان کے نانا صدیق اور خلیل رسول تھے ان کی خالہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین تھیں ان کی ماں اسماء رضی اللہ عنہا کو زبان رسالت سے ذات النطاقین کا خطاب ملا تھا۔ ان کے بڑے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑے صاحب علم صحابی تھے غرض ان کا سارا گھرانہ علم و عمل اور مذہبی اور اخلاقی فضائل و کمالات کا پیکر تھا۔ عروہ نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی اور اسی میں پرورش پائی اس لیے یہ دولت انہیں وراثۃً ملی تھی اور ان کا دامن جملہ علمی اور اخلاقی فضائل سے معمور تھا امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب بے شمار ہیں۔ ان کی جلالت علوے مرتبت اور وفور علم پر سب کا اتفاق ہے۔[3] حافظ ذہبی انہیں امام اور عالم مدینہ لکھتے ہیں۔[4] انہیں حدیث اور فقہ دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: "کان ثقة کثیر الحدیث فقیها عالما مامونا ثبتا"۔[5]

حدیث:

عروہ نے اپنے والد بھائی ماں خالہ سب سے حدیث میں فیض اٹھایا تھا۔[6] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خرمن کمال سے خصوصیت کے ساتھ خوشہ چینی کی تھی قبیصہ کا بیان ہے کہ عروہ عائشہؓ کے پاس ہم سب سے زیادہ آتے جاتے تھے اور عائشہؓ اعلم الناس تھیں۔[7] انہوں نے قریب قریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا پورا علمی ذخیرہ اپنے سینہ میں محفوظ کر لیا تھا خود ان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے چار پانچ سال پہلے ان کی کل حدیثیں محفوظ کر لیں تھیں اگر انتقال اسی وقت ہو گیا ہوتا تو مجھے

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوۃ صفحہ ۳۲۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۸۵۔ [3] تہذیب الاسماء ج ا ص ۳۲۲۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۳۔ [5] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۳۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۸۲۔

marfat.com

ان کی کسی حدیث کے باقی رہ جانے کا افسوس نہ ہوتا کیونکہ ان کی کل احادیث میرے سینہ میں محفوظ ہو چکی تھیں[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اکابر صحابہ میں زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، اسامہ بن زیدؓ، ابوایوب انصاریؓ، ابوہریرہؓ، سعید بن زیدؓ بن عمرو بن نفیلؓ، حکیم بن حزامؓ، ہشام بن حکیمؓ، جابر بن عبداللہؓ، مسور بن مخرمہؓ، حسن بن علیؓ، نعمان بن بشیرؓ، عمرو بن العاصؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، عمرو بن سلمہؓ، ام المومنین ام سلمہؓ، اور ام حبیبہؓ وغیرہ اور تابعین کی ایک بہت بڑی جماعت فیض یاب ہوئے تھے[2]

ان بزرگوں کے فیض نے عروہ کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا' ابن شہاب زہری کہتے تھے کہ عروہ حدیث کا بحر ذخار تھے۔[3] عروہ کے صاحبزادے ہشام جو خود بڑے محدث تھے کہتے کہ ہم نے والد کی احادیث کے دو ہزار حصوں میں ایک حصہ بھی حاصل نہ کیا[4]

فقہ:

مگر ان کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا' اس فن کو بھی انہوں نے اپنی خالہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کیا تھا اور اس میں ان کو اتنا کمال تھا کہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک فقیہ مانے جاتے تھے۔ فقیه المدینة احد الفقهاء السبعة فقها المدینة[5]

فقہ میں تصانیف:

آپ نے فقہ میں کتابیں بھی تالیف کی تھیں' ان میں سے بعض حرہ کے ہنگامہ کے زمانہ میں جب یزیدی لشکر نے مدینۃ الرسول کو لوٹا تھا خود جلادیں۔ مگر بعد میں ان کے جلانے کا افسوس ہوا۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ کتاب اللہ کی موجودگی میں دوسری کتاب نہیں لکھتے تھے۔ اس لیے میں نے اپنی کتابیں ضائع کر دیں لیکن اب خدا کی قسم میری یہ خواہش ہے کہ میری کتابیں میرے پاس موجود ہوتیں' اور خدا کی کتاب اپنی جگہ دائم و قائم رہتی[6]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۸۲۔ [2] ایضاً۔ [3] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۳۳۲۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۲۔ [5] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۳۳۱۔ [6] ابن سعد جلد ۵ ص ۱۳۳۔

marfat.com

بعض اقوال:

فرماتے تھے کہ جس آدمی میں تم ایک اچھائی دیکھوتو اس سے محبت کرو اور یقین کرو کہ اس میں اور اچھائیاں بھی ہوں گی' اور اگر کوئی برائی دیکھوتو اس سے نفرت کرو اور یقین رکھو کہ اس میں ایسی اور برائیاں بھی ہوں گی۔[1]

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے استفادہ:

ان کا فقہی کمال اس قدر مسلم تھا کہ بڑے بڑے صحابہ رسول مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔[2]

احتیاط:

لیکن اس کمال کے باوجود عروہ اس قدر محتاط تھے کہ کوئی مسئلہ محض رائے سے نہ بیان کرتے تھے۔[3]

ترغیب علم:

یہ کہہ کر نوجوان کو تحصیل علم کی ترغیب دلاتے تھے کہ ہم لوگ بھی ایک زمانہ میں چھوٹے تھے' آج وہ دن آیا کہ ہمارا شمار بڑوں میں ہے' تم بھی گو آج کم سن ہو لیکن ایک زمانہ آئے گا جب بڑے ہو گے' اس لیے علم حاصل کر کے سردار بن جاؤ کہ لوگوں کو تمہاری احتیاج ہو۔[4]

فضائل اخلاق:

اس علم کے ساتھ عروہ عمل کے زیور سے بھی آراستہ تھے' وہ اپنے اسلاف کرام کا نمونہ تھے۔ عجلی کا بیان ہے کہ عروہ صالح آدمی تھے[5] ابن شہاب کا قول ہے کہ وہ علماء خیر میں تھے۔[6]

عبادت وریاضت:

بڑے عابد وزاہد تھے' ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں علم' سیاست اور

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۸۳۔ [2] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۱۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۷ صفحہ ۱۸۳۔
[4] ایضاً ص ۱۸۲۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۸۲۔ [6] ابن خلکان ج ۱ ص ۵۴۔

marfat.com

عبادت سب جمع تھیں[1] تہجد اس التزام کے ساتھ پڑھتے تھے کہ ایک شب کے سوا جب ایک مرض کے سلسلہ میں ان کا پاؤں کاٹا گیا تھا' اور کبھی ناغہ نہ ہوئی[2] عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے ممنوعہ ایام کے علاوہ باقی بارہ مہینے روزہ رکھتے تھے' سفر کی حالت میں بھی نہ چھوٹتا تھا مرض الموت میں بھی اس معمول میں فرق نہ آیا۔ چنانچہ انتقال کے دن بھی روزے سے تھے[3] تلاوت قرآن محبوب ترین مشغلہ تھا' ایک چوتھائی قرآن دن میں ناظرہ پڑھتے تھے' باقی رات کو تہجد میں تمام کرتے تھے[4]

صبر و استقامت:

صبر و استقامت کا مجسم پیکر تھے۔ بڑی سے بڑی آزمائش اور تکلیف کے موقع پر زبان سے اف نہ نکلتی تھی' ایک مرتبہ عبدالملک کے پاس شام گئے ہوئے تھے' ان کے لڑکے محمد بھی ساتھ تھے' وہ شاہی اصطبل دیکھنے گئے' ایک جانور نے ان کو ٹپک دیا۔ اس کے صدمہ سے وہ اسی وقت جان بحق ہو گئے۔ اس کے بعد عروہ کے پاؤں میں ایک خراب قسم کا زہریلا زخم پیدا ہو گیا' اطباء نے پاؤں کاٹنے کا مشورہ دیا' اور نہ کاٹے جانے کی صورت میں تمام جسم میں زہر پھیل جانے کا اندیشہ ظاہر کیا' عروہ اگرچہ اس وقت ضعیف ہو چکے تھے لیکن انہوں نے جوانوں سے زیادہ ہمت و استقلال سے کام لیا۔ پاؤں کاٹنے سے پہلے طبیب نے کہا تھوڑی سی شراب پی لیجیے' تاکہ تکلیف کا احساس کم ہو' فرمایا' جس مرض میں مجھ کو صحت کی امید ہو' اس میں بھی حرام شے سے مدد نہ لوں گا' اس نے کہا تو پھر غافل کر دینے والی دوا ہی استعمال کر لیجیے' فرمایا میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میرے جسم کا ایک عضو کاٹا جائے اور میں اس کی تکلیف محسوس نہ کروں' آپریشن کے وقت چند آدمی سنبھالنے کے لیے آئے' عروہ نے پوچھا تمہارا کیا کام ہے' انہوں نے کہا زیادہ تکلیف کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے' اس لیے آپ کو سنبھالنے کے لیے آئے ہیں فرمایا مجھ کو

---

1 شذرات الذہب ج اص ۱۰۳۔ 2 تذکرۃ الحفاظ ج اص ۵۴۔

3 ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۴۔ 4 تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۸۳۔

marfat.com

امید ہے کہ تمہاری امداد کی ضرورت نہ ہوگی' اور نہایت استقلال کے ساتھ پاؤں کٹوا دیا' جس وقت پاؤں ٹخنوں سے الگ کیا گیا' اس وقت زبان پر تسبیح وتہلیل تھی' جب خون بند کرنے کے لیے زخم کو داغا گیا' تو شدت تکلیف سے بے ہوش ہوگئے لیکن جلد ہی ہوش آ گیا' اور چہرہ کا پسینہ پونچھ کر کٹے ہوئے پاؤں کو منگوا کر دیکھا' اور اس کو الٹ پلٹ کر اس سے خطاب کر کے فرمایا' اس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرا بوجھ اٹھوایا' وہ خوب جانتا ہوے کہ میں کسی حرام راستہ پر گامزن نہیں ہوا[1]

صبر وشکر:

ان حوادث اور مصائب کے باوجود زبان شکوہ وشکایت سے آلودہ نہ ہوئی اور ہمیشہ خدا کا شکر ہی ادا کرتی رہی چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ خدایا تیرا شکر ہے کہ میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے تو نے ایک ہی لیا' اور تین باقی رکھے' اور چار لڑکوں میں سے ایک ہی کو لیا اور تین باقی رکھے' اگر تو نے کچھ لیا ہے تو بہت کچھ باقی رکھا ہے' اگر کچھ مصیبت میں مبتلا کیا ہے تو بہت دنوں عافیت میں بھی رکھ چکا ہے[2]

دولت دنیا سے بے نیازی:

ان کی نگاہ میں دولت دنیا اور چند روزہ عیش وتنعم کی کوئی وقعت نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے خدا سے کبھی دنیا نہیں مانگی۔ ایک مرتبہ امیر معاویہؓ کے زمانہ میں یہ ان کے بھائی عبداللہ اور مصعب بن زبیر اور عبدالملک چاروں مسجد حرام میں جمع تھے کسی نے تجویز پیش کی کہ ہم لوگ اس گھر میں خدا کے روبرو اپنی اپنی آرزوئیں پیش کریں۔ سب نے اسے پسند کیا۔ سب سے پہلے عروہ کے بھائی عبداللہ نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ میں حرم کا بادشاہ ہو جاؤں اور مجھے تخت خلافت ملے۔ ان کے بعد ان کے دوسرے بھائی مصعب نے کہا کہ میری تمنا یہ ہے کہ قریش کی دونوں حسین عورتیں سکینہ بنت حسین اور عائشہ بنت طلحہ میرے عقد میں آ جائیں۔ ان کے بعد عبدالملک نے کہا میری آرزو ہے کہ میں کل روئے زمین کا بادشاہ ہو جاؤں اور امیر معاویہ کا جانشین بنوں۔ سب سے اخیر میں عروہ نے کہا کہ مجھے تم

[1] ابن خلکان ج اول ص ۳۱۶۔ [2] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۱۔

marfat.com

لوگوں کی خواہشات میں سے کچھ نہ چاہیے' میں دنیا میں زہد اور آخرت میں کامیابی اور علم چاہتا ہوں۔[1]

خدا نے چاروں کی دعا قبول کی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ جو حرم کے سات برس تک خلیفہ رہے سکینہ اور عائشہ دنوں مصعب کے عقد میں آئیں۔ عبدالملک سندھ سے لے کر اسپین تک کا فرمانروا ہوا اور امیر معاویہؓ کی قائم کردہ سلطنت کا وارث بنا اور عروہ کو خاصان خدا کا مرتبہ ملا۔

تمول اور فارغ البالی:

اگرچہ عروہ دولت دنیا سے بے نیاز اور بے پرواہ تھے۔ لیکن خدا نے ان کو اس سے وافر حصہ دیا تھا' وہ بڑے صاحب ثروت تھے' ان کے والد حضرت زبیر بن عوامؓ عرب کے بڑے متمول لوگوں میں تھے۔ حضرت زبیر کی دولت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ان کی چاروں بیویوں کو آٹھویں حصہ میں بارہ بارہ لاکھ ملا تھا۔[2]

فیاضی و سیر چشمی:

خدا نے عروہ کو جس طرح دولت عطا فرمائی تھی ویسے ہی وہ فیاض بھی تھے۔ ان کے کھجوروں کے باغات تھے۔ کھجوروں کی فصل میں باغ کی دیوار تڑوا دیتے تھے اور ہر شخص کے لیے صلائے عام ہوتی تھی۔ لوگ آ کر کھاتے تھے اور باندھ باندھ کر ساتھ لے جاتے تھے۔[3]

خوش لباسی اور نفاست:

عروہ اگرچہ بڑے عابد و زاہد تھے لیکن مزاج میں بڑی نفاست تھی روزانہ غسل کرتے تھے۔ کپڑے نہایت بیش قیمت پہنتے تھے۔ گرمیوں میں جسم پر سندس کی قبا ہوتی تھی جس میں حریر کا استر ہوتا تھا۔ خزا کی چادر اوڑھتے تھے۔[4]

وفات:

۹۴ھ میں نواح مدینہ میں اپنے محاج میں انتقال کیا۔[5]

---

[1] ابن خلکان ج ا ص ۳۱۷۔ [2] بخاری کتاب المغازی باب برکتہ المغازی فی لہ۔
[3] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۱۔ [4] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۴۔ [5] ایضاً ص ۱۳۵۔

marfat.com

۴۶۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب:

عطاء نام‘ والد کا نام اسلم اور ابو رباح کنیت تھی‘ عطاء کی کنیت ابو محمد تھی‘ یمن کے مردم خیز قصبہ جند میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت میں پیدا ہوئے اور مکہ میں نشو و نما پائی۔ آل میسرہ بن ابی خثیم فہری کے غلام تھے۔

فضل و کمال:

فضل و کمال اور زہد و ورع کے لحاظ سے عطا بڑے جلیل القدر تابعی تھے‘ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ عطاء فقہ‘ علم و ورع اور فضل و کمال کے لحاظ سے سادات تابعین میں تھے‘ حجت امام اور کبیر الشان تھے[1] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ مکہ کے مفتی اور مشہور ائمہ میں تھے‘ بڑے بڑے ائمہ ان کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ علم کا خزانہ خدا اسی کو دیتا ہے جسے محبوب رکھتا ہے اگر علم کسی کے ساتھ مخصوص ہوتا تو عالی نسب اس کے زیادہ حق دار تھے‘ لیکن عطاء حبشی غلام تھے‘ یزید بن حبیب نوبی تھے‘ حسن بصری اور ابن سیرین غلام تھے[2]

امام اوزاعی کہتے تھے کہ عطاء نے جس وقت انتقال کیا اس وقت وہ لوگوں میں روئے زمین کے سب سے زیادہ پسندیدہ آدمی تھے[3]

قرآن:

ان کو قرآن‘ حدیث‘ فقہ جملہ مذہبی علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی: ”کان ثقة فقیہا عالما کثیر الحدیث کان یعلم القران“[4] قرآن کا مستقل درس دیتے تھے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۳۔ [2] تہذیب الاسماء نووی ج ا ص ۳۳۳۔
[3] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۵۸۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۶۔

marfat.com

حدیث:

حدیث کے مشہور حفاظ میں تھے' حافظ ذہبی ان کے حالات طبقہ اول کے حفاظ میں لکھتے ہیں۔ علامہ ابن سعد کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔ حدیث میں انہوں نے صحابہ میں عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، ابن زبیرؓ، معاویہؓ، اسامہ بن زیدؓ، جابر بن عبداللہؓ، زید بن ارقمؓ، عبداللہ بن سائب مخزومیؓ، عقیل بن ابی طالبؓ، عمر بن ابی سلمہؓ، رافع بن خدیجؓ، ابودرداءؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور ام ہانیؓ کے خرمن کمال سے خوشہ چینی کی تھی۔

عام علماء میں ابوصالح السمان' سالم بن شوال' صفوان بن یعلی بن امیہ' عبید بن عمر' عروہ بن زبیر' ابن ابی ملیکہ' عماد بن ابی عمار' ابوالزبیر' موسیٰ بن انس' حبیب بن ابی ثابت وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا[1]

تلامذہ:

حدیث میں ان سے فائدہ اٹھانے والوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ بعض کے نام یہ ہیں' ابواسحاق سبیعی' زہری' مجاہد' ایوب سختیانی' اعمش' اوزاعی' ابن جریج' ابوالزبیر' حکم بن عتبہ' ابوحنیفہ وغیرہ[2]

آداب سماع حدیث:

حدیث رسول ﷺ کا اتنا احترام تھا کہ تذکرۂ حدیث کے درمیان میں بولنا سخت ناپسند کرتے تھے' اور اس پر برہم ہوتے تھے' معاذ بن سعید الاعور کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ عطاء کے پاس تھے' ایک شخص نے حدیث بیان کی' ایک دوسرا شخص درمیان میں کچھ بولا' عطا سخت برہم ہوئے اور کہا یہ کون سا اخلاق اور کون سی طبیعت ہے' خدا کی قسم آدمی اس لیے حدیث بیان کرتا ہے کہ اس سے ہم کو علم حاصل ہو' اگر کوئی حدیث سناتا

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۴۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۱۹۹۔

[3] ایضاً۔

marfat.com

ہے تو خواہ وہ حدیث مجھی سے سنی ہوئی ہو میں اس کو خاموشی سے سنتا ہوں کہ بیان کرنے والے کو معلوم ہو کہ میں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی۔ عمرو بن عاصم کہتے ہیں کہ میں نے عطاء کی یہ باتیں عبداللہ بن مبارک سے نقل کیں تو انہوں نے سن کر کہا میں اس وقت تک جوتا نہ اتاروں گا جب تک خود جا کر اس مہدی سے نہ سنوں گا[1]

ان کی روایات کے بارے میں ائمہ کی رائے:

امام باقر لوگوں کو ہدایت کرتے تھے کہ جہاں تک ہو سکے عطاء سے حدیث لیا کرو۔[2]

فقہ:

آپ کا خاص اور امتیازی فن فقہ تھا آپ کے تفقہ پر تمام فقہا محدثین اور ائمہ فن کا اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ فقہ میں سادات تابعین میں تھے[3] ربیعہ جو خود بہت بڑے فقیہ تھے کہتے تھے کہ عطاء فتاویٰ میں تمام اہل مکہ پر فائق تھے' محمد بن عبداللہ الدیباج کہتے تھے کہ میں نے عطاء سے بہتر مفتی نہیں دیکھا' امام الفقہاء حضرت امام اعظم فرماتے تھے کہ میں نے عطاء سے افضل کسی کو نہیں پایا۔[4] اکابر صحابہ تک ان کے تفقہ کے معترف تھے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ عنہما جب مکہ تشریف لاتے اور سائلین ان کی خدمت میں پہنچتے تو عبداللہ بن عباس ان سے کہتے کہ عطاء تمہارے یہاں موجود ہیں' اور تم لوگ میرے پاس آتے ہو۔[5] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے کہ تم میں ابی رباح موجود ہیں اور تم لوگ مجھ سے پوچھنے کے لیے مسائل اٹھا رکھتے ہو[6]

ان کے زمانہ میں صرف دو شخص مکہ کی مسند افتاء کی زینت تھے' ایک یہ اور دوسرے مجاہد لیکن ان دونوں میں امتیاز انہی کو حاصل تھا[7]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۵۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۳۴۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۳۔ [4] ایضاً ص ۲۰۱۔

[5] تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۸۶۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۱۔

[7] تہذیب الاسماء نووی ج ا ص ۳۳۴۔

marfat.com

احتیاط فی الفتویٰ:

لیکن اس کمال کے باوجود اتنے محتاط تھے کہ مسائل میں کبھی اپنی رائے نہ دیتے تھے۔ اگر اس کے متعلق کوئی سند نہ ہوتی تو صاف کہہ دیتے کہ مجھے نہیں معلوم' عبدالعزیز ابن رفیع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عطاء سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا' انہوں نے جواب دیا مجھے نہیں معلوم لوگوں نے کہا اپنی رائے سے جواب کیوں نہیں دیتے' فرمایا مجھے خدا سے شرم معلوم ہوتی ہے کہ اس کی زمین میں میری رائے کی اطاعت کی جائے[1]

لیکن ایک فقیہ اور مفتی کے لیے رائے سے کام لینا ناگزیر ہے' اس لیے عطاء جب کبھی رائے سے کام لیتے تھے تو اس کو ظاہر کر دیتے تھے' ابن جریج کا بیان ہے کہ عطاء جب کوئی بات بیان کرتے تھے' تو میں ان سے پوچھتا تھا کہ یہ علم ہے یا رائے' اگر انہوں نے اثر کی سند پر کہا ہوتا تو کہہ دیتے اثر ہے اور اگر رائے ہوتی تو کہہ دیتے رائے ہے۔[2]

مناسک حج:

مناسک حج کے بڑے عالم تھے' امام باقر فرماتے تھے کہ عطاء سے زیادہ مناسک حج کا جاننے والا کوئی باقی نہیں ہے[3] اموی فرمان روا ان سے مناسک حج کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک آپ کی خدمت میں حاضر ہوا' آپ نے اسے مناسک حج بتائے[4] امویوں کے زمانہ میں حج کے موقع پر منادی کر دی جاتی تھی کہ حج کے مسائل میں عطاء کے علاوہ دوسرا شخص فتویٰ نہ دے۔[5]

معمولی معمولی درجہ کے لوگ جنہیں حج کے ایام میں انہیں دیکھنے کا' ان کے ساتھ رہنے کا یا ان کی خدمت کرنے کا موقع ملتا تھا مسائل حج کے واقف کار بن جاتے تھے' اس

---

1 تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۳۔ 2 ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۵۔ 3 ایضاً

4 مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۵۹۔ 5 تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۳۴۔

marfat.com

سلسلہ میں یہ حکایت مشہور ہے کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ حج کے موقعہ پر ایک حجام نے جس نے عطاء کو دیکھا تھا' مجھے پانچ موقعوں پر حج کی تعلیم دی۔ بال ترشوانے سے پہلے میں نے اس سے حجامت کی بنوائی طے کرنی چاہی' اس نے کہا عبادت میں شرط نہیں کی جاتی۔ بیٹھ جاؤ حجامت بن جائے گی' میں قبلہ رخ سے ذرا ہٹ کر بیٹھا تھا۔ اس نے قبلہ رخ بیٹھنے کا اشارہ کیا' میں نے بائیں جانب سے سر منڈانا چاہا' اس نے کہا داہنی سمت پھیرو میں نے پھیر دیا وہ سر مونڈنے لگا۔ میں بالکل خاموش تھا۔ اس نے کہا تکبیر کہتے جاؤ' میں نے کہا اپنے قیام گاہ پر' اس نے کہا پہلے دو رکعتیں پڑھ لو اس کے بعد جاؤ۔ میں نے خیال کیا کہ حجام خود اس قسم کے مسائل نہیں جان سکتا جب تک اس نے کسی سے معلوم نہ کیا ہو۔ میں نے اس سے پوچھا تم نے جن باتوں کی مجھے تعلیم دی ہے' وہ تمہیں کہاں سے معلوم ہوئیں۔ اس نے کہا عطاء بن ابی رباح کو ایسے کرتے دیکھا تھا[1]

علم میں للّٰہیت:

عطاء اپنے علم سے کوئی دنیاوی فائدہ حاصل نہ کرتے تھے' بلکہ ان کا علم خالصۃً لوجہ اللہ تھا' سلمہ کا بیان ہے کہ میں نے عطاء' طاؤس اور مجاہد کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھا' جس کا مقصد علم سے خالص لوجہ اللہ ہو[2]

زہد وتقویٰ:

علم کے ساتھ ان میں اسی درجہ کا عمل بھی تھا' زہد و ورع کے لحاظ سے وہ جماعت تابعین میں ممتاز تھے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ وہ علم اور ورع میں سادات تابعین میں تھے[3] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ عطاء کے علم' زہد اور خدا پرستی کے مناقب بہت ہیں۔[4]

قوت ایمانی:

عطاء ایمان کے جس درجہ پر تھے اس کے متعلق عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ سارے

---

[1] ابن خلکان جلد اص ۳۱۹۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۵۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۳۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۶۔

marfat.com

اہل مکہ کا ایمان مل کر بھی عطاء کے ایمان کے برابر نہ تھا۔[1]

عبادت وریاضت:

عبادت کا یہ حال تھا کہ کامل بیس سال تک مسجد کا فرش ان کا بستر رہا۔[2] تہجد میں روزانہ دوسو یا اس سے زیادہ آیتیں پڑھتے تھے۔[3] کثرت عبادت سے پیشانی پر نشان سجدہ تاباں تھا۔[4] ان کا کوئی وقت ذکر الٰہی سے خالی نہ ہوتا تھا۔ عبداللہ بن عمرو بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں نے عطاء سے بہتر مفتی نہیں دیکھا' ان کی مجلس میں ہر وقت خدا کا ذکر ہوتا رہتا تھا اور لوگ علمی مباحثہ کرتے تھے۔ عطاء جب کچھ بولتے' یا جب کوئی سوال کیا جاتا تو نہایت خوبی سے اس کا جواب دیتے۔[5]

حج:

آپ کا قیام مکہ ہی میں تھا۔ اس لیے کسی سال حج سے ناغہ نہ ہوتا تھا' چنانچہ آپ نے ستر حج کیے۔[6]

اتباع حدیث:

اتباع حدیث میں ابڑا اہتمام تھا' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ تابعین میں عطاء سے زیادہ کوئی متبع حدیث نہ تھا''۔[7]

عزلت گزینی:

طبیعت میں عزلت پسندی تھی۔ لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہ تھا۔ دروازہ بند کیے گھر میں بیٹھے رہتے تھے' جب کوئی اندر آنے کی اجازت چاہتا تو پوچھتے کس نیت سے آ ؤ ہو۔ اگر آنے والا کہتا کہ آپ کی زیارت کے لیے تو جواب دیتے کہ میرے جیسے شخص کی زیارت نہیں کی جاتی' پھر فرماتے وہ زمانہ کیسا خبیث ہے' جس میں میرے جیسے شخص کی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۰۳۔

[3] مختصر صفوۃ الصفوۃ ج ۷ ص ۱۵۸۔ [4] ابن سعد ص ۳۴۶۔ [5] ایضاً ص ۳۴۵۔

[6] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۵۸۔ [7] تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۳۳۔

marfat.com

زیارت کی جائے۔[1]

لیکن اچھی مجلسوں کو جن میں خدا کا ذکر ہوتا' پسند کرتے تھے' فرماتے تھے کہ جو شخص اس مجلس میں بیٹھتا ہے جس میں خدا کا ذکر ہوتا ہے تو خدا اس مجلس کو دس باطل مجلسوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔[2]

خاموشی:

جب مجمع میں بیٹھنے کا بھی اتفاق ہوتا تو زیادہ تر خاموش ہی رہتے۔ اسماعیل بن امیہ کا بیان ہے کہ عطاء عموماً خاموش رہتے تھے' جب کچھ بولتے تھے تو ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر الہام ہو رہا ہے۔[3]

وفات:

بروایت صحیح ۱۱۴ھ میں وفات پائی۔[4]

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۵۸۔ [2] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۸۵۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۶۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

۴۷۔ عمرو بن شرحبیل رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عمرو نام میسرہ کنیت' نسباً قبیلہ ہمدان سے تعلق رکھتے تھے۔

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے فضلائے تابعین میں تھے' حافظ صفی الدین خزرجی ان الفاظ کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتے ہیں عمرو بن شرحبیل الھمدانی ابو میسرۃ الکوفی احدا الفضلاء[1] ' ان کے قبیلہ میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا' ابووائل کہتے تھے کہ ہمدانیوں میں کوئی شخص ابو میسرہ کا مثل نہ تھا' کسی نے کہا مسروق؟ ابووائل نے جواب دیا مسروق بھی نہیں۔[2]

تفسیر:

آیات قرآنی کی تفسیر وتاویل پر پوری نظر تھی اور بعض آیات کی تفسیر میں ان کا خیال مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے متوارد ہو جاتا تھا' ایک مرتبہ ابن مسعود نے ان سے پوچھا ''الخنس الجوار الکنس'' کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے انہوں نے کہا میرے نزدیک نیل گاؤ مرہے' ابن مسعودؓ نے کہا میری بھی یہی رائے ہے۔[3]

حدیث:

حفظ حدیث کے لحاظ سے اوسط درجہ کے حفاظ میں شمار تھا'[4] حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، عبداللہ ابن مسعودؓ، حذیفہؓ، سلمانؓ، قیس بن سعد بن عبادہؓ، معقل بن مقرنؓ مزنی، نعمان بن بشیرؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ وغیرہ اکابر صحابہ سے سماع حدیث کیا تھا۔[5]

---

۱ تہذیب الکمال ص ۲۹۰۔ ۲ ابن سعد ج ۶ ص ۷۴۔ ۳ ایضاً۔

۴ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۷۔ ۵ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۷۔

marfat.com

ابووائل، الواسحاق سبیعی، ابوعمار ہمدانی، قاسم بن مخیرہ، محمد بن منتشر اور مسروق وغیرہ ان کے زمرہ تلامذہ میں تھے[1]

عبادت وریاضت:

علم کے ساتھ اسی درجہ کا عمل بھی تھا، بڑے عابد وزاہد بزرگ تھے ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ عبادت گزار لوگوں میں تھے، نمازوں کی کثرت سے (ان کے جوڑوں پر) اونٹوں کی طرح گھٹے پڑ گئے تھے[2]

عبادت میں طہارت کا لحاظ:

عبادت میں طہارت اور پاکی کا بڑا لحاظ رکھتے تھے، فرماتے تھے کہ خدا کا ذکر پاک ہی مقام پر کرنا چاہیے[3]

صدقات:

اپنی حیثیت کے مطابق مخیر اور فیاض بھی تھے، اپنی آمدنی کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور خیرات کرتے تھے، یونس کا بیان ہے کہ جب ان کو وظیفہ ملتا تھا تو اس میں سے وہ خیرات کیا کرتے تھے[4]

وفات:

۶۳ھ میں وفات پائی[5] مرض الموت میں لوگوں سے فرمایا، میں مرنے کے لیے بالکل آمادہ ہوں، پیش آنے والے مرحلہ کے علاوہ اور کسی شے کا خوف دل میں نہیں ہے، نہ میرے پاس مال و دولت ہے (کہ اس کا افسوس ہو) اور نہ مجھ پر کسی کا قرض ہے (کہ اس کی فکر ہو) میرے مرنے کی خبر کسی کو نہ دی جائے، جنازہ لے کر چلنے میں جلدی کرنا، قبر پر ہری شاخ رکھنا کہ مہاجرین اس کو مستحب سمجھتے تھے، قبر اونچی نہ کرنا اس کو وہ ناپسند کرتے تھے، آخر وقت لا الہ الا اللہ کی تلقین کرنا، ان ہدایات کے بعد وفات پائی، قاضی شریح نے نماز جنازہ پڑھائی[6]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۷۔ [2] ایضاً۔ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۷۲۔ [4] ایضاً۔
[5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۴۷۔ [6] ابن سعد ج ۶ ص ۷۳۔

marfat.com

۴۸۔ عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عمرو نام' ابومحمد کنیت' باذان عجمی کے غلام تھے۔

پیدائش:

۴۶ھ میں پیدا ہوئے[1]

فضل وکمال:

عملی اعتبار سے مکہ کے اکابر علماء میں تھے' حافظ ذہبی انہیں حافظ' امام اور عالم حرم لکھتے ہیں[2] امام نووی کا بیان ہے کہ ان کی جلالت' امامت اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے' وہ ائمہ تابعین میں تھے[3]

حدیث:

حدیث کے بڑے حافظ تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں'' کان عمرو ثقة ثبتا کثیر الحدیث '' صحابہ میں انہوں نے ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، ابوہریرہؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابوالطفیلؓ، سائب بن یزید وغیرہ اور تابعین میں سعید بن مسیب' سعید بن جبیر' سالم بن عبداللہ' طاؤس' عطاء' محمد بن علی' مجاہد' ابن ابی ملیکہ' سلیمان بن یسار' وہب بن عتبہ اور امام زہری وغیرہ ایک کثیر جماعت سے استفادہ کیا تھا[4]

وسعت علم:

حدیث میں ان کا علم نہایت وسیع تھا' اس عہد کے تمام علماء کا علم ان کے سینہ میں محفوظ تھا' طاؤس اپنے لڑکے کو ہدایت کرتے تھے کہ جب مکہ جانا تو ابن دینار کے پاس پرور جانا' ان کے کان علماء کا خریطہ تھے۔[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۰۔ [2] ایضاً۔ [3] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۲۷۔
[4] ابن سعد ج ۵ ص ۳۵۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۹۔

marfat.com

مرویات کا پایہ:

ان کی روایات کا پایہ ارباب فن کے نزدیک نہایت بلند تھا' امام زہری کہتے تھے کہ میں نے اعلیٰ درجہ کی حدیثوں میں اس شیخ سے زیادہ انص نہیں دیکھا' سفیان نے ایک مرتبہ سعد سے سوال کیا کہ تم نے حدیثوں میں سب سے زیادہ متقن کسی کو دیکھا انہوں نے کہ عمرو بن دینار اور قاسم بن عبدالرحمٰن کو' ابن عتبہ اور عمرو بن جریر انہیں ثقہ ثبت صدوق اور کثیر الحدیث کہتے تھے[1]

روایت بالمعنی:

روایت میں احتیاط کے باوجود احادیث کے الفاظ کی پابندی ضروری نہیں سمجھتے تھے' اور بالمعنی حدیثیں روایت کرتے تھے[2]

محدثین کا مرجوعہ:

حدیث میں ان کے وسعت علم کی بناء پر ان کی ذات شائقین حدیث کا مرجع بن گئی تھی۔ لوگ دوسروں سے پوچھ پوچھ کر ان کی مرویات لکھتے تھے' سفیان کا بیان ہے کہ ایوب مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ عمرو بن دینار نے فلاں شخص سے کون سی حدیث بیان کی ہے' میں ان کو بتا کر پوچھتا کیا آپ لکھنا چاہتے ہیں' وہ کہتے ہاں[3]

تلامذہ:

ان کے فیض عام نے ان کے تلامذہ کا دائرہ خاصہ وسیع کر دیا تھا' اکابر علماء میں جعفر صادق' ابوقتادہ' مسعر' ابن ابی نجیح' حماد اور سفیان وغیرہ کے نام لائق ذکر ہیں' ان کے علاوہ' عام تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔

فقہ:

فقہ میں بھی ان کو بڑی دستگاہ حاصل تھی' تفریع و استنباط مسائل میں انہیں درجہ امامت و اجتہاد حاصل تھا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ وہ اصحاب مذاہب کے مجتہدوں میں

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۵۳۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۰۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۳۵۳۔

marfat.com

تھے[1] مرکز علم کے ممتاز مفتی تھے[2] بعض علماء انہیں طاؤس' عطا اور مجاہد جیسے اکابر علماء پر ترجیح دیتے تھے۔ چنانچہ ابن ابی دینار ان کو تینوں سے بڑا فقیہ مانتے تھے[3] ابن عیینہ کہتے تھے کہ ہم لوگوں کے نزدیک عمرو بن دینار سے بڑا فقیہ' ان سے بڑا عالم اور حافظ حدیث کوئی نہ تھا[4]

احتیاط:

احتیاط کی بنا پر حدیث اور فقہی مسائل کی کتابت پسند نہ کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ لوگ ہم سے سوالات کرتے ہیں' جب ہم انہیں بتاتے ہیں' تو وہ اس کو لکھ کر پتھر پر نقش بنالیتے ہیں' ممکن ہے کل کو ہم ان سے رجوع کرلیں' (اس وقت وہ غلط نقوش باقی رہ جائیں گے) ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ سفیان آپ سے جو کچھ سنتے ہیں' اس کو لکھ لیتے ہیں' یہ سن کر آپ رونے لگے اور کہا جو شخص مجھ سے لکھتا ہے وہ مجھ پر بڑی زیادتی کرتا ہے۔[5]

ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کسی چیز کے متعلق کچھ پوچھا' آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سائل نے کہا اس کے بارے میں میرے دل میں بعض شکوک ہیں۔ اس لیے جواب مرحمت ہو۔ آپ نے کہا خدا کی قسم تمہارے دل میں ابوقیس (پہاڑ) کے برابر شک ہونا مجھے اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند ہے کہ میرے دل میں بال برابر بھی شک ہو[6] (یعنی اس کے جواب میں)

عبادت وریاضت:

بڑے عبادت گزار تھے' رات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزرتا تھا' ایک تہائی شب سوتے تھے' ایک تہائی میں حدیثیں پڑھتے تھے اور ایک تہائی نماز میں بسر ہوتی تھی۔[7]

---

1 تہذیب ج ۸ ص ۳۰۔ 2 تہذیب الاسماء ج اص ۲۷۔ 3 ایضاً ج اق اص ۲۷۔
4 تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۰۰۔ 5 ابن سعد ج ۵ ص ۳۵۴۔ 6 ابن سعد جلد ۵ ص ۳۵۴۔
7 تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۰۰۔

marfat.com

جماعت کا اہتمام:

جماعت کی پابندی میں اتنا اہتمام تھا کہ عالم پیری میں بھی جب چلنے پھرنے کی طاقت باقی نہ رہ گئی تھی مسجد ہی میں جوان کے گھر سے کافی فاصلہ پر تھی نماز پڑھتے تھے' سفیان کا بیان ہے کہ عمرو نے کسی زمانہ میں مسجد کا آنا نہیں چھوڑا۔

پیری کے زمانہ میں بھی جب وہ اٹھا کر سواری پر بٹھائے جاتے تھے میں نے ان کو ہمیشہ مسجد جانے کے انتظار ہی میں بیٹھا ہوا پایا ہے۔ میں صغر سنی میں انہیں اٹھا کر سواری پر بٹھانے کے قابل نہ تھا لیکن پھر چند دنوں کے بعد ہو گیا تھا' ان کا گھر مسجد سے دور تھا۔[1]

مذہبی خدمات کا معاوضہ نہ لیتے تھے:

مذہبی خدمات کا معاوضہ لینا اچھا نہ سمجھتے تھے۔ اور انہیں حبۃً للہ انجام دیتے تھے' ہشام بن عبدالملک نے آپ سے خواہش کی کہ میں آپ کا وظیفہ مقرر کیے دیتا ہوں' آپ اطمینان سے بیٹھ کر افتا کی خدمت انجام دیجئے آپ نے منظور نہ کیا' اور یوں ہی بلا معاوضہ جس طرح انجام دیتے چلے آرہے تھے انجام دیتے رہے۔[2]

وفات:

۱۱۶ھ میں وفات پائی۔[3]

---

[1] ابن سعد جلد ۵ ص ۳۵۳۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

marfat.com

۴۹۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

عکرمہ نسلاً بربری اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نامور غلام ہیں ابتداء میں حصین بن الحر العنبری کی غلامی میں تھے' انہوں نے ان کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دے دیا تھا[1] عکرمہ اس وقت کم سن تھے اس لیے ابن عباس ہی کے دامن تربیت میں ان کی پرورش ہوئی' ان کی تعلیم وتربیت کے اثر سے وہ اس درجہ کو پہنچ گئے کہ ان کی شخصیت بڑے بڑے آزاد علماء کے لیے باعث رشک بن گئی۔

تعلیم:

عکرمہ میں تحصیل علم کی استعداد اور اس کا ذوق وشوق فطری تھا' وہ ہر شے سے سبق لیتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں بازار جاتا تھا' اور کوئی بات سنتا تھا تو اس سے میرے لیے علم کے پچاسوں دروازے کھل جاتے تھے[2]

اس مناسبت طبع کے ساتھ ان کو ابن عباس جیسا حبر اور شفیق آقا مل گیا جس نے بڑی محنت اور جانفشانی سے ان کو تعلیم دی[3] عکرمہ کو علم کی اتنی پیاس تھی' کہ وہ تاعمر اس سے سیر نہ ہوئے۔ مسلسل چالیس برس تک تعلیم حاصل کرتے رہے[4]

فضل وکمال:

ان کے ذاتی ذوق وشوق اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی توجہ نے ان کو علم کا دریا بنا دیا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ (علم) سمندروں میں سے ایک سمندر تھے' حافظ ذہبی ان کو حبر العالم

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۲۔ [2] ابن خلکان ج اول ص ۳۱۹ (ابن سعد حوالہ مذکور)

[3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۴۔ [4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۶۔

marfat.com

کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔[1] ان کے زمانہ میں غلاموں میں کیا' بڑے بڑے شرفا اور نجباء میں بھی کوئی ان کا ہمسر نہ تھا' تفسیر' حدیث' فقہ جملہ علوم میں انہیں درجہ امامت حاصل تھا۔

تفسیر:

حضرت عبداللہ بن عباس تفسیر کے اتنے بڑے عالم تھے کہ کم صحابہ اس فن میں ان کا مقابلہ کر سکتے تھے انہوں نے بڑی توجہ اور کوشش سے عکرمہ کو تفسیر پڑھائی تھی[2] اور اپنا سارا علم ان کے سینہ میں منتقل کر دیا تھا' ابن عباس کے تلامذہ میں کوئی ان کا ہم سر نہ تھا۔ عباس بن مصعب مروزی کا بیان ہے کہ ابن عباس کے تلامذہ میں عکرمہ سب سے بڑے عالم تھے۔[3]

قتادہ کہتے تھے کہ اعلم التابعین چار ہیں' عطاء' سعید بن جبیر اور عکرمہ اور ان چاروں میں عکرمہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں' امام شعبی کہتے تھے کہ عکرمہ سے زیادہ کتاب اللہ کا جاننے والا اب باقی نہیں ہے' جب تک عکرمہ بصرہ میں رہتے تھے اس وقت تک حسن بصری تفسیر نہیں بیان کرتے تھے۔[4]

ابن عباس کی زندگی میں عکرمہ بڑے مفسر ہو گئے تھے' ابن عباس کبھی کبھی ان کا امتحان لیتے تھے' اور ان کے عالمانہ جواب سن کر اظہار خوشنودی کرتے تھے' ایک مرتبہ انہوں نے یہ آیت:

﴿لم تعظون قوما الله مهلكم اومعذبهم عذابا شديدا﴾

''تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے''۔

پڑھ کر فرمایا کہ اس آیت میں جن لوگوں کی طرف اشارہ ہے معلوم نہیں انہوں نے نجات پائی یا ہلاک ہو گئے۔ عکرمہ نے نہایت وضاحت اور تشریح سے ثابت کر دیا کہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۸۳۔ [2] ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۱۲۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۵۔ [4] ایضاً ص ۲۶۶۔

marfat.com

نجات پائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خوش ہو کر ان کو ایک حلہ پہنایا۔[1]

تفسیر کا درس:

مجاہد اور ابن جبیر جیسے فضلا ان سے تفسیر میں استفادہ کرتے تھے' یہ دونوں ان سے سوالات کرتے تھے' عکرمہ ان کا جواب دیتے تھے' ان کے سوالات ختم ہونے کے بعد پھر اپنی جانب سے بہت سی آیات کا شان نزول بتاتے۔[2] انہی کے فیض سے مجاہد امام تفسیر بن گئے تھے۔

حدیث:

ان کا خاص فن حدیث تھا' اس کے وہ بحر بیکراں تھے' حدیث میں انہوں نے زیادہ تر ابن عباسؓ سے فیض پایا تھا' ان کے علاوہ صحابہ میں حضرت علیؓ، ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوسعید خدریؓ، عقبہ بن عامرؓ، حجاج بن عمرو بن غزیہؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، صفوان بن امیہؓ، یعلی بن امیہؓ، جابرؓ، ابوقتادہؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور حمنہ بنت جحشؓ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا تھا۔[3]

حدیث میں ان کی وسعت علم کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرویات جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچی ہے زیادہ تر انہی سے مروی ہیں۔ علامہ ابن سعد ان کو کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔[4] شہر بن حوشب کہتے تھے کہ ہر قوم کا ایک حبر ہوتا ہے' اس امت کا حبر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا غلام ہے۔[5]

طالبان حدیث کا مرجوعہ:

ان کی ذات مرجع خلائق تھی' طالبان حدیث دور دور سے ان سے استفادہ کے لیے آتے تھے' جدھر سے وہ گزر جاتے تھے شائقین کا ٹھٹھ لگ جاتا تھا۔ ایوب کا بیان ہے کہ میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ عکرمہ دنیا کے جس حصہ میں بھی ہوں گے ان سے جا کر

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۲۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۹۔ [3] ایضاً۔

[4] ابن سعد ج ۷ ص ۲۱۶۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۵۔

marfat.com

ملوں گا اتفاق سے ایک دن بصرہ کے بازار میں مل گئے ان کے گرد آدمیوں کا ہجوم ہو گیا میں بھی قریب ہو گیا' لیکن ہجوم کی کثرت سے کچھ پوچھ نہ سکا' یہ دیکھ کر میں ان کی سواری کے پہلو میں کھڑا ہو گیا' لوگ ان سے جو کچھ پوچھتے تھے' اور وہ جو جوابات دیتے تھے میں ان کو یاد کرتا جاتا تھا[1] ایوب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عکرمہ ہمارے یہاں آئے' ان کے پاس لوگوں کا اتنا ہجوم ہو گیا کہ انہیں مجبور ہو کر چھت پر چڑھ جانا پڑا[2]

عکرمہ پر جرح:

ان بیانات کے ساتھ ساتھ رجال کی کتابوں میں عکرمہ کے بارے میں ایسی تنقیدیں بھی ملتی ہیں جن سے ان کی روایات کی صداقت بہت مشکوک ہو جاتی ہے۔ وہ تنقیدیں یہ ہیں:

1. ابوالاسود دئیلی کہتے ہیں کہ عکرمہ میں فہم و دانائی کم تھی جب ان سے کوئی حدیث پوچھی جاتی جس کو انہوں نے دو آدمیوں سے سنا ہوتا تو وہ اس کو کبھی ایک کی طرف منسوب کر دیتے کبھی دوسرے کی طرف لیکن یہ تنقید آپ اپنی تردید کرتی ہے جب انہوں نے ایک روایت دو راویوں سے سنی ہے تو انہیں اختیار ہے کہ جس کی جانب چاہیں منسوب کریں۔ اس سے ان کی فہم پر کس طرح حرف آ سکتا ہے۔
2. ابوخلف الخرار یحی البکار سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابن عمرؓ سے سنا تھا کہ وہ اپنے غلام نافع سے کہتے تھے نافع خدا سے ڈرو' اور مجھ پر اس طرح بہتان نہ باندھو جس طرح عکرمہ ابن عباسؓ پر باندھتے تھے۔
3. جریر بن عبدالحمید' یزید بن ابی زیاد سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے عکرمہ' کو ابن عباسؓ پر جھوٹ باندھنے کے جرم میں سزا دیتے تھے۔
4. ہشام بن سعد' عطاء خراسانی سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سعید بن مسیب سے کہا کہ عکرمہ کا گمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی۔ انہوں نے جواب دیا انہوں نے جھوٹ کہا۔

---

1. ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۳۔ 2. ایضاً۔

marfat.com

5 فطر بن خلیفہ کا بیان ہے کہ میں نے عطا سے کہا عکرمہ کہتے ہیں کہ موزوں پر مسح کو قرآن کے احکام نے باطل اور منسوخ کر دیا ہے عطاء نے کہا انہوں نے جھوٹ کہا' میں نے ابن عباسؓ سے سنا ہے' وہ کہتے تھے کہ خفین پر مسح کرو' اگرچہ تم بیت الخلاء سے نکلو۔

6 اسرائیل' عبدالکریم جرزی سے روایت کرتے ہیں کہ عکرمہ زمین کے لگان کو مکروہ سمجھتے تھے' انہوں نے سعید بن جبیر سے اس کا تذکرہ کیا' انہوں نے کہا عکرمہ نے جھوٹ کہا۔

7 وہیب بن خالد' یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ وہ انہیں جھوٹا کہتے تھے۔

8 ابراہیم بن منذر معن بن عیسیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالک' عکرمہ کو ثقہ نہیں سمجھتے اور ان سے روایت کی ممانعت کرتے تھے' اور اس قبیل کے بعض بیانات ہیں[1]

ان بیانات کی حیثیت:

لیکن ان میں سے کوئی روایت بھی لائق اعتماد نہیں' اس لیے کہ اولاً تو سندیں مسلسل نہیں ہیں دوسرے ان کے راوی لائق اعتماد نہیں۔

ابوالاسود دوئلی میں شیعیت تھی[2] اگرچہ شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا خارجیوں کے بعض خیالات عکرمہ کی جانب منسوب تھے' ایسی صورت میں ان کے بارے میں ایک شیعہ کا بیان لائق اعتبار نہیں رہ جاتا۔

دوسری روایت میں یحییٰ البکار باتفاق ارباب فن لائق اعتماد نہیں'[3] تیسری روایت کا ایک راوی یزید شیعہ ہے اس کے علاوہ اس نے خود عکرمہ سے روایت کی ہے[4] ایسی صورت میں اس کا بیان خود اس کے عمل کے خلاف ہو جاتا ہے پھر پہلا راوی جریر بن عبدالحمید بھی کچھ زیادہ لائق اعتماد نہیں'[5] چوتھی روایت میں ہشام بن سعد کی روایات پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں' محتاط محدثین ان سے روایت نہیں لیتے تھے[6]

---

[1] یہ تمام روایتیں تہذیب التہذیب ج ۷ تذکرہ عکرمہ میں ہیں۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۱۔

[3] ایضاً ج ۱۱ ص ۲۷۹۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۲۹۔

[5] ایضاً ج ۲ ص ۷۶۔ [6] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۱۳۔

marfat.com

پانچویں روایت میں فطر بن خلیفہ بعض لوگوں کے نزدیک قابل اعتبار نہیں[1]
چھٹی روایت کا راوی اسرائیل بالکل مجہول ہے' پھر جس بناء پر عکرمہ کی تکذیب کی گئی ہے اس کی حیثیت یہ ہے کہ گو بروایت صحیحہ عہد رسالت میں لگان لیا جاتا تھا' لیکن بعض صحابہ کو لاعلمی یا غلط فہمی کی بناء پر اس کے جواز میں شک تھا' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو اگرچہ اس کا ذاتی علم تھا کہ عہد رسالت میں برابر لگان لیا جاتا تھا' لیکن بعض صحابہ کو لاعلمی یا غلط فہمی کی بنا پر اس کے جواز میں شک تھا اس لیے ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس خیال سے لگان لینا ترک کر دیا تھا کہ ممکن ہے انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ممانعت نہ سنی ہو'[2] ایسی حالت عکرمہ کا خیال بالکل بے بنیاد نہیں تھا۔ ساتویں روایت میں خالد ضعفاء میں ہے۔[3] آٹھویں روایت میں ابراہیم بن منذر کی روایت متکلم فیہ ہیں۔[4]

غرض روایتی حیثیت سے یہ تمام بیانات اعتبار کے قابل نہیں ہیں' پھر ان بیانات کے خلاف اتنی روایتیں ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے عکرمہ پر حرف رکھنا قیاس ہی میں نہیں آ سکتا مثلاً:

علماء اور محدثین کا اتفاق:

اسحٰق بن عیسیٰ الطباع کا بیان ہے کہ میں نے مالک بن انس سے پوچھا کہ آپ کو ابن عمرؓ کے اس قول کا علم ہے کہ ''مجھ پر اس طرح کا جھوٹ نہ باندھو جس طرح عکرمہ' ابن عباسؓ پر جھوٹ باندھتے ہیں''۔ مالک نے کہا نہیں' مجھے اس کا علم نہیں البتہ سعید بن مسیب اپنے غلام برد سے ایسا کہتے تھے' اس میں شک نہیں کہ سعید بن جبیر دوسروں کی زبانی سنی ہوئی عکرمہ کی بعض روایات میں شبہ ظاہر کرتے تھے۔ لیکن جب ان کو خود ان کی زبان سے سن لیتے تھے تو ان کا شبہ دور ہو جاتا تھا' ابواسحاق کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابن جبیر کو یہ کہتے سنا تم کہ لوگ عکرمہ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو کہ اگر میں ان کے پاس ہوتا تو

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۰۲۔ [2] بخاری ج اول ص ۳۱۵۔

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۷۰۔ [2] ایضاً ج اول ص ۱۶۷۔

marfat.com

شاید ان وہ نہ بیان کرتے' اتفاق سے اس کے بعد ہی عکرمہ آ گئے اور انہوں نے وہی حدیثیں بیان کیں' تمام حاضرین خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ سعید بھی کچھ نہیں بولے۔ جب عکرمہ اٹھ گئے تو لوگوں نے ابن جبیر سے پوچھا۔ ابوعبداللہ یہ کیا اب آپ کیوں خاموش رہے' انہوں نے کہا عکرمہ نے صحیح بیان کیں[1] تمام محدثین ان کی صداقت اور ان کے کمالات علمی کے معترف تھے اور ان کی روایات قبول کرتے تھے۔

چنانچہ عطاء اور سعید دونوں ان کی حدیثیں بلاتکلف قبول کرتے تھے۔ حبیب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عکرمہ اور عطاء سعید کے یہاں گئے اور ان کو حدیثیں سنائیں۔ جب وہ حدیث بیان کر کے اٹھ گئے تو میں نے ان دونوں سے پوچھا کہ عکرمہ نے جو کچھ بیان کیا ہے' اس میں کسی چیز سے آپ کو انکار ہے انہوں نے کہا نہیں[2] ابن جبیر جو خود بہت بڑے عالم تھے عکرمہ کو اپنے سے بڑا عالم مانتے تھے[3] ابن جریج جو تبع تابعین میں نہایت بلند مرتبہ محدث تھے۔ عکرمہ کے اتنے معترف تھے کہ انہوں نے ایک مرتبہ یحییٰ بن ایوب مصری سے پوچھا کہ تم لوگوں نے عکرمہ سے کچھ لکھا انہوں نے کہا نہیں۔ ابن جریج نے کہا تو تم نے دو تہائی علم ضائع کر دیا[4]

قتادہ چار آدمیوں کو بڑا عالم مانتے تھے۔ ان میں ایک عکرمہ تھے۔ ابن سیرینؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تمام روایتیں عکرمہ ہی کے واسطہ سے لی ہیں۔ امام احمد بن حنبل ان کی روایات لائق احتجاج سمجھتے تھے۔ ابن معین ثقاہت میں عکرمہ کو ابن جبیر کے برابر سمجھتے تھے' ان کو ان سے اتنی عقیدت تھی کہ ان کے متعلق کسی قسم کا سوءِ ظن روا نہ رکھتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ جب کسی شخص کو عکرمہ اور حماد بن سلمہ کے بارے میں عیب چینی کرتے ہوئے سنتا ہوں تو مجھے اس کے اسلام پر شک ہو جاتا ہے' ابن مدائنی کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ کے غلاموں میں سے عکرمہ سے زیادہ وسیع العلم دوسرا نہ تھا' عکرمہ اہل علم میں تھے'

---

[1] ابن سعد جلد ۵ ص ۲۱۳۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۳۔

[3] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۶۶۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

امام بخاری کہتے تھے کہ ہمارے تمام اصحاب عکرمہ سے احتجاج کرتے ہیں' امام نسائی انہیں ثقہ کہتے ہیں' ابن ابی حاتم کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے سوال کیا کہ عکرمہ کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ثقہ ہیں' میں نے پوچھا ان کی احادیث لائق احتجاج ہیں۔ فرمایا ہاں جب وہ ثقات سے روایت کریں' یحییٰ بن سعید اور امام مالک نے ان کی روایت کا نہیں بلکہ ان کی رائے کا انکار کیا ہے ان سے پوچھا گیا ابن عباسؓ کے اور غلاموں کا کیا حال ہے؟ فرمایا عکرمہ ان سب میں بلند مرتبہ ہیں۔ اس موقع پر ان کی کوئی حدیث بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں' ثقات ان سے جو روایت کرتے ہیں وہ سب روایات صحیح اور درست ہیں' ائمہ حدیث نے ان کی روایت سے منع نہیں کیا ہے اور اصحاب صحاح نے ان کی روایات کو صحاح میں داخل کیا ہے۔ ان کی شخصیت اس سے بلند ہے کہ میں نے ان کی احادیث کو ثبوت میں پیش کروں[1]

ابن مندہ کا بیان ہے کہ اکابر تابعین کی بڑی تعداد اور تبع تابعین نے عکرمہ کی تعدیل کی ہے' ان سے احادیث روایت کی ہیں' ان کی منفرد روایتوں سے صفات سنن اور احکام میں احتجاج کیا ہے' ان سے تین سو سے زیادہ اشخاص نے روایتیں کی ہیں' جن میں ستر سے زیادہ بڑے اور خیار تابعین ہیں' یہ وہ مرتبہ ہے جو کسی تابعی کو حاصل نہیں' جن ائمہ نے ان پر جرح کی ہے وہ بھی ان کی احادیث قبول کرنے سے بے نیاز نہ رہ سکے' ان کی احادیث حسن قبول کے ساتھ لی جاتی ہیں۔ ابتداءً یعنی تابعین کے دور سے لے کر ائمہ اربعہ یعنی بخاری' مسلم' ابوداؤد اور نسائی کے زمانہ تک ائمہ نے ان کی صحیح روایات لے کر ثابت و سقیم اور صحیح روایت میں امتیاز قائم کیا ہے اور ان کی روایات سے قرناً بعد قرنٍ اور اماماً بعد امامٍ احتجاج ہوتا چلا آیا ہے۔ اور چاروں ائمہ نے ان کی روایات لی ہیں' اور ان سے احتجاج کیا ہے' امام مسلم ان کے متعلق اچھی رائے نہ رکھتے تھے' اس کے باوجود انہوں نے ان سے روایتیں لی ہیں اور جرح کے بعد تعدیل کی ہے[2]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۶ تا ۲۷۰۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۔

marfat.com

ابوعبداللہ محمد بن نصر المروزی کا بیان ہے کہ عکرمہ کی احادیث سے احتجاج پر تمام علمائے حدیث کا اجتماع ہے۔ ہمارے زمانہ کے تمام ممتاز محدثین، احمد بن حنبل، ابن راہویہ، یحییٰ ابن معین اور ابوثور وغیرہ کا اس پر اتفاق ہے۔ میں نے ابن راہویہ سے ان کی روایات سے احتجاج کے بارے میں پوچھا انہوں نے میرے سوال پر متعجب ہو کر کہا، عکرمہ ہمارے نزدیک ساری دنیا کے امام ہیں، بعض اور لوگوں نے یحییٰ بن معین سے یہی سوال کیا، تو انہوں نے بھی اس سوال پر تعجب کا اظہار کیا۔ جابر بن یزید کہتے تھے کہ عکرمہ اعلم الناس ہیں، جو شخص ذرا بھی شمیم علم کا رائحہ شناس ہے۔ اس کو یزید بن ابی زیاد اس باب میں قابل احتجاج نہیں ہیں، اور ایک مجروح کے قول سے ایک عادل مجروح نہیں ہوسکتا۔ عکرمہ وہ شخص ہیں جن کے سرچشمۂ علم سے اہل علم نے ساری دنیا میں حدیث اور فقہ پھیلائی ہے۔ مجھے ان میں سوائے تھوڑی سی ظرافت کے اور کسی برائی کا علم نہیں[1]

غرض چند غیر مستند بیانات کے علاوہ جن کی حیثیت اوپر ظاہر کی جاچکی ہے، تمام علماء و محدثین کا عکرمہ کی جلالت شان اور ان کی صداقت پر اتفاق ہے، ان کی صداقت کی ناقابل انکار شہادت یہ ہے کہ خود حضرت عبداللہ بن عباس کو جن کے دامن میں عکرمہ نے تربیت پائی فرماتے ہیں کہ عکرمہ مجھ سے جو روایت کریں اسے سچ سمجھو[2] ان تمام اقوال و اسناد کے بعد عکرمہ کی علمی عظمت میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

تلامذہ:

ان بیانات کے علاوہ ان کے علمی مرتبہ کا اندازہ ان لاتعداد طالبان حدیث سے ہوسکتا ہے، جنہوں نے ان سے سماع حدیث کیا تھا، اور اس میں بہت سے ائمہ تھے، ان کی فہرست نہایت طویل ہے۔ بعض ممتاز اور لائق ذکر نام یہ ہیں۔

ابراہیم نخعی، جابر بن زید، امام شعبی، ابواسحاق سبیعی، ابوالزبیر، قتادہ، سماک بن حرب، عاصم الاحول، حصین بن عبدالرحمٰن، ایوب، خالد الحذاء، داؤد بن ابی ہند، عاصم بن بہدلہ،

---

1 تہذیب التہذیب ص ۲۷۲، ۲۷۳۔ 2 تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۲۔

marfat.com

بہدلہ' عبدالکریم الجزری' حمید الطّویل' موسیٰ بن عقبہ' عمرو بن دینار' عطاء بن سائب' یحییٰ بن سعید انصاری' یزید بن ابی حبیب' ابواسحاق شیبانی' ہشام بن حسان' یحییٰ بن کثیر' حکم بن عیینہ' خصیف الجزری اور داؤد بن الحصین وغیرہ[1]

فقہ:

گوعکرمہ کا اصل فن حدیث تھا' لیکن فقہ میں بھی وہ امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ ابن حبان لکھتے ہیں کہ عکرمہ اپنے زمانہ کے فقہ اور قرآن کے بڑے علماء میں تھے[2] ان کے تفقہ کی بڑی سند یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی زندگی ہی میں ان کو افتاء کا مجاز بنا دیا تھا' ان کا خود بیان ہے کہ ابن عباسؓ نے مجھ سے فتویٰ دینے کو کہا' میں نے دو مرتبہ معذرت کی کہ اگر اس زمانہ کے لوگ صالحین کی طرح ہوتے تو مجھے تامل نہ ہوتا' یہ عذر سننے کے بعد بھی انہوں نے اصرار کیا کہ جو شخص تم سے ضروری مسائل پوچھا کرے' اس کو بتا دیا کرو' اور جو غیر ضروری سوالات کرے اس کا جواب نہ دیا کرو' اس طریقہ عمل سے تمہارا دو تہائی بوجھ ہلکا ہو جائے گا[3] ان کا فقہی کمال اتنا مسلم تھا کہ جب وہ بصرہ جاتے اور جتنے دنوں رہتے اتنے دنوں تک حسن بصری فتویٰ نہ دیتے تھے[4] ان کے انتقال کے وقت خلق خدا کی زبان پر تھا کہ آج افقہ الناس دنیا سے اٹھ گیا۔[5]

ان کے معاصرین مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے' عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ جابر بن زید نے مجھ سے چند مسائل عکرمہ سے پوچھنے کے لیے کہا اور ہدایت کی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ غلام دریا ہے اس سے پوچھا کرو۔[6]

مغازی:

حدیث وفقہ کے علاوہ تاریخ میں بھی ان کو درک تھا' مغازی کے ممتاز عالم تھے' اس پر اتنا عبور تھا کہ مغازی بیان کرتے وقت اپنی قوت گویائی سے میدان جنگ کا سماں

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۴۔ [2] ایضاً ص ۲۷۱۔ [3] ایضاً ص ۲۶۵۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ص ۴۔ [5] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۶۔ [6] ایضاً ص ۲۱۳۔

marfat.com

باندھ دیتے تھے'ابن عیینہ کا بیان ہے کہ عکرمہ جب مغازی بیان کرتے تھے تو سننے والے کو معلوم ہوتا کہ وہ مجاہدوں کے سامنے موجود ہے'اور ان کو دیکھ رہا ہے۔[1]

وفات:

باختلاف روایت ۱۰۶ھ یا ۱۰۷ھ میں وفات پائی۔[2] حافظ ذہبی کے نزدیک ۱۰۷ھ میں مدینہ میں انتقال ہوا'ایک روایت قیروان (افریقہ) میں بھی انتقال کی ملتی ہے۔لیکن یہ لائق اعتماد نہیں۔

بعض شکوک کا ازالہ:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عکرمہ کا رجحان خارجی فرقہ صفریہ اور اباضیہ کی طرف تھا اور نجدہ خارجی کے ساتھ ان کے تعلقات و مراسم تھے'وہ ان کے پاس چھ مہینہ تک رہا بھی تھا'مغرب کے خارجیوں نے ان سے علمی استفادہ کیا تھا'لیکن ان بیانات کی صداقت بڑی حد تک مشکوک ہے۔

ابن سعد میں جو سب سے قدیم ماخذ ہے صرف اس قدر ملتا ہے۔یعنی گمان کیا جاتا ہے کہ خارجیوں کی رائے رکھتے تھے''اس بیان کی جو حیثیت ہے'وہ ظن اور گمان کے الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔بعض لوگ سرے سے اس بیان ہی کے منکر ہیں۔چنانچہ عجلی کہتے ہیں کہ وہ مکی تابعی اور ثقہ ہیں'اور خارجیت کی تہمت جو لوگ ان پر لگاتے ہیں بری ہیں۔[4]

ان بیانات کے علاوہ قرائن بھی اس کے خلاف ہیں'ان کی نشو ونما حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے دامن میں ہوئی تھی جو خارجیوں کے دشمن تھے'ان کا پہلا آقا حصین بن الحر العنبری بھی محب اہل بیت تھا'ایسی حالت میں خارجیت کی طرف ان کا میلان کا کم امکان ہے'اس کے مقابلہ میں اگر شیعیت کی طرف رجحان بیان کیا جاتا تو زیادہ قرین قیاس ہوسکتا تھا۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۶۔ [2] ابن سعد ص ۷۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۸۴۔
[4] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۷۰۔

marfat.com

مختلف بیانات کے پڑھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عکرمہ عام مسلمانوں کی طرح خوارج کے بارے میں متشدد نہ تھے اور ان سے رسم و راہ رکھتے تھے اور چونکہ ان کا یہ طرز عمل عام مسلمانوں کے طریقہ کے خلاف تھا اور وہ اسے پسند نہ کرتے تھے اس لیے ان کی خارجیت کی شہرت ہوگئی، یہ بھی ممکن ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں وہ خوارج کے ہم خیال رہے ہوں اس لیے ان کو خارجی مشہور کر دیا گیا ہو ورنہ ان کو اس جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔

سیر و سیاحت:

عکرمہ کو سیر و سیاست کا بڑا شوق تھا وہ ہمیشہ سیر و سیاحت میں مصروف رہتے تھے۔ مشرق میں ان کی سیاحت کا دائرہ سمرقند تک اور مغرب میں مصر و افریقہ تک وسیع تھا۔[1]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۷۰۔

marfat.com

۵۰۔علی بن حسین رضی اللہ عنہما

نام ونسب:

علی نام، ابوالحسن، زین العابدین لقب، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے فرزند اصغر اور ریاض نبوت کے گل تر تھے، کربلا کے میدان میں اہل بیت نبوی کا چمن اجڑنے کے بعد یہی ایک پھول باقی رہ گیا تھا، جس سے دنیا میں شمیم سیادت پھیلی اور حسین رضی اللہ عنہ کا نام باقی رہا۔

دودھیالی شجرہ آفتاب سے زیادہ روشن اور ماہتاب سے زیادہ منور ہے۔ ننہالی شجرہ بہت مختلف فیہ ہے۔ مشہور عام روایت یہ ہے کہ آپ ایران کے آخری تاجدار یزدگرد کے نواسہ تھے۔

اس کی تفصیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں یزدگرد کو شکست ہوئی تو اور قیدیوں کے ساتھ اس کی تین لڑکیاں بھی گرفتار ہوئیں، حضرت عمرؓ نے دوسرے قیدیوں کی طرح انہیں بھی بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ نے اختلاف کیا کہ شاہزادیوں کے ساتھ عام لڑکیوں کا سا سلوک نہ کرنا چاہیے، اور یہ تجویز پیش کی کہ ان کی قیمت لگوائی جائے۔ جو قیمت لگے گی جو شخص لے گا اسے اتنی قیمت ادا کرنا ہوگی، چنانچہ قیمت لگوا کر تینوں لڑکیوں کو خود خرید لیا اور ایک حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے محمد کو دے دی، اور دوسری حضرت عمرؓ کے فرزند حضرت عبداللہ کو عطا فرمائی اور تیسری اپنے صاحبزادے حضرت حسینؓ کو ان تینوں کے بطن سے حضرت قاسم بن محمد، حضرت سالم بن عبداللہ، اور حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہم پیدا ہوئے۔

قدیم مورخ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے معارف میں[1] لکھا ہے کہ زین العابدین

---

[1] معارف ابن قتیبہ ص ۹۴۔

marfat.com

کی ماں سندھ کی تھیں اور ان کا نام سلافہ یا غزالہ تھا' ابن سعد نے غزالہ اختیار کیا ہے' لیکن سلسلہ نسب نہیں دیا ہے اور نہ یزدگرد کے شاہی نسب کی طرف اشارہ کیا ہے' پہلی روایت مختلف حیثیتوں سے غیر معتبر ہے' علامہ شبلی نے الفاروق میں اس پر تفصیلی تنقید کی ہے' جس سے اس کی بے اعتباری واضح ہو جاتی ہے مگر ان روایات سے اتنا بہر حال ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کسی غیر قوم کی خاتون تھیں۔

ولادت:

حضرت زین العابدین ۳۸ھ میں پیدا ہوئے[1]

واقعہ کربلا:

اپنے جد امجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں بچہ تھے' اس لیے اس عہد کا کوئی واقعہ لائق ذکر نہیں ہے۔ سن رشد کو پہنچنے کے بعد کربلا کا واقعہ پیش آیا' اس سفر میں آپ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ تھے۔ مگر علالت کی وجہ سے شریک جنگ نہ ہو سکے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شمر ذی الجوشن نے آپ کو قتل کرا دینا چاہا' لیکن خود اس کے ایک ساتھی کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا۔ اس نے کہا سبحان اللہ ہم اس نوخیز اور بیمار نوجوان کو جس نے جنگ میں کوئی حصہ بھی نہیں لیا قتل نہیں کر سکتے۔ عمرو بن سعد بھی پہنچ گیا' اس نے شامیوں کو روک دیا کہ اس بیمار اور عورتوں سے کوئی شخص تعرض نہ کرے[2]

قید:

اہل بیت کا ایک عقیدت مند شامی آپ پر مہربان ہو گیا تھا۔ اس نے آپ کو چھپا لیا' وہ آپ کی بڑی خدمت کرتا تھا' اس درجہ کو آپ کے ساتھ تعلق خاطر تھا کہ آپ کے پاس روتا ہوا آتا تھا اور روتا ہوا واپس جاتا تھا۔ اس کے اس شریفانہ برتاؤ سے آپ بہت متاثر ہوئے۔ لیکن عام شامیوں کی طرح دولت کے مقابلہ میں اس کی عقیدت بھی شقاوت سے بدل گئی۔ ابن زیاد نے آپ کی گرفتاری کے لیے تین سو اشرفی کا انعام مقرر

---

[1] ابن خلکان جلد اول ص ۳۲۱۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷۔

marfat.com

کیا تھا' اس کی طمع میں شامی نے آپ کو باندھ کر ابن زیاد کے آدمیوں کے حوالہ کر دیا[1]

ابن زیاد سے مکالمہ:

گرفتاری کے بعد دوسرے حسینی قیدیوں کے ساتھ آپ بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کئے گئے' اس نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا علی' نام سن کر اس نے کہا کیا خدا نے علی کو قتل نہیں کر دیا' آپ خاموش رہے۔ ابن زیاد نے کہا جواب کیوں نہیں دیتے' فرمایا میرے دوسرے بھائی کا نام علی تھا' ان کو لوگوں نے قتل کر دیا' ابن زیاد بولا نہیں بلکہ خدا نے قتل کیا' حضرت امام خاموش رہے' ابن زیاد نے پھر پوچھا آپ نے جواب میں یہ دو آیتیں تلاوت فرمائیں:

﴿ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (آل عمران: ١٥)

''اللہ ہی نفوس کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے اور کسی نفس کو بغیر خدا کے اذن کے مرنے کا اختیار نہیں ہے''۔

یہ جواب سن کر ابن زیاد نے کہا تم بھی انہی لوگوں میں ہو' اور آپ کے قتل کا حکم دے دیا۔ حکم سن کر حضرت زین العابدین نے فرمایا' ان عورتوں کو کس کے سپرد کرو گے۔ آپ کی پھوپھی حضرت زینب یہ ظالمانہ حکم سن کر تڑپ گئیں' اور حضرت زین العابدین سے چمٹ گئیں اور ابن زیاد سے کہا اگر تو انہیں بھی قتل کرنے پر آمادہ ہے' تو ان کے ساتھ مجھے بھی قتل کر دے' مگر حضرت امام زین العابدین پر مطلق خوف و ہراس طاری نہ ہوا آپ نے نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ اگر مجھے قتل کرنا ہے تو کم از کم کسی آدمی کو ان عورتوں کے ساتھ کر دو جو انہیں حفاظت کے ساتھ وطن پہنچا دے' ان کا یہ استقلال دیکھ کر ابن زیاد ان کا منہ تکنے لگا اور اس کے دل میں خدا نے رحم ڈال دیا' چنانچہ اس نے عورتوں کے ساتھ رہنے کے لیے آپ کو چھوڑ دیا[2]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷ و ابن اثیر ج ۴ ص ۷۰ و ۷۱۔

maktabah.org

شام کا سفر اور یزید سے مکالمہ:

اس کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کو یزید کے پاس شام بھجوا دیا' شام پہنچنے کے بعد یہ لوگ یزید کے سامنے پیش کیے گئے' اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر دیکھ کر حضرت زین العابدین سے کہا' علی! جو کچھ تم دیکھ رہے ہو یہ اس کا نتیجہ ہے کہ تمہارے باپ نے مجھ سے قطع رحم کیا' میرے حق سے غفلت کی' اور حکومت میں جھگڑا کیا۔

امام ممدوح نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی:

﴿ مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ﴾

''تم کو زمین اور اپنی جانوں میں جو مصیبتیں پہنچیں' ان کو پیدا کرنے سے پہلے ہم نے لکھ رکھا ہے''۔

یزید نے اپنے لڑکے خالد سے جو پاس بیٹھا تھا کہا کہ تم اس کا جواب دو' مگر وہ جواب نہ دے سکا تو یزید نے کہا تم یہ آیت پڑھو[1]

﴿ وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴾ (شوریٰ : ۳)

''اور تم کو جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی کمائی ہوئی ہے' اور اللہ تعالیٰ بہتوں سے معاف کر دیتا ہے''۔

اس مجلس میں ایک شامی نے کہا کہ یہ قیدی ہمارے لیے حلال ہیں۔ حضرت علی بن حسینؓ نے فرمایا تو جھوٹ بکتا ہے اگر تو مر بھی جائے تب بھی تیرے لیے یہ جائز نہیں' جب تک کہ تو ہمارے مذہب سے نکل نہ جائے۔ (یعنی اسلام پر قائم رہتے ہوئے کسی مسلمان کے لیے قیدی عورت جائز نہیں ہے) یزید نے شامی کو خاموش کر کے بٹھا دیا[2]

اہل بیت کا معائنہ کرنے کے بعد یزید نے ان کو شاہی حرم سرا میں ٹھہرا دیا یہ سب عورتیں عزیز ہی تھیں' اس لیے تین دن تک یزید کے محل میں ماتم بپا رہا' جب تک یہ

---

[1] طبری ج ۷ ص ۳۷۶۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷۔

marfat.com

لوگ مقیم رہے یزید ان کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک کرتا رہا۔ زین العابدین کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھلاتا تھا[1]

مدینہ کی واپسی اور یزید کے وعدے:

چند دنوں تک قیام کے بعد اہل بیت کو کسی قدر سکون ہوا تو یزید نے زین العابدین سے کہا اگر تم ہمارے ساتھ رہنا چاہو تو یہیں رہو میں صلہ رحمی سے پیش آؤں گا اور تمہارا پورا حق ادا کروں گا' اور اگر واپس جانا چاہو تو واپس جا سکتے ہو میں تمہارے ساتھ حسن سلوک کرتا ہوں' زین العابدین نے واپس جانے کی خواہش کی[2]

ان کی خواہش پر یزید نے سرکاری فوج کی نگرانی میں انہیں بحفاظت واپس کر دیا اور رخصت کرتے وقت زین العابدین سے کہا ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت ہو اگر میں ہوتا تو حسین جو کہتے اسے مان لیتا اور ان کی جان نہ جانے دیتا' خواہ اس میں میری اولاد ہی کیوں نہ کام آ جاتی۔ بہرحال اب تو قضائے الٰہی پوری ہو چکی آئندہ جب بھی تم کو کسی قسم کی ضرورت پیش آئے تو فوراً لکھنا[3]

مدینہ کا قیام اور عزلت گزینی:

اعزہ کی شہادت' گھر کی بربادی اور اپنی بے کسی پر زین العابدین کا دل ایسا ٹوٹ گیا تھا کہ مدینہ آنے کے بعد انہوں نے عزلت نشینی اختیار کر لی اور آئندہ کسی تحریک میں کوئی حصہ نہ لیا' اور ہر فتنہ انگیز تحریک سے اپنا دامن بچاتے رہے' یزید نے بھی ہر موقع پر ان کا بڑا لحاظ رکھا۔

زین العابدین کی کنارہ کشی:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے' اہل حجاز نے ان کے ہاتھوں پر بیعت کر لی مکہ اور مدینہ کے باشندوں نے اپنے یہاں سے اموی عمال کو نکال دیا' یزید نے ان کی تنبیہ کے لیے مسلم[4] بن عقبہ

---

[1] طبری ج ۷ ص ۳۷۸۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۷۔ [3] طبری ج ۳ ص ۳۷۹۔

[4] ابن سعد میں ''مسرف'' لیکن اور تمام تاریخ کی کتابوں میں مسلم نام ہے۔

marfat.com

کو ایک لشکر جرار کے ساتھ روانہ کیا' اور امیر عسکر کو ہدایت کر دی کہ زین العابدین کو کوئی گزند نہ پہنچنے پائے' اہل مدینہ مقابلہ میں آئے' لیکن فاش شکست کھائی' ہزاروں آدمی مارے گئے اور یزیدی فوج کئی دن تک مدینۃ الرسول کو لوٹتی رہی' اس جنگ میں زین العابدین اور ان کے اعزہ نے کوئی حصہ نہیں لیا اور مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے۔ مدینہ کو ویران کرنے کے بعد مسلم عقیق گیا اور زین العابدین کو پوچھا' معلوم ہوا موجود ہیں' زین العابدین کو خبر ہوئی تو وہ خود اس سے ملنے آئے اور اپنے ساتھ اپنے چچازاد بھائیوں ابو ہاشم' عبداللہ اور حسن بن محمد بن حنفیہ کو بھی لیتے آئے۔

مسلم بڑی عزت و تکریم کے ساتھ ان سے ملا' انہیں اپنے تخت پر بٹھا کر اور مزاج پرسی کے بعد کہا امیر المومنین نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت فرمائی تھی' آپ نے فرمایا خدا ان کو اس کا صلہ دے' مسلم نے دونوں لڑکوں کے متعلق پوچھا زین العابدین نے کہا میرے چچیرے بھائی ہیں' یہ سن کر مسلم نے ان سے ملنے پر بھی مسرت ظاہر کی' اس خوش آئند ملاقات کے بعد زین العابدین واپس گئے۔[1]

مختار کا خروج اور زین العابدین کی علیحدگی:

اسی زمانہ میں ایک حوصلہ مند ملحد مختار بن ابی عبید ثقفی حصول حکومت کے لیے محبت اہل بیت کے نام پر خون حسین کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا' ہزاروں آدمی اس کے ساتھ ہو گئے' اس نے مقصد برآری کے لیے زین العابدین کے پاس ایک گرانقدر رقم نذر بھیج کر درخواست کی کہ آپ ہمارے امام ہیں' ہم سے بیعت لے کر ہماری سرپرستی قبول فرمایئے' لیکن آپ اس کی حقیقت سے آگاہ تھے' اس لیے اس کی درخواست ٹھکرا دی' اور مسجد نبوی ﷺ میں جا کر اس کے فسق و فجور اور کفر و الحاد کا پردہ فاش کر کے فرمایا کہ اس نے محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے اہل بیت کو آڑ بنایا ہے۔ اس کے فریب میں نہ آنا چاہیے' ان سے مایوس ہو کر مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف رجوع کیا' یہ اس کے دام میں

---

[1] اخبار الطوال صفحہ ۲۷۵، ۲۷۶ و ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۹۔

marfat.com

آ گئے' زین العابدین نے انہیں بھی روکا اور ان سے کہا کہ اہل بیت کی محبت میں اس کا ظاہر اس کے باطن سے مختلف ہے' وہ محض محبان اہل بیت کو مائل کرنے کے لیے محبت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے' حقیقت میں اس کو اہل بیت کی دوستی سے کوئی تعلق نہیں' بلکہ وہ ان کا دشمن ہے۔ اس لیے میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہیے' ابن حنفیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت سے تمام محبان اہل بیت خصوصاً بنی ہاشم کے دل زخمی ہو رہے تھے۔ اس لیے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی مختار کی حمایت کی اور ابن حنفیہ کو زین العابدین کا کہنا ماننے سے روکا۔[1]

اس کے بعد بنی امیہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مختار کی بڑی بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں لیکن حضرت امام بالکل کنارہ کش رہے اور مختار کے قتل ہو جانے کے بعد بھی اس پر لعنت بھیجتے رہے' ابوجعفر کا بیان ہے کہ علی بن حسین باب کعبہ پر کھڑے ہو کر مختار پر لعنت بھیجتے تھے' ایک شخص نے کہا خدا مجھے آپ پر فدا کرے آپ ایسے شخص پر لعنت بھیجتے ہیں جو آپ کے خاندان کی محبت میں مارا گیا' فرمایا وہ کذاب تھا اور خدا اور رسول پر بہتان باندھتا تھا۔[2]

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی اس عزلت نشینی اور کنارہ کشی کے باوجود ابتداء میں عبدالملک کو آپ کی جانب سے دعویٰ خلافت کا خطرہ تھا۔ چنانچہ اس نے آپ کو مدینہ سے شام بجر بلوالیا تھا' لیکن پھر امام زہری نے آپ کی جانب سے صفائی پیش کی اور کہا زین العابدین کی جانب سے آپ کی بدگمانی غلط ہے' انہیں دن رات اپنی ذات اور خدا کی عبادت سے کام ہے' وہ کسی جھگڑے میں نہ پڑیں گے۔ زہری کی اس سفارش پر اس نے رہا کر دیا۔[3]

وفات:

۹۴ھ میں مدینۃ الرسول میں وفات پائی' اور جنت البقیع میں اپنے بابا حسن اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے روضہ میں دفن کیے گئے۔[4]

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۴۷۹' ۴۸۰۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۸۔

[3] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۵۔ [4] ابن خلکان ج اول ص ۳۲۱۔

marfat.com

فضل وکمال:

آپ جس خانوادہ علم کے چشم و چراغ تھے وہ علوم دینی کا سرچشمہ تھا۔ آپ کے جد امجد علم و عمل کے مجمع البحرین تھے اس لیے علم آپ کے گھر کی دولت تھی' لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ کربلا نے ایسا افسردہ خاطر اور دنیا کی ہر شے سے دل ایسا اچاٹ کر دیا تھا کہ علم و فن کی کتاب بھی آپ نے تہہ کر دی تھی' اس لیے آپ کے علمی کمالات ظاہر نہ ہو سکے' لیکن آپ کا علمی پایہ مسلم تھا' امام زہری کہتے تھے کہ میں نے مدینہ میں ان سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا[1] امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ ہر شے میں ان کی جلالت وعظمت پر سب کا اتفاق ہے[2]

حدیث:

اگرچہ آپ کا شمار حفاظ حدیث میں نہیں ہوتا تاہم حفظ حدیث میں امتیازی درجہ رکھتے تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

کان ثقة ماموناً کثیر الحدیث عالیة رفیعًا[3]

حدیث میں اپنے والد بزرگوار حضرت حسینؓ، اپنے بابا حسنؓ، اپنے چچیرے دادا ابن عباسؓ اپنی دادی عائشہؓ، ام سلمہؓ، اور صفیہؓ اور اپنے خاندانی غلام ابورافع (مولی رسول اللہ ﷺ) ان کے لڑکے عبیداللہ' حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوانؓ اور دوسرے بزرگوں میں ابوہریرہؓ، مسور بن مخرمہ اور سعید بن مسیب سے استفادہ کیا تھا[4]

روایت میں آپ کے والد اور جد امجد کا سلسلہ سلسلۃ الذہب سمجھا جاتا ہے' ابوبکر بن ابی شیبہ کا بیان ہے کہ زہری کی وہ روایات جو علی بن حسین' ان کے والد اور ان کے دادا کے سلسلہ سے مروی ہیں وہ اصح الاسانید ہیں۔[5]

تلامذہ:

خود آپ سے فیض اٹھانے والوں کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا۔ آپ کے صاحبزادوں میں محمد' زید' عبداللہ' اور عمر وعام رواۃ میں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن' طاؤس بن کیسان'

---

[1] تہذیب الاسماء نووی ج اول ص ۳۴۳۔ [2] ایضاً۔ [3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۴۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۰۴۔ [5] ایضاً ص ۳۰۵۔

marfat.com

امام زہری، ابوالزناد، عاصم بن عمر بن قتادہ، عاصم بن عبیداللہ، قعقاع بن حکیم، زید بن اسلم، حکم بن عتبہ، حبیب بن ابی ثابت، ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن، مسلم البطین، یحییٰ بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، علی بن زید بن جدعان وغیرہ لائق ذکر ہیں۔[1]

فقہ:

فقہ میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا، امام زہری کہتے تھے کہ میں نے علی بن حسین سے زیادہ کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔[2] آپ کے فقہی کمال کی بڑی سند یہ ہے کہ مدینہ کے مشہور سات فقہا کے بعد آپ ہی کا نمبر تھا۔[3]

حکیمانہ اقوال:

آپ کے اقوال آپ کے علمی کمالات کا آئینہ اور پندو موعظت کے سبق ہیں۔

فرماتے تھے مجھے اس مغرور اور فخر کرنے والے پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا اور کل مردار ہو جائے گا، اور اس شخص پر حیرت ہوتی ہے جو خدا کی ہستی میں شک کرتا ہے، حالانکہ خود اس کی پیدائش اس کے سامنے ہے، اور اس شخص پر تعجب آتا ہے جو قیامت کے دن دوبارہ پیدائش کا انکار کرتا ہے، جب کہ پہلی تخلیق اس کے سامنے ہے۔ اور اس شخص پر تعجب آتا ہے، جو ایک فانی مقام کے لیے عمل کرتا ہے۔ اور دار بقا کو چھوڑ دیتا ہے، احباب کا کھو دینا مسافرت ہے، خدایا میں تجھ سے اس امر سے پناہ مانگتا ہوں کہ تو لوگوں کی نگاہ میں میرے ظاہر کو تو اچھا دکھا لیکن میری اندرونی حالت کو خراب کر دے، خدایا میں نے جب کوئی برائی کی تو تو نے میرے ساتھ بھلائی کی، آئندہ جب میں ایسا کروں تو تو بھی ایسا ہی کر، کچھ لوگ خوف سے خدا کی عبادت کرتے ہیں، یہ غلاموں کی عبادت ہے۔ کچھ (جنت کی) طمع میں عبادت کرتے ہیں، یہ تاجروں کی عبادت ہے کچھ آپ کے صاحبزادے بخالص شکر الٰہی میں عبادت کرتے ہیں۔ یہی آزادوں کی عبادت ہے۔[4]

---

1 تہذیب التہذیب ص ۳۰۵۔ 2 تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص ۶۵۔

3 اعلام الموقعین ج۱ ص ۲۶۔ 4 مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۳۱۳۔

marfat.com

آپ کے صاحبزادے محمد روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے وصیت کی تھی کہ پانچ آدمیوں کے ساتھ کبھی نہ رہنا' میں نے عرض کیا کون۔ فرمایا' فاسق کے ساتھ' وہ تم کو ایک لقمہ بلکہ اس سے بھی کم میں بیچ دے گا۔ میں نے پوچھا اس سے کم کیا چیز ہوسکتی ہے' فرمایا ایک لقمہ کی طمع کی جائے اور وہ بھی نہ ملے' میں نے پوچھا دوسرا کون' فرمایا بخیل وہ اس چیز کو جس کی تم کو زیادہ ضرورت ہوگی تم سے علیحدہ کردے گا' میں نے پوچھا تیسرا کون' فرمایا کذاب' وہ سراب کی طرح تم کو قریب سے دور اور دور کو قریب کردے گا' میں نے عرض کیا چوتھا کون' فرمایا احمق' وہ تم کو فائدہ پہنچانا چاہے گا' مگر الٹے نقصان پہنچائے گا میں نے کہا پانچواں کون' فرمایا قاطع رحم' میں نے اس کو کتاب اللہ میں تین مقام پر ملعون پایا[1]

فرماتے تھے کہ وہ شخص کس طرح تمہارا دوست ہوسکتا ہے کہ جب تم اس کی تھیلی سے اپنی ضرورت لے لینا چاہو تو اس کو خوشی نہ ہو[2]

فضائل اخلاق:

آپ کی ذات گرامی فضائل اخلاق کی ایسی نورانی شمع تھی جس سے دوسرے مستنیر ہوتے تھے' آپ خلق نبوی ﷺ کی مجسم تصویر تھے' خاندان بنی ہاشم میں آپ سے افضل کوئی نہ تھا[3]

خشیت الٰہی:

آپ کا دل خشیت سے لبریز رہتا تھا' اور اکثر وہ اس خوف سے بے ہوش ہوجاتے تھے' ابن عیینہ کا بیان ہے کہ علی بن حسین حج کو گئے' احرام باندھنے کے بعد جب سواری پر بیٹھے تو مارے خوف کے ان کا رنگ زرد پڑ گیا اور ایسا لرزہ طاری ہوا کہ زبان سے لبیک تک نہ نکل سکا۔ لوگوں نے کہا آپ لبیک کیوں نہیں کہتے فرمایا ڈر معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میں لبیک کہوں اور ادھر سے جواب ملے ''لا لبیک'' تیری حاضری قبول نہیں' لوگوں نے کہا مگر لبیک کہنا تو ضروری ہے' لوگوں کے اصرار سے کہا' مگر جیسے ہی زبان سے

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۵۔ [2] ایضاً۔

[3] تہذیب الاسماء جلد اول ص ۳۴۳۔

marfat.com

نکلا' بے ہوش ہو کر سواری سے گر پڑے[1] اسی طرح جب زور سے ہوا چلتی تھی اور آندھی آتی تھی تو عذاب الٰہی کے خوف سے بے ہوش ہو جاتے تھے[2]

عبادت وریاضت:

آپ کی رگوں میں ان بزرگوں کا خون تھا' جن کی عبادت زیر شمشیر جفا بھی نہ چھوٹی اس لیے آپ بھی زہد وعبادت کا پیکر تھے' سعید بن مسیب جو خود بڑے عابد وزاہد بزرگ تھے' فرماتے تھے کہ علی بن حسینؓ سے زیادہ ورع میری نظر نہیں گزرا۔ عبادت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھی' اوقات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزرتا تھا' شبانہ یوم میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے اور آخر دم تک اس معمول میں فرق نہ آیا' اس عبادت کی وجہ سے زین العابدین لقب ہو گیا تھا۔[3] قیام لیل سفر وحضر کسی حالت میں ناغہ نہ ہوتا تھا[4]

اخلاص فی العبادت کا یہ حال تھا کہ حضوری کے وقت سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ عبداللہ بن سلمان کا بیان ہے کہ جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو سارے بدن میں لرزہ طاری ہو جاتا تھا' لوگوں نے پوچھا' آپ کو یہ کیا ہو جاتا ہے' فرمایا تم لوگ کیا جانو میں کس کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے سرگوشی کرتا ہوں[5]

محویت کا یہ عالم تھا کہ نماز کی حالت میں کسی چیز کی خبر نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ سجدہ میں تھے کہ کہیں پاس ہی آگ لگی۔ لیکن آپ نے سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ تا آنکہ آگ بجھ گئی۔ لوگوں نے بعد میں پوچھا کہ آپ کو آگ کی جانب سے کس چیز نے اس قدر بے پرواہ کر دیا تھا' فرمایا' دوسری آگ (آتش دوزخ) نے[6]

آپ اور سلیمان بن یسار روزانہ مسجد نبوی میں قبر نبوی اور منبر نبوی کے درمیان دن چڑھے تک مذاکرۂ حدیث میں مشغول رہتے تھے۔ اٹھتے وقت عبداللہ بن ابی سلمہ

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۳۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۵۔ [4] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۷۔

[5] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰۔ [6] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۳۔

marfat.com

قرآن کی ایک سورۃ سناتے تھے۔ قرآن سننے کے بعد دعا کرتے تھے[1]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر:

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اتنا اہتمام تھا کہ اس سے غفلت کو کتاب اللہ سے غفلت شمار کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تارک کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنے والے کی طرح ہے۔ بشرطیکہ وہ اپنے بچاؤ کے لیے نہ چھوڑے لوگوں نے بچاؤ کا مطلب پوچھا' فرمایا جب کسی ظالم اور سرکش کی زیادتی کا خوف ہو[2]

انفاق فی سبیل اللہ:

انفاق فی سبیل اللہ' فیاضی اور دریا دلی آپ کا خاص وصف تھا' خدا کی راہ میں بے دریغ صرف کرتے تھے' فقراء اور اہل حاجت کی دستگیری کے لیے ہمیشہ دست کرم دراز رہتا تھا' مدینہ کے معلوم نہیں کتنے گھرانے آپ کی ذات سے پرورش پاتے تھے اور کسی کو خبر تک نہ ہونے پاتی تھی' آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ خفیہ مستقل سو گھرانوں کی کفالت کرتے تھے[3]

اخفاء کے لیے بہ نفس نفیس خود راتوں کو جا کر ان کے گھروں پر صدقات پہنچاتے تھے۔ مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے تھے جن کی معاش کا کوئی ظاہری وسیلہ نہ تھا۔ آپ کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ آپ رات کی تاریکی میں خود جا کر ان کے گھروں پر دے آتے تھے[4]

غلہ کے بورے اپنی پیٹھ پر لاد کر غریبوں کے گھر پہنچاتے تھے' وفات کے بعد جب غسل دیا جانے لگا تو جسم مبارک پر نیل کے داغ نظر آئے' معلوم ہوا آٹے کی بوریوں کے بوجھ کے داغ ہیں' جنہیں آپ راتوں کو لاد کر غرباء کے گھر پہنچاتے تھے[5] آپ کی وفات کے بعد اہل مدینہ کہتے تھے کہ خفیہ خیرات زین العابدین کے دم سے تھی' سائلین کا بڑا احترام کرتے تھے۔ جب کوئی سائل آتا تو ''میرے توشہ کو آخرت کی طرف لے جانے والے مرحبا'' کہہ کر اس کا استقبال کرتے۔ سائل کو خود اٹھ کر دیتے اور فرماتے تھے صدقات سائل

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۰۔ [2] ایضاً۔ [3] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۳۴۳۔
[4] مختصر صفوۃ الصفوۃ ۱۳۴۔ [5] مختصر صفوۃ الصفوۃ صفحہ ۱۳۴۔

marfat.com

کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتے ہیں[1]

عمر میں دو مرتبہ اپنا کل مال و متاع آدھا آدھا خدا کی راہ میں دے دیا' پچاس پچاس دینار کی قیمت کا لباس صرف ایک موسم میں پہن کر فروخت کرتے اور اس کی قیمت خیرات کر دیتے تھے[2]

عمر میں دو مرتبہ اپنا کل مال و متاع آدھا آدھا خدا کی راہ میں دے دیا' پچاس دینار کی قیمت کا لباس صرف ایک موسم میں پہن کر فروخت کرتے اور اس کی قیمت خیرات کر دیتے تھے۔[3]

اکل حلال:

اکل حلال میں اتنا اہتمام تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت یا نام سے ایک درہم کا بھی فائدہ اٹھا پسند نہ کرتے تھے[4]

حلم و بردباری:

تحمل اور بردباری میں اپنے بابا حضرت حسینؓ کے مشابہ تھے' زبان کے تیز سے تیز نشتروں کا بھی اثر نہ لیتے تھے' ناگوار اور تلخ سے تلخ باتیں سن کر پی جاتے تھے' آپ کے تحمل کا یہ اثر ہوتا تھا کہ مسجد سے اٹھ کر آنے لگتے تو گالی دینے والے روتے ہوئے آپ کے ساتھ ہو جاتے اور کہتے' اب آئندہ آپ کبھی زبان سے ایسا کلمہ نہ سنیں گے جو آپ کو برا معلوم ہو۔

اکثر ایسا ہوتا کہ آپ بے ہودہ بکنے والوں کی جانب متوجہ ہی نہ ہوتے' بعض گستاخ ایسے جری اور بے باک تھے کہ آپ کو جتلانے کے لیے کہتے کہ میں تم ہی کو کہہ رہا آپ اس کے جواب میں فرماتے میں چشم پوشی کرتا ہوں[5]

کبھی جواب بھی دیتے تو اس طرح کا کہنے والا خود منفعل ہو جاتا۔ ایک مرتبہ آپ مسجد سے نکلے' راستہ میں ایک شخص نے آپ پر گالیاں برسانی شروع کر دیں' آپ کے غلام اور خدام اس کی طرف لپکے' آپ نے روک دیا اور اس شخص سے فرمایا میرے جو

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۴۔ [2] ایضاً۔ [3] ابن سعد جلد ۵ ص ۱۶۰۔
[4] ایضاً ص ۱۶۴۔ [5] ایضاً۔ [5] مختصر صفوہ الصفوہ ص ۱۳۷۔

marfat.com

حالات تم سے مخفی ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں جو تم کہہ رہے ہو۔ تمہاری کوئی ضرورت ہے جس میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں' یہ جواب سن کر وہ شخص سخت شرمندہ ہوا' آپ نے اپنا کرتہ اتار کر اسے دے دیا اور ایک ہزار درہم سے زیادہ نقد عطا فرمائے۔ اس شخص پر آپ کے اس ''حسن انتقام'' کا اتنا اثر ہوا کہ بے اختیار اس کی زبان سے نکل گیا'' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی اولاد سے ہیں''۔[1]

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے کہا فلاں شخص آپ کو برا بھلا کہتا ہے آپ اس کو لے کر اس شخص کے پاس پہنچے' یہ شخص سمجھتا تھا کہ آپ نے اس کو مدد کے لیے ساتھ لیا۔ برا کہنے والے شخص کے پاس پہنچ کر فرمایا تم نے جو کچھ میرے بارے میں کہا ہے' اگر وہ صحیح ہے تو خدا میری مغفرت فرمائے' اور اگر جھوٹ ہے تو خدا تمہاری مغفرت فرمائے۔[2]

عفو و درگزر:

ان کینہ پرور دشمنوں سے بھی جن سے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچی تھیں موقع ملنے کے بعد انتقام نہ لیتے تھے۔ ہشام بن اسماعیل والی مدینہ آپ کو اور آپ کے اہل بیت کو سخت اذیت پہنچاتا تھا۔ حضرت علیؓ پر علانیہ سب و شتم کرتا تھا۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں اسے معزول کر کے حکم دیا کہ مجمع عام میں اس کو کھڑا کیا جائے اور لوگ اس سے اپنا بدلہ لیں۔ ہشام کا بیان ہے کہ مجھے سب سے زیادہ خطرہ علی بن حسینؒ سے تھا۔ مگر انہوں نے اپنے لڑکوں اور حامیوں کو منع کر دیا کہ کوئی شخص مجھ سے تعرض نہ کرے' آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے عرض کیا' خدا کی قسم! اس نے ہمارے ساتھ بہت برائیاں کی ہیں' ہم کو تو ایسے وقت کا انتظار ہی تھا' فرمایا ہم اس کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ آپ کے اس ارشاد کے بعد ان میں سے کسی نے اس کے متعلق ایک لفظ منہ سے نہ نکالا۔ ہشام پر اس کا اتنا اثر ہوا کہ اس کو زین العابدین کے فضل کا اعتراف کرنا پڑا۔[3]

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۷۔ [2] ایضاً ص ۱۳۷۔

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۳۔

marfat.com

نرمی و ملاطفت:

فطرۃً بڑے نرم خو تھے، درشتی اور سختی کا نام تک نہ تھا۔ جانوروں تک کو مارتے اور جھڑکتے نہ تھے، ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ علی سواری پر مکہ جا کر واپس آتے تھے اور اس طویل سفر میں کبھی اپنی سواری کو نہ مارتے تھے۔[1]

محبوبیت و جلالت:

اس تحمل، عفو و درگزر اور نرمی و ملاطفت کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ کی محبت و عظمت لوگوں کے دلوں میں اتنی جاگزین ہوگئی تھی کہ جدھر نکل جاتے تھے آپ کو راستہ دینے کے لیے ہجوم چھٹ جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں آپ اور ہشام بن عبدالملک کا ایک واقعہ لائق ذکر ہے۔ ہشام بن عبدالملک ایک دفعہ اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں عمائد شام کے ساتھ حج کو گیا، طواف کرنے کے بعد حجر الاسود کو بوسہ دینے کے لیے بڑھا۔ مگر اتنا ہجوم تھا کہ کوشش کے باوجود نہ پہنچ سکا۔ مجبوراً رک گیا، اور اژدحام کا تماشہ دیکھنے کے لیے پاس ہی اس کے لیے ایک کرسی بچھا دی گئی۔ ابھی وہ تماشہ دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں زین العابدین آ گئے اور طواف کر کے حجر اسود کی طرف بڑھے، انہیں دیکھ کر خود بخود بھیڑ چھٹ گئی اور انہوں نے آسانی کے ساتھ حجر اسود کو بوسہ دیا۔

یہ منظر دیکھ کر ایک شامی نے ہشام سے پوچھا یہ کون شخص ہے، جس کی لوگوں کے دلوں میں اتنی ہیبت ہے، ہشام آپ کو پوری طرح پہچانتا تھا۔ مگر ان کی جانب سے شامیوں کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا میں نہیں پہچانتا، فرزدق شاعر بھی موجود تھا۔ یہ تجاہل عارفانہ سن کر اس کی شراب عقیدت جوش میں آ گئی، اس نے کہا میں ان کو جانتا ہوں۔ شامی نے پوچھا کون ہیں۔ فرزدق نے اسی وقت زین العابدین کی شان میں ایک پرزور مدحیہ قصیدہ پڑھا، جس کے بعض اشعار یہ ہیں:[2]

هذالذی تعرف البطحاء، طاتهٔ — والبیت یعرفه والحل والحرم

هذا ابن خیر عبادالله کلهم — هذا التقی النقی الطاهر العلم

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰۔ [2] یہ واقعہ نہایت مشہور ہے اور بہت سی تاریخوں میں ہے۔

marfat.com

اذاء اتــه قــريـــش قــال قـائـلـهـا	الــى مـكــارم هــذا يـنـتـهـى الكـرم
وليـس قـولـك مـن هـذا بضـائـره	الـعـرب تعرف من انكرت والعجم
مـــا قـــال لاقـــط الا فـــى تشهــده	لـــولا التشهــد كـانـت لاء هٔ نـعـم
يـكـــاد يـمسـكـــم عــرفـان راحتــه	ركـن الـحـطـيـم اذا مـا جـاء يستلم
مــقـدم بـعـد ذكـرالـلـــه ذكـرهــم	فـى اكـل امـر ومـخـتـوم بــه الكلم
يـغـضـى حـيـاء ويـغـضى من مهابته	ولا يــكـــلـــم الا حـيـــن يتبســم
هــذاابـن فـاطـمـة انـب كـنـت جـاهـلـه	يـــحـــد انـبـيــــاء الـلـــه قــد ختـمـوا

یہ قصیدہ سن کر ہشام فرزدق سے برہم ہوگیا اور اس کو قید کر دیا۔ امام زین العابدین نے اس کے صلہ میں فرزدق کو بارہ ہزار درہم عطا فرمائے۔ اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے خدا اور رسول کی خوشنودی کے لیے مدح کی تھی انعام کی طمع میں نہیں، امام زین العابدین نے پھر اس کے پاس بھجوا دیا اور کہلا بھیجا کہ ہم اہل بیت جب کسی کو کچھ دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے، خدا تمہاری نیت سے واقف ہے، وہ اس کا اجر علیحدہ دے گا، خدا تمہاری سعی مشکور فرمائے، اس قیام کے بعد تعمیل ارشاد میں فرزدق نے روپیہ لے لیا۔[1]

غرور سے نفرت:

اس عظمت و جلالت کے باوجود بڑے متواضع اور منکر تھے غرور سے سخت نفرت کرتے تھے، فرماتے تھے اس متکبر اور مغرور انسان پر تعجب آتا ہے جو کل ایک حقیر نطفہ تھا اور کل پھر مردار ہو جائے گا۔[2] آپ کی چال ایسی تھی خاکسارانہ تھی کہ چلنے میں دونوں ہاتھ رانوں سے آگے نہ بڑھنے پاتے تھے۔[3]

مساوات:

غرور نسب کو مٹانے اور مساوات کی عملی مثال قائم کرنے کے لیے اپنی ایک لڑکی کی شادی اپنے ایک غلام سے کر دی تھی، اور ایک لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ خود

---

[1] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۶۔ [2] ایضاً۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰۔

marfat.com

عقد کر لیا تھا' عبدالملک کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے خط لکھ کر ملامت کی' آپ نے جواب میں لکھا رسول اللہ ﷺ کی ذات تمہارے لیے نمونہ ہے' آپ نے صفیہ بن حیی کو (جو لونڈی تھیں) آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا تھا' اور اپنے غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کر کے ان سے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کی شادی کر دی تھی۔[1]

محبت اہل بیت میں اعتدال کی ہدایت:

بعض مدعیان محبت اہل بیت شدت غلو میں اہل بیت کرام کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتے ہیں' امام زین العابدین اس قسم کی گمراہ کن اور غیر معتدل محبت کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور انہیں اس سے روکتے تھے' فرماتے تھے کہ ''تم لوگ ہمارے ساتھ اسلام کی بتائی ہوئی حد تک محبت کرو' خدا کی قسم تم لوگ ہمارے متعلق اتنا کچھ کہتے رہے کہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں ہم کو مبغوض بنا دیا۔[2] کبھی فرماتے: ''ہمارے ساتھ خدا کے لیے اسلام کی بتائی محبت کیا کرو۔ تمہاری محبت تو ہمارے لیے عار بن گئی ہے''۔[3]

خلفائے ثلثہ کے ساتھ حسن عقیدت:

اپنے حق پرست اسلاف کی طرح خلفائے ثلثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ امام زین العابدین بھی سچی عقیدت رکھتے تھے' ان کی برائی سننا پسند نہ فرماتے تھے' اور برائی کرنے والوں کو اپنے یہاں سے نکال دیتے تھے' ایک مرتبہ چند عراقی آپ کے پاس آئے اور شاید اس غلط فہمی میں کہ آپ بھی ان کے گمراہ کن خیالات میں ان کے ہمنوا ہوں گے۔ آپ کے سامنے خلفائے ثلثہ کے متعلق کچھ نازیبا باتیں کہیں' آپ نے کلام اللہ کی ان آیات کی طرف:

﴿ للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا وينصرون الله ورسوله اولئك هم الصادقون ﴾

''مال غنیمت میں ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنے مال سے محروم کیے گئے اور وہ خدا کے فضل اور اس کی رضا مندی کے طالب ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد کرتے ہیں یہی لوگ سچے ہیں''۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۹۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۸۔ [3] ایضاً۔

marfat.com

جس میں مہاجرین کے فضائل بیان کیے گئے ہیں اشارہ فرما کر پوچھا کیا تم ان مہاجرین اولین سے ہو جو اپنے وطن سے نکالے گئے اور اپنی جائداد اور دولت سے محروم کیے گئے اور خدا کے فضل اور اس کی رضا کے متلاشی ہیں اور اسکی اور اس کے رسولؐ کی مدد کرتے ہیں۔

عراقیوں نے کہا نہیں، پھر آپ نے اسی آیت کے دوسرے ٹکڑے کی طرف:

﴿ والذین تبوّؤُ الدار والایمان من قبلھم من ھاجر الیھوْد لا یجدون فی صدورھم حاجۃ مما اوتوا ویوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شحّ نفسہ فاولئک ھم المفلحون ﴾ (حشر: ۱)

''اوران لوگوں کا بھی حق ہے جو ان کے (مہاجرین) پہلے سے مدینہ میں رہتے ہیں۔ اور اسلام میں داخل ہو چکے ہیں اور جو ان کی طرف ہجرت کر کے آتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور (مال غنیمت) جو مہاجرین کو دیا جاتا ہے اپنے دل میں اس کی خواہش نہیں پاتے، اور خواہ ان پر تنگی کیوں نہ ہو (مہاجرین) کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں، جو اپنے نفس کو بخل سے بچائے گا وہی لوگ فلاح پائیں گے''۔

جو انصار کے فضائل میں ہے اشارہ کر کے پوچھا کیا تم ان لوگوں میں ہو جو ان لوگوں (مہاجرین) کی ہجرت سے پہلے سے (مدینہ میں) گھر رکھتے ہیں، اور ایمان لا چکے ہیں اور جو ان کے یہاں ہجرت کر کے جاتا ہے اس سے محبت کرتے ہیں۔

عراقیوں نے کہا ان میں سے بھی نہیں، فرمایا تم کو خود اعتراف ہے کہ تم دونوں جماعتوں میں سے نہیں ہو، اب میں تم کو بتاتا ہوں کہ تم اس جماعت میں بھی نہیں ہو جنکے متعلق خدا فرماتا ہے:

﴿ یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک رؤف الرحیم ﴾

''اور وہ لوگ جن کے (مہاجرین) بعد آئے اور کہتے ہیں کہ ہمارے رب ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم سب سے پہلے ایمان لا چکے ہیں مغفرت فرما اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے رب تو رؤف الرحیم ہے''۔

جب تم ان تینوں اسلامی جماعتوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہو تو خدا تم کو

marfat.com

غارت کرے میرے یہاں سے نکل جاؤ[1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرماتے تھے کہ خدا کی قسم وہ ناحق شہید کیے گئے[2]

حلیہ:

صورۃً نہایت حسین و جمیل تھے، بدن سے خوشبو پھوٹتی تھی[3] شانوں تک زلفیں تھیں، مانگ نکلی رہتی تھی،[4] خضاب کبھی سیاہ اور کبھی سرخ دونوں استعمال کرتے تھے۔

لباس:

نہایت خوش لباس تھے۔ خز کا جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے جبہ اور اسی کی چادر استعمال کرتے تھے۔ ایک ایک چادر کی قیمت پچاس پچاس اشرف تک ہوتی تھی اور محض ایک موسم میں استعمال کر کے اس کو بیچ کر قیمت خیرات کر دیتے تھے۔ سردیوں میں لومڑیوں کا سمور استعمال کرتے تھے، رنگوں میں سفید، سرخ، زرد اور سیاہ ہر قسم کا رنگ پسند تھا، گول سر کی جوتی پہنتے تھے۔[5]

نفاست:

مزاج میں بڑی لطافت و نفاست تھی، گندگی کو مطلق برداشت نہ کر سکتے تھے، بہت سی چیزوں کو محض دوسروں کی خاطر انگیز کرتے تھے، ابوجعفر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ علی بن حسین بیت الخلاء گئے میں ہاتھ دھونے کے لیے پانی لیے ہوئے دروازہ پر کھڑا تھا، بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد فرمایا، میں نے بیت الخلاء میں ایسی شے دیکھی جس نے مجھے شک میں ڈال دیا، میں نے پوچھا وہ کیا، فرمایا میں نے دیکھا مکھیاں غلاظت پر بیٹھتی ہیں، پھر اڑ جاتی ہیں اور آدمی کی جلد پر بیٹھ جاتی ہیں اس لیے میں نے ارادہ کیا ہے کہ بیت الخلاء جانے کے لیے ایک خاص لباس بنواؤں پھر سوچ کر فرمایا کہ جس چیز کی لوگوں کو استطاعت نہ ہو اسے مجھے بھی نہ کرنا چاہیے۔[6]

---

1 صفوۃ الصفوۃ ص ۱۳۴۔ 2 ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۰۔ 3 ایضاً ج ۵ ص ۱۶۰۔
4 ایضاً۔ 5 ایضاً۔ 6 ایضاً ص ۱۶۲۔

marfat.com

۵۱۔ علیؒ بن عبداللہ بن عباسؓ

نام ونسب:

علی نام' ابو محمد کنیت' سجاد لقب' مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں' نسب نامہ یہ ہے' علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب قریشی ہاشمی۔ ماں کا نام زرعہ تھا' ننہالی شجرہ یہ ہے کہ زرعہ بنت مشرح بن معدیکرب بن ولید ابن شرحبیل بن معاویہ بن شرحبیل بن معاویہ بن حجر القرد بن الحارث الولادہ بن عمرو بن معاویہ بن الحارث بن معاویہ بن ثور بن مرتع بن ثور' علی دولت عباسیہ کے بانی سفاح کے دادا تھے۔

پیدائش:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شب شہادت کو رمضان ۴۰ھ میں پیدا ہوئے' اس لیے یادگار کے طور پر انہی کے نام پر علی نام اور ابوالحسن کنیت رکھی گئی۔ لیکن عبدالملک نے اپنے زمانہ میں کہا میں علی کا نام اور کنیت دونوں ایک ساتھ برداشت نہیں کر سکتا' ان میں سے ایک کو بدلو اس لیے ابوالحسن چھوڑ کر ابو محمد کنیت اختیار کی[1]

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھے۔ درحقیقت ان کے عمل نے ان کے علم کو دبا دیا تھا' پھر بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے فرزند تھے اس لیے علم کی دولت سے تہی دامن نہ تھے' احادیث نبوی کا ایک حصہ ان کے حافظہ میں محفوظ تھا۔ ابن سعد ان کو قلیل الحدیث تابعین میں لکھتے ہیں[2]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۶۲۔ [2] ایضاً ص ۲۳۰۔

marfat.com

حدیث میں انہوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت عبداللہ بن عباسؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن جبیرؓ اور عبدالملک سے استفادہ کیا تھا اور ان کے صاحبزادے محمد، عیسیٰ، عبدالصمد، سلیمان، داؤد اور منہال بن عمرو سعد بن ابراہیم، امام زہری، حبیب بن ابی ثابت، ابان بن صالح، عبداللہ بن طاؤس اور منصور بن معتمر وغیرہ ان کے خوشہ چینوں میں تھے[1]

زہد وعبادت:

ان کا میدان عمل حجرہ عبادت تھا، اپنے عہد کے بڑے عابد ومرتاض بزرگ تھے، کثرت عبادت کی وجہ سے سجاد لقب پڑ گیا تھا، شبانہ یوم میں ایک ہزار رکعتیں پڑھتے تھے۔ عبادت کا یہ ذوق وانہاک آخر لمحہ حیات تک رہا[2] زبیر بن بکار کا بیان ہے کہ موت کے وقت تک ان کی عبادت وریاضت میں فرق نہ آیا[3]

کبھی کبھی معمولی واقعات زندگی میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتے ہیں۔ علی کے ساتھ بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، ابتداء میں وہ کوئی عابد وزاہد نہ تھے، ابان بن عثمان کے لڑکے عبدالرحمٰن کی عبادت کو دیکھ کر ان کے دل پر نہایت گہرا اثر پڑا۔ انہوں نے کہا میں ان سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کا قریب عزیز ہوں اس لیے مجھے ان سے زیادہ عبادت کرنے کا حق ہے، چنانچہ اسی وقت ہمہ تن عبادت میں لگ گئے[4]

قریش میں عظمت وعزت:

ان کے مذہبی کمالات کی وجہ سے قریش میں ان کی بڑی عظمت تھی جب وہ مکہ جاتے تو ان کے احترام میں سارا قریش ان پر ٹوٹ پڑتا تھا۔[5]

ولید سے اختلاف:

انہوں نے عبدالملک کی مطلقہ لبابہ سے شادی کر لی تھی، اس لیے ولید ان کے سخت خلاف ہو گیا تھا، اس کی سزا میں اس نے ان کو کوڑے لگوا کر بلقاء جلاوطن کر دیا تھا۔[6]

---

1. تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۳۵۷۔ 2. ابن سعد ج ۵ ص ۲۲۹۔ 3. تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۳۱۵۔
4. تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۳۵۸۔ 5. شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۴۹۔ 6. ایضاً ص ۱۴۸۔

marfat.com

ہشام سے تعلقات:

لیکن ہشام کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے تھے اور وہ ان کا بڑا احترام کرتا تھا' ایک مرتبہ ان سے ملنے گئے تو ہشام نے اپنے ساتھ تخت شاہی پر بٹھایا اور تیس ہزار اشرفیاں نذر پیش کیں[1]

وفات:

ابن سعد کی روایت کے مطابق ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں وفات پائی[2] لیکن بعض روایات ۱۱۴ھ میں وفات کی تصریح بھی ملتی ہیں۔

حلیہ:

نہایت حسین وجمیل تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ روئے زمین پر ایسا حسین و جمیل قریشی نہ تھا[3] قد نہایت بلند و بالا تھا۔

اولاد:

علی کی بہت سی اولادیں تھیں۔

(۱) داؤد (۲) عیسیٰ (۳) محمد (۴) احمد (۵) بشر (۶) مبشر (۷) اسماعیل (۸) عبدالصمد (۹) عبداللہ الاکبر (۱۰) عبداللہ الاصغر (۱۱) عبیداللہ (۱۲) عبدالملک (۱۳) عثمان (۱۴) سلیمان (۱۵) صالح (۱۶) عبدالرحمٰن (۱۷) عبداللہ الاوسط (۱۸) یحییٰ (۱۹) اسحاق (۲۰) فاطمہ (۲۱) عیسیٰ کبریٰ (۲۲) ام عیسیٰ صغریٰ (۲۳) لبابہ (۲۴) بریہہ کبریٰ (۲۵) بریہہ صغریٰ (۲۶) میمونہ (۲۷) ام علی (۲۸) عالیہ اور (۲۹) ام حنیب۔

اس کثرت کے ساتھ علی کی اولاد پھلی پھولی بھی بہت۔ عباسی خلفاء انہی کی نسل سے تھے[4]

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۴۸۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۱۔ [3] ایضاً ص ۲۳۰۔ [4] ایضاً ص ۲۲۹۔

marfat.com

۵۶۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عمر نام، ابو حفص کنیت، نسب نامہ یہ ہے، عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن حکم بن العاص بن امیہ بن عبد شمس اموی، ماں کا نام ام عاصم تھا، یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند عاصم کی صاحبزادی تھیں، اس طرح عمر بن عبدالعزیز کی رگوں میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا خون بھی شامل ہوگیا تھا، اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ مروان جیسے بدنام شخص کی نسل سے عمر بن عبدالعزیز جیسا مجدد ملت پیدا ہوا جو صدق میں ابوبکرؓ، عدل میں عمرؓ، حیا میں عثمانؓ اور زہد میں علی مرتضیٰؓ کا مثیل تھا۔ جس نے اپنے مجددانہ کارناموں سے ملت اسلامیہ کی روح کو جو امویوں نے مردہ کر دی تھی دوبارہ زندہ کر دیا۔

عمر کے والد عبدالعزیز مروان کے چھوٹے لڑکے تھے، مروان نے عبدالملک کے بعد انہیں ولی عہد نامزد کیا تھا، لیکن وہ عبدالملک کی زندگی ہی میں وفات پا گئے[1]

عبدالعزیز اپنے خاندانی اوصاف و کمالات کے پورے حامل تھے۔ اور اپنے والد کی مہمات میں ان کے دست راست رہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد مروان نے جب مصر پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تو عبدالعزیز کو ایلہ پر متعین کیا[2]

مصر پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد مروان دو مہینہ یہاں مقیم رہا، دو مہینہ کے بعد عبدالعزیز کو یہاں کا گورنر بنا کر شام واپس ہوا[3]

مروان کے بعد عبدالملک نے عبدالعزیز کو مصر کی حکومت پر برقرار رکھا، اور انہوں نے یہاں کامل اکیس سال حکومت کرنے کے بعد ۸۶ھ میں انتقال کیا۔ تاریخ اسلام

---

[1] کتاب الولاۃ کندی ص ۵۴، ۵۸۔ [2] ایضاً ص ۲۔ [3] ایضاً ص ۴۷۔

marfat.com

میں اتنی طویل مدت کم کسی والی کو نصیب ہوئی ہوگی۔

عبدالعزیز نے مصر اور حلوان میں اپنی حکومت کی بہت سی یادگاریں چھوڑیں۔ ایک زرنگار محل تعمیر کروایا' حلوان میں متعدد محلات اور مسجدیں بنوائیں' مصر کی جامع مسجد منہدم کرا کے اس کو از سر نو تعمیر کرایا' خلیج مصر پر پل بنوائے۔ انگور اور خرمے کے باغات لگوائے[1]

علماء اور ارباب کمال کا بڑا قدردان تھا' قاضی عبدالرحمٰن بن حجیرہ خولانی کا ایک ہزار اشرفی سالانہ وظیفہ مقرر کیا[2] شعرا کے ساتھ اتنی داد و دہش کرتا تھا کہ بعض شعراء نے اس کے بعد شاعری چھوڑ دی' کثیر سے کسی نے پوچھا' اب شعر کیوں نہیں کہتے؟ جواب دیا' عبدالعزیز کے بعد صلہ کی توقع کس سے کی جائے[3]

پیدائش:

اس نامور شخص کے گھر میں عمر پیدا ہوئے۔ ان کے سنہ پیدائش کے بارے میں بیانات مختلف ہیں' بروایت صحیح یزید کے عہد میں مدینہ میں پیدا ہوئے[4]

تعلیم و تربیت:

عمر بن عبدالعزیز کا بچپن والد کے ساتھ مصر میں گزرا'[5] اور غالباً ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی' جب ہوش سنبھالا تو عبدالعزیز نے ان کو اعلیٰ تعلیم کے لیے مدینہ جو علم و علماء کا مرکز تھا بھیج دیا' یہاں محدث صالح بن کیسان کی نگرانی میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔

صالح بن کیسان اس اہتمام کے ساتھ ان کی مذہبی اور اخلاقی نگرانی کرتے تھے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے نماز میں دیر کر دی' صالح نے باز پرس کی' عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا بال سنوارنے میں دیر ہوگئی' صالح نے کہا' اب بالوں کی آرائش میں اتنا شغف ہوگیا ہے کہ اس کو نماز پر ترجیح دی جاتی ہے' اور عبدالعزیز کو یہ واقعہ لکھ بھیجا' انہوں نے فوراً ایک آدمی روانہ کیا' جس نے پہلے عمر کے بال مونڈے' اس کے بعد کسی

---

1 کتاب الولاۃ کندی ص ۵۵ و حسن المحاضرہ سیوطی ج ۲ ص ۲۰۴۔ 2 ایضاً ج اول ص ۱۱۸۔
3 ایضاً ص ۲۴۰۔ 4 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۵۔ 5 ایضاً۔

marfat.com

سے بات چیت کی[1]

اس اہتمام سے ان کی تعلیم و تربیت ہوئی' انہیں خود تحصیل علم کا ذوق تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میں مدینہ کے عام لڑکوں کی طرح ایک لڑکا تھا۔ پھر عربی اور شعر کا شوق پیدا ہوا[2] چنانچہ انہوں نے بڑے ذوق شوق سے تحصیل علم کی۔

ان کی تعلیم کا یہ دور ابتدائی تھا' وہ دور جس نے ان کو امام وقت بنایا مدینہ کی گورنری کا عہد تھا' جس میں اکابر علماء سے ان کی صحبتیں اور علمی بحث و مباحثے رہتے تھے' ان کا خود بیان ہے کہ جب مدینہ سے نکلا ہوں اس وقت مجھ سے بڑا عالم کوئی نہ تھا[3] ان کے علمی کمالات کے حالات آخر میں آئیں گے۔

شادی:

ان کے والد کی وفات کے بعد ان کے چچا عبدالملک نے اپنی لڑکی فاطمہ کے ساتھ ان کی شادی کر دی[4]

خناظرہ کی حکومت:

عمر بن عبدالعزیز درحقیقت مسند درس کے لیے زیادہ موزوں تھے۔ لیکن شاہی خاندان کی رکنیت نے ان کو ایوان حکومت میں پہنچا دیا۔ چنانچہ سب سے اول وہ خناظرہ کے والی مقرر ہوئے[5]

مدینہ کی گورنری:

عبدالملک کے بعد ولید نے ان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا انہیں اس کے قبول کرنے میں تامل ہوا۔ ولید نے حاجب سے پوچھا عمر جاتے کیوں نہیں۔ اس نے کہا وہ کچھ شرائط کے ساتھ جانا چاہتے ہیں' ولید نے بلا کر پوچھا' انہوں نے کہا مجھے پہلے والیوں کی طرح ظلم پر مجبور نہ کیا جائے' ولید نے منظور کر لیا' اور کہا تم حق پر عمل کرنا خواہ ایک درہم بھی خزانہ میں داخل نہ ہو۔[6]

---

1 سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۹۔ 2 ایضاً۔ 3 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۶۔
5 تاریخ الخلفاء ص ۲۳۰۔ 6 سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۳۲، ۳۳۔

marfat.com

اس شرط کے ساتھ وہ مدینہ روانہ ہوئے' اس وقت کے عمر بن عبدالعزیز درویش عمر بن عبدالعزیز نہ تھے' بلکہ شاہی خاندان کے رکن اور شان وشکوہ والے عمر بن عبدالعزیز تھے' چنانچہ تیس اونٹوں پر ان کا ذاتی ساز وسامان بار تھا۔[1]

علمائے مدینہ سے مشورہ:

لیکن فطرت سلیم تھی' اس لیے مدینہ پہنچنے کے بعد یہاں کے دس بڑے فضلاء کو بلا کر ان کے سامنے مختصر تقریر کی کہ ''میں نے آپ کو ایک ایسے کام کے لیے بلایا ہے جس میں آپ کو ثواب ملے گا اور آپ حامی حق قرار پائیں گے۔ میں آپ لوگوں کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا' اس لیے جب آپ لوگ کسی کو ظلم کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ کو میرے کسی عامل کے ظلم کی اطلاع ہو تو آپ خدا کی قسم مجھ کو ضرور اس کی خبر کیجیے''۔ یہ تقریر سننے کے بعد فقہا ان کو دعائے خیر دیتے ہوئے واپس گئے۔[2]

تعمیر مسجد نبوی ﷺ:

مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں عمر بن عبدالعزیز نے یہاں بہت سی اصلاحیں اور مفید کام کیے' ان میں ان کا ناقابل فراموش کارنامہ مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر اور اس کی تزئین وآرائش ہے۔

ولید کے پیشتر و خلفاء نے وقتاً فوقتاً مسجد نبوی میں ترمیمیں کرائی تھیں۔ لیکن ولید نے بڑے اہتمام کے ساتھ اس کو نہایت عظیم الشان پیمانہ پر تعمیر کرانے کا ارادہ کیا' اور ۸۸ھ میں عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ مسجد نئے سرے سے تعمیر کی جائے۔ اس سے متصل ازواج کے حجرے اور دوسرے جو مکانات ہیں ان کا معاوضہ دے کر ان کو مسجد میں شامل کر لیا جائے۔ جو لوگ قیمت لینے سے انکار کریں ان کے مکانات زبردستی گرائے جائیں' اور ان کی قیمت فقیروں کو خیرات دی جائے۔[3]

قیصر روم کو خط لکھ کر بہت سے رومی کاریگر' مزدور' مینا کار اور پچہ کاری کا سامان

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۳۳۹۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۲۴۶۔ [3] خلاصۃ الوفا ص ۱۳۷۔

marfat.com

کئی ہزار مثقال سونا منگوایا[1] اور مختلف مقامات سے مختلف قسم کے تعمیری سامان جمع کیے اور فقہائے مدینہ کی موجودگی میں مسجد کی پرانی عمارت گروا کر ان بزرگوں کے متبرک ہاتھوں سے عمارت کی بنیاد ڈالی[2]

عمر بن عبدالعزیز کو اس عمارت سے ذاتی دلچسپی تھی' اس لیے بڑے انہماک اور حسن مذاق سے اس کو تعمیر کرایا' ساری عمارت نفیس پتھروں کی تھی' دیواریں اور چھتیں منقش مطلا اور مینا کار تھیں' جھاڑ کے ایک نقش پر کاریگروں کو ۳۰ درہم انعام دیتے تھے[3]

ان اہتمام سے تین سال میں عمارت بن کر تیار ہوئی' ۹۱ھ میں ولید نے مدینہ جا کر اس کا معائنہ کیا اور عمر بن عبدالعزیز کی کارگزاری پر خوشنودی ظاہر کی۔

اطراف مدینہ کی مساجد کی تعمیر:

مسجد نبویؐ کے علاوہ اپنے عہد گورنری میں اطراف مدینہ میں اور بہت سی مسجدیں بنوائیں' آنحضرت ﷺ نے اطراف مدینہ میں جہاں جہاں نمازیں پڑھی تھیں مسلمانوں نے یادگار کے طور پر وہاں معمولی مسجدیں بنالی تھیں' عمر بن عبدالعزیز نے اس قسم کی تمام مسجدوں کو منقش پتھروں سے تعمیر کرایا[4]

کنوؤں اور راستوں کی تعمیر:

رفاہ عام کے سلسلہ میں ولید کے حکم سے مدینہ میں بہت سے کنویں کھدوائے اور دشوار گزار پہاڑی راستے درست کرائے[5]

معزولی:

اگرچہ عمر بن عبدالعزیز نے تقرر کے وقت یہ شرط کر لی تھی کہ وہ گزشتہ والیوں کی طرح ظلم نہ کریں گے' لیکن بنی امیہ کا نظام کچھ ایسا تھا کہ یہ شرط قائم نہیں رہ سکتی تھی اس لیے ایک روایت یہ ہے کہ حجاج کی شکایت پر معزول کر دیئے گئے۔[6] دوسرا بیان یہ ہے کہ

---

[1] خلاصۃ الوفا ص ۱۳۹۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ [4] فتح الباری ج ۱ ص ۴۷۲۔

[5] طبری ص ۱۱۹۶۔ [6] طبری ص ۱۲۵۴۔

marfat.com

عبداللہ بن زبیرؓ کے صاحبزادے خبیب کو جو بنی امیہ کے مخالفین میں تھے' ولید کے حکم سے مجبور ہو کر سزا دی جس کے صدمہ سے وہ مر گئے' اس کی ندامت میں خود مستعفی ہو گئے[1]

سلیمان کے مزاج میں رسوخ:

عمر بن عبدالعزیز اپنے اوصاف اور حسن خلق کی بنا پر خاندان بھر میں محبوب تھے' خصوصاً سلیمان بن عبدالملک ان کو بہت مانتا تھا' انہیں اپنا وزیر و مشیر بنایا تھا' اور امور خیر میں ان کے مشوروں پر عمل کرتا تھا[2] اس لیے سلیمان کے عہد کی اصلاحات درحقیقت عمر بن عبدالعزیز ہی کے فیض کا نتیجہ تھیں۔

سلیمان کی وفات اور خلافت:

۹۹ھ میں سلیمان مرض الموت میں مبتلا ہوا اور اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ولی عہد نامزد کیا' رجاء بن حیوۃ نے جو سلیمان کے ندیم خاص تھے' اس لے اختلاف کیا' اور کہا: ''امیر المومنین خلیفہ ایسے صالح آدمی کو بنایئے جس سے آپ قبر میں محفوظ رہیں''۔ سلیمان نے کہا: ''یہ میرا قطعی فیصلہ نہیں ہے' میں اس پر غور کروں گا' اور خدا سے استخارہ کروں گا'' چنانچہ دو دن غور کرنے کے بعد وصیت نامہ چاک ڈالا' اور رجاء بن حیوۃ سے پوچھا کہ میرے لڑکے داؤد کے بارے میں کیا رائے ہے؟ رجاء نے کہا وہ اس وقت قسطنطنیہ میں ہیں' اور معلوم نہیں زندہ ہیں یا نہیں سلیمان نے کہا پھر کیا رائے دیتے ہو' رجاء نے کہا اصل رائے تو آپ کی ہے۔ آپ نام لیجیے میں غور کروں گا'[3] سلیمان نے کہا عمر بن عبدالعزیز کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے رجاء نے کہا میرے نزدیک وہ فاضل اور برگزیدہ مسلمان ہیں' سلیمان نے کہا خدا کی قسم وہ ایسے ہیں' لیکن اگر میں عبدالملک کی اولاد کو بالکل نظر انداز کر کے عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنادوں تو ایک فتنہ بپا ہو جائے گا۔ جب تک ان کے بعد عبدالملک کی کسی اولاد کا نام نہ رکھوں گا' اس وقت تک وہ لوگ ان کی خلافت پر قائم نہ رہنے دیں گے اس لیے میں یزید کو

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز میں یہ واقعہ مفصل ہے۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۲۶۶۔

[3] ایک روایت یہ ہے کہ رجاء ہی نے عمر بن عبدالعزیز کا نام پیش کیا۔

marfat.com

کے بعد خلیفہ بنائے دیتا ہوں' اس لیے وہ لوگ ٹھنڈے ہو جائیں گے اور راضی رہیں گے'
رجاء نے بھی اس سے اتفاق کیا' اس کے بعد سلیمان نے خود اپنے قلم سے یہ وصیت نامہ لکھا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' یہ تحریر خدا کے بندے سلیمان امیر المومنین کی جانب سے عمر بن عبدالعزیز کے لیے ہے' میں نے اپنے بعد تم کو خلیفہ بنایا' اور تمہارے بعد یزید بن عبدالملک کو' مسلمانو! ان کا کہنا سنو اور ان کی اطاعت کرو' خدا سے ڈرو' اختلاف نہ پیدا کرکہ دوسرے تم پر حرص وطمع کی نگاہ ڈالیں''۔

اور اس پر مہر کر کے اپنے خاندان والوں کو بلا کر رجاء کو حکم دیا' کہ اس وصیت نامہ کو لے جا کر خاندان والوں سے کہو کہ میں نے اس میں جس کو خلیفہ بنایا ہے' وہ لوگ اس کی بیعت کریں۔ رجاء نے اس کی تعمیل کی۔ سب نے بالاتفاق سمعنا واطعنا کہا پھر ان کی خواہش پر سلیمان نے وصیت نامہ کی طرف جو رجاء کے ہاتھ میں تھا' اشارہ کر کے ان لوگوں سے کہا: ''اس میں میں نے جس کو خلیفہ بنایا ہے اس کی بیعت کرو' اس کے مطیع رہو'' سلیمان کے کہنے پر دوبارہ سب نے فرداً فرداً بیعت کی۔

عمر بن عبدالعزیز کو ظن غالب تھا کہ سلیمان نے ان کو خلافت کے لیے نامزد کیا ہے وہ اس بار عظیم کو اٹھانا نہ چاہتے تھے' اس لیے رجاء سے جا کر کہا: ''میرے اوپر سلیمان کی جو شفقتیں اور مہربانیاں ہیں' ان سے مجھے اندیشہ ہے کہ انہوں نے خلافت کے لیے مجھے نامزد کیا ہو۔ اگر ایسا ہو تو مجھے بتا دیجیے تاکہ قبل اس کے کہ میں مجبور ہو جاؤں ابھی اس سے استعفیٰ دے دوں''۔ لیکن رجاء نے بتانے سے انکار کیا۔

نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد سلیمان کا انتقال ہو گیا' رجاء نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ موت کی خبر مخفی رکھی اور شاہی خاندان کے ارکان کو جمع کر کے دوبارہ ان سے بیعت لی۔ بیعت کو موکد کرنے کے بعد سلیمان کی موت کا اعلان کیا' اور وصیت نامہ پڑھ کر سنایا' عمر بن عبدالعزیز کا نام سن کر عبدالملک کے لڑکے ہشام نے کہا ہم کبھی ان کی بیعت نہیں کر سکتے' رجاء نے کہا اٹھ کر خاموشی کے ساتھ بیعت کر لو' ورنہ ابھی سر قلم کر دوں گا''۔ اور عمر بن عبدالعزیز کا ہاتھ پکڑ کر منبر پر بٹھا دیا' انہوں نے اس بار عظیم کی ذمہ داری

marfat.com

پر اور ہشام نے اپنی محرومی قسمت پر انا للہ پڑھا' اس کے بعد سلیمان کی تجہیز و تکفین ہوئی' اور عمر بن عبدالعزیز نے نماز جنازہ پڑھائی۔

خلفائے راشدین کا پہلا اسوہ:

تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی عمر بن عبدالعزیز بالکل بدل گئے' اور اب ناز پروردہ عمر نے ابوذر غفاری اور ابوہریرہ کا قالب اختیار کرلیا' سلیمان کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حسب معمول عمر بن عبدالعزیز کے سامنے شاہی سواریاں پیش کی گئیں' انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا' شاہی سواریاں فرمایا' میرے لیے میرا خچر کافی ہے' اور کل سواریاں واپس کردیں[1]

ابھی سلیمان کے اہل و عیال قصر خلافت میں تھے' اس لیے اپنے خیمہ میں فروکش ہوئے۔ گھر آئے تو اس بار عظیم کی ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا۔ لونڈی نے پوچھا آپ شاید کچھ متفکر ہیں۔ فرمایا اس سے بڑھ کر تشویش کی بات کیا ہوگی کہ مشرق و مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو' اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو[2]

خلافت سے دستبرداری کا اعلان اور مسلمانوں کا اصرار:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلافت کی ذمہ داریوں کے بارگراں کا پورا احساس تھا' اگر نامزدگی کے وقت ان کو اس کا علم ہوگیا ہوتا تو وہ اسی وقت اپنا نام واپس لے لیتے' لیکن اب یہ بار پڑ چکا تھا' تاہم انہوں نے ایک مرتبہ اس سے سبکدوش ہونے کی کوشش کی اور لوگوں کو جمع کرکے تقریر کی:

''لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے لیے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے' اس لیے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردنوں میں ہے میں خود اس کو اتارے دیتا ہوں' تم جس کو چاہو اپنا خلیفہ منتخب کرلو''۔

---

1 یہ تمام واقعات ابن سعد ج ۵ ص ۲۴۷ تا ۲۴۹ سے ماخوذ ہیں۔

2 ابن سعد جلد ۵ ص ۲۴۵۔ 3 سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۵۲۔

marfat.com

یہ خطبہ سن کر مجمع سے شور اٹھا: ''ہم نے آپ کو خلیفہ منتخب کیا ہے' اور آپ کی خلافت سے راضی ہیں' آپ خدا کا نام لے کر کام شروع کر دیجیے''۔

پہلا خطبہ:

جب اس کا یقین ہوگیا کہ آپ کی خلافت سے کسی کو اختلاف نہیں ہے تو آپ نے ایک تقریر کی جس میں لوگوں کو تقویٰ' فکر آخرت اور ذکر موت کی طرف توجہ دلائی آخر میں باآواز بلند فرمایا:

''لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت فرض ہے اور جو شخص خدا کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت واجب نہیں' جب تک میں خدا کی اطاعت کروں اس وقت تک تم میری اطاعت کرو' اور جب میں خدا کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر فرض نہیں''۔[1]

طبقات ابن سعد میں یہ الفاظ ہیں:

''اما بعد تمہارے نبی کے بعد دوسرا نبی اور اس پر جو کتاب نازل ہوئی ہے' اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔ خدا نے جو چیز حلال کر دی وہ قیامت تک کے لیے حلال ہے اور جو حرام کر دی وہ قیامت تک کے لیے حرام رہے گی' میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ صرف (احکام الٰہی کو) نافذ کرنے والا ہوں' میں خود کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں صرف پیرو ہوں' کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے میں تمہاری جماعت کا بہتر آدمی بھی نہیں ہوں۔ بلکہ ایک معمولی فرد ہوں' البتہ خدا نے مجھ کو تم سے زیادہ گراں بار کر دیا ہے۔[2]

عبدالعزیز بن عبدالملک کی بیعت:

یہاں دمشق میں یہ سب کچھ ہو چکا تھا' لیکن عبدالعزیز بن عبدالملک کو جو کہیں باہر تھا ان واقعات کی خبر نہیں ہوئی تھی' اس لیے سلیمان کی موت کی خبر سن کر اس نے اپنے

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۵۳، ۵۴۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۰، ۲۵۱۔

marfat.com

ہمراہیوں سے بیعت لے لی' اور دمشق کے ارادہ سے بڑھا' راستہ میں اسے سلیمان کی وصیت اور عمر بن عبدالعزیز کی بیعت کا حال معلوم ہوا' یہ سن کر وہ سیدھا ان کے پاس پہنچا' ان کو اس کے بیعت لینے کی خبر ہو چکی تھی۔ انہوں نے اس سے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اپنی بیعت لے کر دمشق میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ عبدالعزیز نے کہا مجھے اس کا علم نہ تھا کہ سلیمان نے آپ کو خلیفہ نامزد کر دیا ہے۔ اس لیے مجھے خوف تھا کہ لوگ خزانہ نہ لوٹ لیں' عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا' اگر لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کر لیتے اور تم بار خلافت کو سنبھال لیتے تو میں تم سے جھگڑا نہ کرتا' اور اپنے گھر میں بیٹھ جاتا۔ عبدالعزیز نے کہا آپ کے ہوتے ہوئے میں دوسرے کا خلیفہ ہونا پسند ہی نہیں کرتا اور آپ کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔[1]

خلافت راشدہ کا احیاء:

ان مراحل سے فراغت کے بعد امور خلافت کی طرف متوجہ ہوئے' خلافت کے باب میں عمر بن عبدالعزیز کا نقطۂ نظر گزشتہ خلفاء سے بالکل مختلف تھا' ان کے پیش نظر نظام خلافت میں عظیم الشان انقلاب برپا کرنا تھا' وہ سلطنت کی ظاہر ترقیوں یعنی فتوحات محاصل اور عمارتوں میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ اموی حکومت کو ''خلافت راشدہ'' میں بدل دینا چاہتے تھے' یہ اقدام ایسا اہم اور خطرناک تھا' جس میں ہر طرف سے مخالفتوں کے طوفان کا مقابلہ تھا۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز نے تمام خطرات سے بے پرواہ ہو کر نہایت جرأت سے انقلاب شروع کر دیا۔

غصب کردہ مال و جائیداد کی واپسی:

اسی سلسلہ میں سب سے اہم اور نازک کام رعایا کی املاک کی واپسی تھی' جس کو شاہی خاندان نے اپنی جاگیر بنا لیا تھا' اس میں سارے خاندان کی مخالفت کا مقابلہ کرنا تھا' لیکن عمر بن عبدالعزیز نے سب سے پہلے یہی کار خیر کیا' اور سب سے اول اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کیا' جس وقت آپ نے اس کا ارادہ ظاہر فرمایا' اس وقت بعض

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۰'۲۵۱۔

marfat.com

ہوا خواہوں نے دبی زبان سے عرض کیا کہ اگر آپ جاگیریں واپس کر دیں گے تو اپنی اولاد کے لیے کیا انتظام کریں گے' فرمایا ان کو خدا کے سپرد کرتا ہوں[1]

اس عزم راسخ کے بعد خاندان والوں کو جمع کر کے فرمایا:

''بنی مروان تم کو شرف اور دولت کا بڑا حصہ ملا ہے' میرا خیال ہے کہ امت مسلمہ کا نصف یا دو تہائی مال تمہارے قبضہ میں ہے'' یہ لوگ اشارہ سمجھ گئے اور جواب میں کہا: ''خدا کی قسم جب تک ہمارے سر تن سے جدا نہ ہوں گے' اس وقت تک یہ نہیں ہو سکتا' خدا کی قسم نہ ہم اپنے اباؤ اجداد کو کافر بنا سکتے ہیں (عمر بن عبدالعزیز اپنے اسلاف کے افعال کو حرام کہتے تھے) اور نہ اپنی اولاد کو مفلس بنائیں گے''۔ عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا: ''خدا کی قسم اگر اس حق میں تم میری مدد نہ کرو گے تو میں تم لوگوں کو ذلیل اور رسوا کر ڈالوں گا تم لوگ میرے پاس سے چلے جاؤ''۔[2]

اس کے بعد عام مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے تقریر کی:

''ان لوگوں (بنی امیہ) نے ہم کو عطایا اور جاگیریں دیں' خدا کی قسم نہ انہیں ان کو دینے کا حق تھا' اور نہ ہمیں ان کے لینے کا' اب میں ان سب میں ان کے اصلی حق داروں کو واپس کرتا ہوں' اور اپنی ذات اور اپنے خاندان سے شروع کرتا ہوں''۔

یہ کہہ کر اسناد شاہی کا خریطہ منگوایا' مزاحم سب کو پڑھ پڑھ کر سناتے جاتے تھے' اور عمر بن عبدالعزیز ان کو لے لے کر قینچی سے کاٹتے جاتے تھے' صبح سے لے کر ظہر کی نماز تک یہ سلسلہ جاری رہا[3]

اس طرح اپنی اور اپنے پورے خاندان کی کل جاگیریں واپس کر دیں اور اپنے پاس ایک نگینہ تک باقی نہ رہنے دیا[4] ان کی بیوی فاطمہ کو ان کے باپ عبدالملک نے ایک

---

[1] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۰۸۔

[2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن جوزی ص ۱۱۵۔

[3] ایضاً ص ۲۰۸۔ [4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲۔

marfat.com

قیمتی پتھر دیا تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنی بیوی سے لے کر اس کو بیت المال میں داخل کر دیا[1] سب سے اہم معاملہ فدک کا تھا۔ جو مدتوں سے خلفاء اور اہل بیت کے درمیان متنازعہ فیہ چلا آتا تھا' اور اب عمر بن عبدالعزیز کے قبضہ میں تھا' اور اسی پر ان کی اور ان کے اہل عیال کی معاش کا دارومدار تھا' اس کے متعلق انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے طرز عمل کی تحقیقات کر کے آل مروان سے کہا: ''فدک رسول اللہ ﷺ کا خاصہ تھا' جس کی آمدنی آپ اپنی اور بنی ہاشم کی ضروریات میں صرف فرماتے تھے۔ خود فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے اس کو مانگا تھا۔ لیکن آپ نے دینے سے انکار فرمایا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے تک اسی پر عمل ہوتا رہا' آخر میں مروان نے اس کو اپنی جاگیر بنالیا' اور اب وہ وراثۃً میرے قبضہ میں ہے' لیکن جو چیز رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دی' اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے اس لیے تم لوگوں کو گواہ بناتا ہوں کہ فدک کی جو صورت رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھی اس کو اسی حالت پر لوٹاتا ہوں''۔[2]

اپنی اور اپنے خاندان کی جاگیروں کو واپس کرنے کے بعد عام غصب شدہ مال کی طرف متوجہ ہوئے اور امیر معاویہؓ کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک ظالمانہ طریقوں سے جس قدر غصب کردہ مال و جائیداد تھی' سب ایک ایک کر کے واپس کرادی اور معاویہ اور یزید کے وارثوں سے لے کر ان کے اصلی مالکوں کے حوالہ کی۔[3]

شام کے علاوہ سارے ممالک محروسہ کے عمال کے پاس غصب شدہ مال کی واپسی کے متعلق احکام بھیجے' عراق میں اس کثرت سے مال واپس کیا گیا کہ صوبہ کی حکومت کا خزانہ خالی ہوگیا' اور عمر بن عبدالعزیز کو وہاں کے اخراجات کے لیے دمشق سے روپیہ بھیجنا پڑا۔[4]

مال کی واپسی کے لیے ہر طرح کی آسانیوں کا لحاظ رکھا گیا' ملکیت کے ثبوت

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۳۔ [2] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی قضایا رسول اللہ ﷺ و طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن عبدالعزیز۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

کے لیے کوئی بڑی شہادت کی ضرورت نہ تھی' معمولی شہادت پر مل جاتا تھا[1] جو لوگ مر چکے تھے ان کے ورثا کو واپس کر دیا گیا۔[2] اور یہ سلسلہ عمر بن عبدالعزیز کی وفات تک برابر قائم رہا۔[3]

اہل خاندان کی برہمی:

عمر بن عبدالعزیز نے نہ صرف علاقے اور جاگیریں چھین کر بنی امیہ کو تہی دست کر دیا' بلکہ ان کے سارے امتیازات مٹا کر ان کی نخوت اور غرور کو خاک میں ملا دیا۔اس لیے خاندان میں ان کے خلاف سخت برہمی پھیل گئی' انہوں نے ان کو ہر طریقہ سے اس عادلانہ طریقے سے ہٹانے کی کوشش کی' عمر بن ولید نے نہایت غضب آلود خط لکھا کہ تم نے گزشتہ خلفاء پر عیب لگایا ہے۔ان کی اور ان کی اولاد کی دشمنی میں ان کے خلاف روش اختیار کی۔تم نے قریش کی دولت اور ان کی میراث ظلم و جور سے بیت المال میں داخل کر کے قطع رحم کیا۔عمر بن عبدالعزیز خدا سے ڈرو اور اس کا خیال کرو کہ تم نے زیادتی کی ہے' تم ابھی منبر پر اچھی طرح بیٹھے بھی نہ تھے کہ اپنے خاندان والوں کو جور و ظلم کا نشانہ بنا دیا' اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو بہت سی خصوصیات کے ساتھ مختص فرمایا' تم اس حکومت میں جس کو تم اپنے لیے آزمائش اور مصیبت کہتے ہو' خدا سے بہت دور ہو گئے' اس لیے اپنی خواہشوں کو روکو اور اس کا یقین رکھو کہ تم ایک جبار کی نگاہ کے سامنے اور اس کے قبضہ میں ہو اور اس حالت میں چھوڑے نہیں جا سکتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اس کا نہایت سخت جواب دیا۔[4]

آل مروان نے ہشام کو اپنا وکیل بنا کر ان کے پاس بھیجا' اس نے ان کی جانب سے کہا کہ:

''آل مروان کہتے ہیں کہ ان امور میں جن کا تعلق آپ کی ذات سے ہے جو چاہے کیجئے' لیکن گزشتہ خلفاء جو کچھ کر گئے ہیں' اس کو اسی حالت پر رہنے دیجئے' عمر بن عبدالعزیز

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۰۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۱۔

[4] یہ خط اور اس کا جواب دونوں سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۱۲۔

marfat.com

نے اس کے جواب میں پوچھا اگر ایک ہی معاملہ کے متعلق تمہارے پاس دو دستاویز ہوں' ایک امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اور دوسری عبدالملک کی' تو تم کسے قبول کرو گے' ہشام نے کہا جو قدیم ہوگی' عمر بن عبدالعزیز نے کہا تو میں نے کتاب اللہ کو قدیم دستاویز پایا' اس لیے میں ہر اس چیز میں جو میرے اختیار میں ہے' خواہ وہ میرے زمانہ کی ہو یا گزشتہ زمانہ سے متعلق ہو اسی کے مطابق عمل کروں گا۔ یہ سن کر سعید بن خالد نے کہا امیر المومنین جو چیز آپ کی ولایت میں ہے' اس میں آپ حق وانصاف کے ساتھ اپنی رائے سے فیصلہ کیجیے' لیکن گزشتہ خلفاء اور ان کی بھلائیوں اور برائیوں کو ان کے حال پر رہنے دیجیے' اس قدر آپ کے لیے کافی ہے۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا میں خدا کی قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک شخص چھوٹے بڑے لڑکوں کو چھوڑ کر مرجائے۔ اس کے بعد بڑے لڑکے اپنی قوت سے چھوٹے لڑکوں کے مال پر قبضہ کر کے کھاجائیں اور وہ تمہارے پاس مدد کے لیے آئیں تو تم کیا کرو گے' سعید نے کہا ان کے حقوق واپس دلاؤں گا۔ عمر بن عبدالعزیز نے کہا یہی تو میں بھی کر رہا ہوں۔ مجھ سے پہلے خلفاء نے ان لوگوں کو اپنی قوت سے دبایا۔ ان کے ماتحتوں نے بھی ان کی تقلید کی' اب جب میں خلیفہ ہوا تو یہ کمزور لوگ میرے پاس آئے۔ اس لیے میرے لیے اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ طاقتور سے کمزور کا اور اعلیٰ سے ادنی کا حق دلاؤں[1]

ایک مرتبہ تمام آل مروان نے آپ کے دروازہ پر جمع ہو کر آپ کے صاحبزادے عبدالملک سے کہا کہ ''یا ہم لوگوں کو اندر جانے کی اجازت دلواؤ یا اپنے باپ کو جا کر پیام دو کہ ان سے پہلے جو خلفاء تھے وہ ہم کو لیتے دیتے تھے۔ ہمارے مراتب کا لحاظ رکھتے تھے' اور تمہارے باپ نے ہم کو بالکل محروم کر دیا۔ عبدالملک نے جا کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کو یہ پیام سنایا' انہوں نے کہا ''جا کر ان لوگوں سے کہہ دو اگر میں خدا کی نافرمانی کروں تو عذاب قیامت سے ڈرتا ہوں''[2]

خود آپ کے گھر والوں کو آپ سے شکایت ہوگئی۔

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۱۸'۱۱۹۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۱۷۔

marfat.com

اوزاعی کا بیان ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گھر والوں کے گزارے بند کر دیئے تو عنبسہ بن سعد نے آپ سے شکایت کی کہ امیر المومنین آپ پر ہم لوگوں کا حق قرابت ہے، آپ نے جواب دیا میرے ذاتی مال میں تمہارے لیے گنجائش نہیں اور اس مال (بیت المال) میں تمہارا اس سے زیادہ حق نہیں ہے جتنا برک غماد کے آخری حدود کے رہنے والے کا۔ بخدا اگر ساری دنیا تم لوگوں کی رائے کی ہو جائے تو ان پر خدا کا عذاب نازل ہو[1]

اس قبیل کے اور بہت سے واقعات ہیں، مگر ان میں سے کوئی شے عمر بن عبدالعزیز کو قیام عدل سے نہ روک سکی۔

ظالم عہدیداروں کا تدارک:

مال مغصوبہ کی واپسی کے بعد دوسری اہم اصلاح عمال کے ظلم و جور کا تدارک تھا، جس کے وہ خوگر ہو رہے تھے، اگرچہ آپ کے مشورہ سے سلیمان ہی کے زمانہ میں بڑی حد تک اس کا تدارک ہو چکا تھا پھر بھی کچھ آثار باقی رہ گئے تھے۔ اموی حکومت میں سب سے زیادہ جفا کار حجاج کے خاندان والے اور اس کے ماتحت عہدہ دار تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حجاج کے پورے خاندان کو یمن کی طرف جلاء وطن کر دیا اور وہاں کے عامل کو لکھا کہ میں تمہارے پاس آل عقیل کو بھیج رہا ہوں، جو عرب میں بدترین خاندان ہے، اس کو اپنی حکومت میں ادھر ادھر منتشر کر دو[2] جو لوگ حجاج کے ہم قبیلہ یا اس کی ماتحتی میں کام کر چکے تھے، ان کو ہر قسم کے ملکی حقوق سے محروم کر دیا۔

مظالم کا انسداد:

اموی دور میں بدگمانی اور سوءظن پر دارو گیر اور سزا عام تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے بالکل بند کر دیا، موصل میں چوری اور نقب زنی کی وارداتیں بکثرت ہوتی تھیں، یہاں کے والی یحییٰ غسانی نے لکھا جب تک لوگوں کو شبہ پر پکڑا نہ جائے گا، اور سزا نہ دی

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۱۴، ۱۱۵۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۱۴، ۱۱۵۔

marfat.com

جائے گی اس وقت تک یہ وارداتیں بند نہ ہوں گی۔ آپ نے لکھا کہ صرف شرعی ثبوت پر مواخذہ کرو اگر حق ان کی اصلاح نہیں کرسکتا تو خدا ان کی اصلاح نہ کرے[1]

اسی طرح جراح بن عبداللہ حکمی والی خراسان نے لکھا کہ اہل خراسان کی روش نہایت خراب ہے، ان کو کوڑے اور تلوار کے علاوہ اور کوئی چیز درست نہیں کرسکتی، اگر امیر المومنین مناسب سمجھیں تو اس کی اجازت مرحمت فرمائیں، آپ نے جواب میں لکھا تھا تمہارا خط پہنچا، تمہارا یہ لکھنا کہ خراسان کو کوڑے اور تلوار کے سوا کوئی شے درست نہیں کرسکتی بالکل غلط ہے، ان کو عدل وحق درست کرسکتا ہے، اسی کو عام کرو[2]

عمال کو رعایا کا مال کم قیمت پر خریدنے کی سختی سے ممانعت کردی، عدی بن ارطاۃ والی فارس کو لکھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہارے عمال پھلوں کا تخمینہ کرکے نرخ سے کم قیمت لگا کر اس کو خریدتے ہیں، اور کردوں کے قبیلے مسافروں سے عشر وصول کرتے ہیں۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوگیا کہ یہ تمہارے ایما سے ہوتا ہے یا اسے تم پسند کرتے ہو تو میں تم کو مہلت نہ دوں گا۔ میں بشر بن صفوان، عبداللہ بن عجلان اور خالد بن سالم کو اس کی تحقیقات کے لیے بھیجتا ہوں، اگر وہ اس خبر کو صحیح پائیں گے تو پھلوں کو ان کے مالکوں کو واپس کردیں گے، اس کے علاوہ جن جن باتوں کی مجھے اطلاع ملی ہے، سب کی تحقیقات کریں گے، تم ان لوگوں سے کوئی مزاحمت نہ کرنا[3]

وقتاً فوقتاً عمال کو قیام عدل اور انسداد مظالم کے احکام بھیجتے رہتے تھے، ایک مرتبہ ایک گشتی فرمان تمام امراء کے نام بھیجا کہ ''لوگ برے عمال کی وجہ سے جنہوں نے برے دستور قائم کیے اور انصاف، نرمی اور احسان کا ارادہ نہیں کیا، احکام الٰہی میں سخت معصیت کی اور ظلم وجور میں مبتلا ہوگئے[4]

ایک والی عبدالحمید کو پہلا خط لکھا کہ ''وسوسہ شیطانی اور حکومت کے بعد انسان کی

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۸۔ [2] ایضاً ص ۲۴۳۔ [3] ابن سعد جلد ۵ ص ۲۰۹، ۳۲۹۔
[4] یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۲۔

marfat.com

بقا نہیں ہوسکتی' اس لیے جب تم کو میرا خط ملے' اس وقت ہر حقدار کو اس کا حق ادا کرو[1] جس قدر ناجائز ٹیکس تھے' سب موقوف کر دیئے[2] ان کے علاوہ اور تمام ظالمانہ طریقوں کو روکا۔

بیت المال کی آمدنی کی اصلاح:

اموی دور میں بیت المال کے مداخل اور مخارج میں بڑی بے عنوانیاں تھیں' جائز اور ناجائز آمدنی میں کوئی تفریق نہ تھی' ہر طرح کی ناجائز آمدنیوں سے خزانہ بھرا جاتا تھا۔ پھر اسی بے عنوانی سے اسے خرچ کیا جاتا تھا۔ بیت المال جو ایک قومی امانت ہے' ذاتی خزانہ بن گیا' اور اس کا بڑا حصہ خلفاء کے ذاتی مصارف اور ان کے تعیش میں صرف ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دونوں بے عنوانیوں کا تدارک کیا۔

شاہی خاندان کے تمام مخصوص وظیفے بند کر دیئے' خلافت کے شکوہ وتجمل کے مصارف بالکل ختم کر دیئے' ان کی تخت نشینی کے بعد جب شاہی اصطبل کے داروغہ نے سواریوں کے اخراجات طلب کیے تو حکم دیا کہ انہیں بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے' میرا خچر میرے لیے کافی ہے[3]

بیت المال کی آمدنی بڑھانے کے لیے حجاج نومسلموں سے بھی جزیہ لیتا تھا' آپ نے حکم جاری کر دیا کہ ''جو لوگ مسلمان ہو جائیں ان کا جزیہ ساقط کر دیا جائے''۔ اس حکم پر اتنے آدمی مسلمان ہوئے کہ جزیہ کی آمدنی گھٹ گئی' حیان بن شریح نے شکایت لکھ کر بھیجی کہ ''اس کثرت کے ساتھ لوگ مسلمان ہوئے ہیں کہ مجھے قرض لے کر مسلمانوں کے وظیفے دینے پڑے۔ آپ نے ان کو نہایت سخت خط لکھا کہ ''جزیہ بہر حال موقوف کرو' رسول اللہ ﷺ ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے' محصل خراج بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے[4]

اور اس سلسلہ میں یہ فرمان عام جاری کر دیا کہ اگر جزیہ ترازو میں رکھا جا چکا ہو اور اس حالت میں بھی ذمی اسلام قبول کر لے یا آغاز سال سے ایک دن پہلے (جب کہ

---

1 ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۱۔ 2 ایضاً ص ۲۸۳۔

3 تاریخ الخلفاء ص ۲۳۱۔ 4 مقریزی ج ۲ ص ۱۳۵۔

marfat.com

پورے سال کا جزیہ عائد ہو جاتا ہے) اسلام لے آئے تو بھی جزیہ نہ لیا جائے[1]

خراج کی اصلاح کے متعلق عبد الحمید بن عبد الرحمٰن کو فرمان لکھا:

زمین کا معائنہ کرو' بنجر زمین کا بار آباد زمین پر اور آباد زمین کا بار بنجر زمین پر نہ ڈالو' بنجر زمین کا معائنہ کرو' اگر اس میں صلاحیت ہو تو بقدر گنجائش خراج لو' اور ان کی اصلاح کرو کہ وہ آباد ہو جائیں' جن آباد زمینوں میں پیداوار نہیں ہوتی' ان سے خراج نہ لو اور جو زمینیں قحط زدہ ہو جائیں' ان کے مالکوں سے نہایت نرمی سے خراج میں صرف وزن سبعہ لو' جن میں سونا نہ ہو' ٹکسال اور چاندی پگھلانے والوں سے' نو روز اور مہرجان کے ہدیے' عرائض نویسی اور شادی کا ٹیکس' گھروں کا ٹیکس اور نکاحانہ نہ لو' جو ذمی مسلمان ہو جائیں ان پر خراج نہیں ہے''[2]

اس طرح انہوں نے بیت المال سے ہر قسم کی ناجائز آمدنیاں بند کر دیں۔

بیت المال کی حفاظت کا انتظام:

اس کی حفاظت کا نہایت سخت انتظام کیا' ایک مرتبہ یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم ہو گیا' حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہاں کے افسر خزانہ کو لکھا کہ تمہاری امانت کو متہم نہیں کرتا' لیکن تمہاری لاپرواہی کو جرم قرار دیتا ہوں اور مسلمانوں کی طرف سے ان کے مال کا مدعی ہوں' تم پر فرض ہے کہ تم شرعی قسم کھاؤ[3]

یزید بن مہلب بن ابی صفرہ والی خراسان کو خیانت کے جرم میں معزول کر کے قید کر دیا[4]

ابوبکر بن حزم نے سلیمان کے آخری عہد میں' کاغذ' قلم' دوات اور روشنائی

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۶۲۔ [2] کتاب الخراج صفحہ ۴۹۔

[3] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۸۵۔

[4] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۳۱۳۔

marfat.com

کے دفتری اخراجات کے اضافہ کے لیے لکھا تھا' ابھی اس کا کوئی انتظام نہ ہوا تھا کہ ابن عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہو گئے' انہوں نے ابی بکر کو لکھا:

''وہ دن یاد کرو جب تم اندھیری رات میں بغیر روشنی کے کیچڑ میں اپنے گھر سے مسجد نبوی ﷺ جاتے تھے اور آج بخدا تمہاری حالت اس سے کہیں بہتر ہے۔ قلم باریک کرلو اور سطریں قریب قریب لکھا کرو' اپنی ضروریات میں کفایت شعاری سے کام لو' میں مسلمانوں کے خزانہ سے ایسی رقم صرف کرنا پسند نہیں کرتا' جس سے ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچے''[1]

دوسرے عمال کو بھی ہدایت لکھی کہ کوئی عامل بڑے کاغذ پر جلی قلم سے نہ لکھے' خود آپ کے فرامین' ایک بالشت سے زیادہ نہ ہوتے تھے[2]

بیت المال کی آمدنیوں اور مصارف کی علیحدہ علیحدہ مدیں قائم کیں' صدقہ کی علیحدہ' خمس کی علیحدہ' مال غنیمت کی علیحدہ[3] گزشتہ خلفاء خمس کے مقررہ مصارف کی پابندی نہیں کرتے تھے' عمر بن عبدالعزیز نے خمس کو اس کے صحیح مصارف میں لگایا[4]

بیت المال کے مصارف:

بیت المال کو پھر مسلمانوں کی امانت بنا دیا' اور ان کو ان کی ضروریات کے لیے مخصوص کر دیا' چنانچہ اس کی آمدنی کا بڑا حصہ خالص رعایا کے مفاد کے کاموں میں صرف کیا جانے لگا' ملک میں جتنے اپاہج تھے' سب کے نام درج رجسٹر تھے' ان سب کو وظیفہ ملتا تھا'[5] جو عمال اس میں ذرا بھی غفلت یا ترمیم کرتے تھے ان کو تنبیہ کی جاتی تھی' دمشق کے بیت المال سے ایک اپاہج کے وظیفہ کے تقرر کے سلسلہ میں میمون بن مہران نے کہا' ان لوگوں کے ساتھ سلوک تو کیا جا سکتا ہے' لیکن ان کو صحیح و تندرست آدمی کے برابر وظیفہ نہیں دیا جا سکتا' حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اس کی اطلاع ہوئی نہایت غضب آلود خط لکھا[6]

---

1 ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۶۔ 2 ایضاً۔ 3 ایضاً ص ۲۹۵۔ 4 ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۷۔

5 اصابہ ج ۵ ص ۸۰۔ 6 طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۸۱۔

marfat.com

بہتوں کو نقد کے بجائے جنس ملتی تھی اور فی کس ساڑھے چار اروب کے حساب سے غلہ دیا جاتا تھا' قرضداروں کی قرض کی[1] ادائیگی کے لیے بھی ایک مد تھی[2] شیر خوار بچوں کے وظائف مقرر تھے'[3] ایک عام لنگر خانہ تھا' جس سے فقراء و مساکین کو کھانا ملتا تھا[4]

عام مستحقین میں صدقات و خیرات تقسیم ہوتی تھی' ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ایک شخص کو تقسیم مال کے لیے رقعہ بھیجا' اس نے عذر کیا کہ آپ مجھے ایسی جگہ بھیج رہے ہیں جہاں میں کسی کو نہیں پہچانتا' ان میں امیر و غریب سب ہیں' فرمایا:

''جو شخص تمہارے سامنے ہاتھ پھیلائے اسے دو۔[5]

اس کے علاوہ اور سینکڑوں قسم کے مفید مصارف میں صرف کرتے' اس فیاضانہ دادو دہش کا بیت المال پر بہت بار پڑتا تھا۔ بعض عمال نے اس کی طرف توجہ دلائی تو جواب میں لکھا کہ جب تک ہے دیتے چلے جاؤ' جب خالی ہو جائے تو کوڑا کرکٹ بھر دو۔[6]

ذمیوں کے حقوق:

کسی حکومت کے عدل وانصاف اور ظلم و جور کا ایک بڑا معیار دوسری اقوام اور دوسرے مذاہب کے ساتھ اس کا سلوک اور طرز عمل ہے' اس معیار سے بھی عمر بن عبدالعزیز کا دور سراپا عدل تھا' انہوں نے جس طرح ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کی اور ان کے ساتھ جیسی نرمی برتی اس کی مثال عہد فاروقی کے علاوہ اور کسی دور میں نہیں مل سکتی' مسلمانوں کی طرح ان کی جان اور ان کے مال کی حفاظت کی' ان کے مذہب میں کسی قسم کی دست اندازی نہیں کی' جزیہ کی وصولی میں نرمی اور آسانیاں پیدا کیں' اس کا اندازہ ذمیوں کے ساتھ ان کے طرز عمل اور ان کے احکام سے ہوگا جو عمال کو بھیجتے رہتے تھے۔[7]

عدی بن ارطاۃ کو لکھا کہ ذمیوں کے ساتھ نرمی کرو' ان میں جو بوڑھا اور نادار

---

[1] طبقات ابن سعد ص ۲۵۵۔ [2] ایضاً ص ۲۵۷۔ [3] ایضاً ص ۲۵۵۔
[4] ایضاً ۲۷۹۔ [5] ایضاً ص ۲۷۲۔ [6] زرقانی شرح موطا ج ۲ ص ۲۳۷۔
[7] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۸۵۔

marfat.com

ہو جائے اس کی کفالت کرو' اگر اس کا کوئی رشتہ دار ہو تو اسے اس کی کفالت کا حکم دو' جس طرح تمہارا کوئی غلام بوڑھا ہو جائے تو اسے آزاد کرنا پڑے گا یا مرتے دم تک اس کی کفالت کرنی پڑے گی۔[1]

ذمی کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر قرار دی' ایک بار حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے وہاں کے عامل کو لکھا کہ قاتل کو مقتول کے ورثہ کے حوالہ کر دو' وہ چاہیں قتل کریں چاہیں معاف کر دیں' چنانچہ قاتل حوالہ کیا گیا' اور ذمیوں نے اسے قتل کر دیا۔[2]

کوئی مسلمان ان کے مال پر دست اندازی نہیں کر سکتا تھا' جو شخص ایسا کرتا تھا اسے پوری سزا ملتی تھی' ایک مرتبہ ایک مسلمان ربیعہ شعودی نے ایک سرکاری کام کے لیے ایک قبطی کا گھوڑا بے گار میں پکڑ لیا اور اس پر سواری کی' عمر بن عبدالعزیز نے اس کو چالیس کوڑے لگوائے۔[3]

مال مغصوبہ کی واپسی کے وقت شاہی خاندان سے ذمیوں کی زمینیں بھی واپس دلائیں۔ اس سلسلہ میں ایک ذمی نے دعویٰ دائر کیا کہ عباس بن ولید نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عباس سے فرمایا تم اس کا کیا جواب دیتے ہو انہوں نے کہا: ''ولید نے مجھے جاگیر میں دے دیا ہے' اور میرے پاس اس کی سند موجود ہے''۔ ذمی نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا میں آپ سے کتاب اللہ کے موافق اس کا فیصلہ چاہتا ہوں' آپ نے فرمایا خدا کی کتاب ولید کی سند پر مقدم ہے اور ذمی کو زمین واپس دلا دی[4] ان کے مذہبی حقوق کی جو گزشتہ خلفاء کے زمانہ میں ختم ہو گئے تھے' از سر نو قائم کیا۔ دمشق میں ایک گرجا عرصہ سے ایک مسلمان خاندان کی جاگیر میں چلا آتا تھا۔ عیسائیوں نے عمر بن عبدالعزیز کے پاس اس کا دعویٰ کیا' آپ نے واپس دلا دیا۔ ایک مسلمان

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۔ [2] نصب الرایہ ص ۳۶۰۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۶۔

[4] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۴۔

marfat.com

نے ایک گرجے کی نسبت دعویٰ کیا کہ وہ اس کی جاگیر میں ہے' حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا' اگر عیسائیوں کے معاہدہ میں ہے تو تم اس کو نہیں پا سکتے[1]

جزیہ کی وصولی میں آسانیاں پیدا کیں' اور اس سلسلہ میں جتنی بے عنوانیاں پیدا ہوئی تھیں سب بند کردیں' حجاج نے ابن اشعث کی حمایت کے الزام میں عراق کے ذمیوں کے جزیہ کی مقدار بڑھا دی تھی' عمر بن عبدالعزیز نے اس کو گھٹا دیا[2]

آپ کے زمانہ میں ذمیوں کے ساتھ اتنی نرمی برتی گئی کہ اس سے عام لوگوں کو نقصان اٹھانا پڑا۔ چنانچہ غلہ کا نرخ گراں ہوگیا' ایک شخص نے آپ سے اس کا سبب پوچھا' آپ نے فرمایا پہلے خلفاء ذمیوں کو جزیہ کی وصولی میں ناقابل برداشت تکلیفیں دیتے تھے۔ اس لیے وہ جس نرخ پر بھی ہوسکتا تھا' غلہ فروخت کرڈالتے تھے' اور میں ہر شخص کو اسی قدر تکلیف دیتا ہوں' جس کا وہ متحمل ہوسکے' اس لیے ہر شخص جس طرح چاہتا ہے فروخت کرتا ہے[3]

شاہی خاندان کے ارکان اور ذمیوں میں مساوات قائم کی' ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے ایک عیسائی پر مقدمہ دائر کیا۔ عمر بن عبدالعزیز نے دونوں کو برابر کھڑا کیا۔ ہشام نے غرور و تمکنت میں عیسائی سے سخت کلامی کی' عمر بن عبدالعزیز نے اس کو ڈانٹا اور سزا دینے کی دھمکی دی[4]

محاصل میں اضافہ:

یہ عمر بن عبدالعزیز کی برکت تھی کہ ناجائز آمدنیوں کے سدباب اور مصارف خیر کی کثرت کے باوجود بیت المال پر کوئی خاص اثر نہیں پڑا' بلکہ بعض بعض ملکوں کے محاصل میں حیرت انگیز اضافہ ہوگیا' چنانچہ عراق کی آمدنی حجاج کے ظالمانہ دور سے بڑھ گئی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ خدا حجاج پر لعنت کرے' اس کو نہ

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۳۰۔ [2] ایضاً ص ۱۳۰۔

[3] کتاب الخراج ص ۷۶۔ [4] العیون والحدائق۔

marfat.com

دین کا سلیقہ تھا نہ دنیا کا' حجاج کے زمانہ میں باوجود ظالمانہ طریقوں کے عراق سے صرف دو کروڑ اسی لاکھ درہم وصول ہوتے تھے' اس نے کاشتکاروں کو بیس لاکھ درہم زمین کی آبادی کے لیے بطور قرض دیئے تو ایک کروڑ سات لاکھ اضافہ ہوا اس ویرانی کے بعد عراق میرے قبضہ میں آیا تو میں نے بغیر کسی جبر کے بارہ کروڑ چالیس لاکھ درہم وصول کیے اور زندہ رہا تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے بھی زیادہ وصول کروں گا۔[1]

رعایا کی خوشحالی:

مظالم کے انسداد' ناجائز ٹیکسوں کی منسوخی' ذمیوں کے ساتھ مراعات اور عام داد و دہش کی وجہ سے ملک نہایت فارغ البال اور رعایا آسودہ حال تھی۔ ملک کے طول و عرض میں افلاس کا نشان باقی نہ رہ گیا تھا' مہاجر بن یزید کا بیان ہے کہ ہم لوگ صدقہ تقسیم کرتے تھے' ایک سال کے بعد دوسرے سال وہ لوگ جو پہلے صدقہ لیتے تھے خود دوسروں کو صدقہ دینے لگتے تھے۔[2]

عمر بن عبدالعزیز نے صرف ڈھائی سال حکومت کی۔ اس مختصر مدت میں یہ حالت ہوگئی تھی کہ لوگ ان کے عمال کے پاس' فقراء میں تقسیم کرنے کے لیے صدقہ کا مال لے کر آتے تھے' لیکن کوئی صاحب حاجت نہ ملتا تھا' اور مال واپس لے جانا پڑتا تھا' حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سب کو اس قدر مالا مال کر دیا تھا کہ کوئی شخص حاجت مند باقی نہ رہ گیا تھا۔[3]

آپ کے زمانہ میں رعایا کی خوش حالی اس درجہ کو پہنچ گئی تھی کہ اس کے نشہ میں کبر و نخوت میں اس کے مبتلا ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا' چنانچہ عدی بن ارطاۃ نے آپ کو لکھا کہ اہل بصرہ اس قدر خوشحال ہو گئے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ وہ فخر و غرور نہ کرنے لگیں' آپ نے جواب دیا' کہ خدا جب اہل جنت کو جنت میں داخل کرے گا تو حکم دے گا

---

1. فتوح البلدان ذکر سواد۔ 2. ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۶۔
3. فتح الباری ج ۶ ص ۲۵۱۔

marfat.com

کہ وہ الحمدللہ کہیں۔ اس لیے تم بھی لوگوں کو حکم دو کہ وہ خدا کا شکر بجالائیں [1]

رفاہ عامہ کے کام:

آپ نے جس قدر اصلاحیں کیں وہ سب درحقیقت رفاہ عامہ ہی کے کام ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ مروجہ اصطلاح میں بھی آپ نے بہت سے رفاہ عامہ کے کام کیے۔

سارے ممالک محروسہ میں نہایت کثرت سے سرائیں بنوائیں' خراسان کے عامل کو لکھا کہ وہاں کے تمام راستوں میں سرائیں تعمیر کرائی جائیں [2] سمرقند کے والی سلیمان بن ابی السری کے پاس پیغام بھیجا کہ وہاں کے شہروں میں سرائیں تعمیر کراؤ' جو مسلمان ادھر سے گزریں' ایک شبانہ یوم ان کی مہمان نوازی کرو' ان کی سواریوں کی حفاظت کرو جو مسافر مریض ہو' اس کو دو دن اور دو رات مقیم رکھو۔ اگر کسی کے پاس گھر تک پہنچنے کا سامان نہ ہو' تو وطن تک پہنچنے کا سامان کردو [3] ایک عام لنگر خانہ قائم کیا' جس میں فقراء اور مساکین کو کھانا ملتا تھا [4]

مذہبی خدمات:

گو یہ تمام اصلاحات درحقیقت مذہب پرستی ہی کا نتیجہ تھیں' ایک حیثیت سے وہ سب مذہبی خدمات کے دائرہ میں داخل ہیں' اس کے علاوہ انہوں نے بہت سی خالص مذہبی خدمات بھی انجام دیں اور شریعت اسلامی میں جو اموی خلفاء کی غفلت شعاری سے بالکل مردہ ہو چکی تھی' دوبارہ جان ڈالی' امویوں کے زمانہ میں کوئی شے جادۂ شریعت پر نہ رہ گئی تھی' عمر بن عبدالعزیز نے سب کو پھر صراط مستقیم پر لگایا' عمال کے نام جو فرامین جاتے تھے' ان سب میں احیائے شریعت اور استیصال بدعت کی تاکید ہوتی تھی [5]

عدی بن ارطاۃ کو ایک فرمان لکھا کہ ''ایمان چند فرائض' چند احکام اور چند سنن

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۲۔ [2] ایضاً۔

[3] طبری ص ۱۳۶۴۔ [4] طبری ص ۱۲۷۹۔

[5] ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۲۔

marfat.com

کا نام ہے' جس نے ان اجزاء کی تکمیل کر لی' اس نے ایمان کو مکمل کر دیا' اور جس نے اس کی تکمیل نہیں کی' اس نے ایمان کو مکمل نہیں کیا' اگر میں زندہ رہا تو ان تمام اجزاء کو تمہارے سامنے واضح کر دوں گا تا کہ تم لوگ اس پر عمل کرو' اور اگر مر گیا تو مجھے تمہارے ساتھ رہنے کی حرص بھی نہیں ہے۔[1]

آپ نے جس طرح ان اجزاء کا تحفظ کیا' اور ان کی تبلیغ و اشاعت میں جیسی جدوجہد کی اس کی نظیر نہیں مل سکتی' اس کی تفصیلات نہایت طویل ہیں' مختصر یہ ہے کہ مذہبی روح آپ کے عہد کی امتیازی خصوصیت بن گئی تھی' طبری کا بیان ہے کہ:

ولید عمارتوں کا بانی تھا' اس لیے اس کے زمانہ میں یہی عام مذاق ہو گیا تھا اور لوگ آپس میں صرف عمارتوں کا تذکرہ کرتے تھے' سلیمان کو عورتوں اور نکاح کا شوق تھا' اس لیے اس کے زمانہ میں لوگ لونڈیوں اور شادیوں کا چرچا کرتے تھے' لیکن جب عمر بن عبدالعزیز نے تخت خلافت پر قدم رکھا تو لوگوں کا موضوع بدل کر مذہب و عبادت کی تفصیلات ہو گئیں۔[2]

مذہبی تعلیم کی اشاعت:

احیائے شریعت کے لیے عمر بن عبدالعزیز نے مذہبی تعلیم کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا' قاضی ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ لوگوں کو چاہیے کہ عام علم (علم شریعت) کی اشاعت کریں' تعلیم کے لیے حلقۂ درس میں بیٹھیں تا کہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان لیں''۔

ایک اور عامل کو لکھا کہ لوگوں کو حکم دو کہ وہ اپنی مسجدوں میں علم کی اشاعت کریں کیونکہ سنت مردہ ہو چکی ہے۔[3]

جو علماء اس مقدس کام میں مصروف تھے' ان کو فکر معاش سے مطمئن کر دیا' حمص کے گورنر کو لکھا: ''جن لوگوں نے دنیا کو چھوڑ کر اپنے کو فقہ کی تعلیم کے لیے وقف کر دیا ہے

---

[1] بخاری کتاب الایمان باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس۔

[2] طبری ص ۲ ۱۲۷' ۳ ۱۲۷۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۴۔

marfat.com

بیت المال سے سو سو دیناران کا وظیفہ مقرر کرو' تا کہ وہ اس حالت کو قائم رکھ سکیں [1] علما کے علاوہ طلباء کے وظائف مقرر کیے [2]

دور افتادہ ممالک میں تعلیم کی اشاعت کے لیے علماء بھیجے' حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے غلام نافع کو جو بڑے نامور عالم تھے' تعلیم حدیث کے لیے مصر بھیجا [3] قاری بعثل بن عامان کو قرأت کی تعلیم دینے کے لیے مصر و مغرب بھیجا' [4] یزید بن ابی مالک کو دمشق اور حارث بن یمجد الاشعری کو بدوؤں کی تعلیم کے لیے مقرر کیا [5] یہ صرف چند نام ہیں ورنہ جن جن مقامات پر ضرورت تھی' سب جگہ علماء بھیجے۔

اشاعت اسلام:

سلطنت میں توسیع کے بجائے اسلام کی توسیع و اشاعت کو اپنا مقصد قرار دیا اور اس کے لیے ہر قسم کے مادی اور اخلاقی ذرائع اختیار کیے۔

امرائے فوج کو خاص طور سے ہدایت تھی کہ ''رومیوں کے کسی حلقہ اور ان کی کسی جماعت سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک اسلام کی دعوت نہ دے لو'' [6]

تمام عمال کو حکم دیا کہ ذمیوں کو اسلام کی دعوت دی جائے' جو ذمی اسلام قبول کر لیں ان کا جزیہ معاف کر دیا جائے' اس طریقہ سے اسلام کی بڑی اشاعت ہوئی۔ تنہا جراح بن عبداللہ حکمی والی خراسان کے ہاتھوں پر چار ہزار ذمی مسلمان ہوئے [7]

اسماعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر والی مغرب کی تبلیغ سے سارے مغرب میں اسلام پھیل گیا [8] اور مختلف ملکوں میں اس کثرت سے ذمی مسلمان ہوئے کہ متعدد والیوں نے خراج کی آمدنی گھٹ جانے کی شکایت کی' لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مطلق اس کی پرواہ نہ کی' بعضوں کو جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے۔ [9] بعضوں کو

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۹۵۔ [2] جامع البیان العلم ص ۸۸۔ [3] حسن المحاضرہ سیوطی ج اول ص ۱۱۹۔

[4] ایضاً۔ [5] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۴۷۔ [6] ابن سعد ترجمہ عمر بن عبدالعزیز۔

[7] ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۵۔ [8] فتوح البلدان ص ۳۵۷۔ [9] مقریزی ج اول ص ۱۲۵۔

marfat.com

لکھا کہ: ''میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ساری ذمی مسلمان ہو جائیں اور ہماری حیثیت صرف ایک کاشتکار کی رہ جائے کہ اپنے ہاتھوں سے کمائیں کھائیں[1] بعض عمال نے تجویز پیش کی کہ ذمی جزیہ کے خوف سے مسلمان ہوتے ہیں' اس لیے ختنہ کر کے ان کا امتحان لیا جائے' آپ نے لکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہادی اور رہنما تھے' خاتن نہ تھے[2]

آپ کے محاسن اخلاق کی شہرت اور تبلیغ سے اسلام سے آپ کا شغف سن کر بعض ممالک نے خود اپنے یہاں مبلغ اسلام بھیجنے کی درخواست کی' چنانچہ تبت کے وفود کی درخواست پر آپ نے سلیط بن عبداللہ حنفی کو تبت روانہ کیا[3] اس طرح آپ کے زمانہ میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی۔

خلافت کو جمہوری بنانا چاہتے تھے:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دلی منشا خلافت کو جمہوری شکل میں تبدیل کرنا تھا' لیکن یہ مستقل تغیر ان کے بس میں نہ تھا' اس لیے کہ آب شاہی خاندان میں موروثی بادشاہت اصولی حیثیت سے مسلم ہو چکی تھی' اور عام مسلمان بھی اس کے خوگر ہو گئے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے بعض مواقع پر اپنے اس خیال کا اظہار بھی کر دیا کہ: ''اگر خلافت کا معاملہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم بن عبداللہ کو خلیفہ بنا دیتا''۔[4] بلکہ ایک مرتبہ آل مروان کو اس کی دھمکی بھی دی' اس کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے جمع ہو کر آپ سے کہا کہ گزشتہ خلفاء ہمارے ساتھ جو کچھ کرتے تھے' وہ سب آپ نے ختم کر دیا' اور اس پر بڑی برہمی ظاہر کی۔ آپ نے فرمایا: ''اگر آئندہ پھر تم نے میرے سامنے اس قسم کی باتیں کیں' تو میں چھوڑ کر مدینہ چلا جاؤں گا اور خلافت کو شوریٰ پر چھوڑ دوں گا' میں اس کے اہل (قاسم بن عبداللہ) کو پہچانتا ہوں۔[5]

---

1 سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۹۹۔ 2 ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۵۔
3 یعقوبی ج ۲ ص ۳۶۲۔ 4 ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۴۔
5 ایضاً ص ۲۵۳۔

marfat.com

بادشاہت کے امتیازات کا استیصال:

لیکن سلیمان آپ کے بعد یزید بن عبدالملک کو نامزد کر گیا تھا۔ اس لیے یہ انقلاب آپ کے اختیار میں نہ رہ گیا تھا' تاہم جہاں تک ہو سکا آپ نے شہنشاہیت کا زور توڑنے اور اس کے مفاسد کو دور کرنے کی پوری کوشش کی اور ہر شعبہ سے ملوکیت کے اثرات کو بالکل مٹا دیا۔

خلفاء کے ساتھ نقیب و علمبردار چلتے تھے' نماز کے بعد رسول اللہ ﷺ کی طرح ان پر درود و سلام بھیجا جاتا تھا' اسلام میں خاص امتیار برتا جاتا تھا' عمر بن عبدالعزیز نے ان تمام امتیازات کو مٹا دیا' چنانچہ پہلی مرتبہ جب کوتوال نے حسب دستور نیزہ لے کر آپ کے ساتھ چلنا چاہا تو آپ نے روک دیا کہ مسلمانوں کا معمولی فرد ہوں' [1] اسلام کے متعلق ہدایت فرمائی کہ عام طریقہ سے سلام کیا جائے' [2] عمال کو فرمان لکھا کہ پیشہ ور واعظ خلفاء پر درود سلام بھیجتے ہیں' انہیں روک دو' اور حکم دو کہ وہ عام مسلمانوں کے لیے دعا کریں' باقی چھوڑ دیں' [3] مخصوص میرے لیے دعا نہ کرو' بلکہ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے دعا کریں' اگر میں ان میں ہوں گا تو میں بھی شامل ہو جاؤں گا۔[4]

شاہی خاندان کے متعلق ابوبکر بن محمد کو لکھا کہ کسی کو صرف اس لیے ترجیح نہ دو کہ وہ خاندان خلافت سے تعلق رکھتا ہے' میرے نزدیک یہ لوگ عام مسلمانوں کے برابر ہیں'[5] اور اسے عملاً کر کے دکھا دیا' ایک مرتبہ مسلمہ بن عبدالملک ایک مقدمہ میں فریق کی حیثیت سے آپ کے اجلاس میں آیا اور فرش پر بیٹھ گیا' آپ نے اس سے کہا کہ ''اپنے فریق کی موجودگی میں تم فرش پر نہیں بیٹھ سکتے' یا عام لوگوں کے برابر بیٹھو یا کسی دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کر دو۔[6] شاہی خاندان کے وظائف عام مسلمانوں کے برابر کر دیئے۔ غرض آپ نے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۵۳۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۳۔

[3] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۳۶۔ [4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۸۔

[5] ایضاً ص ۲۵۲۔ [6] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۷۳۔

marfat.com

ملوکیت کے کنگرے کو پست کر کے عام سطح کے برابر کر دیا۔

فتوحات:

حکومت اور سلطنت کے باب میں آپ کا نقطۂ نظر دوسرے خلفاء سے بالکل جداگانہ تھا' آپ کا مقصد اس کی توسیع نہیں بلکہ اس کی اصلاح تھی' اس لیے آپ کے زمانہ میں جو چیز سب سے آخری درجہ پر نظر آتی ہے' وہ فوجی سرگرمی ہے' چنانچہ سلطنت کے بقاو تحفظ اور قیام امن کی ضرورت کے علاوہ جارحانہ اقدام بہت کم ہوا' صرف اندلس کے بعض علاقوں اور سندھ کی بعض فتوحات کے علاوہ کوئی قابل ذکر فتوحات نہیں ہوئیں۔

خوارج کا مقابلہ:

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سے لے کر اس وقت تک کی تاریخ مسلمانوں کے خون سے رنگین تھی' اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس میں اتنی احتیاط برتی کہ مفسد پرداز اور فتنہ پرست اسلامی فرقوں کے خلاف بھی تلوار نہ اٹھائی' خوارج امویوں کے پرانے دشمن تھے' ان کی مخالفانہ روش حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں بھی قائم رہی' اپنے ہر ممکن طریقہ سے ان کو سمجھا بجھا کر باز رکھنے کی کوشش کی۔

عبدالحمید والی کوفہ کو جو خوارج کے مقابلہ میں تھے لکھا کہ ''جب تک یہ لوگ خون ریزی اور فساد نہ کریں ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے' ایک دور اندیش اور مستقل مزاج آدمی کو میرا یہ حکم سنا کر تھوڑی سی فوج کے ساتھ بھیج دو' اس حکم کے مطابق عبدالحمید نے محمد بن جریر بجلی کو دو ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ کر دیا۔

اس سے بھی زیادہ احتیاط یہ فرمائی کہ خوارج کے سردار بسطام کو خط لکھ کر اصلاح و مناظرہ کی دعوت دی کہ ''آؤ ہم تم مناظرہ کریں' اگر ہم حق پر ہوں تو تم عام لوگوں کی طرح حلقہ اطاعت میں داخل ہو جاؤ' اگر تم حق پر ہو تو ہم اپنے معاملہ پر غور کریں۔ اس دعوت پر بسطام نے دو شخصوں کو مناظرہ کے لیے بھیجا' اور فریقین میں مناظرہ ہوا' اس کی تفصیلات کتابوں میں مذکور ہیں' حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہیں ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی لیکن ان پر افہام و تفہیم کا کوئی اثر نہ ہوا' اور وہ اپنی مفسدانہ روش سے باز نہ آئے'

marfat.com

اس لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو آخر میں مجبور ہو کر ان شرائط کے ساتھ ان سے جنگ کرنی پڑی کہ:

1. عورت' بچے اور قیدی قتل نہ کیے جائیں' زخمیوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔
2. فتح کے بعد جو مال غنیمت ہاتھ آئے' وہ ان کے اہل وعیال کو واپس کر دیا جائے۔
3. قیدی اس وقت تک مقید رہیں جب تک راہ راست پر نہ آ جائیں۔

ان پابندیوں کے ساتھ عبدالحمید نے ان پر حملہ کیا' لیکن شکست کھائی' حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اس کی اطلاع ہوئی تو مسلمہ بن عبدالملک کو روانہ کیا' انہوں نے چند دنوں میں قابو حاصل کر لیا۔[1]

خصوصیات حکومت پر اجمالی تبصرہ:

اوپر کے حالات سے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کی خصوصیات کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے' اس لیے اس کی بنیادی خصوصیات پر اجمالی تبصرہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی خلافت کی بنیاد کتاب اللہ' سنت رسول اللہ ﷺ اور خدا کی اطاعت پر تھی' ان بنیادی اصولوں اور اپنی حیثیت کو پہلی تقریر میں ان الفاظ میں واضح فرمایا:

''امابعد لوگو! تمہارے نبی ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہے' اور ان پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں ہے' خدا نے جو چیز حلال کر دی وہ قیامت تک حلال رہے گی' اور جو چیز حرام کر دی وہ قیامت تک حرام رہے گی' میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلکہ محض (احکام الٰہی کو) نافذ کرنے والا ہوں۔ میں خود کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں' بلکہ محض پیرو ہوں۔ کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے' میں تم میں کا بہتر آدمی بھی نہیں ہوں' البتہ خدا نے مجھ کو

---

[1] تاریخوں میں ان کی تفصیلات بہت طویل ہیں۔ ہم نے مختصر خلاصہ نقل کیا ہے' طبری اور ابن اثیر وغیرہ سب میں یہ حالات ہیں۔

marfat.com

تمہارے مقابلہ میں زیادہ گراں بار کیا ہے[1]

امور خلافت میں خلافت فاروقی کو اپنے لیے نمونہ عمل بنایا' چنانچہ حضرت عمرؓ کے پوتے سالم بن عبداللہؓ بن عمر کو لکھا: ''میں چاہتا ہوں کہ اگر خدا کو منظور ہو اور مجھ میں اس کی استطاعت ہو تو رعایا کے معاملہ میں عمر بن خطاب کی روش اختیار کروں۔ اس لیے تم میرے پاس عمر کی تحریریں' اور ان کے فیصلے جو انہوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے بارے میں کیے' بھیجو' اگر خدا کو منظور ہوگا تو میں ان کے نقش قدم پر چلوں گا''۔

لیکن اب زمانہ بدل چکا تھا' عہد رسالت پر مدت گزر چکی تھی' صحابہ اٹھ چکے تھے' بنی امیہ کی حکومت نے اسلامی حکومت کے بارے میں عام مسلمانوں کا نقطہ نظر بدل دیا تھا۔ اس لیے اس زمانہ میں عہد فاروقی کو زندہ کرنا بہت مشکل تھا' سالم نے بھی ان دشواریوں کو محسوس کیا اور آپ کو لکھا کہ ''عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ دوسرے زمانہ میں اور دوسرے آدمیوں کے ذریعہ کیا' اگر تم نے اس زمانہ میں اور ان آدمیوں کے ذریعہ کیا عمر بن الخطابؓ کی پیروی کی تو تم ان سے افضل ہو گئے[2]

لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس تغیر حالات اور ہر طرح کے موانع ومشکلات کے باوجود ایک مرتبہ پھر فاروقی خلافت کا نمونہ دنیا کو دکھا دیا' اسی لیے بعض محدثین آپ کو خلیفہ راشد مانتے ہیں[3]

علالت:

لیکن افسوس مسلمانوں کو ڈھائی سال سے زیادہ اس سراپا خیر و برکت ہستی سے مستفیض ہونے کا موقع نہ ملا' اور رجب ۱۰۱ھ میں مجدد خلافت نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کے سبب وفات کے بارے میں دو روایتیں ہیں' ایک یہ کہ آپ کی موت

---

1. ابن سعد ج ۵ ص ۲۵۰، ۲۵۱۔
2. سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۳۱' ۱۳۲ ملخصاً و ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۲۔
3. ابوداؤد' کتاب السنۃ باب فی التفضیل۔

marfat.com

طبعی تھی، دوسرا بیان یہ ہے کہ بنی امیہ نے جب محسوس کیا کہ اگر آپ کی خلافت کا زمانہ زیادہ بڑھا تو اموی خاندان کی قوت ہمیشہ کے لیے توڑ دیں گے، تو انہوں نے آپ کے ایک غلام کو ایک ہزار اشرفی دے کر خفیہ زہر دلوایا، آپ کو اس کا علم ہوگیا، لیکن غلام پر کوئی سختی نہیں کی، بلکہ اشرفیاں واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیں اور غلام کو آزاد کر دیا۔[1]

طبیب نے بھی زہر تجویز کیا مگر آپ نے علاج کرنے سے انکار کر دیا، اور فرمایا:

''اگر مجھے یہ بھی یقین ہو جاتا کہ میرے کان کی لو کے پاس میری شفا ہے تو بھی میں ہاتھ نہ بڑھاتا''۔[2]

یزید بن عبدالملک کو وصیت نامہ:

زندگی سے مایوسی کے بعد اپنے ہونے والے خلیفہ یزید بن عبدالملک کو یہ وصیت نامہ لکھا:

> میں تم کو یہ وصیت نامہ اس حالت میں لکھ رہا ہوں کہ مرض سے لاغر ہوگیا ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ امور خلافت کے متعلق مجھ سے سوال کیا جائے گا اور خدا مجھ سے اس کا حساب لے گا، اور میں اس سے اپنا کوئی کام نہیں چھپا سکوں گا، خدا خود فرماتا ہے:
>
> ﴿ فلنقص علیهم بعلم وما کنا غائبین ﴾
>
> ''ہم ان کو علم سے قصہ سناتے ہیں، اور ہم غیر حاضر نہ تھے''۔

اگر خدا مجھ سے راضی ہوگیا تو میں کامیاب ہوا، اور ایک طویل عذاب سے نجات پائی، اور اگر مجھ سے ناراض ہوا تو افسوس ہے میرے انجام پر، میں اس خدا سے جس کے سوا کوئی خدا نہیں، دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی رحمت سے دوزخ سے نجات دے اور اپنی رضامندی سے نجات عطا کرے، تم کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے، اور رعایا کا خیال رکھنا چاہیے، کیونکہ میرے بعد تم بھی تھوڑے ہی دن زندہ رہو گے، تم

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۴۷۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۷۶۔

marfat.com

کو اس سے بچنا چاہیے کہ تم سے غفلت میں ایسی لغزش سرزد ہو جائے جس کی تلافی نہ کر سکو سلیمان بن عبدالملک خدا ایک بندہ تھا' خدا نے اسے وفات دی' اور اس نے مجھ کو خلیفہ بنایا' اور میرے بعد تم کو ولی عہد مقرر کیا' میں جس حالت میں تھا' اگر وہ اس لیے ہوتی کہ میں بہت سی بیویوں کا انتخاب کروں اور مال و دولت جمع کروں' تو خدا نے مجھ کو اس سے بہتر سامان دیئے تھے جو کسی بندہ کو دے سکتا تھا' لیکن میں سخت اور نازک سوال سے ڈرتا ہوں' بجز اس کے کہ خدا میری دستگیری فرمائے۔

اپنی اولاد کے متعلق ارشاد:

آپ کے اہل وعیال کے متعلق مسلمہ نے آپ سے کہا:

''امیر المومنین آپ نے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ اس مال و دولت سے خشک رکھا اور ان کو ایسی حالت میں چھوڑے جاتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ کاش آپ ان کے متعلق مجھے یا اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو کچھ وصیت کرتے جاتے'' یہ سن کر فرمایا: ''مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو'' پھر فرمایا تمہارا یہ کہنا اس مال سے میں نے ہمیشہ اپنی اولاد کا منہ خشک رکھا' تو خدا کی قسم میں نے ان کا کوئی حق تلف نہیں کیا البتہ جس میں ان حق نہیں تھا وہ ان کو نہیں دیا' تمہارا یہ کہنا کہ میں تم کو یا کسی اور اہل خاندان کو وصیت کرتا جاؤں' تو اس معاملہ میں میرا وصی اور ولی صرف خدا ہے۔ جو صلحاء کا ولی ہوتا ہے' میرے لڑکے اگر خدا سے ڈریں گے تو خدا ان کے لیے کوئی سبیل نکال دے گا۔ اس کے بعد لڑکوں کو بلا کر ان سے باچشم پرنم فرمایا:

''میری جان تم پر قربان جن کو میں نے خالی ہاتھ چھوڑا ہے' لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں نے تم کو اچھی حالت میں چھوڑا' میرے بچو تم کسی ایسے عرب اور ذمی سے نہ ملو گے جس کا تم پر حق ہو' میرے بچو دو باتوں میں سے ایک بات تمہارے باپ کے اختیار میں تھی۔ ایک یہ کہ تم دولت مند ہو جاؤ اور تمہارا باپ دوزخ میں جائے' دوسرے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۸۰۔

marfat.com

یہ کہ تم محتاج رہو اور تمہارا باپ جنت میں داخل ہو ان دنوں میں اس کو یہ زیادہ پسند تھا کہ تم محتاج رہو اور وہ جنت میں جائے۔ اچھا اب جاؤ' خدا تم کو حفظ و امان میں رکھے[1]

آخری وصیتیں اور وفات:

بعض لوگوں نے عرض کیا' آپ مدینہ منتقل ہو جاتے' اور روضہ نبوی ﷺ میں جو چوتھی جگہ خالی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ ابوبکرؓ و عمرؓ کے ساتھ دفن ہوتے' یہ سن کر فرمایا: ''خدا کی قسم آگ کے سوا اگر خدا مجھے ہر قسم کا عذاب دے تو میں اسے بخوشی منظور کرلوں گا۔ لیکن یہ گوارا نہیں کہ خدا کو یہ معلوم ہو کہ میں اپنے کو رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کے قابل سمجھتا ہوں[2]

اس کے بعد ایک ذمی سے قبر کے لیے زمین خریدی' اس نے قیمت لینے میں عذر کیا' اور کہا یہ میرے لیے خیر و برکت کا باعث ہے کہ آپ میری مملوکہ زمین میں دفن ہوں' لیکن آپ نے یہ منظور نہ کیا اور بہ اصرار قیمت حوالہ کی[3]

پھر کفن اور دفن کے متعلق ضروری وصیتیں کیں' اور آنحضرت ﷺ کے ناخن اور موئے مبارک منگوا کر انہیں کفن میں رکھنے کی ہدایت کی[4]

دم آخر زبان پر یہ آیت تھی:

﴿ تلك الدار الاخرة نجعلها للذين يريدون علوا فى الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقين ﴾[5]

''یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں جو زمین میں نہ برتری چاہتے ہیں' اور نہ فساد کرتے ہیں اور عاقبت پرہیز گاروں کے لیے ہے''۔

یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے واصل بحق ہوئے[1] یہ رجب کا مہینہ اور ۱۰۱ھ تھا

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۵۳۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۲۸۳۔

[3] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۳۶۔ [4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۸۔

[5] ایضاً ص ۲۵۲۔

marfat.com

تھا' تاریخوں میں اختلاف ہے' وفات کے وقت انتالیس یا چالیس سال کی عمر تھی دیر سمعان میں دفن کیے گئے۔

ازدواج واولاد:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے چار بیویاں تھیں'[1] اور ان سب سے اولادیں ہوئیں۔ لمیس بنت علی' ان سے تین لڑکے تھے' عبداللہ' بکر اور ام عمار' ام عثمان بنت شعیب' ان سے ایک لڑکا ابراہیم تھا' فاطمہ بنت عبدالملک' ان سے تین لڑکے تھے' اسحاق' یعقوب اور موسیٰ' ام ولید سے نو اولادیں تھیں' عبدالملک' ولید' عاصم' یزید' عبداللہ' عبدالعزیز' زبان' امتہ اور ام عبداللہ۔

حلیہ:

صورۃ شکیل تھے۔ رنگ گورا اور چہرہ نازک تھا' خلافت سے پہلے عیش و تنعم کی زندگی کی وجہ سے جسم نہایت تروتازہ تھا' ازار بند پیٹ کے پٹوں میں غائب ہوجاتا تھا' لیکن خلافت کے بعد زاہدانہ زندگی نے رنگ روپ بالکل بدل دیا تھا' سوکھ کر لاغر ہوگئے تھے' پسلیاں بغیر چھوئے ہوئے گنی جاسکتی تھیں۔[2]

فضل وکمال:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اگر سیاسی حالات تخت خلافت پر نہ بٹھاتے تو وہ مسند درس کی زینت ہوتے۔ علمی اعتبار سے وہ آئمہ کبار میں تھے' تمام علماء و مصنفین کا ان کی جلالت علمی پر اتفاق ہے' حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''کان فقیھا مجتھدا عارفا بالسنن و کبیر الشان ثبتا حجۃ حافظا قانتا للہ اواھا منیبا''[3] عمر بن عبدالعزیز امام' فقیہ' مجتہد' عالم سنت' کبیر الشان' ثبت' حجت' حافظ (حدیث) خدا کے فرماں بردار' نرم دل اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے تھے' امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت' فضیلت' وفور علم'

---

1 ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۱۔ 2 تاریخ الخلفاء ص ۲۳۴۔

3 تہذیب الاسماء جلد اول ص ۱۷۔

marfat.com

صلاح، زہد و ورع، عدل، شفقت علی المسلمین، حسن سیرت، خدا کی راہ میں ان تھک کوشش، سنت نبوی اور آثار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور خلفاء راشدین کی اقتداء میں سب کا اتفاق ہے[1]

معاصر علماء میں درجہ:

اس عہد کے اکابر علماء ان کے علمی کمالات کے مقابلہ میں طفل دبستان تھے، میمون بن مہران کہتے تھے کہ علماء عمر بن عبدالعزیز کے سامنے شاگرد معلوم ہوتے تھے،[2] ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ وہ علماء کے معلم تھے، چنانچہ جو علماء انہیں تعلیم دینے کے خیال سے ان کے پاس آتے تھے، وہ خود ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے، مجاہد کا جو بڑے جلیل القدر تابعی عالم تھے بیان ہے کہ ہم لوگ ان کے پاس تعلیم دینے کے لیے گئے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے[3]

تفسیر:

تفسیر قرآن میں نہایت وسیع نظر تھی، بڑے بڑے علماء قرآنی مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، ایک مرتبہ حجاز اور شام کے کچھ علماء نے آپ کے صاحبزادے عبدالملک سے کہا کہ اپنے والد سے قرآن کی اس آیت:

﴿ انی لھم التناوش من مکان بعید ﴾

''وہ دور سے کیونکر پا سکتے ہیں''۔

کے متعلق پوچھو کہ اس سے کیا مراد ہے، انہوں نے پوچھا، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ اس سے مراد توبہ ہے، جس کی خواہش اس وقت کی جائے جس وقت انسان اس پر قادر نہ ہو[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۶۔

[2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۱۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۶۔

[4] سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۲۸۔

marfat.com

حدیث:

حدیث کے اجلہ حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی ان کو امام، عارف سنت، حجت اور حافظ لکھتے ہیں۔ امام مالک اور ابن عینیہ آپ کو امام وقت کہتے تھے[1]

جتنی مرفوع حدیثیں ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں، اتنی کسی تابعی کے علم میں نہ تھیں، ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں جن لوگوں سے ملا، ان میں سے کسی کو عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرنے والا نہیں دیکھا[2]

احادیث نبوی ﷺ کا تحفظ:

حدیث نبوی ﷺ کی انہوں نے بڑی خدمت کی، ہر ممکن طریقہ سے اس کی اشاعت کی اور اس کو محفوظ کیا، ان کا سب سے بڑا کارنامہ احادیث نبوی ﷺ کی تدوین اور اس کا تحفظ ہے، اگر آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی ہوتی تو احادیث نبوی ﷺ کا بڑا حصہ ضائع ہو جاتا۔

آپ کے زمانہ میں مرور زمانہ کے ساتھ اکابر علماء اور حفاظ حدیث اٹھتے جاتے تھے۔ جب آپ نے دیکھا کہ یہ بہار آخر ہو رہی ہے، اگر احادیث کی حفاظت نہ کی گئی تو اس کا بڑا حصہ علماء کے ساتھ دفن ہو جائے گا، تو قاضی ابوبکر بن حزم گورنر مدینہ کو لکھا کہ احادیث نبوی ﷺ کی تلاش و جستجو کر کے ان کو لکھ لو کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا خوف ہے، لیکن صرف رسول اللہ ﷺ کی احادیث قبول کی جائیں[3]

حافظ ابن حجر کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام صوبوں کے گورنروں کے نام اسی مضمون کا فرمان بھیجا[4]

اس حکم کی تعمیل ہوئی، اور جمع شدہ احادیث کے مجموعے تیار کرا کے تمام ممالک محروسہ میں بھیجے گئے، سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ ہم کو عمر بن عبدالعزیز نے حدیث جمع

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۵۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۸۔

[3] بخاری کتاب العلم باب کیف یقبض العلم۔ [4] فتح الباری ج اول ص ۱۷۴۔

marfat.com

کرنے کا حکم دیا ہم نے دفتر کی دفتر حدیثیں لکھیں اور انہوں نے ایک ایک مجموعہ جہاں جہاں ان کی حکومت تھی بھیجا۔[1]

فقہ:

فقہ میں امامت واجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''کان اماما فقیہا مجتھدا''۔[2] انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان تمام فقہی فیصلوں جو انہوں نے رعایا کے متعلق کیے تھے' جمع کرایا تھا۔

شاعری:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اگر چہ مروجہ رسمی شاعری سے ذوق نہ تھا' لیکن اخلاقی اشعار پسند کرتے تھے' اور کبھی کبھی خود بھی اس رنگ کے اشعار کہتے تھے' ابن جوزی نے سیرت میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔[3] ایک راگ بھی جو مدینہ میں بہت مقبول تھا آپ کی جانب منسوب تھا' ممکن ہے' مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں جب کہ آپ کی طبیعت عیش وتنعم کی طرف راغب تھی یہ راگ ایجاد کیا ہو۔

خطابت:

اگر چہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بحیثیت خطیب کے کوئی شہرت حاصل نہیں کی' لیکن آپ کے خطبات نہایت مؤثر اور دل پذیر ہوتے تھے' ابن جوزی نے آپ کے متعدد خطبات لکھے ہیں۔ جاحظ نے کتاب البیان والتبیین میں جو بلیغ خطبات کا بہترین مجموعہ ہے' آپ کے ایک دو خطبے نمونۃً نقل کیے ہیں۔[4]

علماء کی قدردانی:

گزشتہ خلفاء کی بزم طرب کی زینت شعراء خطباء اور ادیبوں سے تھی۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز کا ذوق ان سے مختلف تھا' اس لیے ان کے زمانہ میں شعراء کا ہجوم چھٹ گیا

---

[1] جامع بیان العلم ص ۳۸۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۵۔ [3] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۲۵۔
[4] ایضاً ص ۲۳۸۔ [5] کتاب البیان والتبیین ج اول ص ۱۹۴۔

marfat.com

اور اس کی جگہ علمائے دین نے لے لی۔

ان کی تخت نشینی کے بعد حسب معمول حجاز اور عراق کے مشہور شعراء میں نصیب جریر، فرزدق، احوص، کثیر اور اخطل، قصیدے لے لے کر پہنچے اور عرصہ تک ٹھہرے رہے۔ لیکن کسی کو باریابی کی اجازت نہیں ملی، ان کے بجائے علماء وفقہاء کو بلاتے تھے اور ان کی قدردانی کرتے تھے، شعراء کی یہ کس مپرسی دیکھ کر ایک دن جریر نے عون بن عبداللہ کے ذریعے جو ایک ممتاز فقیہ تھے یہ اشعار کہہ کر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں بھیجے:

یاایها القاری المرخی عمامته   هذا زمانك انی قدمضی زمنی

''اے وہ قاری جس کے عمامہ کا شملہ لٹک رہا ہے یہ تیرا زمانہ ہے، میرا زمانہ گزر گیا''۔

ابلغ خلیفتنا ان کنت لاقیه   انی لدی الباب کالمصفور فی قرن

''اگر ہمارے خلیفہ سے ملاقات ہو تو میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ میں دروازہ پر بیڑیوں میں جکڑا ہوں''

عون بن عبداللہ نے عمر بن عبدالعزیز سے کہا کہ جریر سے میری آبرو بچایئے، آپ نے جریر کو باریابی کی اجازت دی، اس نے قصیدہ سنایا، جس میں اہل مدینہ کے مصائب و مشکلات کا حال تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان کے لیے کپڑا، غلہ اور نقد روپیہ بھیجا اور جریر سے پوچھا ''بتاؤ تم کس جماعت میں سے ہو، مہاجرین میں، انصار میں، ان کے اعزہ میں، مجاہدین میں''۔ اس نے کہا کسی میں نہیں، فرمایا پھر مسلمانوں کے مال میں تمہارا کیا حق ہے، اس نے کہا خدا نے میرا حق مقرر کیا ہے، بشرطیکہ آپ اس کو نہ روکیں میں ابن سبیل (مسافر) ہوں، دور دراز کا سفر کر کے آپ کے آستانہ پر ٹھہرا ہوں۔

آپ نے فرمایا، خیر اگر تم میرے پاس آئے ہو تو میں اپنی جیب سے تم کو بیس روپیہ دیتا ہوں، اس حقیر رقم پر خواہ میری تعریف کرو یا مذمت، جریر نے اسے بھی غنیمت سمجھا اور اسے لے کر باہر آیا، دوسرے شعرا نے لپک کر پوچھا، کہو ابوحرزہ کیا معاملہ رہا، اس نے جواب دیا، اپنا اپنا راستہ لو۔ یہ شخص شاعروں کو نہیں بلکہ گداگروں کو دیتا ہے۔

ل سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۶۷ تا ۱۶۸۔

marfat.com

مگر علماء فقہاء اور قراء کی بڑی قدردانی تھی' ان کو دور دور سے بلا کر خواص میں داخل کرتے تھے[1]

زمام خلافت ہاتھوں میں لینے کے بعد سالم بن عبداللہ بن عمر' محمد بن کعب قرظی اور رجاء بن حیوۃ' ریاح بن عبیدہ سے امور خلافت میں مشورہ لیتے تھے[2] میمون بن مہران' رجاء بن حیوۃ' ریاح ابن عبیدہ آپ کے ندیم خاص تھے- ان کے علاوہ اور متعدد علماء آپ کے ہم جلیس تھے[3]

فضائل اخلاق:

اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مجددانہ کارناموں کے بعد ان کے فضائل اخلاق لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اس گلستان سے اس بہار کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے- تاہم اس پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لینا مناسب ہوگا-

خلافت سے پہلے آپ فطرۃ صالح اور سعید تھے' اس لیے زندگی کے کسی دور میں بھی آپ کا دامن اخلاق داغدار نہ تھا' لیکن خلافت سے پہلے آپ کی زندگی بڑے عیش و تنعم اور شان وشکوہ کی تھی-

ان کا خود بیان ہے کہ مجھے لباس' عیش پرستی اور عطریات کا جب شوق ہوا' تو میں نے اسے اس قدر پورا کیا کہ میرے علم میں میرے خاندان بلکہ دوسرے خاندانوں میں بھی ایسی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہوئی ہوگی'[4] ان کے شوق اور نفاست مزاج کا یہ حال تھا کہ جب ان کے کپڑوں پر ایک مرتبہ دوسروں کی نظر پڑ جاتی تھی تو پھر انہیں وہ پرانا سمجھتے تھے-[5] ولید کے زمانہ میں ان کو چار چار سو روپیہ کی قیمت کا کپڑا سخت و کرخت معلوم ہوتا تھا' لیکن پھر چودہ درہم کا کپڑا بھی نرم و ملیح معلوم ہونے لگا تھا[6] خوشبو کے لیے داڑھی پر عنبر چھڑکتے تھے'[7] رجاء بن حیوۃ کا بیان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز سب سے زیادہ خوش

---

[1] ایضاً ص ۱۶۶- [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۶۶- [3] ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۲-
[4] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۵۶۶- [5] ایضاً ص ۱۶۶- [6] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۰-
[7] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵۱-

marfat.com

لباس، سب سے زیادہ معطر اور سب سے زیادہ تبختر کی چال چلنے والے تھے۔[1]

لیکن تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد زندگی یکسر بدل گئی، عیش و تنعم کے سارے سامان چھوٹ گئے اور عیش پروردہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوذر غفاریؓ اور حسن بصریؒ کا قالب اختیار کرلیا۔

انہوں نے جس طرح دنیا سے دامن جھاڑا، اس کے کچھ حالات اوپر گزر چکے ہیں۔ ساری املاک بیت المال کو واپس کردی، لونڈی غلام، فرش وفروش، لباس وعطریات عیش و تجمل کے جملہ سامانوں کو بیچ کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کردی[2] بیت المال سے گزارہ کے لیے چارسو دینار سالانہ لیتے تھے، اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ لیتے تھے۔[3] لباس بقدر ستر پوشی اور غذا بقدر لایموت سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔

لباس:

لباس میں عموماً صرف ایک جوڑا رہتا تھا، اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔[4] مرض الموت میں ایک قمیص کے علاوہ دوسری قمیص نہ تھی۔ آپ کے سالے مسلمہ بن عبدالملک نے اپنی بہن فاطمہ سے کہا قمیص میلی ہوگئی ہے، لوگ عیادت کے لیے آتے ہیں، اس لیے دوسری بدلوا دو، وہ خاموش رہیں، مسلمہ نے دوبارہ کہا، فاطمہ نے جواب دیا، خدا کی قسم اس کے علاوہ دوسرا کپڑا نہیں ہے،[5] پھر ایک جوڑا بھی سالم نہ ہوتا تھا بلکہ اس میں پیوند لگے ہوتے تھے۔[6]

بچے بھی اسی تنگی سے بسر کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کی بچی کے پاس کپڑا نہ تھا آپ نے حکم دیا کہ فرش پھاڑ کر کرتہ بنا دیا جائے، آپ کی بہن کو خبر ہوئی تو انہوں نے ایک تھان بھجوا دیا، اور منع کردیا کہ عمر سے نہ مانگنا۔[7]

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵۱۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۱۔
[3] ابن سعد ص ۲۹۶۔ [4] ایضاً ص ۱۹۷۔ [5] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۹۰
[6] ایضاً ص ۲۷۵۔ [7] ایضاً ۳۹۸۔

marfat.com

ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے نے کپڑے مانگے' آپ نے فرمایا میرے کپڑے خیار بن ریاح کے پاس رکھے ہیں' ان سے جا کر لے لو' وہ ان کے پاس گئے' انہوں نے گاڑھے کے کپڑے نکال کر دیئے' عبیداللہ نے کہا یہ تو ہمارے پہننے کے لائق نہیں ہیں۔ خیار نے کہا میرے پاس تو امیر المومنین کے یہی کپڑے ہیں' عبیداللہ نے واپس جا کر حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی وہی عذر کیا' آپ نے فرمایا میرے پاس تو یہی کپڑے ہیں' یہ جواب سن کر وہ لوٹنے لگے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے واپس بلا کر کہا اگر اپنے وظیفہ سے پیشگی لینا چاہو تو لے سکتے ہو' چنانچہ سو درہم دلوا دیئے' اور وظیفہ تقسیم ہونے کے وقت کاٹ لیے گئے[1]

غذا:

غذا نہایت معمولی اور سادہ ہوتی تھی' روٹی اور روغن زیتون یا دال روٹی کھاتے تھے آپ کے غلاموں کو بھی یہی ملتا تھا' ایک مرتبہ ایک غلام نے شکایت کی کہ روز دال روٹی ملتی ہے' آپ کی بیوی نے جواب دیا' امیر المومنین کی یہی غذا ہے[2] اور یہ غذا بھی پیٹ بھر کر نہ کھاتے تھے' آپ کے غلام کا بیان ہے کہ جب سے آپ خلیفہ ہوئے اس وقت سے وفات تک کبھی شکم سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا[3]

اگر کبھی کوئی اچھی چیز کھانے کی خواہش بھی ہوتی تھی تو اس کی مقدرت نہ تھی ایک مرتبہ انگور کھانے کو دل چاہا' بیوی سے پوچھا: ''تمہارے پاس ایک درہم ہے میں انگور کھانا چاہتا ہوں'' انہوں نے جھلا کر جواب دیا'' امیر المومنین ہو کر تم کو ایک درہم کی استطاعت نہیں'' فرمایا: ''یہ جہنم کی ہتھکڑیوں سے میرے لیے زیادہ آسان ہے''[5]

ان کی زندگی دیکھ کر ان کی بیوی فاطمہ نے (جنہوں نے امارت کے گہوارہ میں پرورش پائی تھی) بھی اسی رنگ میں اپنے کو رنگ لیا تھا اور بناؤ سنگار کو بالکل ترک کر دیا تھا'

---

1. سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۷۳۔ 2. ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۴۔
3. سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۵۲۔ 4. ایضاً ص ۲۵۴۔
5. تاریخ الخلفاء ص ۲۳۵۔

marfat.com

ایک مرتبہ ایک دولت مند گھرانے کی خاتون نے اس حالت میں دیکھ کر پوچھا تو انہوں نے کہا میرے شوہر کی یہی پسند ہے[1]

ذمہ داری کا احساس اور خشیت الٰہی:

حکومت اور سلطنت دلوں کو سخت اور مواخذہ سے بے خوف بنا دیتی ہے' لیکن عمر بن عبدالعزیز کے دل کو اس نے خشیت الٰہی سے لبریز کر دیا تھا' وہ خلافت کی ذمہ داریوں کے احساس سے لرزہ براندام رہتے تھے۔

آپ کا معمول تھا کہ عشاء کے بعد تنہائی میں مسجد میں بیٹھ کر رو رو کر دعائیں کرتے تھے' اور اسی حالت میں آنکھ لگ جاتی تھی' آنکھ کھلتی تو پھر یہی مشغلہ جاری ہو جاتا' اسی طرح روتے' دعائیں کرتے اور جاگتے سوتے ساری رات گزر جاتی تھی۔

یہ مشغلہ کبھی گھر میں بھی تنہائی میں ہوتا تھا' ایک دن بیوی نے دیکھ لیا' اس نے وجہ پوچھی آپ نے ٹالنا چاہا مگر بیوی نے اصرار کیا اور کہا میں بھی اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہتی ہوں- اس وقت آپ نے بتایا کہ میں نے اپنے بارے میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ میں اس امت کے کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سپید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں' اس لیے جب میں بے کس' غریب محتاج' فقیر' گم شدہ قیدی اور اس قبیل کے دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں جو سارے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں' جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے' اور خدا ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا' اور رسول اللہؐ ان کے متعلق مجھ پر دعویٰ کریں گے اگر میں خدا کے سامنے ان کا کوئی عذر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی دلیل نہ پیش کر سکا تو مجھے خوف خدا پیدا ہو جاتا ہے اور میرے آنسو نکل آتے ہیں' اور جس قدر میں ان چیزوں پر غور کرتا ہوں' اسی قدر میرا دل خوفزدہ ہوتا ہے[2]

بعض لوگ آپ کے گریہ و بکا پر ملامت کرتے' آپ جواب دیتے تم لوگ مجھے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۵۴-

[2] ایضاً ص ۱۸۸، ۱۸۹ و تاریخ الخلفاء تذکرہ عمر بن عبدالعزیز-

marfat.com

رونے پر ملامت کرتے ہو' حالانکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو جائے تو عمر اس کے بدلہ میں پکڑا جائے گا۔[1]

ایک مرتبہ آپ نے ایک فوجی افسر سلیمان بن ابی کریمہ کو لکھا:

''خدا کی تعظیم و خشیت کا سب سے زیادہ مستحق وہ بندہ ہے' جس کو اس نے اس آزمائش میں ڈالا جس میں میں ہوں' خدا کے نزدیک مجھ سے زیادہ سخت حساب دینے والا' اور اگر اس کی نافرمانی کروں تو مجھ سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں ہے۔ میں اپنی حالت سے سخت دل گرفتہ ہوں' مجھے خوف ہے کہ میرے یہ حالات مجھے ہلاک نہ کر دیں' مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم جہاد فی سبیل اللہ کے لیے جانے والے ہو تو برادر مومن جب تم میدان جہاد میں پہنچ جاؤ تو خدا سے دعا کرو کہ وہ مجھے شہادت عطا فرمائے اس لیے کہ میری حالت نہایت سخت اور میرا خطرہ بہت بڑا ہے۔[2]

موت اور قیامت کا خوف:

سلاطین کی بزم طرب میں موت اور قیامت کے ذکر اور خوف کا گزر بھی نہیں ہوتا' لیکن عمر بن عبدالعزیز کی مجلس بزم عزا ہوتی تھی' رات کو علماء جمع ہو کر موت اور قیامت کا ذکر کر کے اس طرح روتے تھے کہ جیسے ان کے سامنے جنازہ رکھا ہے۔[3]

رات رات بھر جاگ کر موت پر غور و فکر کیا کرتے تھے' اور قبر کی ہولناکیوں کا ذکر کر کے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ اپنے ایک ہم جلیس سے فرمایا میں رات بھر غور و فکر میں جاگتا رہا' اس نے پوچھا کس چیز کے متعلق' فرمایا قبر اور اہل قبر کے متعلق' اگر تم مردے کو تین دن کے بعد قبر میں دیکھو تو انس و محبت کے باوجود اس کے پاس جاتے ہوئے خوف زدہ ہو گے' تم ایسا گھر دیکھو گے جس میں خوش لباس اور خوشبو کی بجائے کیڑے رینگ

---

1 سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۲۹۱-۲۹۲۔

2 ابن سعد جلد ۵ ص ۲۹۲۔

3 تاریخ الخلفاء ص ۲۳۷۔

marfat.com

رہے ہوں گے' پیپ بہہ رہی ہوگی' اور اس میں کیڑے تیر رہے ہوں گے' بدبو پھیلی ہوگی' کفن بوسیدہ ہو چکا ہوگا' یہ کہہ کر ہچکی بندھ گئی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے' ان کی بیوی پانی چھڑک کر ہوش میں لائیں[1]

یزید بن حوشب کا بیان ہے کہ ''میں نے حسن بصری اور عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ کسی شخص کو قیامت سے ڈرنے والا نہیں دیکھا' معلوم ہوتا تھا' گویا دوزخ ان ہی کے لیے بنائی گئی ہے[2]

آیات قرآنی سے تاثر:

قرآن مجید کی موعظت والی آیات پڑھ کر بے حال ہو جاتے - ایک شب کو یہ آیت:

﴿ یوم یکون الناس کالفراش المبثوث وتکون الجبال کالعهن المنفوش ﴾

''جس دن لوگ مثل بکھرے ہوئے پروانوں کے ہوں گے' اور پہاڑ مثل دھنکے ہوئے اون کے ہوں گے''-

تلاوت کر کے زور سے چیخے وسوء صباحاہ اور اچھل کر اس طرح گرے کہ معلوم ہوتا تھا کہ دم نکل جائے گا' پھر اس طرح ساکن ہو گئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ختم ہو گئے پھر ہوش میں آ گئے'[3] ایک دن نماز میں یہ آیت:

﴿ وقفوهم انهم مسئولون ﴾

''ان کو بتا دو کہ ان سے باز پرس کی جائے گی''-

پڑھی تو اتنے متاثر ہوئے کہ اسی کو بار بار دہراتے رہے' اور اس سے آگے نہ بڑھ سکے[4]

---

1. سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۸۷- 2. ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۴-
3. سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۹۰- 4. ایضاً ص ۱۹۱-

marfat.com

دیانت:

آپ کے فضائل اخلاق میں دیانت کا وصف سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ مسلمانوں کے مال کی حفاظت میں آپ نے دیانت کا جونمونہ پیش کیا' اس کی مثال کسی قوم کی تاریخ میں مشکل سے مل سکتی ہے۔

بیت المال سے کبھی معمولی فائدہ اٹھانا بھی گوارا نہ کیا' رات کو جب تک خلافت کے کام انجام دیتے تھے' اس وقت تک بیت المال کی شمع جلاتے تھے' اس کے بعد گل کر کے اپنا ذاتی چراغ جلواتے تھے۔[1]

بیت المال کی جانب سے فقراء اور مساکین کے لیے جو مہمان خانہ تھا' اس کے باورچی خانہ سے اپنے لیے پانی بھی گرم نہ کراتے تھے' ایک مرتبہ غفلت میں آپ کا ملازم ایک مہینہ تک اس مطبخ سے آپ کے وضو کا پانی گرم کرتا رہا' آپ کو معلوم ہوا تو اتنی لکڑی خرید کر باورچی خانہ میں داخل کرادی۔[2]

ایک بار غلام کو گوشت کا ٹکڑا بھوننے کا حکم دیا' وہ اسی مطبخ سے بھون لایا آپ نے اسے ہاتھ نہ لگایا' اور غلام سے فرمایا تم ہی کھالو' میری قسمت کا نہ تھا۔[3]

خلافت کے کاموں کے سلسلہ میں جو لوگ آتے تھے وہ اسی مہمان خانہ میں مہمان ہوتے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز ان کے ساتھ کھانا نہ کھاتے تھے' ایک مرتبہ چند مہمانوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ کہ جب تک آپ نہ کھائیں گے ہم بھی نہ کھائیں گے' اس دن مجبور ہو کر مہمانوں کے ساتھ کھانے لگے۔ مگر اس کا معاوضہ دے دیتے تھے۔[4]

ایک مرتبہ بہت سے سیب آئے' آپ انہیں عام مسلمانوں میں تقسیم فرما رہے تھے' آپ کا چھوٹا بچہ ایک سیب اٹھا کر کھانے لگا' آپ نے اس کے منہ سے چھین لیا۔ وہ رونے لگا' اور جا کر اپنی ماں سے شکایت کی' ماں نے بازار سے سیب منگوا دیئے' عمر بن عبدالعزیز

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۲۳۷ وابن سعد ج ۵ ص ۲۹۵۔ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۵۔

[3] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۶۔ [4] ایضاً ص ۱۶۲۔

marfat.com

گھر آئے تو انہیں سیب کی خوشبو معلوم ہوئی' پوچھا فاطمہ کوئی سرکاری سیب تو تمہارے پاس نہیں آیا ہے' انہوں نے سارا واقعہ بیان کر دیا' آپ نے فرمایا: ''خدا کی قسم میں نے اس کے منہ سے نہیں چھینا تھا' اپنے دل سے چھینا تھا' لیکن مجھے یہ پسند نہ تھا کہ میں مسلمانوں کے حصہ کے ایک سیب کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے نفس کو برباد کروں''۔[1]

آپ کو لبنان کا شہد بہت مرغوب تھا' ایک مرتبہ آپ نے اس کی خواہش ظاہر کی' آپ کی بیوی فاطمہ نے وہاں کے حاکم ابن معدیکرب کے پاس کہلا بھیجا' انہوں نے بہت سا شہد بھجوا دیا' فاطمہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے شہد دیکھ کر فرمایا معلوم ہوتا ہے' تم نے ابن معدیکرب کے پاس کہلا بھیجا تھا' ان ہی نے بھیجا ہے' چنانچہ کل شہد بیچوا کر اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی' اور ابن معدیکرب کو لکھ بھیجا کہ تم نے فاطمہ کے کہلانے پر شہد بھیجا ہے' خدا کی قسم اگر آئندہ ایسا کیا تو اپنے عہدہ پر نہ رہوں گے' اور تمہارے چہرہ پر نظر نہ ڈالوں گا۔[2]

ایک مرتبہ آپ کی حاملہ بیوی کے لیے تھوڑے سے دودھ کی ضرورت تھی۔ لونڈی مہمان خانہ سے ایک پیالہ میں دودھ لے آئی' آپ نے پوچھا یہ کیا ہے' اس نے کہا بی بی کے لیے دودھ کی ضرورت تھی' اگر اس وقت دودھ نہ دیا جائے گا تو اسقاط کا اندیشہ ہے۔ اس لیے یہ دودھ دارالضیافتہ سے لے آئی ہوں۔ یہ سن کر لونڈی کا ہاتھ پکڑا' اور چلاتے ہوئے بیوی کے پاس لائے اور کہا اگر حمل فقراء و مساکین کے کھانے کے علاوہ اور کسی چیز سے قائم نہیں رہ سکتا تو خدا اس کو قائم نہ رکھے' یہ برہمی دیکھ کر بیوی نے دودھ واپس کرا دیا۔[3]

احتیاط کا آخری نمونہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ بیت المال کا مشک آپ کے سامنے لایا گیا۔ آپ نے ناک بند کر لی کہ اس کی خوشبو نہ جانے پائے' لوگوں نے عرض کیا امیرالمومنین

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۶۲۔ [2] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۵۸۔
[3] ابن سعد ج ۵ ص ۲۷۹۔

marfat.com

اس کی خوشبو سونگھ لینے میں کیا حرج ہے- فرمایا مشک کا انتفاع یہی ہے[1]

تخت خلافت پر قدم رکھنے کے بعد ہدایا و تحائف کا سلسلہ بند کر دیا تھا- ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کو سیب اور دوسرے میوے ہدیہ میں بھیجے' آپ نے واپس کر دیئے' بھیجنے والے نے آپ سے کہا ہدیہ تو رسول اللہ ﷺ قبول فرماتے تھے- آپ نے جواب دیا' لیکن ہمارے لیے اور ہمارے بعد والوں کے لیے وہ رشوت ہے[2] ابن جوزی نے اس قبیل کے اور بہت سے واقعات لکھے ہیں-

توکل:

توکل اور اعتماد علی اللہ نے تمام خطرات سے بے پرواہ کر دیا تھا' جس زمانہ سے امیر معاویہؓ پر حملہ ہوا تھا' اس زمانہ سے خلفاء کی حفاظت کا بڑا اہتمام رہتا تھا سینکڑوں سپاہی پہرہ پر متعین رہتے تھے' عمر بن عبدالعزیز نے دوسرے سامان تجمل کے ساتھ اس کو بھی ختم کر دیا تھا- ایک مرتبہ بعض ہوا خواہوں نے عرض کیا کہ گزشتہ خلفاء کی طرح آپ بھی کھانا دیکھ بھال کر کھایا کریں اور حملہ کی حفاظت کے لیے نماز میں پہرہ کا انتظام رکھا کریں- طاعون میں ہٹ جایا کریں' یہ سن کر فرمایا: ''اس حفاظت کے باوجود آخر وہ لوگ کیا ہوئے''- جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا: ''خدایا اگر میں تیرے علم میں روز قیامت کے علاوہ اور کسی دن سے ڈروں تو تو میرے خوف کو اطمینان نہ دلانا''-[3]

تواضع و مساوات:

ترفع' کبر' خودنمائی اور عدم مساوات وغیرہ امارت کے لوازم میں ہیں' خود حضرت عمر بن عبدالعزیز میں خلافت سے پہلے بڑی تمکنت تھی' لیکن خلافت کے بعد سراپا عجز و انکسار اور مساوات کا نمونہ بن گئے تھے-

اوپر گزر چکا ہے کہ خلافت کے بعد انہوں نے تمام شاہی امتیازات مٹا دیئے

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۶۰- [2] ایضاً-

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۲۹۴-

marfat.com

تھے اور فرمایا تھا کہ: ''میں بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں''- سرکاری پہرہ داروں کو تعظیم کے لیے اٹھنے کی ممانعت کر دی' اور خود ان کے ساتھ برابر بیٹھتے تھے[1]

لونڈی غلاموں کے ساتھ برتاؤ اتنا مساویانہ تھا کہ کبھی کبھی آپ خود بھی ملازمین کی خدمت کرتے تھے- ایک مرتبہ پنکھا جھلتے جھلتے ایک لونڈی کی آنکھ لگ گئی- آپ نے پنکھا لے کر اس کو جھلنا شروع کر دیا' اس کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر چلائی- آپ نے فرمایا آخر تم بھی میری طرح انسان ہو' تم کو بھی گرمی لگتی ہوگی' جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھیں میں نے تم کو جھلنا مناسب سمجھا[2]

جنازہ میں شرکت کے وقت خلفاء کے لیے علیحدہ چادر بچھائی جاتی تھی' چنانچہ حسب معمول جب آپ کے لیے پہلی مرتبہ بچھائی گئی تو آپ نے اس کو پیروں سے ہٹا دیا[3]

ملازموں کے آرام میں خلل نہ ڈالتے تھے اور ان کے آرام کے اوقات میں خود اپنے ہاتھ سے کام کر لیتے تھے' ایک مرتبہ رجاء بن حیوۃ سے گفتگو میں رات گزر گئی اور چراغ جھلملانے لگا' پاس ہی ملازم سویا ہوا تھا- رجاء نے کہا اسے جگا دوں- فرمایا سونے دو- رجاء نے خود چراغ درست کرنے کا ارادہ کیا' آپ نے روک دیا کہ مہمان سے کام لینا مروت کے خلاف ہے' اور خود اٹھ کر زیتون کا تیل لیا اور چراغ ٹھیک کر کے پلٹ کر فرمایا' جب میں اٹھا تھا تب بھی عمر بن عبدالعزیز تھا' اور اب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں[4]

اس تواضع اور مساوات کی وجہ سے ان لوگوں کو جو خلیفہ میں جاہ و جلال دیکھنے کے لیے عادی تھے آپ کے پہچاننے میں دقت ہوتی تھی- حکم بن عمرو الرعینی کا بیان ہے کہ عمرو بن عبدالعزیز ایک حلقہ سے اٹھ کر دوسرے حلقہ میں بیٹھ جاتے تھے اور وہ اجنبی جو آپ کو پہچانتے نہ تھے' انہیں جب تک اشارہ سے بتایا نہ جاتا' اس وقت تک وہ پہچان نہ سکتے تھے[5]

اس مختصر تذکرہ میں ان کے اخلاقی کمال کا احاطہ مشکل ہے- اس لیے صرف چند نمونے پیش کیے گئے ہیں-

---

1 سیرۃ عمر بن عبدالعزیز- 2 ایضاً ص ۵۷- 3 ایضاً ص۱۷۲-
4 ایضاً ص۱۷۳- 5 سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۷۳،۱۷۴-

marfat.com

۵۳- عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عمرو نام' ابوعبداللہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے' عمرو بن مرہ بن عبداللہ بن طارق بن الحارث ابن سلمہ بن کعب بن وائل بن جمل بن کنانہ بن ناحیہ بن مراد جملی مرادی-

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے کوفہ کے ممتاز ترین علماء میں تھے- حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''کان ثقة ثبتا اماما ''مسعر کہتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں پایا[1]

حدیث:

حفظ حدیث کے لیے یہ سند کافی ہے کہ حافظ ذہبی ان کو حافظ کا لقب دیتے ہیں- عبدالرحمٰن بن مہدی انہیں حفاظ کوفہ میں شمار کرتے تھے[2] حفص بن غیاث کا بیان ہے کہ میں نے اعمش سے عمرو بن مرہ کے علاوہ کسی کی تعریف نہیں سنی- وہ کہتے تھے کہ ابن مرہ اپنی روایات میں مامون تھے' شعبہ کہتے تھے کہ تمام راویان حدیث سے حدیثوں میں کچھ نہ کچھ ردو بدل ہوجاتا ہے' صرف ابن عون اور عمرو بن مرہ اس سے مستثنیٰ ہیں-

مسعر کہتے تھے کہ وہ صدق کی کان ہیں[3] حدیث میں انہوں نے عبداللہ بن ابی اوفی' ابووائل' مرۃ الطیب' سعید بن میتب' عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ، عبداللہ بن حارث نجرانی' عمرو بن میمون اودی' عبداللہ بن سلمہ' حسن بن مسلم' خیثمہ بن عبدالرحمٰن' سعد بن عبیدہ' سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی جیسے علماء سے استفادہ کیا تھا' ابواسحاق سبیعی' اعمش'

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۸- [2] ایضاً-

[3] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۲-۱۳-

marfat.com

منصور، زید بن ابی انیسہ، مسعر، علاء بن میتب، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، ثوری، شعبہ وغیرہ آپ کے زمرہ تلامذہ میں تھے۔[1]

نماز میں اخلاص:

اس علم کے ساتھ وہ عمل کے زیور سے بھی آراستہ تھے، نماز اس خضوع سے پڑھتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ پڑھتے ہی مغفرت ہو جائے گی، شعبہ بیان کرتے ہیں کہ جب جب میں عمرو بن مرہ کو نماز پڑھتے دیکھا ہمیشہ یہی خیال ہوا کہ نماز سے لوٹنے کے قبل ہی ان کی قبولیت ہو جائے گی۔[2] ایک روایت میں ہے کہ ان کی مغفرت ہو جائے گی۔[3]

وفات:

۱۱۶ھ میں وفات پائی، جنازہ میں عبدالملک بن میسرہ کی زبان پر یہ کلمہ تھا کہ وہ خیر البشر تھے۔[4]

---

۱ تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۰۲۔ ۲ ابن سعد ج ۶ ص ۲۲۰۔
۳ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۸۔ ۴ ابن سعد ج ۶ ص ۲۲۰۔

marfat.com

۵۴- علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

علقمہ نام' ابوشبل کنیت' مشہور محدث ابراہیم نخعی کے ماموں اور اسود بن یزید کے چچا تھے' نسب نامہ یہ ہے- علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک بن علقمہ بن سلامان بن کہیل بن بکر بن عوف بن نخع نخعی-

پیدائش:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوئے-

فضل وکمال:

فضل وکمال اور زہد وورع کے لحاظ سے ممتاز تابعین میں تھے-

انہوں نے زمانہ ایسا پایا کہ بہت سے اکابر صحابہ سے استفادہ کا موقع ملا- حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ مرتضیٰ، عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہ بن یمانؓ، سلمان فارسیؓ، ابی مسعود بدریؓ، ابودرداءؓ انصاری وغیرہ اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین موجود تھے' ان سے انہوں نے روایتیں کی ہیں' لیکن فقیہ الامت عبداللہ بن مسعودؓ کے سرچشمہ فیض سے خصوصیت کے ساتھ زیادہ مستفید ہوئے تھے' انہوں نے ان کو ابتداء سے انتہا تک تعلیم دی' اسود کا بیان ہے- کہ عبداللہ بن مسعودؓ علقمہ کو جس طرح قرآن کی تعلیم دیتے تھے' اسی طرح تشہد کی تعلیم دیتے تھے[2] ان کی اس توجہ اور فیض بخشی سے علقمہ' ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ثنیٰ بن گئے تھے-

ابن مسعود رضی اللہ عنہ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں جو کچھ پڑھتا اور جانتا ہوں وہ سب

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۷۳، ۱۷۴-

[2] طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۵۹-

marfat.com

علقمہ پڑھتے اور جانتے ہیں[1] ان کے علمی کمالات پر تمام علماء و محدثین کا اتفاق ہے' حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ فقیہ اور امام بارع تھے[2] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ علقمہ بلند مرتبہ' جلیل القدر اور صاحب کمال فقیہ تھے[3]

قرآن:

علقمہ کو قرآن' حدیث اور فقہ جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا' قرآن کی تعلیم ابن مسعودؓ سے حاصل کی تھی ''کان جود القران علی ابن مسعود ''[4] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کبھی کبھی اپنی قرأت کی صحت کے لیے خود علقمہ کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے' علقمہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ تم سورہ بقرہ میں میری گرفت کرو' چنانچہ اسے سنا کر مجھ سے پوچھا' میں نے کچھ چھوڑا تو نہیں۔ میں نے کہا ایک حرف چھوٹ گیا ہے- انہوں نے خود ہی کہا فلاں حرف؟ میں نے کہا ہاں-[5]

نہایت خوش گلو اور شیریں آواز تھے' اس لیے ابن مسعودؓ انہیں ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کی ہدایت کرتے تھے' ان کا خود بیان ہے کہ خدا نے مجھے خوش آواز عطا فرمائی تھی' عبداللہ بن مسعودؓ مجھ سے قرآن پڑھوا کر سنتے اور فرماتے' میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں- خوش آوازی کے ساتھ پڑھا کرو' میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ حسن صوت قرآن کی زینت ہے[6]

حدیث:

حدیث کے وہ نہایت ممتاز حفاظ میں تھے' حافظہ نہایت قوی تھا' جو چیز ایک دفعہ یاد کرلی وہ گویا کتاب میں محفوظ ہوگئی' ان کا بیان ہے کہ میں نے جو چیز جوانی کے زمانہ میں یاد کی اس کو اس طرح پڑھتا ہوں گویا ورق میں لکھی ہوئی تحریر کو پڑھتا ہوں'[7] اس حافظہ کے

---

1 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۱- 2 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۲-
3 تہذیب الاسماء ج اول ص ۳۴۲- 4 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۱-
5 ابن سعد ج ۶ ص ۶۰- 6 ایضاً- 7 ایضاً-

marfat.com

ساتھ انہیں حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعدؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابوداردءؓ، ابومسعودؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، خباب ابن ارتؓ، خالد بن ولیدؓ، معقل بن سنانؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسے اکابر اور علماء صحابہؓ سے استفادہ کا موقع ملا[1]

ان بزرگوں کے فیض نے انہیں حدیث کا بڑا حافظ بنادیا' علامہ ابن سعد ان کو کثیر الحدیث[2] اور حافظ ذہبی امام بارع لکھتے ہیں[3] عبداللہ بن مسعود کی احادیث کا بیشتر حصہ بلکہ قریب قریب کل علقمہ کے سینہ میں محفوظ تھا۔

روایت حدیث میں احتیاط:

لیکن اس وسعت علم کے باوجود وہ محدث بننا اور اس کے ذریعہ عظمت و جاہ حاصل کرنا پسند نہ کرتے تھے' ابن مسعودؓ کے انتقال کے بعد لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ اب آپ سنت کی تعلیم کے لیے بیٹھیے' انہوں نے جواب دیا کہ تم لوگ چاہتے ہو کہ لوگ میرے پیچھے پیچھے چلیں[4]

تلامذہ:

حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع تھا' عبدالرحمٰن بن یزید' ابراہیم ابن سعید' امام شعبی' ابو قادنخعی' شقیق بن سلمہ بن کہیل' قیس بن رومی' قاسم بن مخیمرہ' ابواسحاق سبیعی وغیرہ ان کے تلامذہ میں ہیں' ان میں ان کے بھانجے ابراہیم نخعی اور بھتیجے اسود بن یزید خصوصیت کے ساتھ لائق ذکر ہیں[5]

فقہ:

فقہ کا فن بھی انہوں نے فقیہ الامت ابن مسعودؓ سے حاصل کیا تھا' اس لیے اس میں امامت واجتہاد کا درجہ رکھتے تھے' کان فقیہا اماما بارعا[6] امام نووی صاحب کمال

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۶۲ - [2] ایضاً - [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۱ -

[4] ابن سعد ج ۶ ص ۶۰ - [5] تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۷ -

[6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۱ -

marfat.com

نقیہ لکھتے ہیں[1]

وسعت علم:

وسعت علم کے اعتبار سے علقمہ ابن مسعودؓ کے ممتاز اصحاب میں سے تھے' ابن مدائنی کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کے علم کے بڑے حاملین علقمہ' اسود' عبیدہ اور حارث تھے[2] ان میں علقمہ سب پر فائق تھے' ابراہیم کا بیان ہے کہ ابن مسعودؓ کے چھ اصحاب لوگوں کو درس و سنت کی تعلیم دیتے تھے' ان میں دو علقمہ اور اسود تھے' ابوالہذیل نے پوچھا ان دونوں میں کون افضل تھا' انہوں نے علقمہ کا نام لیا[3] عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ سند کہ میں جو کچھ پڑھتا اور جانتا ہوں وہ سب علقمہ پڑھتے اور جانتے ہیں'[4] ان کے وسعت علم کے لیے کافی ہے۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا استفادہ:

ان کا علمی کمال اتنا مسلم تھا کہ صحابہ رسول تک ان سے استفادہ کرتے تھے۔ جو ایک تابعی کے لیے بہت بڑا طغرائے امتیاز ہے' ابوظبیان کا بیان ہے کہ میں نے متعدد صحابہ رسول ﷺ کو دیکھا ہے کہ وہ علقمہ سے مسائل پوچھتے تھے' اور استفتا کرتے تھے۔[5]

فضائل اخلاق:

عادات و خصائل اور اخلاق میں علقمہ ذات نبوی ﷺ کا نمونہ تھے' ابراہیم کا بیان ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ طور طریق اور عادات و خصائل میں نبی ﷺ کے مشابہ تھے' اور علقمہ عبداللہ بن مسعودؓ کے مشابہ تھے' اس طرح گویا علقمہ رسول اللہ ﷺ کے مشابہ تھے۔

علقمہ عادات و خصائل میں ابن مسعودؓ سے اس درجہ مشابہ تھے کہ جن لوگوں نے ان کو نہیں دیکھا تھا' وہ علقمہ کے آئینۂ عمل میں ان کی تصویر دیکھ سکتے تھے۔

---

1. تہذیب الاسماء' ج اول ق اول ص ۳۴۲۔ 2. تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۷۔
3. تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۷۔ 4. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۱۔
5. تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۷۷۔

marfat.com

زہد و عبادت:

یہ مشابہت محض علم اور ظاہری خصائل تک محدود نہ تھی، بلکہ عمل میں بھی وہ ابن مسعودؓ کے ساتھ کامل مشابہت رکھتے تھے، ان کا شمار علماء ربانیین میں تھا[1]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ صاحب خیر و ورع تھے[2]

تلاوت قرآن:

قرآن کے ساتھ ان کو غیر معمولی شغف و انہماک تھا۔ معمولاً چھ دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے[3] کبھی کبھی ایک رات میں پورا قرآن پڑھ ڈالتے تھے، ابراہیم کا بیان ہے کہ علقمہ ایک مرتبہ مکہ گئے۔ شب کے وقت انہوں نے طواف شروع کیا، پہلے سات پھیروں میں انہوں نے طوال ختم کیں، دوسرے سات پھیروں میں مئین، تیسرے سات پھیروں میں مثانی، اور چوتھے میں بقیہ سورتیں ختم کیں اس طرح انہوں نے ایک شب میں طواف کی حالت میں پورا قرآن ختم کر دیا[4]

قرآن کے ساتھ اس شیفتگی کا یہ نتیجہ تھا کہ آیات قرآنی ان کی زبان پر اس قدر جاری ہوگئیں تھیں کہ عموماً ہر کام آیات قرآنی کے اشارے سے شروع کرتے تھے، کھانے کے وقت قرآن کی اس آیت "فان طبن لکم عن شیء منه نفسا فکلوه هنیئا مریئا" کی طرف اشارہ کر کے بیوی سے کھانا مانگتے کہ مجھے ان لذیذ اور خوشگوار کھانوں میں سے کھلاؤ[5]

رکاب پر پاؤں رکھتے ہوئے پڑھتے: الحمدلله سبحان الذی سخرلنا هذا وما کنا له مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون[6]

جہاد فی سبیل اللہ:

اس علم کے ساتھ جہاد کا بھی ولولہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ۵۲ھ میں امیر معاویہؓ کے ساتھ قسطنطنیہ کی مہم میں شریک ہوئے، اس مہم کے اکثر شرکاء آنحضرت ﷺ کی ایک پیشین گوئی

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۶۱ - [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۲ - [3] ابن سعد ج ۶ ص ۶۰ -
[4] ایضاً ص ۵۹ - [5] ایضاً ص ۵۸ - [6] ایضاً ص ۵۹ -

marfat.com

کا مصداق بننے کے لیے جذبۂ شہادت سے مخمور تھے- ایک مجاہد معضد نے ایک برج پر حملہ کرتے وقت سر پر باندھنے کے لیے علقمہ سے چادر مستعار لی تھی- وہ خلعت شہادت سے سرفراز ہوئے- علقمہ کی چادر ان کے خون سے تر بتر تھی' علقمہ اس چادر کو بہت متبرک سمجھتے تھے' اور اس کو اوڑھ کر جمعہ میں جاتے تھے اور کہتے تھے کہ میں اس کو اوڑھتا ہوں کہ اس میں معضد کا خون ہے[1]

شہرت سے نفرت:

شہرت سے بہت گھبراتے تھے- اس سے بچنے کے لیے تعلیم و تعلم کے سلسلہ میں کسی خاص مقام میں بیٹھنا پسند نہ کرتے تھے' عبدالرحمٰن بن یزید کا بیان ہے' کہ ہم لوگوں نے علقمہ سے درخواست کی کہ آپ مسجد میں نماز پڑھتے اور بعد نماز وہاں بیٹھتے تاکہ لوگ آپ کے مسائل پوچھا کرتے' فرمایا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ لوگ اشارہ کریں کہ یہ علقمہ ہیں[2]

امرائے دولت سے دامن کشی:

امراء اور ارباب دل سے نہ صرف بے نیاز تھے' اور ان سے دامن بچاتے تھے' بلکہ ان سے میل جول اور آمدورفت رکھنا' اخلاقی نقصان تصور کرتے تھے' ایک مرتبہ لوگوں نے کہا آپ امراء کے یہاں جایا کیجیے کہ وہ آپ کی حقیقت سے آگاہ ہوں اور آپ کا مرتبہ پہچانیں- فرمایا میں ان سے جتنی باتیں دور کروں گا اور جتنی چیزیں کم کروں گا' اس سے زیادہ چیزیں وہ مجھ سے گھٹا دیں گے[3] یعنی میں جتنی ان کی برائیاں دور کروں گا' اتنی وہ میری بھلائیاں دور کر دیں گے- وہ نہ صرف خود امراء سے نہیں ملتے تھے' بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے تھے-

ابو وائل کا بیان ہے کہ جب کوفہ اور بصرہ دونوں کی ولایت ابن زیاد سے متعلق ہوئی تو اس نے مجھ سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلنا' میں نے جا کر علقمہ سے پوچھا'

---

1 ابن اثیر ج ۳ ص ۱۰۳- 2 ابن سعد ج ۶ ص ۵۹-

3 ابن سعد ج ۶ ص ۵۹-

marfat.com

انہوں نے کہا ان لوگوں (امراء) سے تم کو جو حاصل ہوگا' اس سے زیادہ بہتر چیز وہ تم سے لیں گے[1] ایک مرتبہ ایک وفد میں جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جانے والا تھا' ان کا نام لکھ دیا گیا۔ انہیں معلوم ہوا تو فوراً ابو بردہ کو لکھا کہ میرا نام کاٹ دو[2]

وفات:

۶۲ھ میں کوفہ میں وفات پائی' مرض الموت میں وصیت کی تھی کہ دم آخر کلمہ طیبہ کی تلاقین کی جائے' تاکہ میری زبان سے آخری کلمہ لا الٰہ اللہ وحدہ لا شریك له نکلے' کسی کو موت کی خبر نہ دی جائے' ورنہ وہ زمانہ جاہلیت کا اشتہار بن جائے گی' دفن کرنے میں جلدی کی جائے' بین کرنے والی عورتیں ساتھ نہ ہوں[3]

---

[1] ابن سعد ج۶ ص۵۹۔ [2] ایضاً ص۵۹۔

[3] ابن سعد ج۶ ص ۵۹، ۶۲۔

marfat.com

قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

قاسم نام' ابو محمد کنیت' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکر کے فرزند ہیں' ان کی ماں سودہ ام ولد تھیں' قاسم اپنے علمی اور اخلاقی لحاظ سے مدینہ کے ممتاز ترین بزرگوں میں تھے۔

یتیمی اور پھوپھی کی آغوش میں پرورش:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت اور شہادت کے سلسلہ میں محمد بن ابی بکر کا نام تاریخ اسلام میں بڑی شہرت رکھتا ہے' وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شدید ترین مخالفین میں تھے' بلکہ قاتلین عثمانؓ کے سلسلہ میں ان کا نام لیا جاتا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوگئے تھے' اور ان کی خدمات کے صلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو مصر کا والی بنا دیا' جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر فوج کشی کی' اس وقت محمد بن ابی بکر کام آ گئے' قاسم اس وقت کم سن تھے۔ اس لیے ان کی پھوپھی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کو اپنے آغوش شفقت میں لے لیا' اور بڑے لاڈ پیار سے پالا۔[1]

قاسم اس زمانہ کے بعض واقعات جو ان کے حافظہ میں رہ گئے تھے بیان کیا کرتے تھے' چنانچہ کہتے تھے کہ کہتے تھے کہ ہماری پھوپھی عائشہ رضی اللہ عنہا عرفہ کی شب کو ہم لوگوں کے سر منڈاتی تھیں' اور ہمیں ٹوپی پہنا کر مسجد بھیجتی تھیں اور دوسرے دن صبح کو ہم لوگوں کی طرف سے قربانی کرتی تھیں۔[2]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۶۲۔ [2] ایضاً ج ۵ ص ۱۳۹۔

marfat.com

فضل وکمال:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وہ مخدومۂ علم تھیں جن کے ادنیٰ ترین خدام مسند علم وعمل کے وارث ہوئے' قاسم تو گویا محبوب فرزند تھے' ان کی تربیت نے ان کوعلم وعمل کا مجمع البحرین بنا دیا تھا' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ رفیع المنزلت و عالی مرتبت فقیہ' امام اور بڑے حافظ حدیث اور متورع تھے[1] امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے جلیل القدر تابعی ہیں' ان کی جلالت توثیق اور امامت پر سب کا اتفاق ہے[2]

تفسیر:

انہیں جملہ علوم میں پورا درک تھا- لیکن کلام الٰہی کی تفسیر میں بڑے محتاط تھے اس لیے انہوں نے بحیثیت مفسر کے کوئی شہرت حاصل نہیں کی' وہ غایت احتیاط میں تفسیر ہی نہ بیان کرتے تھے[3]

حدیث:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ذات سرچشمہ حدیث تھی' قاسم زیادہ تر اسی سرچشمہ سے سیراب ہوئے تھے' ان کے علاوہ انہوں نے دوسرے سامعین حدیث میں ابن عباس ، ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی پورا استفادہ کیا تھا' ان کا خود بیان ہے کہ میں بحر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھتا تھا- ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھتا تھا اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا' ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایسا علم و ورع تھا' اور ایسی نادر معلومات تھیں جو اور کہیں نہیں حاصل ہو سکتی تھیں[4]

ان بزرگوں کے علاوہ' ابن عمرو بن العاص ، عبداللہ بن جعفر ، معاویہ ، عبداللہ بن خباب ، رافع بن خدیج ، اسلم مولیٰ عمر رضی اللہ عنہم ' وغیرہ سے بھی سماع حدیث کیا تھا'[5] ان بزرگوں کے

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۹ - [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۵۵ -

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۹ - [4] تہذیب الاسماء ج اول ص ۵۵ -

[5] تہذیب ج ۸ ص ۳۳۳ -

marfat.com

فیض نے ان کو ممتاز حافظ حدیث بنا دیا تھا - ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھے[1] حافظ ذہبی انہیں حفاظ حدیث میں امام اور قدوۃ لکھتے ہیں[2] ابوالزناد کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے زیادہ سنت کا عالم نہیں دیکھا[3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی احادیث کے تین بڑے واقف کار تھے' قاسم' عروہ اور عمرہ[4]

ان کی روایات کا درجہ:

محدثین اور ارباب فن کے نزدیک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی روایات طلائے خالص کا حکم رکھتی ہیں - ابن معین کا بیان ہے - کہ عبیداللہ بن عمر عن قاسم عن عائشہ کا سلسلہ روایت طلائے خالص ہے[5]

مذاکرۂ حدیث:

روزانہ شب کو بعد عشاء وہ اوران کے ساتھی مل کر حدیث خوانی کرتے تھے[6]

روایت حدیث میں احتیاط:

روایت حدیث کے باب میں اتنے محتاط تھے کہ روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری سمجھتے تھے' اسی احتیاط کی بنا پر وہ حدیثوں کو قلمبند کرنا پسند نہ کرتے تھے[7]

تلامذہ:

حدیث میں ان کے تلامذہ میں بڑے بڑے ممتاز ائمہ تھے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں - عبدالرحمٰن بن قاسم' امام شعبی' سالم بن عبداللہ بن عمرؓ' سعید انصاری کے لڑکے یحییٰ' سعید بن ابی ملیکہ' نافع مولی ابن عمرؓ' امام زہری' عبیداللہ بن عمرؓ' ایوب ابن جون اور مالک بن دینار وغیرہ[8]

---

1. ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۹ - 2. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۴ -
3. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۴ - 4. تہذیب ج ۸ ص ۳۴۲ -
5. تہذیب الاسماء جلد اول ص ۵۵ - 6. ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۴۰ -
7. ایضاً ص ۱۴۰ - 8. تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۳ -

marfat.com

فقہ:

قاسم کا خاص فن فقہ تھا- اس میں ان کو درجہ امامت و اجتہاد حاصل تھا' ان کے فقہی کمال کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ وہ مدینہ کے سات مشہور ممتاز فقہاء میں سے ایک تھے[1] فقہ بھی انہوں نے اپنی پھوپھی عائشہ صدیقہ' ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے حاصل کی تھی' فرماتے تھے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مستقل فتویٰ دیتی تھیں' اور میں ان کے ساتھ رہتا تھا-[2] اس عہد کے تمام علماء ان کے تفقہ کے معترف تھے' ابی الزناد کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا' امام مالک فرماتے تھے کہ قاسم اس امت کے فقہاء میں تھے[3]

فتاویٰ میں احتیاط:

اس فقہی کمال کے باوجود وہ حدیث کی طرح فقہ میں بھی بڑے محتاط تھے اور بغیر علم کے کوئی بات کہنا یا کسی مسئلہ کا جواب دینا نہایت برا سمجھتے تھے- فرماتے تھے کہ خدا کے فرض احکام جان لینے کے بعد انسان کا جاہل رہنا' اس سے بہتر ہے کہ وہ بغیر علم کے کوئی بات کہے' جو مسئلہ ان کے علم میں نہ ہوتا' اس کے جواب میں بلا تکلف لاعلمی ظاہر کر دیتے' ایک مرتبہ ان سے کوئی مسئلہ پوچھا گیا' انہوں نے جواب دیا مجھے اس کے متعلق کوئی واقفیت نہیں ہے' صرف عیاں اور کھلے ہوئے مسائل کا جواب دیتے تھے- جن مسائل کا اپنی رائے سے جواب دیتے تھے اس میں یہ صراحت کر دیتے کہ یہ میری رائے ہے یہ نہیں کہتا کہ "یہ حق ہے"[4]

حلقہ درس:

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں قاسم کا حلقہ درس تھا' ان کی اور سالم بن عبداللہ بن عمر کی مجلس ایک ہی تھی'[5] ان کے بعد ان کے لڑکے عبدالرحمٰن' سالم کے بھائی عبیداللہ بن عمرؓ اس مجلس

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۵۵- [2] تہذیب اسماء جلد اول ق ص ۵۵- [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۵- [4] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۴- [5] ابن سعد ج ۵ ص ۱۳۹-

marfat.com

میں بیٹھتے تھے، پھر ان دونوں کے بعد اس مقام پر امام مالک کی مسند درس بچھی، یہ جگہ روضہ نبوی اور منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان خوخہ عمر کے سامنے تھی۔[1]

قاسم صبح سویرے درس وافتا کے لیے مسجد میں آ جاتے تھے اور دو رکعتیں پڑھ کر مجلس میں بیٹھتے تھے، اس وقت لوگوں کو جو کچھ پوچھنا ہوتا پیش کرتے۔[2]

معاصرین کا اعتراف کمال:

اس عہد کے تمام بڑے بڑے علماء اور ارباب کمال قاسم کے کمالات علمی کے معترف تھے، یحییٰ بن سعید انصاری کہتے تھے کہ ہم نے مدینہ میں کسی ایسے شخص کو نہیں پایا جس کو قاسم پر فضیلت دی جا سکے، ابوالزناد کہتے تھے کہ قاسم اپنے زمانہ کے سب سے بڑے جاننے والے تھے۔ ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے قاسم سے افضل آدمی نہیں دیکھا۔[3]

علمی انکسار اور معاصرین کا احترام:

اس علمی علوئے مرتبت کے باوجود انہیں اپنی برتری کا مطلق احساس نہ تھا، وہ اپنے سے کم پایہ معاصرین کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ کسی موقع پر بھی ان کی زبان سے کوئی کلمہ ایسا نہ نکلنے پاتا جس سے ان کے کسی معاصر کی خفیف سی سبکی کا بھی احتمال ہو سکتا ہو، اس احتیاط کی وجہ سے وہ بعض مواقع پر عجیب نازک صورت حال میں پھنس جاتے تھے، ایک مرتبہ ایک اعرابی نے ان سے سوال کیا آپ بڑے عالم ہیں یا سالم اس سوال کے جواب دینے میں بڑی کشمکش پیش آئی، اگر اظہار واقعہ کرتے تو اپنی زبان سے تعریف ہوتی تھی اور اگر سالم کو کہتے تھے تو جھوٹ ہوتا تھا، اس لیے پہلے تو انہوں نے سبحان اللہ کہہ کر ٹالا، لیکن جب اعرابی نے دوبارہ پوچھا تو آپ نے کہا سالم موجود ہیں ان سے جا کر پوچھ لو۔[4]

فضائل اخلاق:

قاسم میں جس پایہ کا علم تھا، اسی درجہ کا عمل بھی تھا۔ ان کی ذات جملہ فضائل

---

1. ابن سعد جلد ۵ ص ۱۴۰۔ 2. ایضاً جلد ۵ ص ۱۴۱۔ 3. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۸۵۔
4. تہذیب ج ۸ ص ۳۳۴۔

marfat.com

اخلاق کی جامع تھی۔ وہ اپنے جد گزرگوار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ثنیٰ تھے، زبیر کہتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں میں نے اس نوجوان (قاسم) سے زیادہ ان سے مشابہ کسی کو نہیں پایا[1]

عمر بن عبدالعزیزؒ ان کے علمی اور اخلاقی کمالات کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے کاش خلافت قاسم کے لیے ہوتی، ایک دوسری روایت میں ہے کہ اگر خلافت کا فیصلہ میرے اختیار میں ہوتا تو میں قاسم کو خلیفہ بنا دیتا[2] عمر بن عبدالعزیز کے ساتھ ان کے تعلقات بڑے دوستانہ اور بے تکلفانہ تھا، قاسم بہت کم گو، کم سخن اور خاموش طبیعت تھے، جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو اہل مدینہ نے کہا اب کنواری (قاسم) بولے گی[3]

زہد وورع:

زہد و ورع کے اعتبار سے بھی ممتاز تابعین میں تھے، علامہ ابن سعد ان کو ورع عجلی خیار تابعین اور رجل صالح لکھتے ہیں، ابن حبان ان کو سادات تابعین میں اور افضل زمانہ شمار کرتے ہیں[4]

عالم پیری میں بھی رمی جمار کے لیے پاپیادہ جاتے تھے، ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ قاسم جب زیادہ ضعیف ہو گئے تھے، اس وقت وہ اپنی اقامت گاہ سے منیٰ تک سواری پر آتے، پھر یہاں سے جمار تک پاپیادہ جاتے تھے، رمی کرنے کے بعد مسجد تک پیدل واپس آتے تھے، پھر یہاں سے سوار ہو کر گھر واپس جاتے[5]

دولت سے بے نیازی:

دولت دنیا سے وہ اتنے بے نیاز تھے کہ اس کے لیے کسی عزیز کا احسان بھی لینا گوارا نہ کرتے تھے، سلیمان بن قتیبہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبیداللہ نے عبداللہ بن عمر اور قاسم بن محمد کے پاس میرے ہاتھ ایک ہزار دینار بھیجے۔ ابن عمرؓ نے لے لیے اور شکریہ ادا کیا کہ عمر بن عبید نے صلہ رحم سے کام لیا، اس وقت مجھ کو اس کی ضرورت تھی لیکن قاسم

---

[1] تہذیب ج ۸ ص ۳۳۴۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۵۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۳۵۔
[4] ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۴۱۔ [5] تہذیب ج ۸ ص ۳۳۵ و تہذیب الاسماء ج اول ص ۵۵۔

marfat.com

نے قبول کرنے سے انکار کر دیا' ان کی بیوی کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا عمر بن عبیداللہ کے ساتھ ہم دونوں کا رشتہ برابر ہے' اگر قاسم ان کے چچیرے بھائی ہیں تو میں ان کی پھوپھیری بہن ہوں' ان کے اس کہنے پر میں نے ان کو روپیہ دے دیا[1]

اعتراف حق:

حق پرست ایسے تھے کہ اپنے باپ کی غلطی کو بھی غلطی سمجھتے تھے' اور ان کی مغفرت کے لیے خدا سے دعا کرتے تھے۔ یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے والد محمد بن ابی بکر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شدید ترین مخالفین میں تھے اور باغیوں کے ساتھ کاشانہ خلافت میں گھس گئے تھے' قاسم ان کی اس غلطی کو مانتے تھے' اور ان کے لیے سجدہ میں بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے تھے کہ خدایا عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں میرے والد کے گناہ بخش دے[2]

وفات:

باختلاف روایت ۱۰۷ھ یا ۱۰۸ھ میں انتقال کیا' مرض الموت میں کاتب کو بلا کر وصیت لکھنے کو کہا۔ اس نے بغیر بتائے ہوئے لکھ دیا کہ'' قاسم بن محمد وصیت کرتے ہیں کہ سوائے خدا کے کوئی معبود نہیں'' قاسم نے سنا تو کہا اگر آج کے دن سے پہلے ہم نے اس کی شہادت نہیں دی تو کتنے بدقسمت ہیں' کفن کے متعلق وصیت کی کہ میں جن کپڑوں میں نماز پڑھتا ہوں' اسی میں کفنایا جاؤں اس میں قمیص' ازار اور چادر وغیرہ کفن کے تمام کپڑے ہیں' آپ کے صاحبزادے نے کہا کیا آپ اور دو نئے کپڑے پسند نہیں کرتے۔ فرمایا' ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تین کپڑوں میں کفنائے گئے تھے' مردوں کے مقابلہ میں زندوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے' ان وصایا کے بعد قدید میں انتقال کیا اور اس سے تین میل کے فاصلے پر مقام مشلل میں سپرد خاک کیے گئے۔ انتقال کے وقت ستر یا بہتر سال کی عمر تھی[3]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۱۔ [2] ابن خلکان ج اول ص ۴۱۸۔

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۴۳۔

marfat.com

ترکہ:

وفات کے وقت ایک لاکھ نقد چھوڑا، جس میں ناجائز آمدنی کا ایک حبہ بھی نہ تھا[1]

حلیہ ولباس:

آخر عمر میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے، سر اور داڑھی میں حنا کا خضاب کرتے تھے، چاندی کی انگوٹھی پہنتے تھے، جس پر ان کا نام کندہ تھا' لباس نفیس اور خوش رنگ استعمال کرتے تھے، حبہ' عمامہ اور رداء وغیرہ سارے کپڑے عموماً خز کے ہوتے تھے' خز کے علاوہ اور قیمتی کپڑے بھی استعمال کرتے تھے' چادر بوٹے دار اور رنگین ہوتی تھی' عمامہ سفید ہوتا تھا' زعفرانی رنگ زیادہ پسند خاطر تھا- کبھی کبھی سبز بھی استعمال کرتے تھے-

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص ۱۸۵-

marfat.com

۵۶-قبیصہ بن ذویب رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

قبیصہ نام' ابو اسحاق کنیت' نسب نامہ یہ ہے' قبیصہ بن ذویب بن حلحلہ بن عمرو ابن کلیب بن حرام بن عبداللہ بن قمیر بن حبشیہ بن سلول بن کعب بن عمرو خزاعی۔

پیدائش:

فتح مکہ کے سال پیدا ہوئے' ایک روایت یہ بھی ہے کہ ہجرت کے سال ولادت ہوئی' لیکن پہلی روایت زیادہ مشہور ہے[1]

عبدالملک کا عہد:

شروع میں مدینہ میں رہتے تھے' پھر شام میں سکونت اختیار کر لی تھی عبدالملک کے زمانہ میں ان کو بڑا عروج حاصل ہوا' خاتم برداری اور برید دو دو عہدے ان سے متعلق تھے۔ ممالک محروسہ سے خطوط اور خبریں موصول ہوتی تھیں ان کو پڑھ کر عبدالملک کے سامنے پیش کرتے تھے[2]

فضل وکمال:

قبیصہ مدتوں مدینہ میں رہے تھے' ان کے زمانہ میں وہاں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی جماعت موجود تھی' اس کے فیض سے محروم نہ رہے' ان کا شمار علمائے تابعین میں ہے علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور علمی جلالت پر سب کا اتفاق ہے[3] بڑے بڑے ہم عصر علماء ان کے علمی کمالات کے معترف تھے۔ مکحول شامی کہتے تھے کہ میں نے قبیصہ سے بڑا

---

[1] تہذیب الاسماء جلد اصفحہ ۵۶ - [2] ابن سعد جلد ۵ ص ۱۳۱۔

[3] تہذیب الاسماء ص ۱۳۱ جلد ۵ ص ۱۳۱۔

marfat.com

جاننے والا انہیں دیکھا[1] ابن شہاب زہری کہتے تھے کہ وہ اس امت کے علماء میں تھے[2]

حدیث:

حدیث میں علامہ ابن سعد ثقہ مامون اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔[3]

حدیث میں انہوں نے بلال، عثمان بن عفان، حذیفہ بن یمان، عبدالرحمٰن بن عوف، زید بن ثابت، عبادہ بن صامت، عمرو بن العاص، محمد بن مسلمہ، تمیم داری، ابو درداء انصاری، مغیرہ بن شعبہ، ابو ہریرہ، ام المومنین عائشہ صدیقہ اور ام سلمہ وغیرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے استفادہ کیا تھا' ان سے استفادہ کرنے والوں میں' امام زہری' رجاء بن حیوۃ' عبداللہ بن ابی مریم' مکحول اور ابو قلابہ جرمی وغیرہ لائق ذکر ہیں۔[4]

فقہ:

فقہ میں بھی درک رکھتے تھے' ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ مدینہ کے فقہاء اور صالحین میں تھے[5] ابوالزناد انہیں فقہاء میں شمار کرتے تھے[6] زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے فیصلوں کے بڑے عالم تھے' شعبی کا بیان ہے کہ وہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے عالم تھے[7]

وفات:

ابن سعد کے بیان کے مطابق ۸۶ھ میں وفات پائی۔[8]

---

[1] تہذیب الاسماء ص ۱۳۱ جلد ۵ ص ۱۳۱۔ [2] تہذیب ج ۸ صفحہ ۳۴۶۔ [3] ابن سعد ج ۵ صفحہ ۱۳۱۔

[4] تہذیب جلد ۸ ص ۳۴۶۔ [5] تہذیب جلد ۸ ص ۳۴۷۔ [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۲۔

[7] ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۳۱۔

marfat.com

۵۷- قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

قتادہ نام' ابوالخطاب کنیت' نسب نامہ یہ ہے' قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز بن عمرو بن ربیعہ بن عمرو بن حارث بن سدوس سدوسی-

قتادہ علمی اعتبار سے اجلۂ تابعین میں تھے-

پیدائش:

۶۱ھ میں پیدا ہوئے-[1]

ذوق علم:

قتادہ کو علم کے ساتھ فطری مناسبت تھی' حصول علوم کا ذوق بچپن سے لے کر بڑھاپے تک یکساں رہا' مطرالوراق کا بیان ہے کہ قتادہ مرتے دم تک طالب العلم رہے[2]

قوت حافظہ:

اس ذوق وشوق کے ساتھ انہوں نے حافظہ نہایت قوی پایا تھا' ایک مرتبہ جو چیز سن لیتے تھے' وہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجاتی تھی' ایک مرتبہ حدیث سننے کے بعد کبھی کسی محدث سے دوبارہ سننے کی خواہش نہیں کی'[3] ایک مرتبہ جو بات کانوں میں پڑ گئی وہ ہمیشہ کے لیے قلب کے خزانہ میں محفوظ ہوگئی' ان کے حافظہ کے نہایت حیرت انگیز واقعات کتابوں میں مذکور ہیں' ان میں سے ایک واقعہ لائق ذکر ہے' عمران بن عبداللہ کا بیان ہے کہ قتادہ ایک مرتبہ سعید بن مسیب کے پاس آئے اور چند دن قیام کر کے ان سے دل کھول کر اچھی طرح حدیثیں پوچھتے' اور بکثرت سوالات کرتے رہے' ایک دن سعید بن مسیب نے ان سے پوچھا کہ تم نے جو باتیں مجھ سے پوچھی ہیں کیا وہ سب تم کو یاد ہیں' انہوں نے اثبات

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۰ - [2] ایضاً ص ۳۵۳ - [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۹-

marfat.com

میں جواب دیا' اور پوچھے ہوئے مسائل کو دہرانا شروع کیا کہ میں نے آپ سے یہ پوچھا تھا' آپ نے یہ جواب دیا تھا- میں نے یہ سوال کیا تھا' آپ نے یہ بتایا تھا' اور حسن بصری نے یہ جواب دیا تھا- اس طریقہ سے انہوں نے ان حدیثوں کا بیشتر حصہ جوان سے سنا تھا دہرا دیا- ابن مسیب کو اس وقت قوت حافظہ پر سخت حیرت ہوئی' فرمایا میں نہیں گمان کر سکتا تھا کہ خدا نے تمہارے جیسا شخص بھی پیدا کیا ہے[1]

فضل وکمال:

اس ذوق وشوق' تلاش وجستجو اور قوت حافظہ نے ان کو قرآن' تفسیر' حدیث' فقہ' زبان' لغت' ایام عرب' اور نسب وغیرہ اس عہد کے جملہ مذہبی اور غیر مذہبی علوم کا دریا بنا دیا تھا[2] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت شان اور فضیلت علمی پر سب کا اتفاق ہے-

قرآن:

قرآن کے حافظ تھے' اور نہایت اچھا یاد تھا- بڑی بڑی سورتوں میں ایک لفظ کی غلطی نہ ہوتی تھی' معمر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ قتادہ نے سعد بن ابی عروبہ کو قرآن دے کر سورہ بقرہ سنائی' اور اس میں ایک حرف کی غلطی نہیں کی سنانے کے بعد ان سے پوچھا کیوں میں نے ٹھیک یاد کیا' انہوں نے کہا' ہاں[3]

تفسیر:

تفسیر قرآن کے وہ بہت بڑے عالم تھے- آیات قرآنی کی تفسیر وتاویل میں ان کی نظر نہایت وسیع تھی- وہ خود کہتے تھے کہ قرآن میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے' جس کے متعلق میں نے کچھ نہ کچھ نہ سنا ہو[4] امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ قتادہ تفسیر کے بڑے عالم تھے[5] ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ قرآن کے سب سے بڑے جاننے والے تھے[6] ابن ناصرالدین ان کو مفسر الکتاب لکھتے ہیں[7]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲- [2] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۰۹- [3] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱-
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اص ۱۰۹- [5] ایضاً- [6] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۵-
[7] شذرات الذہب ج اص ۱۵۳-

marfat.com

حدیث:

قتادہ کا اصل فن حدیث تھا' اس میں وہ نہایت بلند پایہ رکھتے تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ حدیث میں وہ ثقہ' مامون اور حجت تھے[1] حافظ ذہبی انہیں حافظ و علامہ کے نام سے یاد کرتے ہیں[2] عراق کے سب سے بڑے حافظ حدیث مانے جاتے تھے' ابن مسیب کہتے تھے کہ ہمارے یہاں قتادہ سے بڑا عراق کا کوئی حافظ نہیں آیا' سفیان کہتے تھے کہ دنیا میں قتادہ کا مثل نہ تھا۔ بکر بن عبداللہ کہتے تھے کہ جو شخص سب سے بڑے حافظ اور ایسے شخص کو دیکھنا چاہے جو حدیث کو بعینہٖ اسی طرح جس طرح اس نے سنا ہے روایت کرتا ہو تو قتادہ کو دیکھنا چاہیے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے تھے کہ قتادہ حمید کے جیسے پچاس آدمیوں سے زیادہ بڑے حافظ ہیں[3]

امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ قتادہ باشندگان بصرہ میں سب سے بڑے حافظ تھے' جو چیز بھی سنتے تھے اس کو یاد کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے جابر کا صحیفہ پڑھا گیا' ایک ہی مرتبہ سن کر اس کو یاد کر لیا[4] ابن حبان ان کو ان کے عہد کا سب سے بڑا حافظ حدیث شمار کرتے ہیں۔ سلیمان تیمی اور ایوب سختیانی جیسے محدثین ان کی احادیث کے محتاج تھے' اور ان سے پوچھا کرتے تھے[5]

شیوخ:

قتادہ کے اصل شیخ حسن بصریؒ تھے' زیادہ تر انہی کے سرچشمہ فیض سے سیراب ہوئے تھے' بارہ سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں بارہ برس تک حسن بصری کی خدمت میں بیٹھا اور تین برس تک نماز فجر ان کے ساتھ پڑھی' میرے جیسے شخص نے ان کے جیسے شخص سے علم حاصل کیا[6] حسن بصری کے سب سے ممتاز تلامذہ میں یہی تھے' ابوحاتم کہتے تھے کہ حسن کے سب سے بڑے اصحاب میں قتادہ تھے[7]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۹۔ [3] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۵۷، ۵۸۔
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۵۔ [6] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۔
[7] تہذیب الاسماء ج ۱ ص ۱۵۸۔

marfat.com

حسن بصریؒ کے علاوہ اس عہد کے تمام محدثین' انس بن مالک' ابوسعید خدریؓ، عمران بن حصینؓ، سعید بن مسیبؒ، عکرمہؒ، ابوبردہ بن ابی موسیٰ، شعبی' عبداللہ بن عتبہ بن مسعود' مطرف بن عبداللہ بن شخیر وغیرہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کی کثیر جماعت سے سماع حدیث کیا تھا[1]

ان کا یہ خاص کمال تھا کہ جس محدث کے پاس پہنچ جاتے تھے' چند ہی دنوں میں اس کا سارا علم پی لیتے تھے' ایک مرتبہ سعید بن مسیب کے پاس جا کر چند دنوں کے لیے قیام کیا اور ان سے اس قدر سوالات کیے کہ انہوں نے آٹھ ہی دن کے اندر گھبرا کر ان سے کہا کہ اب جاؤ تم نے میرا سارا علم خالی کر لیا[2]

تلامذہ:

ان کے کمالات کی وجہ سے ان کی ذات مرجع خلائق بن گئی تھی۔ سینکڑوں تشنگان علم ان کے حلقہ درس سے سیراب ہوئے۔ ان کی فہرست نہایت طویل ہے۔ بعض قابل ذکر نام یہ ہیں' ایوب سختیانی' سلیمان تیمی' جریر بن حازم' شعبہ' مسعر' ابوبلال راسبی' مطرالوراق' ہمام بن یحییٰ' عمر بن حارث المصری' شیبان نحوی' سلام بن ابی المطیع' سعید بن ابی عروبہ' ابان ابن یزید العطار' حصن بن ذکوان' حماد بن سلمہ' اوزاعی' عمرو بن ابراہیم عبدی اور عمران القطان وغیرہ[3]

فقہ:

فقہ میں بھی امتیازی پایہ رکھتے تھے' ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ قرآن اور فقہ کے بڑے علماء میں تھے[4] امام احمد بن حنبل ان کے تفسیر و حدیث کے کمال کے ساتھ ان کے فقہی کمال کے بھی معترف تھے۔[5] بصرہ کی جماعت افتاء کے ایک معزز رکن تھے[6]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۱۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۲۔ [4] ایضاً ص ۳۵۵۔

[5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۹۔ [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۹۔

marfat.com

رائے سے احتراز:

ان کمالات کے باوجود فتویٰ دینے میں بڑے محتاط تھے' جو مسئلہ نہ معلوم ہوتا نہایت صفائی کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کر دیتے' اپنی رائے سے کبھی جواب نہ دیتے۔ ابو بلال کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ قتادہ سے ایک مسئلہ پوچھا' انہوں نے کہا اپنی رائے بتا دیجیے جواب دیا کہ ''میں نے چالیس سال سے اپنی رائے سے کوئی جواب نہیں دیا ہے''[1]

جامعیت:

قتادہ جیسی جامعیت کم تابعین میں تھی' وہ تنہا مذہبی علوم کے عالم نہ تھے بلکہ اس عہد کے دوسرے مروجہ فنون مثلاً عربی' لغت' ایام عرب اور نسابی کے بھی بڑے ماہر تھے' ابو عمر کا بیان ہے کہ وہ بڑے نساب تھے'[2] ابو عبیدہ کا بیان ہے کہ بنی امیہ کے پاس سے روزانہ کوئی نہ کوئی آدمی قتادہ کے پاس خبر' نسب یا شعر کے متعلق کچھ نہ کچھ پوچھنے کے لیے آتا تھا۔[3] ابن ناصر الدین ان الفاظ میں ان کی جامعیت پر تبصرہ کرتے تھے۔

ابو الخطاب الضریر الاکمہ مفسر الکتاب ایۃ فی الحفظ اماما فی النسب راسا فی العربیۃ واللغۃ وایام العرب[4]

وفات:

باختلاف روایت ۱۱۷ھ یا ۱۱۸ھ میں وفات پائی[5]

---

[1] ابن سعد جلد ۷ ق ۲ ص ۱ - [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۰۹ -
[3] شذرات الذہب ج ۱ اول ص ۱۹۳ - [4] ایضاً -
[5] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۳ -

marfat.com

۵۸- کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

کعب نام' ابواسحاق کنیت' نسباً یمن کے مشہور حمیری خاندان کی شاخ آل ذی رو عین سے تھے' نسب نامہ یہ ہے- کعب بن مانع بن ہدیوع بن قیس بن معن بن حشم بن عبد شمس بن وائل بن عوف بن جمہر بن عوف بن زہیر بن ایمن بن حمیر بن سبا حمیری-

اسلام اور ورود مدینہ:

کعب مشہور تابعی ہیں- قبول اسلام سے پہلے وہ یہود کے جید علماء میں تھے- عہد رسالت میں موجود تھے- بروایت صحیح اس زمانہ میں اسلام کی سعادت سے محروم رہے- ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی عہد میں مشرف باسلام ہو گئے تھے بروایت کعب شاطبی کا بیان ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب یمن آئے تو میں نے ان کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کے اوصاف پوچھے انہوں نے بتائے۔ میں سن کر مسکرایا- علیؓ نے مجھ سے مسکرانے کا سبب پوچھا میں نے کہا ہمارے یہاں (نبی آخر الزماں کی) جو علامات بتائی گئی ہیں (رسول اللہ ﷺ) کے ساتھ اس کی مطابقت پر مسکرایا۔ یہ سننے کے بعد مسلمان ہو گیا- اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے لگا- لیکن قیام یمن ہی میں رہا- عمرؓ کے عہد میں ہجرت کر کے مدینہ گیا- کاش میں نے اس سے پہلے ہجرت کی ہوتی[1] ایک روایت یہ ہے کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اسلام کے شرف سے مشرف ہوئے[2]

لیکن یہ دونوں روایتیں نہایت کمزور ہیں- اس باب میں صحیح ترین روایت وہ ہے جو ابن سعد میں کعب کے حلیف حضرت عباسؓ سے مروی ہے' جس سے خود کعب کی

---

[1] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۲- [2] ایضاً-

marfat.com

زبان سے عہد فاروقی میں ان کا اسلام لانا ثابت ہوتا ہے۔ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ عباسؓ نے کعب کے اسلام کے بعد ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں قبول اسلام سے تمہارے لیے کیا چیز مانع تھی کہ اب عمرؓ کے زمانہ میں اسلام لائے انہوں نے جواب دیا میرے والد نے تو مجھ کو تورات سے ایک تحریر لکھ کر دی تھی اور ہدایت کر دی تھی کہ اس پر عمل کرنا اور اپنی جملہ مذہبی کتابوں پر مہر لگا کر حق ابوت کا واسطہ دلا کر مجھ سے وعدہ لیا تاکہ مہر کو کبھی نہ توڑنا۔ اس لیے میں ان کو نہیں توڑا۔ اور والد جو تحریر دے گئے تھے اس کے مطابق عمل کرتا رہا۔

جب اسلام کی اشاعت اور اس کا غلبہ ہونے لگا اور کسی قسم کا خوف باقی نہ رہ گیا اس وقت میں نے دل میں خیال کیا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے والد نے کچھ علم چھپایا ہے مجھے ان کی کتابوں کو کھول کر دیکھنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے مہر توڑ کر کتابیں پڑھیں تو ان میں (محمد ﷺ) اور ان کی امت کے اوصاف نظر آئے اس وقت مجھ پر اصل حقیقت روشن ہوئی اس لیے اب آ کر میں مسلمان ہوا۔[1] قبول اسلام کے بعد وہ آنحضرت ﷺ کے چچا عباسؓ کے حلیف بن گئے تھے۔

فضل وکمال:

کعب یہود کے بڑے ممتاز اور نامور علماء میں تھے۔ یہودی مذہب کے متعلق ان کی معلومات نہایت وسیع تھیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف اور اہل کتاب کے علماء کبار میں تھے۔[2] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے وفور علم اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ اپنی وسعت علم کی وجہ سے ''کعب الاحبار'' اور ''کعب الحبر'' کہے جاتے تھے۔ ان کے مناقب بکثرت ہیں اور ان کے اقوال وحکم بہت مشہور ہیں۔[3] اکابر صحابہ ان کی وسعت نظر کے معترف تھے، حضرت ابودرداء انصاری جن کا حمص میں کعب کا بڑا ساتھ رہا تھا فرماتے

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۵۶۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۵۔

[3] تہذیب الاسماء ج اول ص ۹۔

marfat.com

تھے کہ ابن حمیریہ کے پاس بڑا علم ہے[1] امیر معاویہ کہتے تھے کہ ابودرداء حکماء میں ہیں اور کعب علماء میں ان کے پاس سمندر جیسا بے تھاہ علم تھا[2]

کتاب وسنت میں انہوں نے حضرت عمر ؓ، حضرت صہیب ؓ اور حضرت عائشہ ؓ سے استفادہ کیا تھا- اور اسرائیلیات میں صحابہ میں ابوہریرہ ؓ، معاویہ ؓ، ابن عباس ؓ، اور تابعین میں مالک بن ابی عامر اصبحیؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، عبداللہ بن رباح انصاریؒ، عبداللہ بن حمزہ سلولیؒ، صائغؒ، عبدالرحمٰن بن شعیبؒ ایک کثیر جماعت ان سے فیض یاب ہوئی تھی[3]

علم وعلماء اور زوال علم:

ایک مرتبہ عبداللہ بن سلام ؓ نے ان سے پوچھا کہ کعب علماء کون لوگ ہیں؟ جواب دیا جو علم جانتے ہیں- ابن سلام ؓ نے پوچھا کون سی شے علماء کے دلوں سے علم زائل کردے گی- فرمایا طمع حرص اور لوگوں کے سامنے اپنی حاجت پیش کرنا- عبداللہ بن سلام ؓ نے کہا تم نے سچ کہا[5]

شام کا قیام:

کعب کا آبائی مذہب یہودی تھا- اس لیے پہلے سے ان کو ارض شام کے ساتھ دلی لگاؤ تھا' اسلام کے نزدیک بھی یہ سرزمین مقدس ومحترم ہے- اس لیے چند دنوں مدینہ میں قیام کرنے کے بعد شام چلے گئے تھے' اور حمص میں سکونت اختیار کرلی تھی[6]

مواعظ:

شام کے زمانہ قیام میں ان کا مشغلہ زیادہ تر اسرائیلی قصص کے مواعظ تھے- ایک مرتبہ عوف بن مالک نے دوران وعظ میں ان سے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ امیر مامور اور مکلف کے علاوہ لوگوں کے سامنے اور کسی کو مواعظ وقصص نہ

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۵۶- [2] اصابہ ج ۵ ص ۳۲۳- [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۵-
[4] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۴۳۸- [5] اصابہ ص ۳۲۴- [6] ابن سعد ج ۷ ق ۱۵۶-

marfat.com

بیان کرنے چاہئیں' یہ سن کر کعب نے وعظ چھوڑ دیا- لیکن پھر امیر کے حکم سے کہنے لگے[1]

اسلامی روایات میں اسرائیلیات کا شمول:

کعب کی علمی جلالت میں کوئی شک نہیں' وہ یہودی مذہب کے بڑے نامور عالم تھے- لیکن خود یہودیوں کا سرمایہ علم زیادہ تر قصص و حکایات تھیں- اس لیے کعب کا سرمایۂ معلومات بھی اسی پر مشتمل تھا' اس سے ایک نقصان یہ ہوا کہ بہت سی بے سروپا اسرائیلی روایات اسلامی لٹریچر میں بھی سرایت کر گئیں' اسی بناء پر بعض ائمہ کعب کی روایات ساقط الاعتبار سمجھتے ہیں-

وفات:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ۳۲ھ میں شام میں وفات پائی[2]

---

۱ اصابہ ج ۵ ص ۳۲۳-

۲ ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۵۶-

marfat.com

۵۹- کعب بن ثور رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

کعب نام' نسب نامہ یہ ہے- کعب بن سور بن بکر بن عبد بن ثعلبہ بن سلیم ابن ذہل بن لقیط بن حارث بن مالک بن فہیم بن غنم بن اوس بن عدنان بن عبداللہ ابن زہران بن کعب بن عبداللہ بن مالک بن نصر-

قضاءت بصرہ:

کعب سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے- اس لیے ارباب رجال نے ان کے حالات نہیں لکھے ہیں- لیکن وہ ایک ممتاز تابعی ہیں' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہم صحبت و ہم جلیس اور نہایت ذہین اور طباع تھے' ان کی ذہانت اور طباعی کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو عہدۂ قضاء پر مامور کیا تھا-

ان کے تقرر کا واقعہ یہ ہے کہ کعب ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک عورت آپ کے پاس حاضر ہوئی اور کہا کہ میں آپ کے پاس دنیا کے ایک بہترین آدمی کی شکایت لے کر حاضر ہوئی ہوں- کوئی آدمی عمل میں اس پر سبقت نہیں لے جا سکتا- اور اس کے جیسا عمل نہیں کر سکتا' وہ قیام لیل میں صبح کر دیتا ہے- روزے میں سارا دن گزار دیتا ہے- اتنا کہنے کے بعد اس عورت کو شرم دامن گیر ہوئی' اور اس کے آگے وہ اس کے سوا اور کچھ نہ کہہ سکی کہ امیر المومنین مجھے معاف فرمائیے-

آپ نے فرمایا خدا تم کو جزائے خیر دے- تم نے اچھی تعریف کی' میں نے تم کو معاف کیا اس کے بعد وہ عورت چلی گئی' اس کے واپس جانے کے بعد کعب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المومنین اس عورت نے آپ کے سامنے نہایت بلیغ پیرایہ میں شکایت پیش کی ہے' فرمایا کیسی شکایت' کعب نے کہا اپنے شوہر کی (یعنی وہ رات دن

marfat.com

عبادت میں مشغول رہتا ہے) اور اس کی طرف ملتفت نہیں ہوتا' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورت کو بلوا کر کعب سے کہا تم دونوں کا فیصلہ کر دو' کعب نے عرض کیا آپ کی موجودگی میں میں فیصلہ کروں؟ فرمایا' جس چیز کو تم نے سمجھ لیا میں نہ سمجھ سکا' اس کا فیصلہ بھی تم ہی کو کرنا چاہیے- چنانچہ کعب نے کلام پاک کی یہ آیت:

﴿ فانکحوا ماطاب لکم من النساء ﴾

''تم کو جو عورتیں پسند ہوں ان سے نکاح کر دو' تین اور چار تک''-

اس استدلال پر کہ جب قرآن میں چار بیویوں کی اجازت ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر چار شبانہ یوم میں ایک شبانہ یوم بیوی کا حق ہوا تو تنہا ایک بیوی کا کم سے کم یہی حق ہوگا' اس عورت کے شوہر کو تین دن روزہ رکھنے اور ایک دن بیوی کے لیے افطار کرنے' اور تین رات عبادت کرنے اور ایک رات بیوی کے پاس رہنے کا حکم دیا-

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ استدلال سن کر بہت مسرور ہوئے' اور فرمایا کہ یہ (استدلال) میرے لیے پہلے (ذہانت) سے بھی زیادہ تعجب انگیز ہے- چنانچہ اسی وقت ان کو بصرہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا[1]

فتنہ سے اجتناب:

کعب بصرہ جانے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اختلافات رونما ہوئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کی تیاری کے لیے طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ آئیں' تو کعب اس خانہ جنگی سے اپنے کو محفوظ رکھنے کے لیے ایک گھر میں خلوت نشین ہو گئے اور کھانے پینے کا سامان لینے کے لیے اس میں ایک سوراخ بنا لیا' لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ اگر کعب آپ کے ساتھ ہو جائیں تو پورا

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۶۵-

marfat.com

قبیلہ ازد آپ کے ساتھ ہو جائے گا - یہ سن کر آپ کعب کے پاس تشریف لے گئیں، اور باہر سے پکار کر کعب سے گفتگو کرنی چاہی، انہوں نے کوئی جواب نہ دیا آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کعب کیا میں تمہاری ماں نہیں ہوں اور تم پر میرا حق نہیں ہے یہ سن کر کعب جواب دینے پر مجبور ہو گئے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کی، انہوں نے فرمایا میں چاہتی ہوں کہ تم لوگوں کر سمجھا کر اصلاح کی کوشش کرو، اس حکم کی تعمیل میں کعب کو کیا عذر ہو سکتا تھا، چنانچہ وہ قرآن لے کر لوگوں کو سمجھانے کے لیے نکلے، اور جب دونوں فوجیں بالمقابل ہوئیں تو صفوں کے درمیان گھس کر قرآن کھول کر فریقین کو سمجھاتے تھے اور قرآن کی طرف بلاتے تھے-

شہادت:

لیکن یہ معاملہ افہام و تفہیم کی حدود سے بہت آگے بڑھ چکا تھا، اس لیے ان کی کوششیں بیکار ثابت ہوئیں، اور جنگ شروع ہوگئی، اور یہ اپنا فرض ادا کرتے ہوئی کسی شقی کے تیر سے ہلاک ہو گئے[1]

فضائل و اخلاق:

ان کے حالات کتابوں میں بہت کم ہیں، صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑے نیک سیرت اور نیکوکار لوگوں میں تھے، علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ خیر اور صلاح میں مشہور تھے[2]

---

[1] ابن سعد جلد ۷ ق اول صفحہ ۶۵ و صفحہ ۶۲-

[2] ایضاً صفحہ ۶۶-

marfat.com

۶۰- مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

مجاہد نام' ابوالحجاج کنیت' قیس بن مخزومی کے غلام تھے۔

فضل وکمال:

اگرچہ مجاہد غلام تھے' لیکن اقلیم علم کے تاجدار تھے' علمی اعتبار سے وہ امام وقت تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان فقیھا عالما ثقة کثیر الحدیث'' حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ وہ علم کا ظرف تھے[1] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے[2] ان کو تفسیر' حدیث اور فقہ جملہ علوم میں درجۂ امامت حاصل تھا۔

قراءت وتفسیر:

قرأت اور تفسیر کے اس عہد کے نہایت نامور عالم تھے' تفسیر انہوں نے حبر الامۃ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حاصل کی تھی' اور پورے تیس مرتبہ ان سے قرآن کا دور کیا تھا۔[3] اور اس محنت اور تحقیق کے ساتھ ہر ایک سورہ پر رک کر اس کے شان نزول اور اس جملہ کے متعلقات پوچھتے جاتے تھے۔[4] اس محنت اور ابن عباسؓ جیسے مفسر قرآن کی تعلیم نے ان کو بہت بڑا مفسر بنا دیا۔ خصیف کا بیان ہے کہ مجاہد تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے[5] قتادہ کہتے تھے کہ اس وقت کے باقیات صالحات میں مجاہد تفسیر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ قرآن کے قاری بھی تھے۔[6]

حدیث:

حدیث کے بھی وہ نہایت مشہور حافظ تھے' امام ذہبی ان کو مفسر اور حافظ حدیث ابن سعد کثیر الحدیث اور امام نووی امام حدیث لکھتے ہیں'[7] حبرالامۃ عبداللہ بن عمرؓ ان

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۸۳۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۳۴۳۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳۔ [5] تہذیب الاسماء ج ا ق ۲ ص ۸۳۔ [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰۔
[7] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴

marfat.com

کے حفظ کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے کہ کاش نافع کا حفظ بھی تمہاری طرح ہوتا[1]

اکابر صحابہ میں انہوں نے حضرت علیؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، رافع بن خدیجؓ، عائشہ صدیقہؓ، جوریہ بنت حارثؓ، ام ہانی اور تابعین میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، طاؤسؒ، عبداللہ بن سائبؒ، عبداللہ بن سخبرہؒ، عبدالرحمٰن بن صفوانؒ، عمر بن اسودؒ، مورق العجلیؒ، ابوعیاش الزرقی اور ابوعبیدہ ابن عبداللہ بن مسعودؒ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا[2]

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصہ وسیع تھا۔ ایوب سختیانی، عطاء عکرمہ بن عون، عمرو بن دینار، ابواسحاق سبیعی، ابوالزبیر مکی، قتادہ، حبیب بن ابی ثابت، حسن بن عمرو، سلمہ بن کہیل، سلیمان الاحول، سلیمان الاعمش، مسلم البطین، طلحہ بن مصرف اور عبداللہ بن کثیر قاری وغیرہ لائق ذکر ہیں[3]

فقہ:

فقہ میں انہیں امامت و اجتہاد کا درجہ حاصل تھا،[4] حافظ ذہبی، ابن حجر اور امام نووی سب ان کے تفقہ پر متفق البیان ہیں۔ ان کے فقہی کمال کے لیے یہ سند کافی ہے کہ مخزن علوم مکہ کی جماعت افتاء کے ایک معزز رکن تھے[5]

اخلاص فی العلم:

علم کا مقصد کسی نہ کسی دنیاوی منفعت سے کم خالی ہوتا ہے لیکن مجاہد کا دامن ان تمام آمیزشوں سے بالکل پاک تھا۔ سلمہ بن کہیل کا بیان ہے کہ عطاء، طاؤس اور مجاہد کے علاوہ میں نے کسی کو نہیں پایا، جس کا مقصد علم سے خالصۃً لوجہ اللہ رہا ہو[6]

زہد و ورع:

علم کے ساتھ ان میں زہد و ورع بھی اسی درجہ کا تھا، ابن حبان لکھتے ہیں کہ مجاہد

---

1 دیکھئے کتب مذکور حالات مجاہد۔ 2 شذرات الذہب جلد اول ص ۱۲۵۔
3 تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۲ 4 تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۸۳۔
5 اعلام الموقعین ج اول ص ۲۶۔ 6 تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳۔

marfat.com

فقیہ متورع اور عابد و زاہد تھے[1]

دنیا سے بے تعلقی:

وہ دنیا سے ہمیشہ بے تعلق اور بے گانہ رہے۔ اس سے ان کا دل اس قدر برداشتہ تھا کہ کسی دنیاوی چیز سے دلچسپی نہ لیتے تھے۔ ہمیشہ مغموم رہا کرتے۔ اعمش کا بیان ہے کہ مجاہد کو جب ہم دیکھتے مغموم پاتے' ان سے کسی نے اس کا سبب پوچھا' جواب دیا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ عبداللہ دنیا میں اس طرح رہو کہ معلوم ہو کہ مسافر ہو یا راہ رو ہو[2]

سادگی:

ظاہری زیب و زینت سے اتنے بے پرواہ تھے کہ ان میں اور ادنیٰ درجہ کے آدمیوں میں امتیاز مشکل تھا۔ اعمش کا بیان ہے کہ جب میں مجاہد کو دیکھتا تھا تو (ان کی ظاہر حالت سے) ان کو نہایت حقیر سمجھتا تھا' وہ اپنی ظاہری وضع سے سائیس معلوم ہوتے تھے جس کا گدھا گم ہو گیا ہو اور وہ حالت پریشانی میں اس کو تلاش کر رہا ہو[3] لیکن اس سے ان کی علمی عزت میں کوئی فرق نہ آتا تھا۔ جب بولتے تھے تو منہ سے موتی ٹپکتے تھے[4] بڑے بڑے صحابہ ان کی عزت و وقعت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے بزرگ ان کی سواری کی رکاب تھام لیتے تھے۔[5]

سیر و سیاحت:

مجاہد کو سیر و سیاحت اور عجائبات عالم دیکھنے کا بہت شوق تھا' انہوں نے آس پاس کے تمام عجائبات دیکھے تھے[6]

وفات:

سنہ وفات کے بارے میں روایات مختلف ہیں' باختلاف روایت ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں وفات پائی۔ عین سجدہ کی حالت میں سفر آخرت کیا' وفات کے وقت ستر اسی سال کی عمر تھی[7]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۴۔ [2] شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۵۔ [3] شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۵۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰۔ [5] ایضاً۔ [6] ایضاً۔ [7] ایضاً۔

marfat.com

۶۱- محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

محمد نام' ابوعبداللہ کنیت' والد کا نام اسحاق تھا- ان کے دادا یسار عین التمر کے قیدیوں میں تھے اور غالبًا اسی تعلق سے ابن اسحاق بھی غلامی کے سلسلہ میں منسلک تھے- چنانچہ وہ قیس بن مخرمہ بن مطلب بن عبدمناف کے غلام تھے-

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے ابن اسحاق ممتاز تابعین میں تھے خصوصاً فن مغازی اور سیرت کے امام تھے-

حدیث میں ان کا پایہ:

حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے' اگرچہ امام مالک اور بعض دوسرے علماء نے ان پر جرح کی ہے- لیکن ایک دو کے علاوہ اور باقی تمام ائمہ اور ارباب کمال کا ان کے حفظ پر اتفاق ہے-[۱] ابوزرعہ عبدالرحمٰن بن عمرو النصری روایت کرتے ہیں کہ محمد بن اسحاق ایسے شخص ہیں جن سے اخذ حدیث میں تمام بڑے بڑے اہل علم سفیان ثوری' شعبہ' ابن عیینہ' حماد بن زید حماد بن سلمہ' ابن مبارک اور ابراہیم بن سعد وغیرہ کا اتفاق ہے- اکابر میں یزید بن ابی حبیب نے ان سے روایت کی ہے- اہل حدیث نے ان کا امتحان لیا تو انہیں سچا اور خیر پایا[۲]

علماء کا اعتراف:

شعبہ ان کو''امیر المومنین فی الحدیث''اور''امیر المحدثین'' کہتے تھے' لوگوں نے پوچھا کیوں؟ جواب دیا ان کے حفظ کی وجہ سے[۳] یزید بن ہارون کہتے ہیں کہ میرے

---

۱ تاریخ خطیب بغدادی ج اول ص۲۲۴- ۲ ایضاً ص ۲۲۸- ۳ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۵۶-

marfat.com

ہاتھوں میں حکومت ہوتی تو محمد بن اسحاق کو محدثین کا سردار بناتا' ابو معاویہ انہیں احفظ الناس اور یحییٰ بن معین انہیں ثقہ اور "حسن الحدیث" کہتے تھے۔[1] علی بن مدائنی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث کا مدار چھ شخصیتوں پر تھا' پھر ان چھ آدمیوں کا علم بارہ میں منتقل ہو گیا تھا۔ ان میں ایک ابن اسحاق تھے۔[2]

امام زہری کا طرز عمل:

خود ان کے استاد امام زہری کو ان کے اس علم پر اس قدر اعتماد تھا کہ فرماتے تھے' جب تک محمد بن اسحاق موجود ہیں اس وقت تک اہل مدینہ میں علم رہے گا[3] چنانچہ جب وہ مدینہ کے باہر جاتے تھے' تو ان کو اپنا قائم مقام بنا جاتے تھے' ایک مرتبہ باہر جا رہے تھے' بعض شائقین علم نے بھی ساتھ جانا چاہا' زہری نے ان سے کہا احول غلام (ابن اسحاق) کو تم میں چھوڑے جاتا ہوں[4] ان کی جانشینی زہری کے تلامذہ میں مسلم تھی۔ چنانچہ ان کے بعد وہ لوگ ان کی روایات کی تصدیق کے لیے ابن اسحٰق کی طرف رجوع کرتے تھے۔[5]

زہری انہیں اس قدر مانتے تھے کہ دربانوں کو خاص ہدایت دے رکھی تھی کہ ابن اسحاق جس وقت بھی آئیں انہیں آنے دیا جائے' ایک مرتبہ ابن اسحاق نے آنے میں معمول سے دیر کی۔ زہری نے پوچھا کہاں تھے؟ انہوں نے کہا حاجیوں اور دربانوں کی وجہ سے کوئی شخص آپ تک پہنچ بھی سکتا ہے' زہری نے اسی وقت دربان کو بلا کر حکم دیا کہ ابن اسحاق جس وقت بھی آئیں' انہیں روکا نہ جائے۔[6]

مالک اور ہشام کی جرح اور اس کے اسباب:

ان محامد اور کمالات کے ساتھ ابن اسحاق پر امام مالک اور ہشام کی جرح بھی ملتی ہے۔ خصوصاً امام مالک کی رائے ان کے بارے میں زیادہ سخت تھی اور وہ ان کے متعلق نا ملائم الفاظ تک استعمال کر جاتے تھے۔

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی ج اول ص ۲۱۸ و ص ۲۴۔ [2] ایضاً ص ۲۱۹۔ [3] ایضاً۔

[4] ابن خلکان جلد اول ص ۴۸۴۔ [5] ایضاً ص ۴۸۴۔ [6] تاریخ بغدادی ج اول ص ۲۱۹۔

marfat.com

ہشام بھی انہیں لائق اعتماد نہ سمجھتے تھیں لیکن محدثین نے خود ان دونوں کی جرح کے اسباب بیان کر دیئے ہیں' اس کی تفصیل یہ ہے کہ امام مالک اتنے متشدد تھے' اور ان کا معیار اتنا بلند تھا کہ اگر کسی میں ادنیٰ خامی ہوتی تھی' تو وہ اس کے متعلق سخت الفاظ استعمال کرنے میں دریغ نہ کرتے تھے- خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ بعض علماء کا بیان ہے کہ امام مالک کے ہم عصر علماء نے ان لوگوں پر جو صلاح' تقویٰ دینداری' ثقاہت اور امامت میں مشہور تھے امام مالک کی درشتی زبان پر نکتہ چینی کی ہے[1] دوسری وجہ یہ تھی کہ ابن اسحاق خود امام مالک پر طعن کیا کرتے تھے' اور لوگوں سے کہتے تھے کہ'' مالک کی حدیثیں مجھے سنایا کرو میں ان کے امراض کا طبیب ہوں[2] ایسی حالت میں اگر امام مالک نے ان کے متعلق درشت الفاظ استعمال کیے تو اس سے ابن اسحاق کی ثقاہت مجروح نہیں ہوسکتی-

تیسرا سبب یہ ہے کہ ابن اسحاق غزوات کی روایات قبول کرنے میں محتاط تھے اس لیے امام مالک ان کے مغازی پر طعن کرتے تھے' ان کی احادیث کو اس جرح سے کوئی تعلق نہ تھا- ابن حبان لکھتے ہیں کہ مالک نے صرف ایک مرتبہ محمد بن اسحاق کے بارے میں کہا تھا' پھر ان کے رتبہ کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے تھے' امام مالک ان کی احادیث کی وجہ سے نہیں' بلکہ مغازی کی وجہ سے ان پر جرح کرتے تھے- کیونکہ ابن اسحٰق غزوۂ خیبر وغیرہ کے حالات یہودیوں کی نومسلم اولادوں سے سنتے تھے' جن کو وہ اپنے بزرگوں سے سن کر بیان کرتے تھے' گو ابن اسحٰق ان بیانات سے حجت نہیں لاتے تھے' لیکن امام مالک متقن کے علاوہ کسی دوسرے سے روایت لینا جائز ہی نہ سمجھتے تھے-[3]

بعض علماء کا بیان ہے کہ مالک کی جرح مغازی کی بنا پر بھی نہ تھی بلکہ بعض عقائد کی بنا پر تھی- عبدالرحمٰن بن عمرو النصری کا بیان ہے کہ میں نے دحیم کے سامنے ابن اسحٰق کے بارے میں مالک کی جرح کا تذکرہ کیا تو انہوں نے کہا' یہ احادیث کی وجہ سے نہ تھی'

---

1 تاریخ خطیب بغدادی ج اول ص ۲۲۳- 2 ابن خلکان ج اول ص ۴۸۳-
3 تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۵-

marfat.com

بلکہ اس لیے تھی کہ امام مالک انہیں قدر کے عقیدے سے متہم سمجھتے تھے[1]

ہر حال ان تمام روایات سے اتنا معلوم ہوگیا کہ امام مالک کی جرح کا سبب ابن اسحٰق کی بے اعتباری اور ان کا ضعف نہ تھا بلکہ اس کے اسباب دوسرے تھے۔ اس لیے اس جرح سے ان کی مرویہ احادیث پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا' اسی لیے امام مالک کے علاوہ اور ائمہ اور علما ان کی روایات قبول کرتے تھے' خود امام احمد بن حنبل جو عقیدہ کے تشدد میں امام مالک سے کم نہ تھے۔ ابن اسحٰق کی روایات قبول کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ نے ایک شخص کے جواب میں جس نے ابن اسحٰق کے بارے میں ان سے پوچھا تھا کہ میرے والد ان کی روایات جانچ کر قبول کرتے تھے اور مسند میں لیتے تھے۔ لیکن سنن میں ان سے احتجاج نہیں کرتے تھے[2]

امام مالک کے بعد ابن اسحٰق پر جرح کرنے والوں میں دوسرا نام ابن ہشام کا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ ہشام ان کو محض اس لیے لائق اعتماد نہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے ان کی بیوی فاطمہ بنت منذر سے بعض روایتیں کی ہیں۔ ہشام کہتے تھے کہ انہوں نے میری بیوی سے جو پردہ نشین خاتون تھیں اور جن پر نو سال کی عمر سے موت تک کسی مرد کی نظر نہیں پڑی' کیسے احادیث سنیں لیکن جیسا کہ بعض محدثین نے لکھا ہے کہ محض اس دلیل پر ابن اسحاق کی روایات کو غلط کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ پردہ کی آڑ سے سن سکتے تھے۔

ابن حبان لکھتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کے بارے میں ہشام اور مالک دو آدمیوں نے کلام کیا ہے۔ لیکن ہشام کے قول سے کوئی انسان بھی مجروح نہیں ہوسکتا۔ تابعین بغیر چہرے پر نظر ڈالے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا کرتے تھے اسی طریقہ سے ابن اسحاق نے فاطمہ سے سنا ہوگا اور درمیان میں پردہ حائل رہا ہوگا[3]

شیوخ:

ابن اسحاق خاص شاگرد تو امام زہری کے تھے' لیکن ان کے علاوہ بھی انہوں نے

---

[1] تاریخ خطیب بغدادی ج اول ص ۲۲۴۔ [2] ایضاً ص ۲۳۰۔ [3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۵۔

marfat.com

بہت سے شیوخ سے استفادہ کیا تھا' چنانچہ ان کے شیوخ میں عبیداللہ بن عبداللہ بن عمرو بن کعب ابن مالک' محمد بن ابراہیم تیمی' قاسم بن محمد بن ابی بکر' محمد بن جعفر بن زبیر' عاصم بن عمرو بن قتادہ' عباس بن سہل بن سعد' ابن منکدر' مکحول' ابراہیم بن عقبہ' حمید الطویل' سالم بن ابی النضر' سعید مقری' سعید بن ابی ہند' ابی الزناد' عبدالرحمٰن بن اسود نخعی' عطاء بن ابی رباح' عکرمہ ابن خالد' علاء بن عبدالرحمٰن وغیرہ جیسے اکابر علماء تھے[1]

تلامذہ:

خود ابن اسحاق سے فیض اٹھانے والوں کی فہرست نہایت طویل ہے- ان میں بعض ممتاز تلامذہ کے نام یہ ہیں' جریر بن حازم' عبداللہ بن سعید' ابن عون' ابراہیم بن سعد' شعبہ' سفیان' زہیر بن معاویہ' ابن ادریس' ابوعوانہ' عبدالاعلیٰ' عبدہ بن سلیمان' جریر بن عبدالحمید اور زیاد البکائی وغیرہ[2]

سیرت ومغازی:

ابن اسحاق کا اصل فن مغازی وسیرت تھا- اس کے وہ امام تھے- حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ مغازی اور سیرت کی معرفت میں حبر تھے-[3] امام شافعی کہتے تھے کہ جو شخص مغازی میں تبحر حاصل کرنا چاہتا ہے وہ ابن اسحاق کا دست نگر ہے-[4] خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس علم کی طرف توجہ کی' اور اس کو اتنا آگے بڑھایا کہ ان کے بعد پھر کوئی اس پر اضافہ نہ کر سکا' اور سلاطین اور امراء کی توجہ بے نتیجہ اور لایعنی قصص وحکایات سے تاریخ کی طرف پھیر دی اس طرح انہوں نے سب سے پہلے تاریخ کا مذاق پیدا کیا-

ابن عدی کا بیان ہے کہ اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اسحاق میں اور کوئی فضیلت نہ ہوتی کہ انہوں نے سلاطین کا مذاق بدل کر ان کی توجہ اور مشغولیت لاحاصل کتابوں سے رسول اللہ ﷺ کے مغازی آپ کی سنت اور آغاز عالم کی تاریخ کی جانب

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۸ - [2] ایضاً ص ۳۹ - [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۵۶-
[4] تاریخ خطیب ج اول ص ۲۱۹ -

marfat.com

پھیر دی تو تنہا یہی کارنامہ اور اوّلیت کا یہ فخر ہی ان کی فضیلت کے لیے کافی تھا - ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر کتابیں لکھیں لیکن کوئی ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا-[1] خود امام زہری جن سے انہوں نے اس فن کو حاصل کیا اس میں ان کی وسعت علم کے معترف تھے-[2]

تاریخ:

اگرچہ مغازی اور سیرت تاریخ ہی کی ایک شاخ ہے-لیکن اس کے علاوہ ابن اسحاق تاریخ عالم کے بھی عالم تھے' خطیب لکھتے ہیں کہ وہ سیرت' مغازی' ایام ناس' آغاز خلق اور قصص انبیاء کے عالم تھے-[3]

تصانیف:

انہوں نے تاریخ اور سیرت پر متعدد مستقل تصنیف کی تھیں' ابن ندیم لکھتے ہیں:

"**ولہ من الکتب کتاب الخلفاء رواہ عنہ الامری کتاب السیرۃ والمبتداء والمغازی**"[4]

ان کی سب سے مشہور اور قدیم ترین کتاب سیرت ابن اسحاق ہے' یہ کتاب صدیوں سے ناپید ہوگئی ہے' لیکن اس لحاظ سے اس کی روایات اب تک محفوظ ہیں کہ ابن ہشام کی سیرت کا سب سے بڑا ماخذ یہی ہے' اس لیے اس کی تمام روایتیں اس میں محفوظ ہوگئی ہیں-موجودہ سیرت ابن ہشام درحقیقت ابن اسحاق کی سیرت کا مثنیٰ ہے-

ابن اسحاق نے یہ کتاب خلیفہ مہدی عباسی کے کسی لڑکے کے لیے لکھی تھی' اس کی تالیف کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ وہ مہدی کے دربار میں گئے' اس وقت مہدی کا لڑکا بھی موجود تھا-مہدی نے ابن اسحاق سے پوچھا اس کو جانتے ہو' انہوں نے کہا امیر المومنین کے صاحبزادے ہیں' مہدی نے فرمائش کی کہ ان کے لیے ایک ایسی کتاب لکھو جس میں

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴- [2] تاریخ خطیب ج اول ص ۲۱۹-
[3] ایضاً ص ۲۵- [4] فہرست ابن ندیم ص ۱۳۶ طبع مصر-

marfat.com

خلق آدم سے لے کر اس وقت تک کے حالات ہوں' اس حکم کے مطابق انہوں نے کتاب لکھ کر پیش کی' مہدی نے دیکھ کر کہا یہ کتاب تو بہت طویل ہے' اس کو مختصر کرو' چنانچہ انہوں نے دوبارہ اس کو مختصر کیا' اور پہلی کتاب مہدی کے کتاب خانہ میں رکھ دی[1]

عقیدہ قدر:

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق قدری تھے' لیکن کچھ روایات اس کے خلاف بھی ہیں- محمد بن عبداللہ بن نمیر کا بیان ہے کہ ابن اسحاق قدر سے متہم کیے جاتے تھے' حالانکہ ان کو اس سے دور کا لگاؤ بھی نہ تھا[2]

وفات:

ابتداء میں وہ مدینہ میں رہتے تھے پھر یہاں کا قیام ترک کر کے کوفہ' جزیرہ اور رے وغیرہ مختلف مقامات میں پھرتے رہے- آخر میں بغداد چلے گئے تھے اور یہیں ۱۵۱ھ میں وفات پائی اور ہارون الرشید کی ماں خیزران کے قبرستان میں دفن ہوئے-[3]

---

[1] تاریخ خطیب ج اول ص ۲۲۱-

[2] تاریخ خطیب ج اول ص ۲۲۲-

[3] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۶۷-

marfat.com

۶۲-محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

محمد نام' ابوالقاسم کنیت' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند اور حضرت حسنین علیہما السلام کے سوتیلے بھائی تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد کئی شادیاں کیں' ان بیویوں میں ایک خاتون خولہ المعروف بہ حنفیہ تھیں' خولہ کے نسب کے بارے میں مورخین کے بیانات مختلف ہیں' بعض انہیں جنگ یمامہ کے قیدیوں میں لکھتے ہیں' بعض سندھی النسل بتاتے ہیں- بعض بنی حنفیہ کی لونڈی بتاتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بنی حنفیہ کی معزز خاتون تھیں' محمد انہی کے بطن سے پیدا ہوئے' خولہ کا نسب نامہ یہ ہے:

خولہ بنت قیس بن سلمہ بن ثعلبہ ابن یربوع بن ثعلبہ بن الاول بن حنفیہ بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل' محمد بن حنفیہ علم وتقویٰ کے اعتبار سے کبار تابعین میں تھے-

پیدائش:

عہد فاروقی کے اختتام کے دو سال پہلے پیدا ہوئے[1] اس لحاظ سے ان کی پیدائش ۲۱ھ کے آخر یا ۲۲ھ کے شروع میں ہوئی ہوگی-

جنگ جمل:

ان کے بچپن کے حالات پردۂ خفا میں ہیں- جنگ جمل سے ان کا پتہ چلتا ہے- شجاعت و بہادری پدر بزرگوار سے وراثۃً ملی تھی' اس لیے وہ بچپن ہی سے نہایت جری بہادر اور شجاع تھے' جنگ جمل میں جب کہ ان کی عمر مشکل سے پندرہ سولہ سال کی تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو فوج کا نشان مرحمت فرمایا تھا[2]

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۰- [2] اخبار الطوال ص ۱۵۶-

marfat.com

جنگ کے ابتدائی انتظامات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں آگے بڑھنے کا حکم دیا انہوں نے حکم کی تعمیل کی اور بے محابا علم لے کر آگے بڑھے- اہل بصرہ نیزے اور تلواریں سنبھال کر ان کی طرف لپکے' ابھی وہ بالکل کمسن تھے' اس لیے زیادہ بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی - حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھوں سے علم لے کر خود حملہ کیا- دوسرے سرفروشوں نے بھی آپ کا ساتھ دیا' اور جنگ شروع ہوگئی- آغاز جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر محمد بن حنفیہ کو علم دے دیا-[1]

یہ واقعہ خود محمد بن حنفیہ کی زبانی بھی منقول ہے- ان کا بیان ہے کہ جنگ جمل میں ہماری فوجیں صف آرا ہوئیں تو والد نے علم مجھے مرحمت فرمایا' پھر جب دونوں فوجیں بالمقابل ہوئیں اور ایک دوسرے کی طرف بڑھیں اور والد نے مجھ میں پسپائی کے آثار دیکھے تو علم میرے ہاتھ سے لے کر جنگ شروع کر دی- میں نے بڑھ کر ایک بصری پر حملہ کیا- جب وہ زد پر آ گیا تو پکارا کہ میں علی بن ابی طالب کے مذہب پر ہوں- یہ سن کر میں رک گیا- ان لوگوں کے شکست کھانے کے بعد والد نے منادی کرا دی کہ کوئی شخص زخمیوں کو پامال نہ کرے' میدان چھوڑ دینے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے- اختتام جنگ کے بعد وہ گھوڑے اور اسلحہ جو دشمنوں نے جنگ میں استعمال کیے تھے والد نے بطور غنیمت کے تقسیم کر دیئے-

جنگ صفین:

جنگ جمل کے بعد ہی جنگ صفین کے مقدمات شروع ہو گئے تھے' محمد بن حنفیہ اس جنگ میں شروع سے آخر تک اپنے والد بزرگوار کے ساتھ رہے' چنانچہ صفین کے ابتدائی حالات ان سے اس طرح منقول ہیں کہ میرے والد' معاویہ اور اہل شام سے جنگ کا ارادہ کرتے تھے' اور جنگی علم تیار کر کے قسم کھاتے' کہ جب تک یہ میدان جنگ میں نہ آئے گا اس وقت تک اس کو نہ کھولوں گا- لیکن ان کے آدمی ان کی مخالفت کرتے تھے' ان

---

[1] اخبار الطوال ص ۱۵۸- [2] ابن سعد ج ۵ ص ۶۴-

marfat.com

کی رائیں مختلف ہوجاتی تھیں' اور وہ جنگ سے پہلو تہی کرنے لگتے' ان کی مخالفت دیکھ کر والد علم کو کھول دیتے اور قسم کا کفارہ ادا کرتے' اس طریقہ سے انہوں نے چار مرتبہ علم تیار کیا' اور چار مرتبہ کھولا - مجھے یہ بات پسند نہ آئی - میں نے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ والد سے کہتے نہیں کہ ان حالات میں وہ کہاں کا قصد کر رہے ہیں' خدا کی قسم مجھے ان لوگوں سے کسی فائدہ کی امید نظر نہیں آتی' مسور رضی اللہ عنہ نے کہا انہوں نے جس کام کا ارادہ کرلیا ہے وہ یقینی' اور طے شدہ ہے میں نے ان سے گفتگو کی تھی - وہ جانے کا تہیہ کر چکے ہیں[1]

بہر حال جب جنگ کسی طرح نہ ٹلی' اور حضرت علی رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنے کے لیے صفین روانہ ہوئے تو محمد بھی ان کے ہم رکاب تھے - اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ جمل کی طرح صفین میں بھی انہیں علم مرحمت فرمایا[2]

جنگ صفین کا سلسلہ مدتوں قائم رہا تھا - ابتداء میں تو عرصہ تک متحدہ اور فیصلہ کن جنگ کی بجائے فریقین کے ایک ایک دو دو دستے میدان میں اترتے تھے - ایک دن محمد بن حنفیہ ایک دستے کو لے کر نکلے' شامی فوج سے عبید اللہ بن عمران کے مقابلہ میں آئے اور محمد بن حنفیہ کو للکارا' انہوں نے کہا گھوڑے سے اترو' اس للکار پر دونوں گھوڑے سے اتر پڑے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو گھوڑا بڑھا کر ابن حنفیہ کے پاس پہنچے اور گھوڑا انہیں دے کر خود عبید اللہ کے مقابلہ کے لیے بڑھے' وہ انہیں دیکھ کر ہٹ گئے' اور کہا میں آپ سے نہیں بلکہ آپ کے لڑکے سے مقابلہ کرنا چاہتا تھا -

عبید اللہ کے چلے جانے کے بعد ابن حنفیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر آپ نے مجھے مقابلہ کرنے دیا ہوتا تو مجھے امید تھی کہ میں ان کو قتل کر دیتا - حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا امید تو مجھے بھی یہی تھی لیکن خطرہ سے خالی نہ تھا - مجھے خوف تھا کہ تمہاری جان کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے - اس کے بعد فریقین کے سوار دوپہر تک لڑتے رہے لیکن کوئی ایک دوسرے کو مغلوب نہ کرسکا[3]

---

[1] ابن سعد ج ٦ ص ٦٧ - [2] ایضاً ص ٦٨ - [3] ایضاً -

marfat.com

ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو شامیوں کے ایک دستہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ ان کے سینوں میں تیزے پیوست کرنے کے بعد ہاتھ روک لینا اور میرے دوسرے حکم کا انتظار کرنا' انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک اور دستہ ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ اس نے ابن حنفیہ کی قیادت میں شامی دستے کو مار کر اس کی جگہ سے ہٹا دیا[1]

جنگ صفین میں بہت سے نازک مواقع پر ابن حنفیہ اپنے والد بزرگوار کی حفاظت میں اپنے برادران محترم (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) کے دوش بدوش سینہ سپر ہوئے' چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہر طرف سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی اور تیر آپ کے کانوں اور شانے کے پاس سے اڑتے ہوئے گزر جاتے تھے' محمد بن حنفیہ اور حسنین ان تیروں کو اپنے جسم سے روکتے تھے[2]

ابن حنفیہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آخری وصیت:

جنگ صفین کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا حادثہ پیش آ گیا' دم آخر آپ نے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کو وصیتیں فرمائیں تو محمد بن حنفیہ سے ارشاد ہوا کہ میں نے تمہارے بھائیوں کو جو وصیتیں کی ہیں وہی تمہارے لیے بھی ہیں' میرے بعد تم دونوں بھائیوں کی جن کا تم پر بڑا حق ہے' پوری عظمت و توقیر کرنا۔ ان کے کاموں کو سنوارنا' ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہ کرنا۔ پھر حسنین رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ان کے (محمد بن حنفیہ) بارے میں میری یہ وصیت ہے کہ وہ تمہارے حقیقی بھائی کے برابر اور تمہارے باپ کے لڑکے ہیں' اس کو ہمیشہ یاد رکھنا کہ تمہارے باپ ان سے محبت کرتے تھے[3]

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی وصیت:

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے اس وصیت کو پورے طور پر ملحوظ رکھا اور کسی موقع پر بھی ابن حنفیہ کو نظر انداز نہ ہونے دیا' چنانچہ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وقت آخر ہوا تو

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۲۶۲۔ [2] اخبار الطوال صفحہ ۱۹۴۔ [3] ابن اثیر ج ۳ ص ۳۲۹۔

marfat.com

حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم کو تمہارے بھائی محمد کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں- وہ دونوں آنکھوں کے درمیانی چمڑے کی طرح عزیز ہیں- پھر محمد بن حنفیہ سے فرمایا کہ تم کو بھی یہ وصیت کرتا ہوں کہ ضرورت کے وقت حسین (رضی اللہ عنہ) کے گرد جمع ہو کر ان کی مدد کرنا[1]

یزید کے مطالبۂ بیعت پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مشورہ:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بعد محمد بن حنفیہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنا بڑا بھائی سمجھتے رہے' اور ان کی مشکلات میں ایک وفادار بھائی کی حیثیت سے ان کے مخلص و غمگسار رہے- امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد' جب یزید کے حکم پر ولید حاکم مدینہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بیعت کا مطالبہ کیا- اور اس کے رد و قبول کے بارے میں کشمکش میں مبتلا ہوئے- اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مدینہ چھوڑ دینا چاہا تو اس وقت محمد بن حنفیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ بھائی آپ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب و عزیز ہیں- دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کا میں آپ سے زیادہ خیر خواہ ہوں' میرا مشورہ ہے کہ اس موقع پر جہاں تک آپ سے ہو سکے یزید کی بیعت اور کسی خاص شہر میں جانے کے ارادہ سے بالکل الگ رہیے اور اپنے دعاۃ بھیج کر لوگوں کو اپنی خلافت کی دعوت دیجیے- اگر وہ بیعت کر لیں تو ہمارے لیے موجب شکر ہوگا اور اگر آپ کے علاوہ کسی اور شخص پر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے تو اس سے آپ کے مذہب اور آپ کی عقل میں کوئی کمی نہ آئے گی' اور آپ کے فضائل پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا' اور اگر آپ کسی متعین شہر اور متعین مقام پر جائیں گے تو مجھے ڈر ہے کہ وہاں کے لوگوں میں اختلاف ہو جائے گا- ان میں ایک جماعت تو آپ کا ساتھ دے گی لیکن ایک جماعت آپ کے خلاف ہو جائے گی' پھر یہ دونوں جماعتیں باہم لڑیں گی- اور درمیان میں آپ کی ذات ان کے نیزوں کا نشانہ بنے گی- اگر یہ صورت حال پیدا ہوگئی تو نسب اور ذاتی اوصاف کے اعتبار سے اس

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۳۵-

marfat.com

امت کا معزز اور بلند ترین شخص سب سے زیادہ ذلیل اور پست ہو جائے گا- اور اس کا خون سب سے زیادہ ارزاں ہوگا' یہ مشورہ سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر کہا جاؤں- ابن حنفیہ نے کہا مکہ جائیے' اگر وہاں آپ کو اطمینان سے بیٹھنے کا موقع مل جائے تو خود ہی کوئی سبیل نکل آئے گی' اور اگر حالات خلاف ہوئے تو ریگستان اور پہاڑی علاقوں میں نکل جائیے گا' اور جب تک ملک کوئی فیصلہ نہ کر لے[1] اس وقت تک برابر ایک شہر سے دوسرے شہر میں منتقل ہوتے رہیے اس دوران میں آپ کی کوئی نہ کوئی رائے قائم ہو جائے گی' اور آپ کسی نہ کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے- کیونکہ جب حالات کا سامنا ہو جاتا ہے' اس وقت آپ کی رائے نہایت صائب اور آپ کا عمل نہایت محتاط ہو جاتا ہے- یہ باتیں سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے بہت محبت آمیز نصیحت کی' مجھ کو امید ہے تمہاری رائے صائب ہوگی-[2]

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک حد تک ان کے مشورہ پر عمل بھی کیا- چنانچہ مدینہ سے مکہ چلے گئے- پھر کوفیوں کی پیہم دعوت پر چند دنوں کے بعد کوفہ روانہ ہو گئے- لیکن تقدیر الٰہی کچھ اور ہی تھی- اس لیے آپ کی شہادت کا حادثہ عظمیٰ پیش آ گیا- محمد بن حنفیہ اس حادثہ میں آپ کے ساتھ نہ تھے-

مختار بن ابی عبید ثقفی کا خروج اور ابن حنفیہ کی سرپرستی:

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بنی امیہ کے مقابلہ میں خلافت کا دعویٰ دائر کیا اور اس سلسلہ میں برسوں دونوں میں جنگ جاری رہی- عین اسی زمانہ میں بنی ثقیف کا ایک نہایت معمولی اور گمنام شخص مختار بن ابی عبید جو کسی وقت اموی عمال کے ہاتھوں سزایاب ہو چکا تھا' وجاہت دنیا کی طمع میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہو گیا' اور چند دنوں تک ان کے ساتھ رہا- لیکن جب اس کو یہاں امید پوری ہوتی ہوئی نظر نہ آئی' تو اس نے ان سے الگ ہو کر قسمت آزمائی کا ارادہ کیا-

---

[1] یعنی خلافت کا فیصلہ- [2] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۲-

marfat.com

لیکن اس کے جیسے فرومایہ شخص کے لیے بغیر کسی امداد و سہارے کے اپنے ارادہ میں کامیاب ہونا مشکل تھا - اس لیے اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خون بے گناہی کے انتقام کو آڑ بنایا' چونکہ یہ حادثہ ابھی تازہ تھا' مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت اس سے متاثر تھی' اس لیے بہت سے لوگ اس کے دام میں آ گئے' اس دعوت کے ساتھ ہی اس نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جانشین امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس نذرانہ بھیج کر ان سے سرپرستی کی درخواست کی کہ ''آپ ہمارے امام ہیں' ہم سے بیعت لے کر ہماری سرپرستی قبول فرمایئے'' لیکن امام موصوف اس کی حقیقت سے آگاہ تھے' اس لیے اس کے فریب میں نہ آئے - اور نہایت حقارت سے اس کی درخواست ٹھکرا دی اور مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں علی اعلان اس کے فسق و فجور کا پردہ چاک کر کے فرمایا کہ یہ شخص محض لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے اہل بیت کو آڑ بنانا چاہتا ہے' حقیقت میں اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے -

یہ وہ زمانہ تھا جب مطالبۂ بیعت کے سلسلہ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ اور محمد بن حنفیہ میں ناخوشگواری پیدا ہو چکی تھی' مختار نے اس سے فائدہ اٹھایا اور امام زین العابدین سے مایوس ہو کر ابن حنفیہ کے اس پہنچا - امام زین العابدین کو معلوم ہوا تو انہوں نے ان کو بھی روکا اور فرمایا کہ مختار اہل بیت کی محبت کا دعویٰ محض لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے کرتا ہے - حقیقت میں اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ ان کا دشمن ہے - میری طرح آپ کو بھی اس کا پردہ فاش کرنا چاہیے - محمد بن حنفیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا تذکرہ کیا - ان کو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی جانب سے بڑا خطرہ تھا - اس لیے انہوں نے ابن حنفیہ سے کہا کہ اس معاملہ میں تم زین العابدین کا کہنا نہ مانو[1]

محمد بن حنفیہ بھی مختار کو اچھا آدمی نہ سمجھتے تھے اور انہیں اس پر مطلق اعتماد نہ تھا لیکن محض ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں اس کی امداد و اعانت حاصل کرنے کے لیے (ابن زبیرؓ محمد بن حنفیہ کو اپنی بیعت کے لیے مجبور کر رہے تھے) اس کی سرپرستی قبول کر لی -

---

[1] مروج الذہب مسعودی ج ۲ ص ۴۷۹ و ۴۸۰ -

marfat.com

محبان اہل بیت کا اصل مرکز عراق تھا' اس لیے محمد بن حنفیہ کو سرپرست بنانے کے بعد مختار ان سے اجازت لے کر عراق روانہ ہوگیا' لیکن چونکہ ابن حنفیہ کو اس پر اعتماد نہ تھا اور وہ اس کے متعلق اچھی رائے نہ رکھتے تھے اس لیے انہوں نے اپنا ایک آدمی عبداللہ بن کامل ہمدانی اس کے ساتھ کر دیا' اور اس کو خفیہ ہدایت کر دی کہ مختار زیادہ لائق اعتماد نہیں ہے اس سے بچتے رہنا۔

اب تک ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو اس ساز باز کا علم نہ ہوا تھا اور وہ بدستور مختار کو اپنا خیر خواہ سمجھ رہے تھے۔ اس نے جا کر ان سے کہا کہ میرا قیام مکہ سے زیادہ آپ کے لیے عراق میں مفید ہوگا۔ اس لیے میں وہاں جاتا ہوں' ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے بخوشی اجازت دے دی اور مختار' عبداللہ بن کامل کے ساتھ عراق روانہ ہوگیا' مقام عذیب میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی۔ اس سے مختار نے پوچھا عراق میں لوگوں کا کیا حال ہے۔ اس نے کہا بغیر ملاح کے کشتی طرح جھکولے لے رہے ہیں' مختار نے کہا میں ان کا ملاح بنوں گا[1]

عراق میں ورود اور ابن حنفیہ کی دعوت:

محبان اہل بیت کی سب سے بڑی تعداد کوفہ میں تھی' اس لیے مختار سیدھا کوفہ پہنچا اور اپنے کو محمد بن حنفیہ کا داعی ظاہر کر کے ان کے زہد و ورع کی تبلیغ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی مذمت اور ان کی تشہیر شروع کر دی' کہ ابن زبیر درحقیقت محمد بن حنفیہ کے کارکن تھے' اور ابتداء میں وہ ان ہی کے لیے کوشش کرتے تھے' لیکن پھر خود اس پر غاصبانہ قابض ہوگئے' اس لیے ابن حنفیہ نے مجھے اپنا داعی بنا کر بھیجا ہے' ان کے دست و قلم کی لکھی ہوئی سند بھی میرے پاس موجود ہے۔

جن لوگوں پر اسے اعتماد ہوتا تھا' انہیں تحریر پڑھ کر سنا بھی دیتا تھا' غرض اس چالاکی سے بہت سے محبان اہل بیت اس کے فریب میں آگئے اور ایک اچھی خاصی جماعت نے اس کے ہاتھوں پر بیعت کر لی۔ لیکن کچھ لوگوں کو شک ہوا' وہ ابن حنفیہ کے پاس

---

1 ابن سعد ج ۵ ص ۷۱۔

marfat.com

مکہ جا پہنچے اور ان سے مختار کے بیانات کی تصدیق چاہی' یہ نہ صاف اقرار ہی کر سکتے تھے اور نہ انکار۔ اقرار اس لیے نہیں کر سکتے تھے کہ مختار کے بیانات بہت کچھ مبالغہ آمیز جھوٹ تھے لیکن اس حد تک صحیح تھا کہ ابن حنفیہ نے اس کی سرپرستی قبول کر لی تھی' لیکن ان کو اس کی صداقت پر خود اعتماد نہ تھا۔ اس لیے جواب دیا کہ ''تم لوگ خود دیکھتے ہو کہ ہم لوگ (اہل بیت) صابر و شاکر بیٹھے ہیں' میں کسی مسلمان کا خون گرا کر دنیاوی حکومت نہیں چاہتا لیکن اسے ہم پسند کرتے ہیں کہ اللہ نے جس بندے کے ذریعہ سے چاہا ہماری مدد کی البتہ تم لوگ کذابین سے ڈرتے رہو اور اپنی جان اور اپنے دین کی حفاظت کرو۔ یہ سن کر یہ لوگ عراق لوٹ گئے' کوفہ میں ابراہیم بن اشتر نخعی بڑے بااثر محبان اہل بیت میں تھے۔ مختار نے محمد بن حنفیہ کی جانب سے ان کو ایک فرضی خط دے کر انہیں اپنا حامی و مددگار بنا لیا تھا[1]

کوفہ پر قبضہ اور قاتلین حسین رضی اللہ عنہ کا قتل:

ابراہیم نخعی کی حمایت سے مختار کی قوت بہت بڑھ گئی اور وہ علانیہ میدان میں آ گیا' ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پولیس افسر یاس بن نضار نے روک ٹوک شروع کی تو ابراہیم بن اشتر نے اسے قتل کر دیا' عبداللہ بن مطیع کو جو ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوفہ کے والی تھے' خبر ہوئی تو انہوں نے مختار کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی' مگر ناکام رہے' اور مختار اور ابراہیم دونوں نے اس کو نہایت فاش شکست دی۔ ابن مطیع نے ان سے اپنی جان بخشی کرا کے چھوڑ دیا اور یہاں مختار کی حکومت قائم ہو گئی[2]

کوفہ پر قابض ہونے کے بعد مختار کی قوت بڑھ گئی' اس وقت اسے اپنی کارگزاری دکھانے کا موقع ملا۔ چنانچہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں اور ان کے معاونوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ اور چند دنوں کے اندر ان سب کا صفایا کر دیا۔ ابن زیاد کا سر قلم کر کے محمد بن حنفیہ اور امام زین العابدین کی خدمت میں بھیجا۔ مختار کے مکر و فریب کے باوجود اس کی یہ کارگزاری ایسی تھی کہ قدرۃً یہ بزرگوار اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے' اور ان کی

---

1 ابن سعد ج ۵ ص ۷۲۔ 2 اخبار الطوال ص ۲۵۷ تا ص ۳۰۰ ملخصاً۔

marfat.com

زبان نے بے ساختہ اس کی خدمات کا اعتراف کیا[1]

ابن حنفیہ کی قید ورہائی:

ابن زبیر ؓ نے ابتداء میں ابن حنفیہ پر اپنی بیعت کے لیے زیادہ زور نہ ڈالا تھا۔ مگر جب کوفہ وغیرہ پر مختار کا قبضہ ہوگیا اور اس کی قوت میں اضافہ کے ساتھ عراق میں ابن حنفیہ کے بیعت کرنے والوں کا دائرہ زیادہ وسیع ہوگیا' تو ابن زبیر کو ؓ ان کی جانب سے خطرات بڑھ گئے' اس وقت انہوں نے ابن حنفیہ اور ان کے ساتھ ابن عباس ؓ پر بھی دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ لیکن یہ بیعت کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ آخر میں انہوں اور ان کے تمام اہل خاندان کو مکہ کی ایک گھاٹی میں نظر بند کر دیا۔ ایک روایت یہ ہے کہ ابن حنفیہ کو چاہ زمزم کی چار دیواری میں قید کر کے لکڑوں کا انبار لگوا دیا' اور دھمکی دی کہ اگر وہ بیعت نہ کریں گے تو انہیں پھونک دیا جائے گا۔

یہ نازک صورت حال پیدا ہونے کے بعد ابن حنفیہ نے ابن عباس ؓ سے پوچھ بھیجا کہ اب کیا رائے ہے' انہوں نے کہلا بھیجا کہ ہرگز اطاعت نہ کرنا' اپنی بات پر قائم رہنا۔ لیکن مکہ میں رہتے ہوئے انکار پر قائم رہنا مشکل تھا۔ اس لیے ابن حنفیہ نے مکہ چھوڑ کر کوفہ چلے جانے کا ارادہ کیا' مختار کو اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو اسے بہت گراں گزرا کہ ابن حنفیہ کے عراق پہنچ جانے کے بعد اس کی ہستی ختم ہوئی جاتی تھی کیونکہ وہ محض آپ کا نام استعمال کرنا چاہتا تھا۔

چنانچہ اس نے ان کو روکنے کے لیے اہل کوفہ سے کہنا شروع کیا کہ مہدی کی نشانی یہ ہے کہ جب وہ تمہارے یہاں آئیں گے' تو ایک شخص بازار میں ان پر وار کرے گا۔ لیکن اس سے مہدی کو کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا' ابن حنفیہ کو اپنے متعلق کرامت کی خبر ہوئی تو انہوں نے کوفہ جانے کا عزم ترک کر دیا' اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ ؓ کی زبانی اپنے عراقی متعلقین کے پاس اپنے حالات کہلا بھیجے' عامر نے وہاں پہنچ کر تفصیلی حالات سنائے'

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۳۔

marfat.com

یہ حالات سن کر مختار نے ابوعبداللہ دجلی کو چار ہزار فوج کے ساتھ محمد بن حنفیہ کو چھڑانے کے بھیجا' اور ہدایت کردی کہ اگر بنی ہاشم زندہ مل جائیں تو ان کی ہر قسم کی مدد اور ان کے احکام کی تعمیل کرنا- اور اگر قتل کیے جا چکے ہوں تو جس طرح بھی ممکن ہو آل زبیر کا خاتمہ کر دینا-

ابن زبیرؓ میں مختار کے فرستادہ دستہ کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے ایک بیان یہ ہے کہ اس کے ورود مکہ کے وقت وہ دارالندوہ چلے گئے- اور دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے خانہ کعبہ میں پناہ لی' اور عراقی دستہ نے مکہ پہنچ کر ابن حنفیہ اور ابن عباس کو لکڑیوں کے انبار سے نکالا- اس دوران میں ابن زبیرؓ کے آدمی پہنچ گئے- لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی- عراقیوں نے ابن عباسؓ سے کہا اگر اجازت ملے تو ہم ابن زبیر کا خاتمہ کر کے لوگوں کو ان کی مصیبت سے نجات دلا دیں' لیکن ابن عباسؓ نے کہا نہیں اس شہر کو خدا نے حرمت دی ہے- صرف نبی ﷺ کی خاطر چند ساعتوں کے لیے اس کی حرمت اٹھ گئی تھی' ورنہ نہ اس سے پہلے کسی کے لیے اٹھی تھی نہ اس کے بعد اٹھے گی- بس اتنا کافی ہے کہ ہمیں بچا کر نکال لے چلو' عراقی ان لوگوں کو قید سے نکال کر منیٰ لے آئے' چند دنوں یہاں ٹھہرنے کے بعد یہ لوگ ابن زبیرؓ کے جبر سے بچنے کے لیے طائف چلے گئے[1]

امارت حج:

یہ طوائف الملوکی کا دور تھا' متعدد اشخاص خلافت کے مدعی تھے- چنانچہ اس سال کا حج چار امراء کی زیر امارت ہوا' محمد بن حنفیہ اہل طائف کے ساتھ- ابن زبیرؓ اپنے متبعین کے ساتھ- نجدہ بن عامر حروری خوارج کے ساتھ' اور بنی امیہ اہل شام کے ساتھ حج کے لیے آئے- ایک ساتھ ان چاروں کا اجتماع خطرہ سے خالی نہ تھا- اور ارض حرم میں خوں ریزی کا اندیشہ تھا- اس لیے محمد بن جبیر نے چاروں جتھوں کے امراء کے پاس جا کر انہیں سمجھایا- سب سے پہلے ابن حنفیہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: ''ابوالقاسم خدا کا خوف

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۳ تا ص ۷۵ ملخصاً-

marfat.com

کرو- ہم لوگ مشعر حرام اور بلد حرام میں ہیں- حجاج خانہ کعبہ میں خدا کے وفود اور اس کے مہمان ہیں' اس لیے ان کا حج خراب نہ کرو- انہوں نے کہا خدا کی قسم میں خود یہ نہیں چاہتا' اور میں کسی مسلمان کو بیت اللہ سے نہ روکوں گا اور نہ میری جماعت کا کوئی حاجی جائے گا میں تو اپنی مدافعت کرتا ہوں اور صرف اس صورت میں خلافت کا خواہاں ہوں جب دو آدمیوں کو بھی میری خلافت سے اختلاف نہ ہو- میری طرف سے پورا اطمینان رکھیے- میرے بجائے ابن زبیر اور نجدہ حروری سے جا کر گفتگو کیجیے' ان کا جواب سننے کے بعد ابن جبیر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے- اور ان سے بھی وہی کہا جو ابن حنفیہ سے کہہ چکے تھے' انہوں نے جواب دیا: ''میری خلافت پر مسلمانوں کا اجماع ہوگیا ہے۔ سب نے میری بیعت کر لی ہے' صرف یہ لوگ (بنی ہاشم) میری مخالفت کر رہے ہیں-

ابن جبیر نے کہا جو کچھ بھی ہو ہر حال میں اس وقت آپ کے لیے ہاتھ روکے رکھنا مناسب ہے' انہوں نے کہا بہتر ہے' میں اس پر عمل کروں گا' اور ان کے بعد نجدہ حروری کے پاس پہنچے' اس نے کہا میں اپنی جانب سے ابتداء نہ کروں گا' لیکن جو شخص ہم لوگوں سے لڑے گا ہم بھی اس کا مقابلہ کریں گے' اس کے بعد ابن جبیر بنی امیہ کے پاس گئے' انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہم تو اپنے علم کے پاس ہیں' جب تک خود کوئی ہم سے نہ لڑے گا' اس وقت تک ہم ابتداء نہ کریں گے' ابن جبیر کا بیان ہے کہ ان چاروں جماعتوں کے پرچموں میں سب سے زیادہ پرامن و پرسکون پرچم ابن حنفیہ کا تھا[1] اس طرح ابن جبیر کی کوششوں سے ایک بڑا خطرہ ٹل گیا-

مختار کا خاتمہ اور ابن حنفیہ کے پاس ابن زبیر کا پیغام:

اسی سنہ یعنی ۶۸ھ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی مصعب نے بڑی معرکہ آرائیوں کے بعد مختار کا خاتمہ کر دیا' ان تمام معرکوں میں ابن حنفیہ نے عملاً کوئی حصہ نہیں لیا' اور نہ ان کو اس سے کسی قسم کا تعلق تھا' اس لیے ان کی تفصیلات کی ضرورت نہیں-

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۶٬۷۵ مخلصاً-

marfat.com

مختار کے خاتمہ کے بعد ابن حنفیہ کا کوئی سہارا باقی نہ رہ گیا' اور وہ بے یار و مددگار ہو گئے- اس لیے ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے پھر ان سے بیعت کا مطالبہ شروع کیا' اور اپنے بھائی عروہ کو ان کے پاس بھیجا' انہوں نے جا کر ان کی جانب سے ابن حنفیہ کو یہ پیام دیا کہ میں تم کو بغیر بیعت لیے ہوئے چھوڑنے والا نہیں ہوں اگر بیعت نہ کرو گے تو پھر قید کر دوں گا- جس کذاب کی امداد و اعانت کا تم کو سہارا تھا' اس کو خدا نے قتل کر دیا اور اب عرب و عراق کا میری خلافت پر اتفاق ہو گیا ہے- اس لیے تم بھی میری بیعت کر لو ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ-

ابن حنفیہ نے اس تہدیدی پیام کا یہ جواب دیا کہ تمہارے بھائی (ابن زبیرؓ) قطع رحم اور استحقاف حق میں کتنے تیز اور خدا کی عقوبت سے کتنے غافل ہیں' وہ سمجھتے ہیں کہ انہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے' ابھی تھوڑے دنوں پیشتر (جب تک مختار ان کا حامی تھا) وہ مختار کو اور اس کی روش کے مجھ سے زیادہ مداح و معترف تھے- خدا کی قسم نہ مختار کو میں نے اپنا داعی بنایا تھا' اور نہ مددگار' ابھی کچھ ہی دنوں کا ذکر ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ خود ان کی طرف مائل تھا' اور ان کے ساتھ تھا' اس لیے اگر وہ کذاب تھا تو انہوں نے مدتوں تک اس کذاب کو اپنے ساتھ رکھا' اور اگر وہ کذاب نہیں تھا تو ابن زبیر مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہیں ان کا (ابن زبیرؓ) کا مخالف نہیں ہوں- اگر مخالف ہوتا تو ان کے قریب نہ رہتا' اور جو لوگ مجھے بلاتے ہیں ان کے یہاں چلا جاتا- لیکن میں نے کسی کی دعوت قبول نہیں کی- تمہارے بھائی کا ایک اور حریف عبدالملک ہے- جو تمہارے بھائی ہی کی طرح دنیا کا طالب ہے- اس نے اپنی قوتوں سے تمہارے بھائی کی گردن پکڑ لی ہے- میرے نزدیک عبدالملک کا جوار تمہارے بھائی کے جوار سے میرے لیے زیادہ بہتر ہے- عبدالملک نے مجھے خط لکھ کر اپنے یہاں آنے کی دعوت دی ہے'' - یہ سن کر عروہ نے کہا پھر اس کے پاس جانے سے کون سا امر مانع ہے- ابن حنفیہ نے جواب دیا میں اس بارے میں عنقریب خدا سے استخارہ کروں گا یہ صورت (یعنی میرا یہاں سے چلے جانا) تمہارے بھائی کے لیے زیادہ پسندیدہ اور خوش آئند ہوگا- عروہ نے کہا میں بھائی سے اس کا تذکرہ کروں گا-

marfat.com

اس گفتگو کے بعد عروہ لوٹ گئے۔ ابن حنفیہ کے بعض آدمی عروہ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ لیکن انہوں نے روک دیا تھا۔ عروہ کے واپس جانے کے بعد ان لوگوں کو بڑا افسوس ہوا' انہوں نے ابن حنفیہ سے کہا اگر آپ نے ہمارا کہنا مانا ہوتا تو ہم ان کی گردن اڑا دیئے ہوتے۔ ابن حنفیہ نے کہا آخر کس قصور میں وہ تو محض اپنے بھائی کے قاصد بن کر آئے تھے۔ اور ہمارے جوار میں تھے' ہمارے اور ان کے درمیان میں گفتگو ہوئی' گفتگو کے بعد ہم نے ان کو ان کے بھائی کے پاس واپس کر دیا۔ تم لوگ جو کچھ کہتے ہو وہ فریب ہے' اور فریب میں کوئی بھلائی نہیں ہے اگر میں تمہارے کہنے پر عمل کرتا تو مکہ میں خوں ریزی ہوتی۔ اور اس بارے میں تم لوگ میرے خیالات سے واقف ہو' اگر سارے مسلمان میری خلافت پر متفق ہو جائیں اور صرف ایک شخص کو اختلاف باقی رہے تو بھی میں اس ایک شخص سے لڑنا پسند نہ کروں گا''۔

عروہ نے واپس جا کر اپنے بھائی کو ابن حنفیہ کا جواب سنایا اور انہیں مشورہ دیا کہ میرے رائے میں آپ ان سے کوئی تعرض نہ کیجیے۔ ان کو آزاد کر دیجیے۔ تا کہ وہ ہمارے یہاں سے نکل جائیں اور ہم سے دور ہو جائیں۔ عبدالملک بغیر ان سے بیعت لیے ہوئے کبھی ان کو شام میں ٹکنے نہ دے گا اور وہ' جب تک عبدالملک پر اجماع نہ ہو جائے کبھی اس کی بیعت نہ کریں گے۔ ایسی صورت میں عبدالملک یا انہیں قتل کر دے گا یا قید کر لے گا۔ اس طرح آپ کا کام اس کے ہاتھوں میں انجام پا جائے گا اور آپ کا دامن بالکل محفوظ رہے گا' ابن زبیرؓ نے عروہ کا یہ مشورہ قبول کر لیا۔ اور پھر محمد بن حنفیہ سے کوئی تعرض نہیں کیا[1]

عبدالملک کی دعوت اور ابن حنفیہ کا سفر شام اور واپسی:

عبدالملک ابن زبیرؓ کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کی حمایت حاصل کرنے کے لیے عرصہ سے ان کو اپنے یہاں شام چلے آنے کی دعوت دے رہا تھا' محمد بن حنفیہ کے یہاں سے عروہ کی واپسی کے بعد پھر ابن حنفیہ کے پاس عبدالملک کا بلاوے کا خط پہنچا کہ:

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۷'۷۸۔

marfat.com

''مجھے معلوم ہوا کہ ابن زبیر بیعت لینے کے آپ کو تنگ اور پاس عزیز داری کو چھوڑ کر آپ کے حقوق پامال کر رہے ہیں۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ اپنی جان اور اپنے مذہب کو ملحوظ رکھ کر کیا ہے' شام کا ملک آپ کے لیے موجود ہے یہاں آپ جس جگہ چاہیں قیام فرمائیں۔ ہم لوگ آپ کی بزرگداشت اور عزیز داری کا پورا لحاظ رکھیں گے' اور آپ کے حقوق ادا کریں گے''

یہ خط پا کر ابن حنفیہ شام روانہ ہو گئے اور شب سے پہلے ایلہ میں اترے' یہاں کے باشندوں نے ان کا اور ان کے ہمراہیوں کا بڑے جوش سے استقبال کیا۔ اور ابن حنفیہ کے ساتھ بڑی عقیدت ظاہر کی۔ وہ نہایت عزت و توقیر کے ساتھ یہاں ٹھہر گئے اور دو چار دن ہی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی کہ ان کے لواحقین پر اور ان کی نگاہوں کے سامنے کسی پر ظلم نہ کیا جائے''۔ عبدالملک کو محمد بن حنفیہ کی پذیرائی اور مقبولیت کی خبر ہوئی تو اس پر سخت گراں گزرا' اور اس نے اپنے اہل الرائے مشیر کار قبیصہ بن ذویب اور روح بن زنباع جذامی سے اس کا تذکرہ کیا۔ ان دونوں نے کہا کہ بیعت لیے ہوئے' انہیں اتنے قریب اس طرح آزاد نہ چھوڑنا چاہیے' یا تو بیعت کریں ورنہ حجاز واپس کر دیجیے۔

اس مشورہ کے بعد عبدالملک نے ابن حنفیہ کو پھر خط لکھا کہ آپ ہمارے ملک میں آکر ٹھہرے ہیں۔ ہم میں اور ابن زبیر میں جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ آپ کا ایک خاص مرتبہ اور اعزاز ہے اس لیے میرے ملک میں بغیر میری بیعت کے آپ کا قیام میرے مصالح کے خلاف ہے اگر آپ بیعت کے لیے تیار ہیں تو آپ کی خدمت میں سو کشتیاں مع ساز و سامان کے جو ابھی بحر قلزم سے آئی ہیں اور بیس لاکھ درہم نذر کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے پانچ لاکھ فوراً پیش کر دیئے جائیں گے اور پندرہ لاکھ بعد میں بھجوا دیئے جائیں گے' اس نذرانہ کے علاوہ آپ جس قدر فرمائیں گے آپ کی اولاد' آپ کے اعزہ اور آپ کے موالی اور آپ کے ساتھیوں کا وظیفہ مقرر کر دیا جائے گا' اور اگر بیعت نہیں کرتے تو فوراً میرا ملک چھوڑ دیجیے' اور میری حدود حکومت سے نکل جائیے۔

marfat.com

ابن حنفیہ نے اس تحریر کا یہ جواب دیا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' محمد بن علی کی جانب سے عبدالملک کو سلام پہنچے- میں اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں حمد کرتا ہوں' اما بعد! تم کو خلافت کے بارے میں میرے خیالات معلوم ہیں- اس معاملہ میں کسی کو بیوقوف بنا کر دھوکا نہیں دیتا- خدا کی قسم! اگر ساری امت اسلامیہ میری خلافت پر متفق ہو جائے اور صرف اہل زرقاء باقی رہ جائیں تو بھی میں ان سے جنگ نہ کروں گا' اور نہ انہیں چھوڑ کر علیحدہ ہوں گا تا آنکہ وہ سب متفق ہو جائیں' مدینہ کے پر آشوب حالات کی وجہ سے مکہ چلا آیا تھا اور ابن زبیر کے جوار میں ٹھہرا تھا- لیکن انہوں نے میرے ساتھ بدسلوکی کی' مجھ سے بیعت لینی چاہی- میں نے انکار کر دیا کہ جب تک تمہارے اور ان کے اختلافات میں عام مسلمانوں کا کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہو جائے اس وقت تک میں بیعت نہ کروں گا' اور وہ جو فیصلہ کریں گے میں بھی ان کے ساتھ ہوں گا- ان حالات اور اس کشمکش میں تم نے مجھے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی- میں نے قبول کر لی' اور تمہارے ملک کے ایک گوشہ میں اتر گیا- خدا کی قسم! مجھ میں مخالفت کا کوئی جذبہ موجود نہیں ہے' میرے تمام آدمی میرے ساتھ تھے- میں نے دیکھا کہ یہ مقام ارزاں زندگی کا ہے' اس لیے خیال کیا کہ اچھا ہے تمہارے جوار میں قیام کر کے تمہارے تعلقات سے فائدہ اٹھاؤں' لیکن اب تم وہ لکھتے ہو جو تم کو نہ لکھنا چاہیے اس لیے ہم ان شاء اللہ لوٹ جائیں گے''۔[1]

یہ جواب بھیج کر محمد بن حنفیہ نے اپنے سات ہزار ساتھیوں کے سامنے یہ تقریر کی ''خدا جملہ امور کا والی اور حاکم ہے' وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا- جو باتیں ہونے والی ہیں' اس کا وقوع قریب ہے- تم لوگوں نے امر (خلافت) میں اس کے پیش آنے سے قبل جلد کی' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے- ہم

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۸'۷۹-

marfat.com

لوگوں کی پشت میں وہ جان نثار پنہاں ہیں جو آل محمد ﷺ کی حمایت میں لڑیں گے' آل محمد کا حق اہل شرک پر مخفی نہ رہے گا - دیر میں سہی مگر پورا ہوگا - اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے- جس طرح یہ امر (خلافت) شروع میں تم میں تھا' ایک دن پھر تم میں لوٹ آئے گا - اس خدا کا شکر ہے جس نے تمہارے خون کو بچایا اور تمہارے دین کی حفاظت کی' تم میں سے جو شخص امن و حفاظت کے ساتھ اپنے شہر اور اپنے مقام پر واپس جانا چاہتا ہو وہ جا سکتا ہے' اس اجازت پر ابن حنفیہ کے بیشتر ساتھی چلے گئے- سات ہزار میں سے صرف نو سو باقی رہ گئے ان کو لے کر وہ مکہ واپس ہوئے[1]

ایلہ سے واپسی کے بعد ابن حنفیہ کے حالات کے متعلق دو روایتیں ہیں' ایک یہ کہ یہ حج کا زمانہ تھا- اس لیے ابن حنفیہ عمرہ کی نیت سے احرام باندھ کر اور قربانی کے جانوروں کو لے کر سیدھے مکہ پہنچے لیکن جب حرم میں داخل ہونا چاہا تو ابن زبیرؓ کے سواروں نے روکا' ابن حنفیہ نے ابن زبیرؓ کے پاس کہلا بھیجا کہ مکہ سے جاتے وقت بھی میں لڑنے کے ارادہ سے نہیں نکلا تھا- اور اب واپسی کے بعد بھی اس کا کوئی خیال نہیں ہے- اس لیے ہمارا راستہ چھوڑ دو کہ ہم بیت اللہ جا کر مناسک حج ادا کرلیں' انہیں پورا کرنے کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے-لیکن ابن زبیرؓ نے بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی اور ابن حنفیہ سواری کے جانوروں کو یوں ہی لیے ہوئے مدینہ چلے گئے[2]

دوسری روایت یہ ہے کہ وہ مکہ پہنچ کر منیٰ کی گھاٹی میں ٹھہرے- دو ہی دن کے بعد ابن زبیرؓ نے کہلا بھیجا کہ یہاں سے ہٹ جاؤ- ہمارے قریب نہ ٹھہرو' یہ پیام سن کر ابن حنفیہ نے کہا جب تک خدا ہمارے لیے کوئی راہ نہ پیدا کردے اس وقت تک ہم چاروناچار اٹھالیتا تو خواہ تنہا ہی کیوں نہ ہوتا اور ان کے ساتھ پوری جماعت کیوں نہ ہوتی وہ میرے ساتھ اس طرح نہیں کھل سکتے تھے' لیکن میں تلوار اٹھانا نہیں چاہتا' ابن زبیر ہمسایہ آزاری

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۰-

[2] ایضاً-

marfat.com

صبر کرتے ہیں- خدا کی قسم میں نے اب تک تلوار اٹھانے کا ارادہ نہیں کیا- اگر میں سے باز آنے والے نہیں۔ یہ کہہ کر وہ طائف چلے گئے' ان کے یہاں آنے کے چند مہینوں بعد حجاج نے ۷۳ھ میں ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا خاتمہ کر دیا-[1]

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ابن زبیر کے حصار کے زمانہ میں ابن حنفیہ مکہ ہی میں تھے- چنانچہ حجاج نے ان کے پاس عبدالملک کی بیعت کے لیے کہلا بھیجا' انہوں نے جواب دیا کہ تم کو میرے مکہ کے قیام' طائف اور شام کے سفر کے حالات معلوم ہیں' تمام زحمتیں میں نے صرف اس لیے اٹھائی تھیں کہ میں اس وقت تک کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا نہیں چاہتا تھا جب تک ان میں سے کسی ایک پر سب کا اتفاق نہ ہو جائے- مجھ میں مخالفت کا کوئی جذبہ نہیں ہے' لیکن جب میں نے دیکھا کہ خلافت کے بارے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہیں تو میں نے اس وقت تک ان معاملات سے الگ رہنے کے لیے جب تک کسی ایک پر اجماع نہ ہو جائے خدا کے اس شہر میں جس کی حرمت سب سے بڑی اور سب سے زیادہ ہے' اور جس میں طیور تک کے لیے امان حاصل ہے' پناہ لی ہے- ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے میرے ساتھ بدسلوکی کی' اس لیے میں شام چلا گیا' لیکن وہاں عبدالملک نے بھی میرا قرب پسند نہ کیا- اس لیے پھر حرم چلا آیا- اب اگر ابن زبیر قتل ہو جائیں اور عبدالملک پر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے گا تو میں تمہارے ہاتھوں پر بیعت کرلوں گا- لیکن حجاج نے ذرا توقف بھی گوارا نہ کیا اور بیعت کے لیے مصر رہا- لیکن محمد بن حنفیہ کسی نہ کسی طرح ٹالتے رہے تا آنکہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما قتل ہو گئے-[2]

عبدالملک کی بیعت اور دور سکون:

ابن زبیرؓ کے قتل ہو جانے کے بعد عبدالملک نے حجاج کو لکھا کہ محمد بن حنفیہ میں مخالفت کا کوئی جذبہ نہیں ہے' امید ہے کہ اب وہ تمہارے پاس آ کر بیعت کریں گے- ان

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۱-

[2] ایضاً-

marfat.com

کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا۔ محمد بن حنفیہ خود بھی شروع سے یہی کہتے چلے آ رہے تھے کہ جب کسی ایک شخص پر مسلمانوں کا اتفاق ہو جائے گا تو میں بھی اس کو تسلیم کر لوں گا چنانچہ عبدالملک پر اتفاق عام کے بعد جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی بیعت کر لی تو محمد بن حنفیہ سے بھی کہا اب کوئی اختلافی مسئلہ باقی نہیں رہا اس لیے تم بھی بیعت کر لو۔ ان کا پہلے سے یہی خیال تھا۔ اس لیے آمادہ ہو گئے اور حجاج کے ہاتھ پر بیعت کر کے عبدالملک کو حسب ذیل خط لکھا:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم .... محمد بن علی کی جانب سے خدا کے بندے عبدالملک کو۔ اما بعد! اس وقت جب تک امت میں خلیفہ کے بارے میں اختلاف تھا میں لوگوں سے کنارہ کش رہا۔ اب جب کہ خلافت تم کو مل گئی ہے' اور مسلمانوں نے تمہاری بیعت کر لی ہے تو میں بھی اس جماعت میں شامل ہوں' اور اس بھلائی میں جس میں وہ سب داخل ہوئے میں بھی داخل ہوتا ہوں' میں نے حجاج کے ہاتھوں پر تمہاری بیعت کر لی ہے اور اب یہ تحریر بیعت تم کو بھیجتا ہوں کیونکہ تم پر مسلمانوں کا اجماع ہو گیا ہے' اب میں یہ چاہتا ہوں کہ تم لوگوں کو امان اور ایفائے عہد کا یقین دلاؤ۔ فریب میں کوئی بھلائی نہیں ہے' اور اگر اب بھی تم کو اس میں تامل یا اس سے انکار ہے' تو خدا کی زمین وسیع ہے''۔

عبدالملک کو یہ خط ملا تو اس نے اپنے مشیروں قبیصہ بن ذویب اور روح بن زنباع جذامی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا: ''ابن حنفیہ پر آج بھی آپ کو کوئی قابو حاصل نہیں ہے۔ وہ جس وقت چاہیں جنگ و فساد برپا کر سکتے ہیں' ایسی حالت میں جب کہ انہوں نے آپ کی خلافت تسلیم کر کے بیعت کر لی ہے' میری رائے میں آپ فوراً ان کو جان بخشی و امان کا عہد و پیمان لکھ دیجیے۔ اور ان کے ساتھیوں کے لیے بھی وعدہ کر لیجیے''۔

ان کے اس مشورہ پر عبدالملک نے یہ جواب لکھا:

''آپ میرے نزدیک لائق ستائش' مجھ کو زیادہ محبوب اور ابن زبیرؓ سے زیادہ میرے قریب عزیز ہیں' اس لیے میں خدا اور رسول کو حاضر و ناظر جان کر وعدہ

marfat.com

کرتا ہوں کہ آپ اور آپ کے تمام ساتھیوں کو کسی ایسے طرز عمل سے جسے آپ ناپسند کرتے ہیں پریشان نہ کیا جائے گا۔ آپ اپنے شہر واپس جائیے اور جہاں دل چاہے اطمینان کے ساتھ رہیے۔ میں جب تک زندہ رہوں گا عزیز داری کا پورا لحاظ رکھوں گا اور آپ کی مدد سے کبھی دست کش نہ ہوں گا''۔

اس خط کے ساتھ ہی حجاج نے نام علیحدہ ان کے ساتھ حسن جوار اور ان کے اعزاز و احترام کو ملحوظ رکھنے کا حکم بھیجا' اس خوش آئند مصلحت کے بعد ابن حنفیہ مدینہ واپس گئے اور اطمینان و سکون کے ساتھ ان کو رہنے کا موقع ملا[1]

شام کا سفر اور عبدالملک کا حسن سلوک:

چند برسوں کے بعد ابن حنفیہ نے عبدالملک کو خط لکھ کر اس کے پاس جانے کی اجازت چاہی' اس نے نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ انہوں نے ۷۸ھ میں شام کا سفر کیا۔ عبدالملک نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا اور ان کے شایان شان ان کی پذیرائی اور بزرگداشت کی۔ اپنے محل کے قریب ہی ٹھہرایا ان کے اور ان کے جملہ ہمراہیوں کی میزبانی کے لیے شاہی خزانہ کھول دیا' ایک مہینے سے کچھ زیادہ ابن حنفیہ دمشق میں رہے۔ اس دوران میں وہ عبدالملک سے ملتے رہے۔

دربار کے داخلہ میں شاہی خاندان والوں کے بعد ان کا نمبر تھا' ایک دن انہوں نے تنہائی میں عبدالملک کے سامنے اپنے قرض کا تذکرہ کیا۔ عبدالملک نے اسے ادا کرنے کا وعدہ کیا اور ان سے ان کی اور ضروریات پوچھیں۔ انہوں نے قرض کی ادائیگی اور بعض اور ضروریات کے ساتھ اپنی اولاد اپنے خواص اور اپنے غلاموں کے وظائف مقرر کیے جانے کی خواہش کی' عبدالملک نے غلاموں کے وظائف کے علاوہ ان کی جملہ ضرورتیں اور خواہشیں پوری کر دیں' پھر ان کے اصرار پر غلاموں کے وظائف بھی مقرر کر دیئے۔ لیکن ان کی مقدار کم رکھی۔ لیکن پھر بھی ابن حنفیہ کا اصرار اتنا بڑھا کہ عبدالملک

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۲۔

marfat.com

کو ان وظائف کی مقدار بھی پوری کرنی پڑی- ان ضروریات کے پورے ہونے کے بعد ابن حنفیہ مدینہ واپس ہوئے[1] اور تادم آخر ان کے اور عبدالملک کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے-

وفات:

محمد بن حنفیہ کے سنہ وفات اور جائے وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں- لیکن صحیح تر روایت یہ ہے کہ ۸۱ھ میں انہوں نے مدینہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے[2]

گزشتہ حالات پر تبصرہ:

اوپر جو حالات لکھے گئے ہیں ان کی حیثیت محض سوانح کی ہے- جن میں واقعات کو صرف واقعات کی حیثیت سے لکھ دیا گیا ہے' اور ان پر کوئی نقد و تبصرہ نہیں کیا گیا ہے- لیکن ان میں بہت سے واقعات و مسائل نقد و نظر کے محتاج ہیں' ورنہ محض اوپر کے واقعات کے آئینہ میں ابن حنفیہ کی تصویر حیات داغ دار نظر آتی ہے- اس لیے آئندہ سطور میں مذکورہ بالا واقعات پر تنقیدی نظر ڈالی جاتی ہے-

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حقیقی وارث اور جانشین امام زین العابدین تھے- لیکن اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد وہ دنیا سے ایسے برداشتہ خاطر ہو گئے تھے کہ خلافت اور امامت کے جھگڑوں سے کنارہ کش ہو کر گوشہ عزلت کی زندگی اختیار کر لی تھی' شیعیان علیؑ نے انہیں بہت میدان میں لانا چاہا- لیکن وہ ایسے دل شکستہ تھے کہ گھر سے باہر

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۵ و ص ۸۶- [2] یہاں شیعیت سے مراد اثناء عشری نہیں ہے کیونکہ اس دور میں اس کا جود ہی نہ تھا- پھر ان کا سلسلہ امامت زین العابدین سے چلتا ہے- امام حسین کے بعد زین العابدین ان کے بعد ان کے فرزند امام باقر اور جعفر صادق وغیرہ' اثناعشری جماعت کے ائمہ زین العابدین کی نسل سے پورے ہوتے ہیں- بلکہ اس عہد کی وہ سیاسی جماعت مراد ہے جو غیر فاطمی خلفاء کے مقابلہ میں ان کی پشت و پناہ تھی-

marfat.com

قدم نہ نکالا ان سے مایوس ہونے کے بعد شیعیان علی نے ابن حنفیہ کو اس بارامانت کا حامل بنا دیا اس لیے خلافت و امامت اور اہل بیت وغیر اہل بیت کے سوالات اور اس سے متفرع عقائد و خیالات اور مسائل کا تعلق ابن حنفیہ کی ذات سے ہوگیا - اور اس سلسلہ میں بعض افعال ابن حنفیہ سے ایسے سرزد ہوگئے اور بہت سے ایسے عقائد و خیالات ان کی جانب غلط منسوب ہوگئے جو بظاہر ان کی ذات سے فروتر ہیں' انہی واقعات پر تنقید مقصود ہے-

شیعی تحریک اور اہل بیت وغیرہ مسائل کی بنیاد تمام تر پروپیگنڈے پر ہے اس جماعت نے اپنی تحریک اور اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لیے ایسے عقائد و خیالات بزرگان اہل بیت کی جانب منسوب کر دیئے ہیں' جن کی وجہ سے وہ حرص خلافت کا مجسم پیکر معلوم ہوتے ہیں' ان میں بعض خیالات تو ایسے گمراہ کن ہیں کہ اگر وہ ان بزرگوں کے زمانہ میں ظاہر کیے جاتے یا ان کو معلوم ہو جاتے تو وہ ان کے اختراع کرنے والوں کو اپنے اتباع کی جماعت سے خارج کر دیتے-

اس میں شبہ نہیں کہ ''خلافت اسلامیہ'' نے جب دنیاوی حکومت کا قالب اختیار کرلیا' اس وقت اہل بیت کرام میں حصول خلافت کا جذبہ ضرور ہوگیا تھا - جو بڑی حد تک درست تھا - اس لیے کہ اسلامی حکومت اسی وقت نیابت الٰہی اور خلافت نبوی ﷺ ہے' جب تک وہ جمہوری ہے اور اسی وقت وہ جمہوری ہے جب تک وہ خلافت ہے- شخصی حکومت کا قالب اختیار کر لینے کے بعد اس کی حیثیت مذہبی باقی نہیں رہتی' اس وقت اگر اس حکومت کے بانی کے ورثا کے دلوں میں اس کے حصول کا جذبہ پیدا ہوا یا کوئی جماعت ان کی حمایت میں کھڑی ہو جائے تو یہ دونوں امور قابل اعتراض نہیں کہے جا سکتے - لیکن اس سلسلہ میں مدعیان محبت اہل بیت نے عجیب گمراہ کن عقائد اختراع کر کے ان بزرگوں کی جانب منسوب کر دیئے ہیں جس سے ان کا دامن بالکل پاک ہے-

محمد بن حنفیہ اس موحد اعظم کی نسل میں تھے' جس نے اپنے متعلق غلط عقیدہ رکھنے والوں کو زندہ جلا دیا تھا - اس لیے ان کا دامن فاسد عقائد سے آلودہ ہو ہی نہیں سکتا تھا - ان کے کانوں میں جب اس قبیل کے خیالات پڑتے تھے تو وہ اس کی پوری تردید کرتے تھے-

marfat.com

ایک مرتبہ ان کو معلوم ہوا کہ مختار کے متبعین کہتے ہیں کہ ان کے (ابن حنفیہ) پاس قرآن کے علاوہ علم (سینہ) کا کچھ حصہ ہے۔ یہ روایت سن کر انہوں نے مخصوص تقریر کی کہ:

''خدا کی قسم! اس کتاب کے علاوہ جو دولوحوں کے درمیان ہے (قرآن پاک) رسول اللہ ﷺ سے وراثت میں ہم کو اور کوئی علم نہیں ملا''۔[1]

ان کے بہت سے عقیدت مند انہیں مہدی کہہ کر سلام کرتے تھے کہ ''سلام علیک یا مہدی'' یہ جواب دیتے میں اس معنی میں بے شک مہدی ہوں کہ میں لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی ہدایت کرتا ہوں۔ لیکن میرا نام نبی اللہ کے نام پر اور میری کنیت نبی اللہ کی کنیت پر ہے۔ اس لیے جب تم لوگ سلام کیا کرو تو مہدی کے بجائے السلام علیک یا محمد اور السلام علیک یا ابالقاسم کہا کرو[2]

عام لوگوں نے قریش کے دو خانوادوں بنی امیہ اور بنی ہاشم کا رتبہ ایک دنیاوی وجاہت کی بنا پر اور دوسرے مذہبی سیادت کی بنا پر پرستش کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ ابن حنفیہ اس کو سخت ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہمارے قریش کے دو گھرانوں کو خدا کے علاوہ اس کا ایک اور مثیل ٹھہرالیا گیا ہے۔ ہم کو (اہل بیت) اور بنی امیہ کو۔[3]

بعض فرقے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیتے ہیں۔ لیکن ابن حنفیہ انہیں بندگی ہی کے درجہ میں رکھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی انسان کی نجات اور اس کے جنتی ہونے کی یقینی شہادت نہیں دے سکتا۔ حتیٰ کہ اپنے باپ علی رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی جنہوں نے مجھے پیدا کیا ہے یقین کے کے ساتھ نہیں کہہ سکتا۔[4]

مختار ثقفی کی سرپرستی کے اسباب:

غرض ان کا عقیدہ صحیح عقائد اسلامی کے خلاف نہ تھا۔ مختار ثقفی کے دام تزویر میں پھنس جانا ضرور بظاہر کھٹکتا ہے۔ لیکن یہ فطرت انسانی کا تقاضا تھا۔

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۷۔ [2] ایضاً ص ۶۸،۶۹۔

[3] ایضاً ص ۶۸۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر اہل بیت کے حقوق اور ان کے مراتب کا خیال رکھا - ان کے بعد یزید سے لے کر عبدالملک کے زمانہ تک ان بزرگوں کے ساتھ اموی خلفاء کا جو طرز عمل رہا وہ بالکل عیاں ہے' امام حسین رضی اللہ عنہ اور نبوت کے سارے کنبہ کو جس بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا وہ اموی حکومت کے دامن کا ایسا داغ ہے جو کبھی نہیں مٹ سکتا - ان حالت میں نہ صرف ابن حنفیہ بلکہ سارے بنی ہاشم کے دل امویوں کی طرف سے بھرے ہوئے تھے -

اس کے علاوہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا خطرہ علیحدہ ان کے سروں پر مسلط تھا - ان حالات میں مختار خون حسینؓ کے انتقام کی دعوت لے کر اٹھا اور قاتلین حسین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا - اور بنی امیہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کا پشت پناہ بنا' ایسی حالت میں اگر ابن حنفیہ فطرت انسانی کے مطابق یا کسی مصلحت کی بنا پر اس سے متاثر ہو گئے تو ایک حد تک معذور تھے - پھر بھی انہوں نے کبھی اس پر اعتماد نہیں کیا اور اس کو آلۂ کار سے زیادہ حیثیت نہیں دی -

اوپر گزر چکا ہے کہ جب مختار نے ابن حنفیہ سے عراق جانے کی اجازت چاہی تھی تو انہوں نے اجازت تو دے دی لیکن چونکہ اس پر اعتماد نہ تھا اس لیے اپنے ایک آدمی عبداللہ ابن کامل ہمدانی کو اس کے ساتھ کر دیا - اور اس کو ہدایت کر دی کہ یہ شخص لائق اعتماد نہیں ہے - اس سے بچتے رہنا[1] یا جب عروہ بن زبیر عبداللہ بن زبیرؓ کی جانب سے ابن حنفیہ کے پاس پیام لے کر آ گئے تو انہوں نے اس سے کہا کہ میں نے نہ اس کو اپنا داعی بنایا تھا نہ مددگار -[2] یا جب بعض اہل عراق کو مختار کے بیانات پر شبہ ہوا اور وہ ابن حنفیہ کے پاس اس کی تصدیق کے لیے گئے تو انہوں نے کہا کہ "اسے ہم پسند کرتے ہیں کہ اللہ نے جس بندے ذریعہ سے چاہا ہماری مدد کی' البتہ تم لوگ کذابین سے ڈرتے رہو اور ان سے اپنی جان اور اپنے دین کی حفاظت کرو -[3]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۷۱ - [2] ایضاً ص ۷۸ - [3] ابن سعد ج ۵ ص ۷۲ -

marfat.com

لیکن ابن حنفیہ میں خاندانی عصبیت اور حصول خلافت کی فطری خواہش ضرور تھی۔ اور اس کا باعث بھی بنی امیہ کی غیر محتاط روش اور ان کا جابرانہ طرز عمل تھا' ابن زبیر ؓ اور عبدالملک کے اختلافات اور ابن حنفیہ پر ابن زبیر ؓ کے جبر نے اس جذبہ کو اور زیادہ قوی کر دیا تھا۔ لیکن اس کے لیے بھی انہوں نے کوئی عملی کوشش نہیں کی' بلکہ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ میں خلافت ضرور چاہتا ہوں مگر اس صورت میں کہ کسی ایک مسلمان کو بھی اس سے اختلاف نہ ہو' یہ جذبہ بنی امیہ کے مقابلہ میں کسی طرح ناروا نہیں کہا جا سکتا۔

ابن حنفیہ کی پیرو ایک جماعت:

اگرچہ ابن حنفیہ فرقہ اثنا عشری کے امام نہیں ہیں' ان کے تمام ائمہ حضرت فاطمہ ؓ کی اولاد سے ہیں' لیکن شیعوں کی ایک جماعت حضرت حسین ؓ کے بعد انہی کو امام تسلیم کرتی ہے' اس جماعت کا نام کیسانیہ ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ ابن حنفیہ نے وفات نہیں پائی بلکہ اپنے چالیس اصحاب کے ساتھ کوہ رضوی میں چلے گئے تھے اور اب تک وہاں موجود ہیں' ایک شیر اور ایک چیتا ان کی پاسبانی کرتا ہے' اور ان کی سیرابی کے لیے ایک شہد اور ایک پانی کا چشمہ رواں ہے۔ خدا انہیں اس گوشہ میں روزی پہنچاتا رہتا ہے' ایک دن وہ اس دنیا میں آئیں گے۔ اور اس کو عدل و انصاف سے معمور کر دیں گے۔ ابن حنفیہ کے بعد ان کے صاحبزادے عبداللہ ان کے جانشین ہوئے تھے[1]

فضل و کمال:

ابن حنفیہ علی مرتضیٰ ؓ جیسے مجمع العلم باپ کے فرزند تھے' اس لیے علم کی دولت ان کو ورثہ میں ملی تھی۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ بڑے صاحب علم تھے۔[2] ابن حبان ان کو ان کے خاندان کے فاضل ترین افراد میں شمار کرتے ہیں[3] لیکن اس کی تفصیلات کتابوں میں مذکور نہیں۔

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۰ [2] ابن سعد ج ۵ ص ۶۷۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۵۔

marfat.com

حدیث:

حدیث میں انہوں نے اپنے والد بزرگوار اور حضرت عثمان، عمار بن یاسر، معاویہ بن ابی سفیان، ابوہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے فیض اٹھایا تھا۔ بعض محدثین کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مستندترین روایات انہی سے مروی ہیں[1]

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی خاصا وسیع تھا، آپ کے صاحبزادے، ابراہیم، حسن، عبداللہ اور عون، بھتیجے محمد بن عمر بن علی۔ بھائی کے پوتے محمد بن علی بن حسن، بھانجے عبداللہ بن محمد بن عقیل اور بیرونی اشخاص میں عطاء بن ابی رباح، منہال بن عمرو، محمد بن قیس بن مخرمہ، منذر بن یعلی، محمد بن بشیر ہمدانی، سالم بن ابی الجعد اور عمرو بن دینار آپ کے فیض یافتگان میں تھے[2]

کلمات طیبات:

آپ کے مختصر کلمات نہایت پر حقیقت اور سبق آموز ہیں۔ فرماتے تھے: ''جس کا نفس اس کی نگاہ میں معزز ہوا، اس کی نگاہ میں دنیا کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی۔ جو شخص ان لوگوں کے ساتھ ہوا جن کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے، نہیں نبا سکتا وہ عقلمند نہیں ہے خدا نے جنت کو تمہارے نفس کی قیمت قرار دیا ہے، اس لیے اس کو دوسری چیز کے بدلہ میں فروخت نہ کرو''۔ جو چیز لوجہ اللہ نہیں کی جاتی وہ فنا ہو جاتی ہے[3]

عبادت و ریاضت:

علم کے ساتھ وہ بڑے عابد و زاہد تھے۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ علم اور عبادت دونوں میں انتہائی درجہ پر تھے۔

ماں کی خدمت:

ماں کے بڑے خدمت گزار تھے۔ اپنے ہاتھوں سے ان کے بالوں میں خضاب

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۳۵۴۔ [2] ایضاً۔ [3] مختصر صفوۃ الصفوہ ص ۱۳۲۔
[4] شذرات الذہب ج اول ص ۸۹۔

marfat.com

لگاتے تھے۔ کنگھی کرتے تھے' چوٹی گوندھتے تھے' ایک مرتبہ گھر سے نکلے' ہاتھوں میں مہندی کا اثر تھا۔ کسی نے پوچھا یہ کیا' فرمایا ماں کے بالوں میں خضاب لگا رہا تھا[1]

قوت وشجاعت:

اسد اللہ الغالب کے خلف الصدق تھے' اس لیے علم کے ساتھ قوت وشجاعت بھی ورثہ میں ملی تھی' اتنے قوی اور طاقت ور تھے کہ زرہ کو دونوں ہاتھوں سے کھینچ کر چیر ڈالتے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک زرہ آپ کے جسم سے زیادہ لمبی تھی' آپ نے بقدر زیادتی نشان لگا کر ان کو دیا کہ اس کو نشان سے کم کر دو' انہوں نے ایک ہاتھ سے زرہ کا دامن پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے بڑھا ہوا حصہ کھینچ کر دو ٹکڑے کر دیے۔ ابن زبیرؓ جسمانی طاقت میں ان کے حریف تھے۔ ان کے سامنے جب اس واقعہ کا تذکرہ کیا جاتا تھا تو وہ غصہ سے کانپنے لگتے۔

ایک مرتبہ قیصر روم نے اپنے یہاں کے دو پہلوان امیر معاویہؓ کے پاس قوت آزمائی کے لیے بھیجے' ان میں سے ایک کو قیس نے زیر کیا' دوسرے کے مقابلہ کے لیے امیر معاویہؓ نے ابن حنفیہ کو بلایا۔ انہوں نے مقابلہ کی یہ صورت پیش کی کہ رومی پہلوان بیٹھ کر اپنے ہاتھ کو ان کے ہاتھ میں دے۔ دونوں زور کریں یا وہ کھینچ کر انہیں بٹھا دے یا یہ بیٹھ کر زور کریں۔ رومی پہلوان نے پہلی صورت پسند کی' چنانچہ دونوں میں مقابلہ ہوا' رومی نے ہر چند زور لگایا لیکن ان کو نہ بٹھا سکا اور انہوں نے کھینچ کر اس کو کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد یہ خود بیٹھے' رومی نے کھڑا کرنے کی ہر چند کوشش کی مگر ناکام رہا۔ مگر انہوں نے اس کو کھینچ کر بٹھا دیا[2]

اس طاقت کی وجہ سے وہ ہمیشہ اپنے والد بزرگوار کے دست راست اور پشت پناہ رہے۔ ہر میدان میں ان کے دوش بدوش داد شجاعت دیتے تھے۔ جمل اور صفین کے معرکوں میں علوی علم انہی کے ہاتھ میں تھا' ایک مرتبہ کسی نے ان سے سوال کیا کیا بات ہے کہ تمہارے والد خطرات کے موقع پر تم ہی کو آگے بڑھاتے تھے اور حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۸۔ [2] یہ تمام واقعات ابن خلکان ج اول ص ۴۴۹ سے ماخوذ ہیں۔ [3] ایضاً۔

علیحدہ رکھتے تھے۔ جواب دیا وہ دونوں ان کی آنکھ کے بجائے تھے اور میں ان کا دست و بازو تھا۔ اس لیے وہ ہاتھ سے آنکھوں کی حفاظت کرتے تھے۔[1]

حلیہ ولباس:

میانہ قد تھا' آخر عمر میں بال سفید ہو گئے تھے۔ بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔ خز کا لباس پہنتے تھے۔ سیاہ عمامہ باندھتے تھے۔ ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔[2]

اولاد و ازدواج:

آپ نے متعدد شادیاں کیں اور ان سے بہت سی اولادیں ہوئیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے۔ ابو ہاشم' عبداللہ' حمزہ' علی' جعفر اکبر یہ چاروں ایک ام ولد کے بطن سے تھے' حسن جنہوں نے سب سے پہلے رجاء کا عقیدہ ایجاد کیا۔ یہ عبدالملک کی پوتی جمال کے بطن سے تھے۔ ابراہیم یہ مسرعہ بنت عباد کے بطن سے تھے۔ قاسم' عبدالرحمٰن یہ دونوں برہ بنت عبدالرحمٰن بن حارث مطلبی کے بطن سے تھے۔ جعفر' اصغر۔ عون' عبداللہ الاصغر یہ تینوں جعفر بن ابی طالب کی پوتی ام کلثوم کے بطن سے تھے۔ عبداللہ اور رقیہ' یہ دونوں ام ولد سے تھے۔[2]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۸۴' ۸۵۔

marfat.com

۶۳- محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

محمد نام' ابوبکر کنیت' والد کا نام سیرین تھا- سیرین جرجرایا (عراق) کے باشندے تھے اور ٹھٹیرے کا کام کرتے تھے- عین التمر میں ان کی دوکان تھی- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عین التمر کے معرکہ میں اور عجمیوں کے ساتھ سیرین بھی گرفتار ہوئے اور کسی مجاہد کے حصہ میں پڑے- بعد میں وہ انس بن مالک کی غلامی میں تھے- اس سے قیاس ہوتا ہے کہ شاید وہ ان ہی کے حصہ میں پڑے ہوں گے- یا انہوں نے کسی مجاہد سے خریدا ہوگا- بہرحال وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی غلامی میں تھے- سیرین بڑے صناع تھے- کافی کماتے تھے- اس لیے انس رضی اللہ عنہ نے بیس یا چالیس ہزار لے کر انہیں کچھ عرصہ کے بعد آزاد کر دیا[1]

ان کی بیوی صفیہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لونڈی تھیں- اور ایسی لونڈی تھیں جن کی ذات آزاد عورتوں کے لیے قابل رشک ہے- ان کے نکاح میں تین امہات المومنین نے ان کو سنوارا تھا اور اٹھارہ بدری صحابہ شریک نکاح تھے اور ان کے لیے دعائے خیر کی تھی[2]

پیدائش:

ان دونوں کی شخصیت سے مل کر محمد بن سیرین کی ذات وجود میں آئی- وہ ۳۳ھ میں تولد ہوئے[3]

---

۱ ابن خلکان ج ۴ ص ۴۵۳- ۲ ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۴۰-

۳ ایضاً-

marfat.com

فضل و کمال:

حضرت انس بن مالک کی ذات وہ تھی جن کے معمولی تربیت یافتہ علم و عمل کے وارث ہوئے- ابن سیرین نے انہی کے دامن علم میں تربیت پائی تھی- اور مدتوں ان کے ساتھ رہے تھے[1] انس بن مالکؓ کے علاوہ اکابر صحابہ میں انہوں نے ابو ہریرہؓ کی زیادہ صحبت اٹھائی تھی اور ان کے اصحاب میں ان کا شمار تھا[2] تابعین میں وہ مدتوں سرتاج تابعین حضرت حسن بصری کی صحبت میں رہے[3]

ان بزرگوں کے فیض صحبت نے ابن سیرین کو پیکر علم و عمل بنا دیا- علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة مامونا عالیا رفیعا اماما کثیرالعلم ورعا''[4] حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''کان فقیها اماما عزیزالعلم ثقة ثبتا علامة التفسیر راسا فی الورع''.[5]

تفسیر:

انہیں جملہ علوم میں یکساں کمال حاصل تھا- امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ تفسیر' حدیث' فقہ اور تعبیر رویا وغیرہ فنون میں امام تھے[6]

حدیث:

ابن سیرین حضرت انسؓ کے تربیت یافتہ' ابو ہریرہؓ کے شاگرد اور حسن بصریؒ کے ہم جلیس تھے- جن میں سے ہر ایک حدیث کا رکن اعظم تھا- ان تینوں بزرگوں کے علاوہ انہوں نے اس فن شریف میں صحابہ میں زید بن ثابتؓ، حذیفہ بن یمانؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، حسنؓ بن علیؓ، جندب بن عبداللہ بجلیؓ، رافع بن خدیجؓ، سلیمان بن عامرؓ، سمرہ بن جندبؓ، عثمان بن ابی العاصؓ، عمران بن حصینؓ، کعب بن عجرہؓ، معاویہؓ، ابو درداءؓ، ابو سعید خدریؓ، ابو قتادہ انصاریؓ، ابو بکرہ ثقفیؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ، اور غیر صحابہ علما میں عکرمہ'

---

1. تہذیب و تذکرۃ الحفاظ و ابن سعد وغیرہ- 2. تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۵-
3. ابن خلکان ج اول ص ۴۵۱- 4. ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۰-
5. تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۶۷- 6. تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۲-

marfat.com

شریح، حمید بن عبدالرحمٰن حمیری، عبداللہ بن شقیق، عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، قیس بن عباد، مسلم بن یسار، یونس بن جبیر، عمرو بن وہب، یحییٰ بن ابی اسحاق حضرمی، خالد الحذاء وغیرہ ایک بڑی جماعت سے روایتیں کی ہیں۔[1]

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو علم حدیث کا دریا بنا دیا تھا۔ ابن سعد، حافظ ذہبی، امام نووی، ابن حجر انہیں امام الحدیث لکھتے ہیں۔

احتیاط:

اس وسعت علم کے باوجود وہ بڑے محتاط تھے۔ اور سماع اور روایت دونوں میں انتہائی احتیاط برتتے تھے۔ معمولی درجہ کے اشخاص سے تحصیل علم اور اخذ حدیث خلاف احتیاط سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے تھے کہ علم دین ہے۔ اس لیے ان کو حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب اچھی طرح سے پرکھ لو جس سے اس کو حاصل کرنا ہے۔[2]

روایت میں اتنے محتاط تھے کہ احادیث کو بالفاظہا روایت کرتے تھے۔ تنہا معنی بیان کرنا کافی نہ سمجھتے تھے۔[3] حدیث اس احتیاط سے بیان کرتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز صاف کر رہے ہیں، یا کسی چیز کا خوف ہے۔[4] انتہائی احتیاط کی بنا پر حدیثوں کا قلم بند کرنا پسند نہ تھا۔ فرماتے تھے کہ کتاب سے بچو، تمہارے اگلے لوگ کتابوں ہی سے سرگرداں اور گمراہ ہوئے۔ اگر میں کسی چیز کو کتاب بناتا تو رسول اللہ ﷺ کے خطوط کو بناتا لیکن حدیثوں کو حفظ کرنے کے لیے اس شرط پر ان کا قلمبند کرنا جائز سمجھتے تھے کہ حفظ کرنے کے بعد وہ مٹا دی جائیں۔[5] روایت اور کتابت حدیث کے سلسلہ میں ایک باریک نکتہ ارشاد فرماتے تھے کہ اگر کسی بات کرنے والے کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی باتیں مواخذہ کے لیے قلم بند کی جاتی ہیں، تو وہ گفتگو کم کر دے۔[6] اس کا مقصد یہ ہے کہ جب معمولی باتوں میں باتیں کرنے والے والے مواخذہ کے خوف سے احتیاط کرنے لگتے ہیں

---

1 تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۴۔ 2 ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۴۱۔
3 ایضاً۔ 4 ایضاً۔ 5 ایضاً ص ۱۴۔ 6 ایضاً ص ۱۴۔

marfat.com

تو حدیثوں کی کتابت میں تو بدرجہ اولیٰ احتیاط کرنی چاہیے کہ اس کی بھول چوک میں زیادہ مواخذہ ہے اور کتاب کی بھول چوک کو دوام حاصل ہو جاتا ہے۔

ان کی مرویات کا پایہ:

اس احتیاط کی بناء پر ارباب فن کے نزدیک وہ بڑے صادق القول اور ان کی روایات نہایت معتبر مانی جاتی تھیں۔ ہشام بن حسان کہتے تھے کہ میں نے انسانوں میں سب سے زیادہ سچا ابن سیرین کو پایا[1] بڑے بڑے ائمہ حدیث شائقین علم کو ان کا دامن پکڑنے کی ہدایت کرتے تھے' شعیب بن حجاب کا بیان ہے کہ شعبی ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ تم لوگ ابن سیرین کا دامن پکڑو[2]

تلامذہ:

حدیث میں ان کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ بعضوں کے نام یہ ہیں امام شعبی' ثابت' خالد الحذا' داؤد بن ابی ہند' ابن عون' جریر بن حازم' ایوب' عاصم الاحول' قتادہ' سلیمان التیمی' مالک بن دینار' امام اوزاعی' قرہ بن خالد' ہشام بن حسان اور ابو ہلال رابسی وغیرہ۔[3]

فقہ:

فقہ میں بھی ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ وہ بالاتفاق اپنے عہد کے اکابر فقہاء میں تھے' ابن سعد' حافظ ذہبی' امام نووی اور ابن حجر وغیرہ تمام ائمہ فقہ میں ان کی امامت کے معترف ہیں[4] ابن حبان کہتے ہیں کہ ابن سیرین فقیہ' فاضل اور متقن تھے۔[5]

مہارت قضاء اور اس سے گریز:

فقہی کمال کی بناء پر انہیں قضا میں بڑی مہارت تھی۔ عثمان البتی کا بیان ہے کہ

---

1. ابن سعد ج ۷ ق اص ۱۴۳۔ 2. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۸۔

3. تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۴۔ 4. دیکھئے کتاب مذکور حالات ابن سیرین۔

5. تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۶۔

marfat.com

اس علاقہ میں ابن سیرین سے زیادہ قضا کا عالم کوئی نہ تھا[1] ان کی مہارت قضا کی وجہ سے ان کے سامنے عہدہ قضا پیش کیا گیا۔ یہ اس خوف سے شام بھاگ گئے پھر عرصہ کے بعد وہاں سے مدینہ واپس آئے[2]

فتاویٰ میں احتیاط:

مسائل اور فتاویٰ کے جواب میں اتنے محتاط تھے کہ جواب دیتے وقت شدت احتیاط یا خوف سے گھبرا جاتے اور ان کی حالت بدل جاتی' اشعث کا بیان ہے کہ ہم لوگ ابن سیرین کے پاس بیٹھتے تھے تو وہ باتیں بھی کرتے تھے' ہنستے بھی تھے۔ حالات بھی پوچھتے تھے۔ لیکن جہاں ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ یا حرام وحلال کے متعلق کچھ پوچھا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور یہ معلوم ہی نہ ہوتا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ ہنس بول رہے تھے۔[3] ابن عون کا بیان ہے کہ میں نے ایک مسئلہ میں ابن سیرین کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے جواب میں کہا میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا[4]

معاصر علماء کا اعتراف:

اس عہد کے بڑے بڑے علماء اور ارباب کمال انہیں ان کے زمانہ کا ممتاز فاضل سمجھتے تھے۔ ابن عون کہتے تھے کہ ساری دنیا میں تین آدمیوں کا مثل نہیں مل سکتا۔ عراق میں ابن سیرین کا' حجاز میں قاسم بن محمد کا اور شام میں رجاء بن حیوۃ کا' اور پھر ابن سیرین ان تینوں میں فائق تھے۔[5] ابن حبان لکھتے ہیں کہ محمد بن سیرین بصرہ کے سب سے بڑے متورع' فقیہ' فاضل' حافظ متقن اور معبر خواب تھے۔[6]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۳۔ [2] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۹۔

[3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۳۔ [4] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۲۔

[5] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۱۶۔ [6] ایضاً۔

marfat.com

زہد وورع:

ان کی ذات جامع العلم والعمل تھی' ان میں جس درجہ کا علم تھا' اسی درجہ کا عمل بھی تھا' وہ اپنے عہد کے بڑے عابد و متورع بزرگ تھے- ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ کثیر العلم اور متورع تھے[1] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ راس المتورعین تھے[2] خطیب کا بیان ہے کہ وہ متورع فقہاء میں تھے- عجلی کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو ورع میں ان سے بڑا فقیہ اور فقہ میں ان سے بڑا متورع نہیں دیکھا[3] فرماتے تھے کہ ورع نہایت آسان شے ہے- کسی نے پوچھا وہ کیسے' فرمایا جس چیز میں شک معلوم ہو اس کو چھوڑ دو[4]

خشیت الٰہی اور رقت قلب:

طبعاً نہایت خندہ جبین اور خوش مزاج تھے- لیکن ان کا دل خشیت الٰہی سے لبریز تھا- یونس کا بیان ہے کہ ابن سیرین ہنس مکھ اور پر مذاق آدمی تھے لیکن گداز قلب اور خشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ جلوت میں ان کے لب ہنستے تھے لیکن خلوت میں ان کی آنکھیں اشک بار رہتی تھیں'[5] ہشام بن حسان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ ابن سیرین کے ساتھ مقیم تھے- دن میں انہیں ہنستا دیکھتے تھے اور رات کی تاریکی میں ان کے گریہ کی آواز سنتے تھے- اور موت کے ذکر سے ان پر موت کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی'[6] زہیر الاقطع کا بیان ہے کہ ابن سیرین جب موت کا ذکر کرتے تھے تو ان کا ہر عضو بدن جیسے مر جاتا تھا[7]

صحت عقیدہ:

عقائد میں وہ سلف صالحین کے سادہ اور بے آمیز عقیدہ کے پابند تھے- اس میں

---

1 ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۴۰- 2 تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۶-

3 تہذیب الاسماء ج اول ص ۸۳- 4 ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۴۲-

5 شذرات الذہب ج ا ص ۱۳۹- 6 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۸-

7 تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۴-

marfat.com

عقلی موشگافیوں اور جدتوں کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ قدر کا مسئلہ ان کے زمانہ میں چھڑ چکا تھا۔ ابن سیرین کو اس سے سخت نفرت تھی۔ اس کو وہ سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے[1]

ابن عون کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص ابن سیرین کے پاس آیا اور ان سے قدر کے متعلق کچھ باتیں کیں۔ انہوں نے اس کے جواب میں یہ آیت تلاوت کی۔

﴿ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون ﴾

''اللہ تعالیٰ عدل' احسان اور قرابت مندوں کو دینے کا حکم دیتا ہے' اور بے حیائی اور ناشائستہ باتوں اور زیادتی کرنے سے منع کرتا ہے تم لوگوں کو نصیحت کرتا ہے کہ اس کو یاد رکھو''۔

یہ آیت سنا کر انہوں نے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور باتیں کرنے والے شخص سے کہا تم میرے پاس سے چلے جاؤ یا میں خود اٹھ جاتا ہوں۔ یہ نفرت دیکھ کر وہ شخص چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ابن سیرین نے کہا میرا دل میرے اختیار میں نہیں ہے۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے دل میں ایسا خیال نہ پھونک دے جس کے دور کرنے پر مجھے قدرت نہ ہو۔ اس لیے میرے یہی مناسب تھا کہ میں اس کی باتیں ہی نہ سنوں[2]

اسی طریقہ سے ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک اعرابی آیا اور مذہب کے متعلق کچھ باتیں پوچھنے لگا۔ آپ اس کے جوابات دیتے رہے۔ کسی نے اس شخص سے کہا کہ ذرا قدر کے متعلق دریافت کرو۔ دیکھو کیا کہتے ہیں۔ اس نے پوچھا' ابوبکر قدر کے بارے میں آپ کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا تم سے یہ کن لوگوں نے کہا ہے۔ پھر چند ساعت خاموش رہ کر فرمایا۔ کسی کے اوپر شیطان کا بس نہیں ہے۔ جو شخص خود اس کی اطاعت کر لیتا ہے اس کو وہ ہلاک کر دیتا ہے[3]

---

۱ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۶۷۔ ۲ ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۳۔

۳ ابن سعد ج ۷ ق اول صفحہ ۱۴۳۔

marfat.com

عبادت:

ان کا سب سے محبوب مشغلہ عبادت تھا' اور وہ بڑی سخت عبادتیں کرتے تھے' ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ وہ علم اور عبادت دونوں میں انتہائی کمال پر تھے۔[1]

روزانہ شب کو سات ورد پڑھتے تھے' اگر ان میں سے کوئی باقی رہ جاتا تھا تو اسے دن میں پورا کرتے تھے۔ تنہائی میں میں تسبیح کا شغل رہتا تھا۔[2] سوتے وقت نفس کو (ذکر الٰہی) کی طرف متوجہ کر لیتے تھے۔ اس طرح گویا ساری رات عبادت میں بسر ہوتی تھی۔ ایک دن درمیان دے کر ہمیشہ روزہ رکھتے تھے اور اس میں اس قدر سختی برتتے تھے کہ اگر روزہ کا دن یوم شک میں پڑتا یعنی شعبان اور رمضان کا فیصلہ نہ ہوسکتا تو شک سے روزہ نہ چھوڑتے۔

ابن سیرین کے گھر کے احاطہ میں ایک مسجد تھی جس میں بچہ کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ معمولی عبادتوں میں بھی مبالغہ سے کام لیتے تھے۔ وضو میں پنڈلیوں تک پاؤں دھوتے تھے۔ زکوٰۃ کے باب میں اتنا اہتمام تھا کہ بغیر اس کو نکالے ہوئے عید کی نماز کے لیے گھر سے نہ نکلتے تھے۔ ابن عون کا بیان ہے کہ ہم کو کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ عید کے دن ہم ابن سیرین کے پاس گئے ہوں اور انہوں نے ہم کو خبیص (ایک قسم کا کھانا) یا فالودہ نہ کھلایا ہو۔ وہ بغیر زکوٰۃ ادا کیے ہوئے عید کے لیے گھر سے نہ نکلتے تھے۔ پہلے زکوٰۃ نکال کر جامع مسجد بھجوادیتے تھے اس کے بعد عید کی نماز کے لیے نکلتے تھے۔[3]

احترام شعائر اللہ:

شعائر اللہ کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ چنانچہ تلاوت قرآن کے درمیان باتیں کرنا پسند نہ کرتے تھے۔[4] مسجد کو اپنے کپڑے سے صاف کرتے تھے۔[5]

---

[1] شذرات الذہب ج اول صفحہ ۱۳۹۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۵۔

[3] ایضاً ص ۱۴۶۔ [4] ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۴۷۔

[5] ایضاً۔

marfat.com

محرمات سے اجتناب:

یہ ایک پہلو یعنی اوامر کی پابندی کا یہ حال تھا۔ نواہی میں وہ اس سے بھی زیادہ متشدد تھے۔ متشابہات تک سے اس قدر بچتے تھے کہ اس کے لیے بڑے سے بڑا نقصان گوارا کر لیتے تھے۔ بکار ابن محمد اپنے باپ کی زبانی روایت کرتے ہیں کہ ابن سیرین نے جو جرایا کے پرگنہ میں ایک قطعۂ زمین خریدا اور اس کی مال گزاری وصول کی' اس میں انگوروں کی کافی مقدار تھی۔ کچھ لوگوں نے افشردہ نکالنے کا ارادہ کیا۔ ابن سیرین نے منع کیا اور کہا انہیں یوں ہی بیچو۔ لوگوں نے کہا اس طرح ان کی نکاسی نہیں ہو سکتی' فرمایا تو انہیں خشک کر کے منقے بنالو' وگوں نے کہا ان انگوروں کے منقے نہیں بن سکتے۔ جب نکاسی کی کوئی صورت بھی نہ نکلی تو اس کا افشردہ نکالنے کے مقابلہ میں ان کو ضائع کر دینا بہتر سمجھا اور تمام انگور پانی میں پھینک دیے[1]

شدت احتیاط میں مالی نقصان:

تجارت ایک ایسا شغل ہے جس میں زیادہ احتیاط برتنا خسارہ میں پڑنا ہے۔ ابن سیرین کا شغل تجارت تھا۔ وہ احتیاط کے سلسلہ میں خندہ پیشانی کے ساتھ نقصان اٹھاتے تھے۔ لیکن مشتبہ اشیاء کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے بیع کے طور پر غلہ خریدا۔ اس میں انہیں اسی ہزار کا فائدہ ہوا' لیکن ان کے دل میں شک پیدا ہو گیا کہ اس منافع میں سود کا شائبہ ہے' اس لیے پوری رقم چھوڑ دی حالانکہ اس میں مطلق ربو نہ تھا[2]

بعض مرتبہ احتیاط کی وجہ سے انہیں قید تک کی سزا اٹھانی پڑی' اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے چالیس ہزار کا غلہ خریدا' بعد میں انہیں اس کے متعلق کچھ باتیں معلوم ہوئیں جنہیں وہ مکروہ سمجھتے تھے۔ اس لیے غلہ چھوڑ دیا یا خیرات کر دیا اور اس کی قیمت باقی رہ گئی جس کے بدلہ میں انہیں قید ہونا پڑا۔[3]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۴۷۔ [2] ایضاً ق اول ص ۱۴۴۔ [3] ایضاً تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۴۔
[4] ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۴۴۔

marfat.com

اس واقعہ کے سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ چالیس ہزار کا روغن زیتون خریدا تھا - اس کے پیپوں میں چوہا نکا' معلوم ہوا کہ یہ چوہا کولہو میں پڑ گیا تھا - یہ معلوم کر کے انہوں نے کل تیل پھنکوا دیا - لیکن اتنی بڑی رقم نہ ادا کر سکے اور اس کی سزا میں قید کی مشقت اٹھانی پڑی -[2]

ایک روایت یہ ہے کہ عبداللہ بن عثمان بن ابی العاص ثقفی کی لڑکی نے ام محمد کے ہاتھ میں ایک لونڈی بیچی تھی - اس نے شکایت کی کہ ام محمد اس کو تکلیف پہنچاتی ہے - اس لیے لونڈی کو واپس کر لیا - لیکن قیمت خرچ ہو چکی تھی - اس لیے سزا کاٹنی پڑی -[3]

جو سودا بیچتے تھے اسے گاہک کو اچھی طرح دکھا کر' خریداری پر لوگوں کو گواہ بناتے تھے - میمون بن مہران کا بیان ہے کہ میں کچھ کپڑے خریدنے کے لیے کوفہ گیا - اور محمد بن سیرین کی دوکان پر پہنچا - جب میں بھاؤ کر کے کوئی کپڑا خریدتا تھا تو وہ مجھ سے تین مرتبہ پوچھتے تھے کہ تم اس کی خریداری پر راضی ہو' اس کے بعد بھی تشفی نہ ہوتی تھی اور دو آدمیوں کو بلا کر گواہ بناتے تھے' ان مراحل کے بعد کہتے اب سامان لے جاؤ - حجاجی درہم سے سودا نہیں بیچتے تھے - یہ احتیاط دیکھ کر میں اپنی ضرورت کا کل سامان انہی کے یہاں سے خریدتا تھا - یہاں تک کہ کپڑا لپیٹنے کا سامان بھی انہی سے لیتا تھا -[4]

اس زمانہ میں چونکہ وزن کرنے کے پیمانوں کی مقدار گھٹتی بڑھتی رہتی تھی' اس لیے جب کسی سے مال قرض لیتے تھے تو رائج پیمانوں اور اوزان کے علاوہ کسی اور چیز سے تول کر مال لیتے تھے - اور جس چیز سے تولتے اس کو مہر کر کے محفوظ کر دیتے تھے - پھر جب مال واپس کرنے لگتے تو اسی مہر کردہ شے سے تول کر واپس کرتے اور فرماتے کہ وزن گھٹتا بڑھتا رہتا ہے -[5]

---

۱ ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۴۴ - ۲ تہذیب الاسماء ج اول ق ۸۴ -

۳ ابن سعد ج ۷ ق ا ص ۱۴۴ -

۴ ایضاً - ۵ ایضاً -

marfat.com

تجارت کے سلسلہ میں اکثر ان کے پاس کھوٹے سکے آجاتے' یہ احتیاط کی بنا پر سب کو بے کار کر دیتے' ابن عون کا بیان ہے کہ جب ابن سیرین کے پاس کھوٹا سکہ آجاتا تو وہ اس سے کوئی چیز نہ خریدتے' چنانچہ ان کی وفات کے وقت اس قسم کے بیکار سکے پانچ سو کی تعداد میں جمع ہو گئے تھے[1]

کسب حلال کی تلقین:

دوسروں کو بھی حلال کی تلقین کرتے تھے' لوگوں سے فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی جانب سے حلال روزی تمہارے لیے مقدر ہو چکی ہے- اسی کو تلاش کیا کرو' اگر تم حرام کے ذریعہ سے اس کو حاصل کرو گے' تو بھی اس سے زیادہ نہ ملے گی جو تمہارے لیے مقدر ہو چکی ہے[2] دوسروں کو حرام مال سے بچانے کے لیے یہاں تک کرتے کہ اگر آپ سے کوئی ناجائز مال حاصل کرنا چاہتا تو محض اس شخص کو مال حرام سے بچانے تک قسم کھا لیتے-

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ پر دو درہم کا دعویٰ کیا- آپ نے انکار کیا' مدعی نے کہا قسم کھاؤ' ابن سیرین تیار ہو گئے- لوگوں نے کہا دو درہم کے لیے قسم کھاتے ہیں- جواب دیا میں جان بوجھ کر اس شخص کو حرام نہیں کھلا سکتا[3]

امراء وسلاطین کے ہدایا سے احتراز:

غالباً اسی احتیاط کی بنا پر امراء وسلاطین کے ہدایا قبول نہ کرتے تھے- ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز جیسے بزرگ نے ان کے اور حسن بصری کے پاس کچھ بھیجا- حسن بصری نے قبول کر لیا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا[4]

خیانت سے احتراز:

خیانت سے اس قدر بچتے تھے کہ ان جائز فوائد کو بھی جن میں خیانت کا کوئی خفیف پہلو بھی تصور کیا جا سکتا تھا محض احتیاط کی وجہ سے چھوڑ دیتے تھے- ان کے قید کے

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۷- [2] ایضاً- [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۴-
[4] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۷-

marfat.com

زمانہ میں اتفاق سے جیل کا محافظ ان کا مرتبہ شناس تھا- اس لیے ان سے کہا آپ رات کو گھر چلے جایا کیجیے اور صبح ہوتے ہوئے پھر چلے آیا کیجیے- فرمایا میں سلطانی خیانت میں تمہاری مدد نہیں کرسکتا[1]

شہرت سے نفرت:

شہرت سے بہت گھبراتے تھے- اور اس سے بچنے کے لیے وہ عام مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے- فرماتے کہ "میں صرف شہرت کے خوف سے تمہاری مجلسوں میں نہیں آتا[2] وہ ہر ایسے امتیاز سے جس سے لوگوں کی توجہ ان کی طرف منعطف ہوتی بچتے تھے- اکثر نماز میں اپنے سے کم درجہ کے لوگوں کو امامت کے لیے بڑھا دیتے-

ابن عون کا بیان ہے کہ ابن ہبیرہ کے خروج کے زمانہ میں بھی ابن سیرین کے ساتھ نکلا' نماز کا وقت آیا تو انہوں نے مجھے نماز پڑھانے کا حکم دیا- میں نے اس کی تعمیل تو کی لیکن نماز پڑھانے کے بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ تو فرمایا کرتے تھے کہ نماز اسی شخص کو پڑھانا چاہیے جس کو قرآن زیادہ یاد ہو- فرمایا مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھوں اور لوگ یہ کہیں کہ محمد لوگوں کی امامت کرتے ہیں-[3]

ماں کی اطاعت:

ماں کے بڑے مطیع اور خدمت گزار تھے- ان کی بہن کا بیان ہے کہ ان کی ماں حجازی تھیں- اس لیے ان کو رنگین اور نفیس کپڑوں کا بڑا شوق تھا- ابن سیرین اس شوق کا اتنا لحاظ رکھتے تھے کہ جب ان کے لیے کپڑا خریدتے تو محض کپڑے کی لطافت اور نرمی کو دیکھتے' اس کی مضبوطی کا مطلق خیال نہ کرتے تھے- عید کے لیے خود اپنے ہاتھوں سے ماں کے کپڑے رنگتے - میں نے کبھی ان کو ماں کے مقابلہ میں آواز بلند کرتے نہیں سنا- جب ماں سے باتیں کرتے تو اس آہستگی کے ساتھ جیسے کوئی راز کی بات کہہ رہے ہیں- ابن عون کا بیان ہے کہ ابن سیرین جس وقت اپنی ماں کے سامنے ہوتے تھے تو ان کی آواز

---

[1] تہذیب الاسماء، ج ا ص ۸۷- [2] ابن سعد ج ۷ ص ۱۴۵- [3] ایضاً-

marfat.com

آواز اتنی پست ہوتی تھی کہ ناواقف آدمی انہیں بیمار سمجھتا تھا[1]

عجز و فروتنی:

اپنے کو نہایت حقیر سمجھتے تھے' اپنی ذات کے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہ کرتے تھے- چنانچہ کسی کو اپنے ساتھ چلنے نہ دیتے تھے- اگر کوئی شخص ساتھ چلنا چاہتا تو فرماتے اگر تم بلاضرورت چل رہے ہو تو لوٹ جاؤ' فرماتے تھے کہ اگر گناہوں میں بو ہوتی تو کوئی شخص بو کی شدت سے میرے قریب نہیں آ سکتا تھا[2]

بے باکی اور بے خوفی:

لیکن اس فروتنی اور تواضع کے ساتھ بڑے بے باک اور بے خوف تھے- بڑے سے بڑے خطرہ کو وہ دھیان میں نہ لاتے تھے- ابوقلابہ کہا کرتے تھے کہ محمد کے برابر کون طاقت رکھتا ہے' وہ نیزے کی نوک پر چڑھ جاتے تھے[3]

صاف دلی:

بڑے صاف دل تھے- کبھی کسی پر رشک وحسد نہ کرتے تھے- خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بھلے برے کسی پر حسد نہیں کیا[4]

اجمالی رائے:

غرض وہ اخلاقی اور مذہبی محاسن کا ایک مکمل ترین نمونہ تھے- ابوعوانہ کا بیان ہے کہ ابن سیرین کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا[5]

صحابہ اور تابعین پر ابن سیرین کا اثر:

ان کے ان محاسن کا بڑے بڑے صحابہ اور تابعین پر اتنا اثر تھا کہ وہ ان سے جنازہ کی نماز پڑھانا باعث برکت سمجھتے تھے' انس بن مالکؓ نے مرض الموت میں وصیت کی تھی کہ ابن سیرین انہیں غسل میت دیں اور ان کے جنازہ کی نماز پڑھائیں- اتفاق سے انس بن مالکؓ کی وفات زمانہ میں وہ قید تھے- اس لیے حاکم شہر سے حصول اجازت کے

---

[1] ابن سعد ج ۷ ص ۱۴۴- [2] مختصر صفوۃ الصفوۃ ص ۱۵۰- [3] ابن سعد ج ۷ ق ۱ ص ۱۴۴-
[4] ایضاً ص ۱۴۳- [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۸-

marfat.com

بعد وہ لائے گئے اور غسل، تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے بعد پھر قید خانہ واپس کیے گئے[1]

ابن عون کا بیان ہے کہ حسن بصری کی روپوشی کے زمانہ میں ان کی ایک لڑکی کا انتقال ہوگیا- میں نے جا کر ان کو اطلاع دی- مجھے خیال تھا کہ وہ مجھ ہی کو نماز جنازہ پڑھانے کا حکم دیں گے، لیکن انہوں نے ضروری ہدایات دینے کے بعد ابن سیرین سے نماز جنازہ پڑھوانے کا حکم دیا[2]

وصیت ووفات:

۱۱۰ھ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے- آخر عمر میں چالیس ہزار کے مقروض ہوگئے تھے- اس کی بڑی فکر تھی- آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے ادائیگی کی ذمہ داری اپنے اوپر لی- اس سعادت مندی پر ان کے لیے دعائے خیر کی، پھر وصیت فرمائی کہ تم لوگ خدا کا خوف کرتے رہنا، آپس میں صلح و مسالمت سے رہنا- اگر مومن ہونے کا دعویٰ ہے، تو خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کرنا، خدا نے تمہارے لیے ایک دین منتخب کیا ہے- اسی پر مرنا، اس کا دعویٰ نہ کرنا کہ تم دین میں انصار کے بھائی اور موالی ہوں- صدق اور عفاف زنا اور جھوٹ سے زیادہ بہتر اور پائیدار ہیں، ان وصایا کے بعد جمعہ کے دن انتقال فرمایا اس وقت اسی سے اوپر عمر تھی[3]

حلیہ اور لباس:

بالوں میں کتم اور حنا کا خضاب کرتے تھے- مونچھیں ہلکی کترواتے تھے- لباس اچھا پہنتے تھے-

اولاد:

آپ کے تیس اولادیں ہوئیں- لیکن عبداللہ کے علاوہ کوئی زندہ نہ رہی-

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۳- [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۴۷-

[3] ابن سعد جلد ۷ ق اول ص ۱۴۹- ص ۱۵۰-

marfat.com

۶۴- محمد بن عجلان رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

محمد نام' ابوعبداللہ کنیت' باپ کا نام عجلان تھا- فاطمہ بنت ولید بن ربیعہ قرشی کے غلام تھے-

فضل وکمال:

علم اور تقویٰ کے اعتبار سے ممتاز تابعی تھے- امام نووی لکھتے ہیں: ''کان اماما فقیها عابدا ''[1] ان کی ہرادا علم میں ڈوبی ہوئی تھی- ابن مبارک کہتے تھے کہ ابن عجلان سے زیادہ کوئی شخص اہل علم سے مشابہ نہ تھا میں ان کو علماء میں یاقوت سے تشبیہ دیتا تھا[2]

حدیث شریف:

حدیث کے وہ ممتاز عالم تھے' حافظ ذہبی انہیں امام اورقدوہ لکھتے ہیں[3]

صحابہ میں انس بن مالک اور ابوالطفیل رضی اللہ عنہم سے اور تابعین میں عکرمہ' نافع' سعید مقبری' سلیمان ابن ابی حازم اشجعی' ابراہیم بن عبداللہ' رجاء بن حیوۃ' عامر بن عبداللہ بن زبیر' اعرج' ابی الزناد' زید بن اسلم' عبیداللہ بن مقسم' بکیر بن الاشج' علی بن یحیٰ' محمد بن یحیٰ اور ابواسحاق سبیعی وغیرہ سے استفادۂ حدیث کیا تھا[4]

عبیداللہ بن عمر' منصور بن معتمر' مالک بن انس'لیث' سفیان ثوری' ابن عیینہ' حیوۃ' ابن شریح' شعبہ' قطان اور عبداللہ بن ادریس وغیرہ جیسے اکابر آپ کے خوشہ چینوں میں تھے-

فقہ وفتاویٰ:

فقہ وفتاویٰ میں پوری دستگاہ رکھتے تھے- حافظ ذہبی ان کو مفتی اور فقیہ لکھتے ہیں

[1] تہذیب الاسماء جلد اول ق۲ص ۱۸۷- [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۹۴-
[3] ایضاً ص ۱۴۸- [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۴۱-

marfat.com

ہیں[1] مسجد نبوی ﷺ میں افتا کی خدمت انجام دیتے تھے۔[2]

حلقہ درس:

اسی میں ان کا حلقہ درس تھا۔ جس میں بڑے بڑے تابعین شریک ہوتے تھے۔[3]

زہد و ورع:

زہد و ورع ان کا مخصوص طغرئ کمال تھا' حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ عالم عامل ربانی اور کبیر القدر تھے۔[4] ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ عابد مرتاض تھے۔[5] اپنے مذہبی کمالات کی وجہ سے مدینہ کے حسن بصری شمار کیے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک معاملہ میں جعفر بن سلیمان نے ان کو کوڑے لگوانے کا ارادہ کیا' اہل مدینہ نے اس سے کہا اگر حسن بصری سے اس قسم کا فعل سرزد ہو جاتا تو کیا تم ان کو مارتے' جعفر نے کہا نہیں۔ لوگوں نے کہا تو وہ مدینہ کے حسن بصری ہیں۔[6]

وفات:

۱۴۸ھ میں وفات پائی۔[7]

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۸۔ ۲ تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۸۔

۳ تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۴۹۔ ۴ ایضاً ۱۴۸۔

۵ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۴۱ بحوالہ ابن سعد۔

۶ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۴۹۔ ۷ ایضاً۔

marfat.com

۶۵- محمدؒ بن علیؒ بن حسینؒ المقلب بہ باقر

نام ونسب:

محمد نام' ابوجعفر کنیت' باقر لقب' حضرت امام زین العابدین کے فرزند ارجمند تھے' ان کی ماں ام محمد حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں- اس لیے آپ کی ذات گویا ریاض نبوی کے پھولوں کا دو آتشہ عطر تھی-

پیدائش:

صفر ۵۷ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے' اس حساب سے ان کے جد بزرگوار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے وقت ان کی عمر تین سال کی تھی-[۱]

فضل وکمال:

باقر اس معدن کے گوہر شب چراغ تھے' جس کے فیض سے ساری دنیا میں علم و عمل کی روشنی پھیلی' پھر حضرت امام زین العابدین جیسے مجمع البحرین باپ کی آغوش میں پرورش پائی تھی' ان موروثی اثرات کے علاوہ خود آپ میں فطرۃ تحصیل علم کا ذوق تھا- ان اسباب نے مل کر آپ کو اس عہد کا ممتاز ترین عالم بنا دیا تھا- وہ اپنے وفور علم کی وجہ سے باقر کے لقب سے ملقب ہو گئے تھے ''بقر'' کے معنی عربی میں پھاڑنے کے ہیں اسی سے ابقر العلم ہے' یعنی وہ علم کو پھاڑ کر اس طرح جڑ اور اندرونی اسرار سے واقف ہو گئے تھے-[۲]

بعض علماء ان کا علم ان کے والد بزرگوار سے بھی زیادہ وسیع سمجھتے تھے- محمد بن منکدر کا بیان ہے کہ میری نظر میں کوئی ایسا صاحب علم نہ تھا' جسے علی ابن حسین پر ترجیح دی

---

[۱] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۰- [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۱۱۱ وتہذیب الاسماء نووی ج اول ق اول ص ۱۸-

marfat.com

جا سکتی - یہاں تک کہ ان کے صاحبزادے محمد کو دیکھا[1] وہ اپنے عہد میں اپنے خاندان بھر کے سردار تھے' علامہ ذہبی لکھتے ہیں: ''کان سید بنی هاشم فی زمانة''[2] امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی اور امام بارع تھے' ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے ان کا شمار مدینہ کے فقہاء اور ائمہ میں تھا-[3]

حدیث:

حدیث ان کے گھر کی دولت تھی' اس لیے وہ اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے-

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة کثیر الحدیث والعلم''[4]

اس گنج گراں مایہ کو انہوں نے اپنے والد محترم امام زین العابدین' اپنے نانا امام حسنؓ - اپنے دادا حضرت علیؓ - اپنے چچیرے دادا محمد بن حنفیہ اور اپنے جد امجد کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس' اپنی دادی حضرت عائشہؓ اور ام سلمہؓ وغیرہ کے مخزن سے بالواسطہ حاصل کیا تھا' یعنی ان بزرگوں سے ان کی روایات مرسل ہیں - اپنے گھر کے باہر - انس بن مالکؓ - سعید بن میسب - عبداللہ بن ابی رافع - حرملہ' عطاء بن یسار' یزید بن ہرمز اور ابومرہ وغیرہ سے مستفید ہوئے تھے[5]

تلامذہ:

اس عہد کے بڑے بڑے ائمہ امام اوزاعی' اعمش' ابن جریج' امام زہری' عمرو بن دینار اور ابواسحاق سبیعی وغیرہ اکابر تابعین اور تبع تابعین کی بڑی جماعت آپ کے خرمن کمال کی خوشہ چین تھی[6]

فقہ:

فقہ میں آپ کو خاص دستگاہ حاصل تھی - ابن برقی آپ کو فقیہ و فاضل کہتے ہیں امام نسائی فقہائے تابعین میں -[7] اور امام نووی مدینہ کے فقہاء اور ائمہ میں شمار کرتے ہیں -

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۰ - [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱ - [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۷ - [4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۸ - [5] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۰ - [6] ایضا - [7] ایضا -

marfat.com

زہد و عبادت:

آپ نے ان بزرگوں کے دامن میں پرورش پائی تھی جن کا مشغلہ ہی عبادت تھا - اور ایسے ماحول میں آپ کی نشوونما ہوئی تھی جو ہر وقت خدا کے ذکر اور اس کی تسبیح و تحمید سے گونجا کرتا تھا - اس لیے عبادت کی وہی روح آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی - عبادت و ریاضت آپ کا محبوب مشغلہ تھا - شبانہ یوم میں ڈیڑھ سو رکعتیں نماز پڑھتے[1] سجدوں کی کثرت سے آپ کی پیشانی پر نشان سجدہ تاباں تھا - لیکن زیادہ گہرا نہ تھا[2]

شیخین کے ساتھ عقیدت:

اپنے اسلاف کرام اور بزرگان عظام کی طرح شیخین رضی اللہ عنہما کے ساتھ قلبی عقیدت رکھتے تھے جابر کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ محمد بن علی سے پوچھا کہ آپ کے اہل بیت میں کوئی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کو گالیاں بھی دیتا تھا' فرمایا نہیں میں انہیں دوست رکھتا ہوں اور ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں[3]

سالم بن ابی حفصہ کا بیان ہے کہ میں نے امام باقر اور ان کے صاحبزادے جعفر صادق سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں پوچھا' انہوں نے فرمایا سالم میں انہیں دوست رکھتا ہوں اور ان کے دشمنوں سے تبری کرتا ہوں - یہ دونوں امام ہدی تھے میں نے اپنے اہل البیت میں سے ہر شخص کو ان کے ساتھ تولا ہی کرتے پایا[4]

صحت عقیدہ:

بعض جماعتوں نے بہت سے ایسے غلط عقائد ان بزرگوں کی طرف منسوب کر دیئے ہیں جن سے ان کا دامن بالکل پاک تھا - وہ امور دین میں خالص اور بے آمیز اسلامی عقائد کے علاوہ کوئی جدید عقیدہ نہ رکھتے تھے - جائز روایت کرتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی سے پوچھا کیا اہل بیت کرام میں سے کسی کا یہ خیال تھا کہ کوئی گناہ شرک ہے -

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۱۱ - [2] ابن سعد ج ۵ ص ۲۳۶ -

[3] ایضاً ص ۲۳۶ - [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۳۵۱ -

marfat.com

فرمایا نہیں میں نے دوسرا سوال کیا - ان میں کوئی رجعت کا قائل تھا فرمایا نہیں [1]

وفات:

مقام حمیہ میں انتقال فرمایا - لاش مدینہ لا کر جنت البقیع میں دفن کی گئی - [2] سنہ وفات کے بارے میں بیانات مختلف ہیں - بعض ۱۱۴ھ بعض ۱۱۷ھ بعض ۱۱۸ھ بتاتے ہیں - [3]

عمر کے بارے میں دو روایتیں ہیں - ایک یہ کہ وہ اٹھاون سال کے تھے - دوسری یہ کہ وہ ۷۳ سال کے تھے - لیکن دوسری روایت قطعاً غلط ہے، پہلی اقرب الصحۃ ہے - اس لیے کہ ان کی پیدائش بالاتفاق ۵۷ھ میں ہوئی، اس حساب سے آپ کی عمر پہلے سنہ وفات کے مطابق اکسٹھ سال سے زیادہ ہوگی -

اولاد:

امام باقر کی کئی اولادیں تھیں، جعفر، عبداللہ - یہ دونوں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پوتی ام فروہ کے بطن سے تھے - علی اور زینب یہ دونوں ام ولد سے تھے - ام سلمہ یہ بھی ام ولد سے تھیں - ان میں جعفر الملقب بہ صادق سب میں نامور ہیں اور آپ کے جانشین تھے - [4]

لباس:

امام باقر نہایت خوش لباس تھے - خز جو ایک بیش قیمت کپڑا ہے اور سادہ اور رنگین دونوں طرح کا لباس استعمال کرتے تھے - ابریشم کے بوٹے دار کپڑے بھی پہنتے تھے اور وسمہ اور کتم کا خضاب لگاتے تھے - [5]

---

[1] ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۲۳۶ - [2] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۵۰ -

[3] ابن سعد جلد ۵ ص ۲۳۸ - [4] ابن سعد جلد ۵ ص ۲۳۵ -

[5] ایضاً ص ۲۳۶ -

marfat.com

٦٦- محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

محمد نام' ابوحمزہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے' محمد بن کعب بن حبان بن سلیم بن اسد قرظی ان کے والد کعب بنی قریظہ کے یہودی اور انصار کے قبیلہ اوس کے حلیف تھے- غزوہ بنی قریظہ میں گرفتار ہوئے- لیکن بہت کم سن تھے اس لیے چھوڑ دیئے گئے-

فضل وکمال:

محمد بن کعب بڑے فاضل اور بلند مرتبہ تابعی تھے- ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ علم وفقہ میں مدینہ کے فاضل ترین علماء میں تھے[1] امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے ائمہ تابعین میں تھے[2]

قرآن:

ان کو قرآن اور حدیث دونوں میں یکساں کمال حاصل تھا- عجلی ان کو ثقہ' رجل صالح اور عالم قرآن لکھتے ہیں-[3] عون بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے تاویل قرآن کا ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا-[4] حافظ ذہبی مفسر قرآن لکھتے ہیں-[5]

حدیث:

حدیث کے ممتاز حافظ تھیں- علامہ ابن سعد ثقہ عالم اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں-[6]

حدیث میں انہوں نے مغیرہ بن شعبہؓ' معاویہؓ' کعب بن عجرہ، ابوہریرہؓ، زید بن ارقم' ابن عباسؓ، ابن عمرو بن العاص' عبداللہ بن یزید خطمی- عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب،

---

۱ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱ - ۲ تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۹۰-

۳ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱- ۴ ایضاً - ۵ دول الاسلام ذہبی ج اول ص ۵۶-

۶ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱ بحوالہ ابن سعد-

marfat.com

براء بن عازب، جابرؓ اور انس بن مالکؓ سے استفادہ کیا۔

ان سے فیض اٹھانے والوں میں ان کے بھائی عثمان، حکم بن عیینہ، یزید بن ابی زیاد، ابن عجلان، موسیٰ بن عبیدہ، ابومعشر، ابوجعفر خطمی، یزید بن الہاد، ولید بن کثیر، محمد بن المنکدر، عاصم ابن کلیب، ایوب بن موسیٰ، ابن ابی الموال، ابی المقدام اور ہشام بن زیاد وغیرہ لائق ذکر ہیں۔[1]

فقہ:

فقہ میں مدینہ کے ممتاز فقہاء میں شمار تھا۔ ''کان من افاضل اهل المدينه علما و فقها''۔

زہد وورع:

زہد وورع کی دولت سے بھی بہرہ مند تھے۔ ابن سعد ان کو علماء متورعین میں۔ حافظ ذہبی زاہد اور ابن عماد حنبلی علم صلاح اور ورع سے متصف لکھتے ہیں۔[5]

وفات:

۸۸ھ میں وفات پائی۔[6]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۲۱ بحوالہ ابن سعد۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

[4] دول الاسلام ج اول ص ۵۶۔ [5] شذرات الذہب ج اول ص ۱۳۶۔

[6] ایضاً۔

marfat.com

۶۷-محمد بن مسلم المعروف بہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

محمد نام' ابو بکر کنیت' نسب نامہ یہ ہے-محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب ابن حارث بن زہرہ بن کلاب بن قرشی-زہری کے والد کا نام مسلم تھا-لیکن وہ اپنے دادا شہاب بن حارث کی نسبت سے مشہور ہوئے-ان کے پردادا عبداللہ بن شہاب آغاز اسلام میں دوسرے عمائد قریش کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے-اور بدر واحد کے مشہور معرکوں میں مشرکین کے ساتھ اسلام کے استیصال کے لیے نکلے تھے اور شرکائے احد کے ان پرجوش مشرکین میں تھے' جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کردینے یا خود لڑ کر مرجانے کا عہد کیا تھا[1]

اسی دشمن اسلام کی نسل میں محمد بن مسلم پیدا ہوئے' جن کی دینی خدمات کو اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی-وہ ان چند ائمہ اسلام میں سے ایک ہیں' جن کی ذات سے اسلام کے مذہبی علوم میں زندگی پیدا ہوئی-اور اس کی روشنی سے ساری دنیائے اسلام منور ہوئی-

حصول علم کی استعداد:

علمی کمالات کے اعتبار سے ابن شہاب کا کوئی معاصر ان کا ہم پایہ نہ تھا-حصول علم کی استعداد ان میں فطری تھی-ذہانت' ذکاوت اور قوت حافظہ بے نظیر پائی تھی ذہین ایسے تھے کہ کسی مسئلہ کو دوبارہ سمجھنے کی ضرورت نہ پیش آتی تھی-حافظہ اتنا قوی تھا کہ ایک مرتبہ جو بات سن لی وہ ہمیشہ کے لیے لوح دل پر نقش ہوگئی اور دوبارہ پوچھنے کی ضرورت

---

[1] ابن خلکان جلد اول ص ۴۵۱-

marfat.com

نہ پڑی [1] ان کی قوت حافظہ کی یہ ادنیٰ مثال ہے کہ اسی دن میں پورا کلام اللہ حفظ کر لیا تھا [2] ساری عمر میں صرف ایک مرتبہ ایک حدیث میں کچھ شبہ پیدا ہوا تھا - لیکن پوچھنے کے بعد معلوم ہوا کہ جس طریقہ سے ان کو یاد تھی ویسی ہی تھی [3]

ذوق وطلب:

اس ذہن اور حافظہ کے ساتھ ان کے ذوق اور طلب جستجو کا بھی یہی حال تھا - علم وفن کا کوئی خرمن ایسا نہ تھا جس سے انہوں نے خوشہ چینی نہ کی ہو آٹھ سال تک امام مدینہ سعید بن مسیب کی خدمت میں رہے تھے - اس عہد کا مدینہ وہ تھا جس کی گلی گلی علم وفن کا مرکز تھی - یہاں کے تمام زن ومرد اور بوڑھے بچے ایک علمی درس گاہ تھے - ابن شہاب گھر گھر آ کر سب سے استفادہ کرتے تھے - ابوالزناد کا بیان ہے کہ ہم لوگ زہری کے ساتھ علماء کے گھروں کا چکر لگاتے تھے - زہری کے ساتھ تختیاں اور بیاضیں ہوتی تھیں' وہ جو کچھ سنتے جاتے تھے اس کو قلمبند کرتے جاتے تھے [4]

علمی مجلسوں میں وہ سب سے پہلے جاتے - اور بلا امتیاز بوڑھوں اور بچوں سب سے استفادہ کرتے تھے - ان مجلسوں سے نکلنے کے بعد وہ مدینہ کی گلیوں کا طواف کرتے اور تمام بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں تک سے استفادہ کرتے - سعد بن ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ زہری علم میں آپ لوگوں پر کیسے فائق ہو گئے - انہوں نے جواب دیا وہ علمی مجالس میں سب سے پہلے آتے تھیں یہاں سے اٹھ کر وہ انصار کے گھروں پر جاتے اور کوئی جوان نوخیز - ادھیڑ عمر مرد اور بوڑھی عورتیں باقی نہ رہتیں جن سے وہ فائدہ نہ حاصل کرتے ہوں - یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں تک کے پاس چلے جاتے - [5]

جہاں کسی فاضلہ خاتون کا پتہ چلتا فوراً اس کے پاس پہنچتے - ان کا خود بیان ہے

---

1 تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۴۸ - 2 تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۹۷ -
3 ایضاً ص ۹۸ - 4 ایضاً ص ۹۶ - 5 تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۴۹ -

marfat.com

کہ ایک مرتبہ قاسم بن محمد نے مجھ سے کہا کہ تم میں علم کی بڑی حرص ہے' اس لیے میں تم کو علم کے ظرف کا پتہ بتاتا ہوں- انہوں نے کہا ضرور بتائیے- قاسم نے کہا عبدالرحمٰن کی لڑکی کے پاس جاؤ- انہوں نے ام المومنین عائشہ ؓ کے آغوش تربیت میں پرورش پائی ہے- چنانچہ میں ان کے پاس گیا- واقعی وہ علم کا بحر بیکراں تھیں[1]

ہمہ گیری:

ان کا ذوق ہمہ گیر تھا- کسی خاص علم وفن کی تخصیص نہ تھی' بلکہ وہ ہر علم یکساں ذوق سے حاصل کرتے تھے- اور جو کچھ سنتے تھے سب کچھ لکھ لیتے تھے- ابوالزناد کا بیان ہے کہ ہم لوگ صرف حلال وحرام کے مسائل قلمبند کرتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے سب کچھ لکھ لیتے تھے' جب آگے چل کر ضرورت پڑی تو معلوم ہوا کہ وہ سب سے بڑے عالم ہیں[2]

جامعیت:

ان کے ذوق کی اس ہمہ گیری کی وجہ سے انہیں جملہ فنون میں یکساں دستگاہ حاصل تھی- جس فن پر وہ گفتگو کرتے تھے معلوم ہوتا تھا کہ یہی ان کا خاص فن ہے- لیث کا بیان ہے کہ میں نے زہری سے زیادہ جامع شخصیت نہیں دیکھی- جب وہ ترغیب پر گفتگو کرتے تو معلوم ہوتا کہ وہ اسی کے بڑے عالم ہیں- جب عرب اور انساب عرب پر روشنی ڈالتے تو معلوم ہوتا یہی ان کا خاص موضوع ہے- اور جب قرآن اور سنت پر بولتے تو معلوم ہوتا یہی ان کا خاص فن ہے-[3] معمر کا بیان ہے کہ جن جن فنون میں ان کو درک تھا' ان میں وہ اپنا مثل نہ رکھتے تھے[4]

قرآن:

قرآن کے وہ بڑے حافظ تھے' اور اس کے متعلقات پر ان کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کلام اللہ ان کا خاص موضوع معلوم ہوتا تھا- نافع نے جو حضرت عبداللہ بن عمر ؓ جیسے حبر الامۃ کے تربیت یافتہ تھے' ان سے قرآن کا دورہ کیا تھا-[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۹- [2] تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۴۸- [3] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۹۶-
[4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۹- [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۹-

marfat.com

حدیث:

اگر چہ ان کو جملہ فنون میں یکساں کمال حاصل تھا - لیکن ان کا خاص فن حدیث و سنت تھا - اس کا انہیں جتنا ذوق تھا اور جس مشقت سے انہوں نے صدہا خرمنوں سے ایک ایک دانہ چن کر علم کا انبار لگایا تھا' اس کے حالات اوپر گزر چکے ہیں' انہوں نے اس عہد کے تمام ائمہ اور اکابر علماء کا علم اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا - ابن مدینی کا بیان ہے کہ حجاز میں ثقات کا سارا علم زہری اور عمرو بن دینار کے درمیان تقسیم تھا - ان کی احادیث کی تعداد دو ہزار دوسو تک پہنچی [1]

سنن رسول اور سنن صحابہ:

انہیں سنن رسول اور سنن صحابہ کے ساتھ بڑا ذوق تھا - اور مدینہ کے جملہ سنن انہوں نے قلمبند کر لیے تھے صالح بن کیسان کا بیان ہے کہ وہ تحصیل علم میں زہری کے ساتھ تھے - انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم کو سنن لکھ لینا چاہیے - چنانچہ ہم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے تمام سنن لکھ لیے - سنن رسول اللہ ﷺ کو قلمبند کرنے کے بعد انہوں نے کہا اب صحابہ کے سنن کو لکھنا چاہیے - لیکن سنن صحابہ ہم لوگوں نے نہیں لکھے اور انہوں نے لکھ لیے - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کامیاب رہے اور میں نے موقع ضائع کر دیا [2]

مدینہ کے سنن رسول اور سنن صحابہ انہی کی ذات سے محفوظ رہے تھے' امام شافعی فرماتے تھے کہ اگر زہری نہ ہوتے تو مدینہ کے سنن ضائع ہو جاتے [3] وہ بالاتفاق اپنے زمانہ کے سنن کے سب سے بڑے عالم تھے عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ اب ابن شہاب سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں رہا [4]

علم حاضر:

انہوں نے حافظہ ایسا پایا تھا کہ جو کچھ حاصل کیا تھا وہ سب محفوظ تھا - وہ خود کہا

---

[1] تہذیب جلد ۹ ص ۴۴۷ - [2] ایضاً ص ۴۴۸ - [3] تہذیب الاسماء ج اول ص ۹۱ -

[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۷ - [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۷ - [5] تہذیب ج ۹ ص ۴۴۸ -

marfat.com

کرتے تھے کہ میں نے اپنے سینہ میں جو علم ودیعت کیا وہ نہیں بھولا[1] پھر حفظ کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ سینکڑوں حدیثیں سنا جاتے تھے اور جب پھر انہیں دہرانے کی ضرورت ہوتی تھی تو ایک حرف کا بھی تغیر و تبدل نہ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک نے اپنے کسی لڑکے کے واسطے ان سے حدیثیں لکھنے کی درخواست کی' انہوں نے چار سو حدیثیں قلمبند کرادیں' ایک مہینہ کے بعد ہشام نے امتحاناً کہا کہ وہ مجموعہ گم ہو گیا' انہوں نے پھر لکھوا دیا۔ بعد میں دونوں مجموعوں میں مقابلہ کیا گیا تو ایک حرف کا فرق نہ تھا۔[2] علاوہ ان احادیث سنن کے جوان کے سینہ ہی میں رہ گئیں ان کی مرویات کی تعداد دو ہزار سے اوپر ہے۔[3] غرض حدیث میں کا پایہ نہایت بلند تھا۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کے مناقب اور ثناء وصفت اور ان کے حفظ کے کمالات شمار سے باہر ہیں[4]

مرویات کا پایہ:

حفظ حدیث میں ان کی روایات کی کثرت سے زیادہ ان کی کیفیت اور نوعیت معیار کمال ہے اس اعتبار سے زہری کی روایات کا جو پایہ تھا اس کا اندازہ ان رایوں سے ہوگا۔ عمرو بن دینار جو خود بہت بڑے محدث تھے' فرماتے تھے کہ میں نے زہری سے زیادہ حدیث میں کسی کو انص نہیں دیکھا۔[5] امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کی رائے ہے کہ زہری کی وہ روایات اصح ہیں جو انہوں نے سالم سے اور سالم نے اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہیں[6]

شیوخ:

چونکہ زہری نے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی تھی۔ اس لیے ان کے شیوخ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ جن میں بہت سی فاضلہ خواتین بھی ہیں۔ ان کے عہد کے صحابہ اور اکابر تابعین میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جس سے انہوں نے استفادہ نہ کیا ہو۔ صحابہ میں عبداللہ بن عمرؓ،

---

1 تہذیب [illegible] ص ۴۴۶۔ 2 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۷۔ 3 ایضاً ص ۹۶۔
4 تہذیب الاسماء ج اول ق ۱ ص ۹۱۔ 5 تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۸۔
6 تہذیب الاسماء ج اول ص ۹۱۔ 7 تہذیب ج ۹ ص ۴۴۶ و تہذیب الاسماء ص ۹۱۔

marfat.com

عبداللہ بن جعفر، ربیعہ بن عبادؓ، مسور بن مخرمہؓ، انس بن مالکؓ، سہل بن سعدؓ، سائب بن یزیدؓ، شیبؓ، ابو جمیلہؓ، عبدالرحمٰن بن ازہرؓ، محمود بن ربیعؓ، عبداللہ بن ثعلبہؓ، عبداللہ بن عامرؓ بن ربیعہؓ، سعد بن سہل اور ابو الطفیلؓ وغیرہ اکابر تابعین میں سعید بن میتب' مدینہ کے ساتوں مشہور فقہاء- ان کے علاوہ تابعین کی ایک بڑی جماعت سے فیض اٹھایا تھا جن کی فہرست بہت طویل ہے-

تلامذہ:

ابن شہاب کی ذات مرجع انام تھی- اس لیے ان کے تلامذہ کی تعداد بھی بے شمار ہے ان میں بعض تلامذہ حدیث کے نام یہ ہیں- عطاء بن ابی رباح' عمر بن عبدالعزیز' عمرو بن دینار' صالح بن کیسان' یحیٰ بن سعید انصاری' ایوب سختیانی' عبداللہ بن مسلم زہری' امام اوزاعی' ابن جریج' محمد بن علی بن حسین' محمد بن منکدر' منصور بن معتمر' موسیٰ بن عقبہ' ہشام بن عروہ' امام مالک' معمر الزبیدی' ابن ابی ذیب' لیث' اسحٰق بن یحیٰ کلبی اور بکر بن وائل وغیرہ [1]

فقہ:

فقہ میں بھی بہت بلند پایہ رکھتے تھے- مدینہ کے ساتوں مشہور فقہاء کا علم ان کے سینہ میں محفوظ تھا [2] ان کے علاوہ اس عہد کے تمام اکابر فقہاء کے علم کے وہ وارث تھے- جعفر بن ربیعہ کا بیان ہے کہ میں نے عراک بن مالک سے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے بڑا فقیہ کون ہے انہوں نے کہا سعید بن میتب' عروہ اور عبداللہ بن عبداللہ- یہ نام گنوانے کے بعد کہا میرے نزدیک زہری ان سب سے بڑے عالم تھے- اس لیے کہ انہوں نے ان سب کا علم اپنے علم میں شامل کر لیا تھا- [3]

فتاویٰ:

اس فقہی کمال کی وجہ سے مدینہ کی مجلس افتا کے مسند نشین تھے- ان کے فتاوی کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ محمد بن نوح نے فقہی ترتیب سے ان کو تین ضخیم جلدوں میں جمع کیا تھا- [4]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۶ و تہذیب الاسماء ج ا ق ا ص ۹۱- [2] ابن خلکان ج ا ص ۴۵۱-
[3] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۸- [4] اعلام الموقعین ج ا ول صفحہ ۲۶-

marfat.com

مغازی:

مغازی کے وہ امام تھے۔ ان سے پہلے کسی نے مغازی کی طرف توجہ نہ کی تھی۔ تاریخ اسلام میں وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مغازی پر مستقل کتاب لکھی، امام سہیلی کے بیان کے مطابق یہ اس فن کی سب سے پہلی کتاب تھی۔ ان کی ذات سے مغازی اور سیرت کا عام مذاق پیدا ہوگیا۔ ان کے تلامذہ میں یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح، عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق نے اس فن میں بڑا کمال پیدا کیا۔ خصوصاً آخر الذکر دونوں تلامذہ نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔

علماء میں ابن شہاب کا درجہ:

زہری کا علمی مرتبہ اس عہد کے تمام علماء اور ارباب کمال میں مسلم تھا، ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے زہری سے بڑا عالم نہیں دیکھا، کسی نے پوچھا حسن بصری کو بھی نہیں۔ انہوں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں نے زہری سے بڑا کسی کو بھی نہیں پایا[1] مکحول سے جنہوں نے تحصیل علم کے سلسلہ میں ساری دنیا چھان ماری تھی اور دنیائے اسلام کے تمام بڑے بڑے علماء سے ملے تھے، کسی نے پوچھا تم سب سے بڑے کس عالم سے ملے۔ انہوں نے جواب دیا ابن شہاب سے، امام مالک فرماتے تھے کہ دنیا میں زہری کا کوئی مثل نہ تھا[2] سعد بن ابراہیم یہاں تک مبالغہ کرتے تھے کہ میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بعد زہری کے اتنا علم کسی میں نہ تھا[3]

اشاعت علم:

خدا نے زہری کو جس فیاضی کے ساتھ علم کی دولت عطا کی تھی۔ اسی فیاضی کے ساتھ انہوں نے اس کو تقسیم کیا اور اس کی اشاعت میں سعی بلیغ کی، فرمایا کرتے تھے، نہ کسی نے تحصیل علم میں میرے جیسی مشقت اٹھائی اور نہ اس کی اشاعت میں،[4] ان کے تلامذہ کی فہرست سے ان کی علمی خدمات کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے۔

---

1. تہذیب الاسماء ج اول ص ۹۱۔ 2. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۷۔
3. تہذیب الاسماء ج اول ص ۹۲۔ 4. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۷۔

marfat.com

علمی انہماک:

ان کی پوری زندگی علم میں ڈوبی ہوئی تھی اس کے سوا ان کا کوئی مشغلہ نہ تھا۔ علمی انہماک میں وہ دنیا و مافیہا حتیٰ کہ بیوی تک سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ جب گھر آتے تھے تو کتابوں کے ڈھیر میں گم ہو جاتے تھے۔ ان کی بیوی نے ایک دن تنگ آ کر کہا: ''خدا کی قسم یہ کتابیں میرے لیے تین سوتوں سے زیادہ تکلیف دہ ہیں''۔[1]

عہدۂ قضاء اور خلفاء سے تعلقات:

عبدالملک، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز اور ہشام وغیرہ جو چھ خلفاء زہری کے زمانہ میں تھے ان سب سے ان کے گہرے تعلقات تھے۔ اس کا آغاز عبدالملک سے ہوا۔ عبدالملک خود بڑا صاحب علم اور جوہر شناس تھا، اگر وہ خلیفہ ہو کر برباد نہ ہو گیا ہوتا تو عہد تابعین کا نہایت جلیل القدر عالم ہوتا۔ امام شعبی اس کے علمی کمالات کے اتنے معترف تھے کہ فرماتے تھے، میں جن لوگوں سے ملا عبدالملک کے سوا اپنے کو سب سے افضل پایا۔[2] عبدالملک کے سامنے جب میں کوئی حدیث بیان کرتا یا شعر پڑھتا، تو وہ اس میں اور اضافہ کر دیتا۔[3]

زہری سب سے اول ۸۰ھ میں عبدالملک کے پاس دمشق گے۔ وہ ان کے علمی کمالات سے بہت متاثر ہوا۔ زہری مقروض تھے۔ ان کا کل قرض ادا کر دیا۔ قرض کی ادائیگی کے علاوہ اور بھی سلوک کیے۔ اور انہیں دمشق کے عہدۂ قضا پر ممتاز کیا۔[4] اس تعلق سے زہری کا دمشق میں مستقل قیام ہو گیا تھا اور وہ عبدالملک ہی کے ساتھ رہتے تھے۔ اموی خلفاء میں عبدالملک کے بعد عمر بن عبدالعزیز بڑے صاحب علم اور جوہر شناس تھے۔ وہ زہری کو بہت مانتے تھے۔ بلکہ ان کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ اوپر زہری کے بارے میں ان کے بعض اقوال گزر چکے ہیں۔ انہوں نے تمام ممالک محروسہ میں اعلان کروا دیا تھا کہ سب لوگ ابن شہاب کی اقتدا کیا کریں کہ ان سے زیادہ سنت ماضیہ کا جاننے والا کوئی نہیں مل سکتا۔[5]

---

[1] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۱ - [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۷ - [3] ابن خلکان ج اول ص ۴۵۲ -
[4] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۴۵۱ - [5] ایضاً ص ۴۵۱ -

marfat.com

عبدالملک کی وفات کے بعد زہری اس کے لڑکے ہشام کے ساتھ رہنے لگے تھے۔ پھر ہشام کے لڑکے کے اتالیق ہوگئے تھے۔ ہشام پر بھی ان کا بڑا اثر تھا' اور وہ انہیں بہت مانتا تھا۔ اس نے ہزاروں روپیہ کا ان کا قرض ادا کیا' ہشام کے ساتھ ان کی درباری گفتگو اور حاضر جوابی کے بعض دلچسپ واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ ایک دن یہ اور ابوالزناد ہشام کے دربار میں تھے' ہشام نے ان سے سوال کیا کہ اہل مدینہ کے وظیفے کس مہینہ میں تقسیم ہوا کرتے تھے' زہری نے لاعلمی ظاہر کی' اس نے ابوالزناد سے پوچھا' انہوں نے بتایا محرم میں' یہ جواب سن کر ہشام نے زہری سے کہا ابوبکر! یہ علم تم کو آج حاصل ہو۔ زہری نے برجستہ جواب دیا امیر المومنین کی مجلس ایسی ہی ہے کہ اس سے علمی استفادہ کیا جائے۔[1]

فیاضی:

فیاضی اور سیر چشمی زہری کا نمایاں وصف تھا۔ وہ دولت کی کوئی حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ میں نے درہم و دینار کو زہری کی نگاہ سے زیادہ کسی کی نگاہ میں بے وقعت نہیں دیکھا' وہ اس کو اونٹ کی مینگنی سے زیادہ نہ سمجھتے تھے۔[2] اسی کا نتیجہ تھا کہ بے دریغ روپیہ لٹاتے تھے اور بار بار مقروض ہو جاتے تھے' عبدالملک اور ہشام نے بارہا ان کا قرض ادا کیا' لیکن ان کی غلط بخشیوں نے ان کو ہمیشہ مقروض رکھا۔ ولید بن محمد موقری کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ زہری سے کہا کہ ابوبکر تم میں صرف ایک عیب قرض لینے کا ہے' جواب دیا مجھ پر قرض ہی کیا ہے' کل چالیس ہزار دینار کا قرض ہے۔ اور میرے پاس چار غلام ہیں جن میں سے ہر ایک چالیس ہزار سے زیادہ بہتر ہے اور صرف ایک پوتا میرا وارث ہے۔ میری تو تمنا یہ ہے کہ کسی کو میری وراثت نہ ملتی۔[3]

وفات:

۱۲۴ھ میں یہ آفتاب علم و عمل دنیا سے روپوش ہوا۔

حلیہ:

قد پستہ تھا۔ سر پر کاکلیں تھیں۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۹۷۔ [2] ابن خلکان جلد اول ص ۴۵۱۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۹۔

maktat.com

۶۸-محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

محمد نام' ابوعبداللہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے محمد بن منکدر بن عبداللہ بن ہدیر بن عبدالعزیٰ ابن عامر بن حارث بن حارثہ بن سعد بن تیم بن مرہ تیمی قرشی مدنی۔

فضل وکمال:

محمد بن منکدر فضل وکمال اور زہد وتقویٰ میں نہایت بلند پایہ رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ان کی ثقاہت اور علمی وعملی برتری پر سب کا اتفاق ہے' اوران کے نام کے ساتھ امام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں[1] حافظ ابن حجر ائمہ اعلام میں لکھتے ہیں[2]

قرأت:

قرآن کے ممتاز قاری تھے۔امام مالک انہیں سید القراء کہتے تھے[3]

حدیث:

حدیث کے بڑے نامور حافظ تھے' حافظ ذہبی امام وقت کے لقب سے یاد کرتے ہیں' حدیث میں انہوں نے صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت سے فیض اٹھایا تھا۔ صحابہ کرام میں ایوب انصاریؓ، انس بن مالکؓ، جابرؓ، ابوامامہ بن سہیلؓ، ربیعہ بن عبداللہ، عبداللہ ابن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابوقتادہؓ، سفینہؓ، اور عائشہ صدیقہؓ اور تابعین میں سعید بن مسیب' عبیداللہ بن ابی رافع' عروہ بن زبیر' معاذ بن عبدالرحمٰن التیمی' سعید بن عبدالرحمٰن بن یربوع اور ابوبکر بن سلیمان سے روایتیں کی ہیں[4]

صحابہ میں بعض بزرگوں سے ان کی روایت مرسل ہیں۔لیکن علما کے نزدیک ان کی مرسلات دوسروں کی مرفوع روایت سے زیادہ لائق اعتماد ہیں' ابن عیینہ کا بیان ہے کہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۳۔ [2] تہذیب ج ۹ ص ۴۷۳۔
[3] تہذیب ج ۹ ص ۴۷۳۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۷۴۔

marfat.com

وہ صدق کی کان تھے، صلحاء ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔ میں نے ان کے سوا کسی کو اس کا اہل نہیں دیکھا۔ کہ وہ قال رسول اللہ ﷺ کہے اور بے چون وچرا مان لیا جائے[1]
ابراہیم کہتے تھے کہ وہ حفظ، اتقان اور زہد کے انتہائی درجہ پر تھے اور حجت تھے[2]

تلامذہ:

جن لوگوں نے ان سے سماع حدیث کیا تھا ان میں ان کے صاحبزادے یوسف اور منکدر اور بھتیجے ابراہیم اور عبدالرحمن اور عام مستفیدین میں عمرو بن دینار، امام زہری، ایوب، انس بن عبید، سلمہ بن دینار، جعفر بن محمد صادق، محمد بن واسع، سعد بن ابراہیم، سہیل بن ابی صالح، ابن جریج، علی بن زید، موسیٰ بن عقبہ، ہشام بن عروہ، اور یحییٰ بن سعید انصاری وغیرہ لائق ذکر ہیں[3]

فقہ:

فقہ وفتویٰ میں بھی پورا درک تھا۔ مدینۃ الرسول کے صاحب افتا تابعین میں ان کا شمار تھا[4]

زہد وورع:

زہد وتقویٰ کا رنگ بہت گہرا تھا اپنے نفس کی اصلاح کے لیے وہ بڑی سخت ریاضتیں کرتے تھے۔ مسلسل چالیس سال تک نفس پر ہر طرح کی سختیاں جھیلیں،[5] امام مالکؒ فرماتے تھے کہ وہ عابد وزاہد ترین بزرگوں میں تھے۔ ابن عماد حنبلی لکھتے ہیں کہ ان کا گھر صلحاء اور عباد کا ماویٰ اور مخزن تھا[6]

رقت قلب واثر پذیری:

ان کے دل میں اتنا گداز تھا کہ کلام اللہ کی مؤثر آیات پڑھ کر بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے۔ ایک شب کو تہجد میں بہت روئے، صبح کو ان کے بھائیوں نے سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ اس آیت پر گریہ طاری ہوا تھا۔

﴿ بدا لهم من الله ما لم يكونوا يحتسبون ﴾

---

1 تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۷۴۔ 2 تہذیب ج ۹ ص ۴۷۵۔ 3 ایضاً ص ۴۷۴۔ 4 اعلام الموقعین ج اول ص ۲۶۔ 5 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۴۔ 6 شذرات الذہب ج اول ص ۱۷۸۔

marfat.com

''ان لوگوں کے لیے خدا کی جانب سے ایسی چیز ظاہر ہوگی جس کا وہم و گمان بھی نہ کرتے تھے''۔

حدیثوں سے تاثر کا بھی یہی حال تھا۔ امام مالک کا بیان ہے کہ جب ان سے کوئی حدیث پوچھی جاتی تو وہ رونے لگتے تھے[1]

حج کا ذوق:

حج کا اتنا ذوق و شوق تھا کہ مقروض ہونے کی حالت میں بھی حج کرتے تھے کسی نے اعتراض کیا کہ آپ قرض کا بار ہوتے ہوئے بھی حج کرتے ہیں' فرمایا حج خود ہی قرض کی ادائیگی میں سب سے بڑا معین و مددگار ہے۔ جب حج کو جاتے تھے تو تنہا نہ جاتے تھے بلکہ عورتوں اور بچوں سب کو ساتھ لے جاتے' کسی نے اس کے بارے میں کہا' فرمایا ان کو خدا کے سامنے پیش کرتا ہوں[2]

ان کی زندگی کا اثر دوسروں پر:

ان کے دیکھنے سے نفس کی اصلاح ہوتی تھی' امام مالک کا بیان ہے کہ جب میں اپنے قلب میں قساوت محسوس کرتا تھا تو جا کر ابن منکدر کو دیکھتا تھا۔ اس کا یہ اثر ہوتا تھا کہ چند دنوں تک نفس میری نگاہ میں مبغوض ہو جاتا تھا۔

بہترین عمل اور بہترین دنیا:

کسی نے ان سے پوچھا' آپ کے نزدیک سب سے افضل کون شے ہے' فرمایا مسلمانوں کو خوش کرنا' پوچھا سب سے پسندیدہ دنیا کون ہے۔ جواب دیا دوستوں کے ساتھ سلوک کرنا[3]

وفات:

۱۳۰ھ میں وفات پائی' عالم احتضار میں سخت رقت طاری ہوئی۔ فرمایا مجھے اس آیت بدالھم من اللہ مالم یکونوا یحتسبون سے خوف ہے کہ مبادا میرے لیے بھی خدا کی جانب سے ایسی شے ظاہر ہو جو میرے وہم و گمان میں نہ ہو[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۱۴۔ [2] شذرات الذہب جلد اول ص ۱۷۸۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

۶۹-مسروق بن اجدع ؒ

نام ونسب:

مسروق نام' ابو عائشہ کنیت' ان کے والد کا نام اجدع اور اسلامی نام عبدالرحمٰن تھا- وہ یمن کے مشہور خاندان ہمدان کے سردار اور عرب کے نامور شہسوار عمرو بن معدیکرب کے عزیز تھے' نسب نامہ یہ ہے مسروق بن اجدع (عبدالرحمٰن) بن مالک بن امیہ بن عبداللہ بن مر بن سلمان بن معمر بن حارث بن سعد بن عبداللہ بن وداعہ بن عمرو بن عامر بن ناشج ہمدانی-

اسلام:

مسروق نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا- عہد رسالت میں موجود تھے- ان کے گھرانے کے افراد اسی عہد میں مسلمان ہوگئے تھے- خود ان کے عزیز عمرو بن معدیکرب نے مدینہ جا کر آنحضرت ﷺ کے دست حق پر اسلام قبول کیا تھا[1] لیکن مسروق اس عہد میں اس شرف سے محروم رہے- ان کے زمانۂ اسلام کا صریح تذکرہ نہیں ملتا- بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے وہ عہد صدیقی میں مسلمان ہو چکے تھے- ابن سعد میں خود ان کی زبانی یہ روایت ملتی ہے کہ میں نے ابوبکر صدیق ؓ کے پیچھے نماز پڑھی[2]

عہد فاروقی:

عہد فاروقی میں مسروق نمایاں نظر آتے ہیں- فاروقی عہد میں ایک مرتبہ وہ یمن کے وفد میں آئے- حضرت عمرؓ نے ان سے نام ونشان پوچھا' انہوں نے بتایا مسروق ابن اجدع- حضرت عمر ؓ نے فرمایا اجدع شیطان ہے- تم مسروق بن عبدالرحمٰن ہو- اس وقت سے ان کے والد کا نام بدل گیا- ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ نے ان سے نہیں بلکہ ان کے والد ہی سے نام پوچھ کر اجدع کے بجائے عبدالرحمٰن تجویز کیا تھا[3]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۳۸۴- [2] ایضاً- [3] ایضاً ج ۶ ص ۵۰-

marfat.com

بہر حال ان دونوں روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد فاروقی میں باپ بیٹے دونوں مدینہ آئے تھے۔

مسروق یمن کے نامور شہسواروں میں تھے۔ عہد فاروقی میں اپنے بھائی عبداللہ ابوبکر اور منتشر کے ساتھ قادسیہ کے مشہور معرکہ میں شریک ہوئے' تینوں بھائی شہید ہوئے مسروق کا لڑتے لڑتے ہاتھ شل ہوگیا' اور سر میں گہرا زخم آ گیا۔ جس کا نشان ہمیشہ باقی رہا۔ اس نشان کو وہ بہت محبوب رکھتے تھے' کہ شجاعت و جانبازی کی سند تھا۔ اور اس کا مٹ جانا ناپسند کرتے تھے[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حمایت:

لیکن ان کی یہ شجاعت و شہامت اسلام کی خدمت کے لیے اور غیروں کے مقابلہ میں تھی۔ مسلمانوں کی خانہ جنگی میں ان کی تلوار نیام میں رہی۔ عثمانی عہد کے ہنگاموں میں انہوں نے کسی جانب سے حصہ نہیں لیا۔ لیکن بحیثیت خیرخواہ اسلام کے وہ اپنے شہر (کوفہ) والوں کو اہل مدینہ کی اعانت اور حمایت پر آمادہ کرتے تھے[2]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب جنگ جمل کی تیاریاں شروع ہوئیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو حصول مدد کے لیے کوفہ بھیجا تو سب سے پہلے مسروق ان سے ملے اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''ابوالیقظان تم لوگوں نے عثمان کو کس بات پر شہید کر دیا'' انہوں نے جواب دیا اپنی آبروریزی اور مار پر' مسروق نے کہا خدا کی قسم تم لوگوں نے جتنی سزا پائی تھی اس سے زیادہ انتقام لیا' اگر تم نے صبر کیا ہوتا۔ تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر تھا[3]

خانہ جنگی سے احتراز:

جنگ جمل سے خانہ جنگی کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا' وہ جنگ صفین تک جاری رہا' مسروق نے ان میں سے کسی میں حصہ نہیں لیا۔ کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں کا

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۵۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

marfat.com

سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہاں رہ کر مسروق کے لیے بچنا مشکل تھا' اس لیے وہ اپنے کو بچانے کے لیے کوفہ چھوڑ کر قزوین چلے گئے تھے[1]

شعبی کا بیان ہے کہ مسروق کسی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ تھے۔ جب ان سے پوچھا جاتا کہ تم نے علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔ تو کہتے میں تم لوگوں کو خدا کا واسطہ دلا کر پوچھتا ہوں کہ فرض کرو کہ جب ہم لوگ ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوں اور فریقین اسلحہ نکال کر ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہوں۔ اس وقت تمہاری آنکھوں کے سامنے آسمان میں کوئی دروازہ کھل جائے' اور اس سے فرشتے اتر کر دونوں صفوں کے درمیان آ کر کہیں:

﴿ یاایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم و لا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما ﴾

''اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو تم ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ پر نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ تمہاری رضا مندی سے تجارت سے حاصل ہو' اور اپنے نفسوں کو ہلاک نہ کرو اللہ تعالیٰ تمہارے حال پر رحیم ہے''۔

تو ان کا یہ کہنا فریقین کے لیے جنگ سے مانع ہوگا یا نہیں۔ لوگ جواب دیتے' ضرور ہوگا' اس وقت مسروق کہتے'' خدا کی قسم تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ خدا آسمان کا دروازہ کھول چکا ہے اور اس کے راستہ سے ایک فرشتہ اتر کر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ حکم سنا چکا ہے' جو صحائف میں موجود ہے' اور اس کو کسی شے نے منسوخ نہیں کیا ہے[2]

ایک دوسری روایت میں عامر بیان کرتے ہیں کہ مسروق نے مجھ سے کہا کہ جب مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑنے کے لیے صف بستہ ہوں۔ اور اس وقت آسمان سے ایک فرشتہ نمودار ہو کر ندا دے کہ:

﴿ یایھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بالباطل ...... الخ ﴾

''اے ایمان والو! ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ''۔

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۳۰۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱ ص ۵۲۔

marfat.com

تو تمہارا کیا خیال ہے کیا لوگ جنگ کریں گے یا رک جائیں گے۔ میں نے کہا اگر وہ بے حس اور جامد پتھر نہیں ہیں تو ضرور رک جائیں گے' یہ جواب سن کر انہوں نے کہا تو خدا کا ایک سماوی صفی اس حکم کے ساتھ ایک ارضی صفی پر نازل ہو چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود لوگ نہ رکے' حالانکہ ایمان بالغیب عینی مشاہدہ کے بعد کے ایمان سے بہتر ہے' ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف خود کنارہ کش رہے بلکہ عام مسلمانوں کو روکنے کے لیے صفین کے میدان تک گئے۔ اور دونوں صفوں کے درمیان میں کھڑے ہو کر یہ وعظ سنا کر لوگوں کو جنگ سے روکتے تھے[1] لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ وہ خود شریک ہوئے اور کسی حیثیت سے بھی صفین میں نہیں گئے۔

قضاءت:

اموی دور میں کچھ دنوں قاضی رہے[2]

وفات:

۶۳ھ میں مرض الموت میں مبتلا ہوئے' زندگی ہمیشہ سے متوکلانہ تھی دولت دنیا سے کبھی دامن آلودہ نہ ہوا تھا۔ قضاءت کے زمانہ میں بھی کوئی معاوضہ نہ لیتے تھے[3] اس لیے کفن تک کی کوڑی نہ تھی۔

شعبی کا بیان ہے کہ مسروق نے مرتے وقت کفن تک کی قیمت نہ چھوڑی اور اس کے لیے قرض کی وصیت کی' مگر یہ ہدایت کردی کہ زراعت پیشہ اور چرواہے سے نہ لیا جائے۔ بلکہ مویشی رکھنے والے یا تجارت پیشہ سے لیا جائے۔ دم آخر بارگاہ ایزدی میں عرض کیا '' خدایا میں رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی سنت کے خلاف طریقہ پر نہیں مر رہا ہوں۔ خدا کی قسم میں نے اپنی تلوار کے علاوہ کسی انسان کے پاس کوئی سونا اور چاندی نہیں چھوڑا ہے۔ اسی کے ذریعہ مجھے کفنانا' (غالباً اس سے تلوار بیچ کر روپیہ حاصل کرنے کی طرف اشارہ تھا)

---

1 ابن سعد ج ۶ ص ۵۱۔ 2 ایضاً ص ۵۵۔ 3 ایضاً۔

marfat.com

ان کے وصایا کے بعد سلسلہ وسط میں وفات پائی اور یہیں سپرد خاک کیے گئے۔

ان کی وفات کے بعد بھی ان کا روحانی فیض جاری رہا۔ خشک سالی کے مواقع پر خلق اللہ ان کے مزار پرانوار پر جمع ہو کر پانی کے لیے دعا کرتی تھی، اور اس کی برکت سے پانی برستا تھا[1]

فضل و کمال:

علمی اعتبار سے علمائے تابعین میں تھے، انہیں آغاز عمر ہی سے طلب علم کا ذوق تھا، شعبی کا بیان ہے کہ ان سے زیادہ علم کا طلب کرنے والا کوئی نہ تھا[2] خوش قسمتی سے انہیں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی شفیق اور فاضلہ ماں مل گئی تھیں جو انہیں اپنے لڑکے کی جگہ سمجھتی تھیں مسروق کے ساتھ ان کو مادرانہ محبت تھی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ان کو متبنیٰ بنا لیا تھا[3] مگر یہ صحیح نہیں ہے مگر اس میں شبہ نہیں ہے کہ مسروق پر وہ غیر معمولی شفقت فرماتی تھیں، اور انہیں بیٹا کہہ کر پکارتی تھیں، جب وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو شہد سے ان کی تواضع کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ مسروق چند آدمیوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حکم دیا کہ میرے لڑکے کے لیے شہد گھولو[4] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد مسروق نے ابن مسعودؓ کے خرمن کمال سے خصوصیت کے ساتھ خوشہ چینی کی تھی اور ان کے نہایت ممتاز اصحاب میں تھے۔ ابن مدائنی کا بیان ہے کہ میں عبداللہ ابن مسعودؓ کے اصحاب میں مسروق پر کسی کو ترجیح نہیں دیتا[5]

مسروق کے ذاتی شوق و جستجو اور ان دونوں بزرگوں کے فیض صحبت نے مسروق کو علماء اعلام میں بنا دیا۔ حافظ ذہبی ان کو فقیہ اور علمائے اعلام میں لکھتے ہیں[6] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت، توثیق، فضیلت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے[7] مرہ کہا کرتے تھے کہ کوئی ہمدانی عورت مسروق جیسا فرزند پیدا نہ کر سکی[8]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۷۶۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۸۸۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۲۔
[4] ابن سعد ج ۶ ص ۷۶۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۲۔ [6] ایضاً۔
[7] تہذیب الاسماء ق ۲ ص ۸۸۔ [8] ابن سعد ج ۶ ص ۷۷۔

marfat.com

حدیث وسنت:

حدیث و سنت میں مسروق کا علم خاصہ وسیع تھا- علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کانت لہ احادیث صالحۃ ''[1] اس فن میں انہوں نے حضرت عائشہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے علاوہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، خباب بن ارتؓ، عبداللہ بن عمرؓ، ابن عمرو بن العاصؓ، مغیرہ بن شعبہؓ وغیرہ جیسے اکابر صحابہ سے فیض پایا تھا- حدیث کے ساتھ وہ سنت کی تعلیم بھی دیتے تھے-[2]

فقہ وفتاویٰ:

مسروق کا خاص فن فقہ تھا- اس میں وہ امامت و اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے وہ عبداللہ ابن مسعودؓ کے ان اصحاب میں تھے جن کا شغل ہی درس و افتا تھا-[3] افتا میں قاضی شریح ان سے مشورہ لیا کرتے تھے- شعبی کا بیان ہے کہ مسروق افتا میں شریح سے فائق تھے- وہ ان سے مشورہ لیا کرتے تھے-[4] اور خود مسروق ان کے مشورہ سے بالکل بے نیاز تھے-[5]

قضاءت:

اس فقہی کمال کی بنا پر انہیں قضاءت میں خاص ملکہ تھا' اور یہ مشغلہ ان کے پسند خاطر بھی تھا- قاضی شریح کا فیصلوں میں ان سے مشورہ لینا اس کی سب سے بڑی سند ہے اوپر گزر چکا ہے وہ اموی دور میں کچھ دنوں قاضی بھی رہے انہیں قضاء سے اس قدر ذوق تھا کہ کہا کرتے تھے کہ مجھے کسی قضیہ میں صحیح اور حق کے موافق فیصلہ کرنا ایک سال کے جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پسند ہے-[6]

فضائل اخلاق:

علم کے ساتھ مسروق عمل اور فضائل اخلاق کے زیور سے بھی آراستہ تھے-

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۵۲- [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۰- [3] ایضاً ص ۱۱۱-

[4] ابن سعد ج ۶ ص ۵۵- [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۳-

[6] ابن سعد ج ۶ ص ۵۵-

marfat.com

خشیت الٰہی:

تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ خشیت الٰہی ہے۔ مسروق اصل علم خوف خدا کو سمجھتے تھے اور اس کے مقابلہ میں غرور علم کو جہل تصور کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ انسان کے لیے یہ علم کافی ہے کہ وہ خدا سے ڈرتا رہے اور جہل یہ ہے کہ اپنے علم پر غرور کرے[1]

عبادت و ریاضت:

عابد مرتاض تھے۔ بڑی ریاضت کرتے تھے۔ نمازوں کی کثرت سے دونوں پاؤں ورم کر آتے تھے۔ خاص خاص زمانوں میں ان کی عبادت اور زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ طاعون کی وباء کے زمانے میں وہ عبادت کے لیے گوشہ تنہائی اختیار کر لیتے تھے۔ بعض لوگوں کو یہ شبہہ ہوتا تھا کہ طاعون کی وجہ سے ہٹ گئے ہیں' حالانکہ اس کی غرض محض عبادت ہوتی تھی' انس بن سیرین کا بیان ہے کہ ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ مسروق طاعون سے بھاگتے تھے' لیکن محمد کو اس کا یقین نہ آیا' انہوں نے کہا ان کی بیوی سے چل کر پوچھنا چاہیے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے جا کر ان سے پوچھا' انہوں نے کہا خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ وہ کبھی بھی طاعون سے نہیں بھاگتے تھے۔ البتہ جس زمانہ میں طاعون کی وبا پھیلتی تھی وہ کہتے کہ یہ شغل و ذکر کے ایام ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تنہائی میں عبادت کروں' چنانچہ وہ عبادت کرنے کے لیے گوشہ خلوت اختیار کر لیتے تھے' اور اپنے نفس کے اوپر سختیاں کرتے تھے کہ بسا اوقات میں ان کے حالات دیکھ کر ان کے پیچھے بیٹھ کر روتی تھی[2] حج کے زمانہ میں جب تک مکہ میں رہتے' اس وقت سجدہ ہی میں سوتے تھے[3]

توبہ و استغفار:

وہ اپنے نفس کا محاسبہ اور گناہوں کو یاد کر کے ان کے لیے استغفار کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ انسان کے لیے ایسی مجالس ہونی چاہئیں جن میں بیٹھ کر وہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے خدا سے استغفار کرتے[4]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۵۴۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۵۴۔
[3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۳۔ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۵۴۔

marfat.com

دنیا کی حقیقت:

ان کی نگاہ میں دنیا کی کوئی حقیقت نہ تھی، وہ اس کو ایک مزبلہ سے زیادہ وقت نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ اپنے بھتیجے کا ہاتھ پکڑ کر ایک مزبلہ پر لے گئے اور فرمایا میں تم کو دنیا دکھاؤں۔ دیکھو یہ دنیا ہے کہ اس کو کھا کر دفنا دیا۔ پہن کر پرانا اور بوسیدہ کر دیا۔ سوار ہو کر لاغر کر دیا۔ اس کے لیے خون بہایا، محارم اللہ کو حلال اور رحم کو قطع کیا۔[1]

دنیا سے بے تعلقی:

اسی لیے دنیا کی جانب ان کا دل کبھی مائل نہ ہوا۔ اور کسی دنیاوی شے میں ان کے لیے کوئی کشش نہ تھی۔ حضرت سعید بن جبیر ان کے ہم مذاق و ہم مشرب تھے ان میں اور مسروق میں راز و نیاز کی باتیں ہوا کرتی تھیں۔ ابن جبیر کا بیان ہے کہ مسروق نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا، سعید اب کوئی ایسی شے نہیں جس کی جانب میلان خاطر باقی ہو بجز اس کے کہ اپنے چہروں کو اسی مٹی میں آلودہ کریں۔[2]

دولت دنیا سے بے نیازی:

اس دل شکستگی کی وجہ سے وہ دولت دنیا سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ لوگ ان کی خدمت کرنا چاہتے تھے لیکن وہ قبول نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ خالد بن اسید نے ان کے پاس تیس ہزار کی رقم بھیجی۔ انہوں نے اس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے اعزہ نے بہت سمجھایا کہ لے لیجیے اس سے صدقہ کیجیے گا۔ عزیزوں کے ساتھ سلوک کیجیے گا اور اس قبیل کے دوسرے کاموں میں لائیے گا۔ مگر انہوں نے کسی طرح قبول نہ کیا۔[3]

توکل وقناعت:

اس بے نیازی کی وجہ سے کبھی کبھی فاقہ کی نوبت آ جاتی تھی۔ لیکن توکل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ ایک مرتبہ گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ بیوی نے کہا عائشہ کے باپ آج تمہارے بال بچوں کے کھانے کو کچھ نہیں ہے، یہ سن کر مسروق مسکرائے اور کہا خدا

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۵۵۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۱۳۶۔ [3] ایضاً ج ۶ ص ۵۳۔

marfat.com

کی قسم وہ ضرور ان کے لیے رزق کا انتظام کرے گا۔[1]

انفاق فی سبیل اللہ:

اس قناعت اور توکل کے باوجود بڑے فیاض اور سیر چشم تھے، جب انہیں کوئی رقم ہاتھ آ جاتی تھی تو اس کو خدا کی راہ میں صرف کر دیتے تھے۔ اپنی لڑکی کی شادی سائب بن اقرع کے ساتھ کی، اور ان سے مہر کے علاوہ دس ہزار اپنے لیے حاصل کیے۔ یہ کل رقم مجاہدین فی سبیل اللہ، مساکین اور مکاتب غلاموں کی آزادی کے لیے مخصوص کر دی تھی۔[2]

احتیاط:

اتنے محتاط تھے کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں میں احتیاط ملحوظ رکھتے تھے۔ جب کشتی پر سوار ہونے لگتے تو طہارت کے خیال سے ایک اینٹ ساتھ لے لیتے جس پر سجدہ کرتے۔[3] جس کا کوئی کام ان سے نکلتا تھا اس سے ہدیہ تک قبول نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی معاملہ میں ایک شخص کی سفارش کی۔ اس نے شکریہ میں ایک لونڈی لا کر پیش کی۔ یہ اسے دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور کہا اگر مجھے پہلے تمہارے اس خیال کا علم ہوتا تو میں کبھی تمہاری سفارش نہ کرتا۔ جتنی سفارش کر چکا وہ کر چکا، اب جتنی ضرورت اور باقی رہ گئی ہے، اس کے بارے میں کچھ نہ کہوں گا۔ میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ جو شخص کسی کا حق دلانے یا ظلم کے انسداد کے لیے کسی کی سفارش کرے اور اس کے معاوضہ میں اس کو ہدیہ دیا جائے اور سفارش کرنے والا قبول کر لے تو وہ ہدیہ اس پر حرام ہے۔[4]

---

[1] ابن سعد ج ۶ ص ۵۳۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً ص ۳۵۴۔ [4] ابن سعد ج ۶ ص ۵۳۔

marfat.com

۷۰- مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

مسعر نام' ابوسلمہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے مسعر بن کدام بن ظہیر بن عبید اللہ بن حارث ابن عبداللہ بن عمرو بن عبد مناف بن ہلال بن عامر بن صعصعہ قرشی عامری-

فضل وکمال:

مسعر علمی اور مذہبی دونوں کمالات کے اعتبار سے ممتاز ترین تابعین میں تھے- یعلی بن مرہ کا بیان ہے کہ مسعر کی ذات علم اور ورع دونوں کی جامع تھی[1] عراق میں ان کے پایہ کے علماء کم تھے- ہشام بن عروہ کا بیان ہے کہ عراقیوں میں مسعر اور ایوب سے افضل ہمارے یہاں کوئی نہیں آیا-[2] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے-[3]

حدیث:

حدیث کے وہ اکابر حفاظ میں تھے- امام ذہبی انہیں حافظ اور علمائے اعلام میں لکھتے ہیں[4] ان کے حافظہ میں ایک ہزار حدیثیں محفوظ تھیں[5]

حدیث میں انہوں نے عمرو بن سعید نخعی' ابواسحاق سبیعی' عطاء' سعید بن ابراہیم ثابت ابن عبید اللہ انصاری' عبدالملک بن نمیر' ہلال بن خباب' حبیب بن ابی ثابت' علقمہ بن مرثد' قتادہ' معن بن عبدالرحمن' مقدام بن شریح اور اعمش وغیرہ ایک کثیر جماعت سے استفادہ کیا تھا[6]

ان کی مرویات کا پایہ:

ان کی روایات کی صحت کے لیے یہ کافی ہے کہ شعبہ کے پایہ کے محدث انہیں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۷۰- [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۴- [3] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۸۹- [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۶۹- [5] ایضاً- [6] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۳ و تہذیب الاسماء-

marfat.com

مصحف کہتے تھے[1] ان کی ذات ہی احادیث کی جانچ کے لیے معیار تھی۔ چنانچہ ''میزان'' ان کا لقب ہو گیا تھا۔[2]

کم ایسے محدث نکلیں گے جن کی مرویات پر کسی نہ کسی حیثیت سے تنقید نہ کی گئی ہو لیکن مسعر کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔[3]

ائمہ حدیث شک اور اختلاف کے موقع پر ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ سفیان ثوری کا بیان ہے کہ جب ہم لوگوں میں (حدیث کی) کسی چیز کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو مسعر سے پوچھتے تھے۔[4] ابراہیم بن سعد کہتے تھے کہ سفیان اور شعبہ میں کسی کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا تو میزان مسعر کے پاس جاتے تھے۔[5]

احتیاط:

اس محدثانہ کمال کے باوجود وہ روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے۔ اس ذمہ داری سے وہ اس قدر گھبراتے تھے کہ فرماتے تھے کہ ''کاش حدیثیں میرے سر پر شیشوں کا بار ہوتیں کہ گر کر چور چور ہو جاتیں'' ان کی احتیاط شک کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔ ابونعیم کا بیان ہے مسعر اپنی احادیث میں بڑی شکی تھے۔ لیکن وہ کوئی غلطی نہ کرتے تھے[6] اعمش کہا کرتے تھے کہ مسعر کا شیطان ان کو کمزور کر کے شک دلاتا رہتا ہے۔[7]

ان کے اس شک نے ان کی احادیث کا درجہ اتنا بلند کر دیا تھا کہ محدثین ان کے شک کو یقین کا درجہ دیتے تھے۔ اعمش سے بعض لوگوں نے کہا کہ مسعر اپنی حدیثوں میں شک کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ان کا شک اوروں کے یقین کے برابر ہے۔[8]

فقہ:

فقہ میں اگرچہ کوئی قابل ذکر شخصیت نہ تھے تاہم کوفہ کی صاحب افتا جماعت میں تھے۔

---

1. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۷۰۔ 2. تہذیب ج ۱ ص ۱۴۔ 3. تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۴۔
4. تہذیب الاسماء ج اول ص ۸۹۔ 5. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۷۰۔ 6. تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۱۴۔
7. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۶۹۔ 8. اعلام الموقعین ص ۲۸۔

marfat.com

حلقہ درس:

مسجد میں حلقہ درس تھا- عبادت کے معمولات کے بعد روزانہ مسجد میں بیٹھ جاتے تھے اور شائقین حدیث اردگرد حلقہ باندھ کر استفادہ کرتے تھے[1]

زہد و عبادات:

ان کی ماں بڑی عابدہ تھیں- ان کے فیض تربیت کا مسعر پر بڑا گہرا اثر پڑا تھا- ان کی ماں بھی مسجد میں نماز پڑھتی تھیں- اکثر دونوں ماں بیٹے ایک ساتھ مسجد میں جاتے- مسعر نمدہ لیے ہوتے تھے- مسجد میں پہنچ کر ماں کے لیے نمدہ بچھا دیتے- جس پر کھڑی ہو کر وہ نماز پڑھتیں- مسعر علیحدہ مسجد کے اگلے حصہ میں نماز میں مشغول ہو جاتے- مسعر انہیں حدیث سناتے' اس درمیان میں ان کی ماں عبادت سے فارغ ہوتیں- مسعر درس سے فارغ ہونے کے بعد ماں کا نمدہ اٹھاتے اور ان کے ساتھ گھر واپس آتے[2] ان کے صرف دو ٹھکانے تھے[3] گھر یا مسجد- کثرت عبادت سے پیشانی پر اونٹ کے گھٹے کی طرح نہایت موٹا گھٹا پڑ گیا تھا[4]

روزانہ نصف قرآن کی تلاوت کرتے تھے- ان کے صاحبزادے محمد کا بیان ہے کہ والد آدھا قرآن ختم کیے بغیر نہ سوتے تھے[5] وہ کسی درجہ پر پہنچ کر رکے نہیں- اور ان کے روحانی مدارج ہمیشہ ترقی پذیر رہے- ابن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے مسعر کو خیر میں ہر روز ترقی کرتے دیکھا[6] معن کا بیان ہے کہ ہم نے ان کو ہر دن پہلے دن سے افضل پایا- وہ عبادت و ریاضت اور فضائل اخلاق کے اس درجہ پر پہنچ گئے کہ لوگ ان کے جنتی ہونے میں کوئی شک نہ کرتے تھے- حسن بن عمارہ کہا کرتے تھے کہ اگر مسعر کے جیسے آدمی بھی جنت میں داخل نہ ہوں گے تب تو جنتیوں کی تعداد بہت ہی کم ہو گی-[7]

ابن مبارک یا کسی اور اسی درجہ کے بزرگ نے ان کے فضائل سے متاثر ہو کر

---

[1] ابن سعد ج ٦ ص ٢٥٣- [2] ابن سعد ج ٥ ص ٢٥٣-

[3] ایضاً ص ٢٥٤- [4] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ١٧٠-

[5] ایضاً ص ١٧٠- [6] ایضاً- [7] ابن سعد ج ٦ ص ٢٥٣-

marfat.com

ان کی شان میں یہ اشعار کہے تھے[1]

من كان ملتمسا جليسا صالحا فليات حلقة مسعر بن كدام

''جس شخص کو اچھے جلیس کی تلاش ہو اس کو مسعر بن کدام کے حلقہ میں آ جانا چاہیے''

فيها السكينة والوقار واهلها اهل العفاف وعليه الاقوام

''اس میں سکینہ ہے اور وقار ہے اور اس کے ارکان پاکباز اور اونچے درجے کے ہیں''

دولت دنیا سے بے نیازی:

دنیا اور اس کے شان و شکوہ سے بالکل بے نیاز تھے۔ چنانچہ حکومت کے عہدوں کو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ ابوجعفر عباسی آپ کا عزیز تھا۔ اس نے ان کو کسی مقام کا والی بنانا چاہا، انہوں نے کہا میرے گھر والے تو مجھے دو درہم سودا لانے کے لائق بھی نہیں سمجھتے۔ اور کہتے ہیں ہم تمہارا دو درہم کا سودا کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ اور تم مجھے والی بنانا چاہتے ہو۔ خدا تم کو صلاحیت دے۔ ہماری قرابت داری ہے اس لیے ہمارا حق ہے (کہ ہم بھی کچھ کہہ سکیں) ان کے اس عذر پر ابوجعفر نے ان کو اس خدمت سے معاف کر دیا[2]

خوش اخلاقی:

نہایت خوش اخلاق تھے۔ دوسروں کے جذبات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ جب انہیں کوئی ایسی حدیث سناتا جس سے وہ خود اس شخص سے زیادہ واقف ہوتے، تو وہ محض اس کی دل شکنی اور احترام حدیث کے خیال سے انجان بن کر نہایت خاموشی سے سنتے تھے[3]

وفات:

باختلاف روایت ۱۵۲ھ یا ۱۵۵ھ میں کوفہ میں وفات پائی[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۷۱۔ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۷۰۔

[3] ابن سعد ج ۶ ص ۲۵۳۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

۱۷- مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

مسلم نام، ابو عبداللہ کنیت، مشہور صحابی حضرت طلحہ بن عبیداللہ تیمی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔

فضل وکمال:

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ ان کی ذات علم وعمل کا مجمع البحرین تھی۔ ان کی غلامی کے فیض اور مدینۃ الرسول کے قیام سے مسلم کا دامن علم وعمل کی دولت سے معمور ہوگیا تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان مسلم ثقة فاضلا عابدا ورعا''،[۱] مسلم ثقہ، فاضل، عبادت گزار اور ورع تھے۔ ابن عون کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں مسلم پر کسی کو فضیلت نہیں دی جاتی تھی۔[۲]

حدیث:

مدینہ کے قیام کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عباس اور ابن عمرؓ جیسے اکابر امت اور ابی الاشعث صنعانی، حمران بن ابان وغیرہ سے حدیث میں استفادہ کا موقع ملا تھا۔[۳]

ثابت البنانی، یعلی بن حکیم، محمد بن سیرین، ایوب سختیانی، ابونضرہ بن قتادہ، صالح، ابوالخلیل، محمد بن واسع، عمرو بن دینار اور ابان بن ابی عیاش جیسے علماء ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے۔[۴]

فقہ:

فقہ میں ان کا پایہ نہایت بلند تھا۔ ان کا شمار بصرہ کے ان پانچ فقہاء میں تھا جو اپنے زمانہ کے امام سمجھے جاتے تھے۔[۵]

فضائل اخلاق:

ان کے علم سے زیادہ ان کا عمل تھا، ابن سعد ان کو عابد اور متورع لکھتے ہیں۔[۶]

---

۱ ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۷۔ ۲ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۴۰۔ ۳ ایضاً۔
۴ ایضاً۔ ۵ تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۹۳۔ ۶ ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۷۔

marfat.com

ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ بصرہ کے عبادت گزار بزرگوں میں تھے[1]

شرط ایمان:

آپ کے نزدیک ایمان باللہ کے لیے یہ ضروری تھا کہ اس کی تمام ناپسندیدہ چیزوں کو ترک کر دیا جائے۔ چنانچہ فرماتے تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بندہ کا ایمان کس کام آ سکتا ہے اگر وہ خدا کی ناپسندیدہ باتوں کو نہیں چھوڑتا[2]

نماز میں ذوق واستغراق:

ان کی نماز بڑے کیف اور استغراق کی ہوتی تھی۔ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کو نور القاء ہو رہا ہے۔ ابن عون کا بیان ہے کہ جب وہ نماز میں ہوتے تھے تو بے جان لکڑی معلوم ہوتے تھے' بدن اور کپڑے میں ذرا حرکت نہ ہوتی تھی' نماز کی حالت میں کیسے ہی خطرہ کی اور گھبرا دینے والی صورت پیش آ جاتی ان پر اس کا مطلق اثر نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے پہلو ہی میں آگ لگ کر بجھ گئی لیکن ان کو مطلق خبر نہ ہوئی[3]

مرض کے علاوہ جب کہ انسان بالکل مجبور ہو جاتا ہے اور کسی حالت میں خدا کے حضور میں بیٹھ کر تضرع پسند نہ تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے کشتی میں بیٹھ کر نماز پڑھنے کے متعلق پوچھا۔ فرمایا میں اسے پسند نہیں کرتا کہ خدا مجھے مرض کے علاوہ اپنی نماز میں بیٹھا ہوا دیکھے[4] دعوت الی الصلوۃ کا اتنا لحاظ تھا کہ اگر دور سے کانوں میں اذان کی آواز آ جاتی تو اسی مسجد میں جا کر نماز پڑھتے۔ ایک مرتبہ کسی مسجد سے واپس جا رہے تھے کہ کچھ دور جا کر اذان کی آواز سنی اسے سن کر پھر مسجد لوٹ گئے' مؤذن نے پوچھا آپ لوٹ کیوں آئے۔ فرمایا تم نے لوٹا دیا[5]

مسجد کی خدمت ان کا خاص مشغلہ تھا۔ مسجدوں میں چراغ جلایا کرتے' اس مشغلہ

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۱۴۱۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۶۔
[3] ایضاً۔ [4] ایضاً ص ۱۳۶۔ [5] ایضاً ص ۱۳۶۔

marfat.com

کی وجہ سے مسلم المسبح یعنی چراغ جلانے والے مسلم۔ ان کا لقب ہو گیا تھا۔[1]

پابندی سنت میں اہتمام:

سنت کی پابندی میں بڑا اہتمام تھا، معمولی معمولی سنتیں بھی نہ چھوٹنے پاتی تھیں، محض سنت کے خیال سے جوتا پہن کر نماز پڑھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جوتا اتارنا میرے لیے آسان ہے، لیکن محض پابندی سنت کے خیال سے جوتوں میں نماز پڑھتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ خرمے سے روزہ افطار کرتے تھے۔ اس لیے ان کا افطار بھی خرمے سے ہی ہوتا تھا۔[2]

کتاب اللہ کا احترام:

کتاب اللہ کا اتنا احترام ملحوظ رہتا تھا کہ جس ہاتھ سے قرآن پکڑتے تھے اس کو محل نجاست سے مس نہ کرتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ میں داہنے ہاتھ سے شرمگاہ کو مس کرنا برا سمجھتا ہوں۔ کیونکہ اس سے قرآن پکڑا پڑتا ہے۔[3]

ریا اور جہل شیطان کا آلہ ہے:

ریا اور دکھاوے کو جہالت اور شیطان کا آلہ سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ تم لوگ نمائش سے بچو۔ کیونکہ وہ عالم کی جہالت کی ساعت ہے۔ اسی کے ذریعہ سے شیطان لغزش پیدا کرتا ہے۔[4]

حلم ومتانت:

نہایت متین اور حلیم الطبع تھیں۔ اشتعال کے موقع بھی زبان سے کوئی ناروا کلمہ نہ نکلتا تھا۔ کبھی کسی کو گالی نہیں دی۔ غیظ وغضب کے موقع پر جو سب سے زیادہ غلط لفظ ان کی زبان سے نکلتا تھا، وہ یہ تھا کہ ''اب مجھ سے قطع تعلق کرلو''۔ جب وہ یہ الفاظ کہہ دیتے تو لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ اس کے بعد غصہ کا کوئی درجہ باقی نہیں رہ گیا۔[5]

---

1 تہذیب ج ۶ ص ۱۴۰۔ 2 ابن سعد ج اول ص ۱۳۶۔

3 ایضاً۔ 4 ایضاً۔ 5 ایضاً۔

marfat.com

فتنہ اشعث کے ابتلاء پر تاسف:

اس متانت طبع کا نتیجہ یہ تھا کہ شور و شر اور جنگ و جدال کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ لیکن محمد بن اشعث کی شورش میں جس میں متعدد اکابر تابعی مبتلا ہو گئے تھے' ان کا دامن بھی محفوظ نہ رہ سکا۔ اور اس میں وہ شریک ہو گئے تھے۔ گو اس میں بھی انہوں نے تلوار نہیں اٹھائی لیکن محض شرکت پر سخت متاسف تھے۔ ابو قلابہ کا بیان ہے' ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں میرا اور مسلم کا ساتھ ہوا' انہوں نے اشعث کے فتنہ کا ذکر کر کے کہا الحمد اللہ میں نے اس فتنہ میں نہ کوئی تیر پھینکا' نہ نیزہ مارا' اور نہ تلوار چلائی۔ میں نے کہا' لیکن یہ بتایئے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوگا جنہوں نے آپ کو صف میں کھڑا دیکھ کر کہا کہ مسلم بن یسار اس جنگ میں ہیں اور وہ ناحق کسی معاملہ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ یہ خیال کر کے وہ لڑے اور مارے گئے۔ یہ سن کر وہ بے تحاشا رونے لگے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر مجھے ندامت ہوئی کہ میں نے ایسا کیوں کہا۔[1]

وفات:

عمر بن عبد العزیز کے عہد خلافت ۱۰۰ھ یا ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔[2]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۳۔

[2] ایضاً ج ص ۱۳۷۔

marfat.com

۷۲- مطرف بن عبداللہ

نام ونسب:

مطرف نام' ابوعبداللہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے مطرف بن عبداللہ بن الشخیر بن عوف بن کعب بن وقدان بن الحریش بن کعب بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ۔

پیدائش:

مطرف عہد نبوی ﷺ میں پیدا ہو گئے تھے[1] لیکن صغرسنی یا بعد مسافت کی وجہ سے شرف زیارت سے محروم رہے۔

ذوق علم:

مطرف کو تحصیل علم کا بڑا ذوق وشوق تھا' اس کے فضل کو وہ عبادت کے فضل سے زیادہ پسند کرتے تھے[2]

فضل وکمال:

اس ذوق نے ان کو علمی کمالات' زہد وورع اور تہذیب اخلاق جملہ فضائل و کمالات کا پیکر بنا دیا تھا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ ان کی ذات میں فضل وورع۔ روایۃ اور عقل وادب سب جمع تھے[3] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم وعمل میں سرخیل تھے۔ اسلام میں ان کی خاص جلالت شان اور لوگوں کے دلوں میں ان کی خاص وقعت تھی[4]

حدیث:

ان کے زمانہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی بڑی تعداد موجود تھی۔ اور انہوں نے ان

---

۱ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۷۴۔ ۲ ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۳۔

۳ ایضاً۔ ۴ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۵۔

marfat.com

کے فیوض و برکات سے پورا استفادہ کیا- چنانچہ حضرت عثمانؓ، علیؓ، ابوذرؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن مغفلؓ، عثمان بن ابی العاصؓ، عمران بن حصینؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، اور حضرت عائشہؓ سے حدیثیں روایت کی ہیں ان سے فیض پانے والوں میں ان کے بھائی ابوالعلاء یزید' بھتیجے عبداللہ بن ہانی اور حسن بصری' حمید بن ہلال' ابونصرہ' غیلان بن جریر' سعید بن ابی ہند' محمد بن واسع' ابوالتیاح' ثابت البنانی' عبدالکریم بن رشید' سعید الحریری اور ابوسلمہ' سعید بن یزید وغیرہ لائق ذکر ہیں[1]

فقہ:

فقہ میں پورا درک حاصل تھا- بصرہ کے مفتیوں میں تھے[2]

زہد وورع:

ان کے علم کے مقابلہ میں ان کے عمل اور زہد وورع کا پلہ بھاری تھا- علامہ ابن سعد انہیں متورعین میں لکھتے ہیں[3] عجلی لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں اور رجل صالح تھے' ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ بصرہ کے عابد وزاہد تابعین میں تھے-[4]

شورو فتن سے اجتناب:

اس زہد وورع کی وجہ سے شوروشر اور انقلاب و ہنگامہ آرائی سے بہت گھبراتے تھے اور اس کو ابتلا سمجھتے تھے- فرماتے تھے کہ فتنہ رہبری اور رہنمائی کے لیے نہیں بلکہ مومن کو اس کے نفس سے لڑا دینے کے اٹھتا ہے' ان کے زمانہ میں بڑے بڑے انقلابات وحوادث ہوئے- لیکن انہوں نے اپنا دامن ان سے بچائے رکھا عموماً فتنہ کے زمانہ میں وہ کسی طرف نکل جاتے تھے- اور اگر نہ نکل سکتے تھے تو چھپ کر کسی گوشہ میں بیٹھ جاتے تھے اور جمعہ اور جماعت کے لیے نکلتے تھے- عقبہ کا بیان ہے کہ میں نے مطرف کے بھائی یزید بن عبداللہ سے پوچھا کہ جب فتنہ موجزن ہوتا تھا تو مطرف کیا کرتے تھے' انہوں نے بتایا

---

1 تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۱۷۲- 2 اعلام الموقعین ج اول ص ۶۷-

3 ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۳- 4 تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۷۳-

marfat.com

کہ گھر کے اندرونی حصہ میں گوشہ گیر ہو جاتے تھے اور جب تک فتنہ کے شعلے ٹھنڈے نہ ہو جاتے اس وقت تک وہ ان لوگوں کے ساتھ جمعہ اور جماعت میں بھی شریک نہ ہوتے تھے[1]

دوسروں کو بھی فتنہ میں پڑنے سے روکتے تھے۔ قتادہ کا بیان ہے کہ جب فتنہ کا زمانہ ہوتا تو مطرف لوگوں کو اس میں مبتلا ہونے سے روکتے اور خود کہیں بھاگ جاتے۔ حسن بصری بھی لوگوں کو روکتے تھے' لیکن ہٹتے نہ تھے۔ اس لیے مطرف ان کے متعلق کہا کرتے تھے کہ حسن بصری اس شخص کی طرح ہیں جو دوسروں کو سیلاب سے ڈراتا ہے لیکن خود اس کے دھارے پر کھڑا رہتا ہے[2]

انتہائی احتیاط کی بنا وہ ان ہنگاموں کے حالات تک نہ پوچھتے' ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور بنی امیہ کا ہنگامہ انہی کے زمانہ میں ہوا یہ لوگوں سے اس کے حالات بھی نہ پوچھتے تھے اور چونکہ لوگ ان کے خیالات سے واقف تھے' اس لیے وہ بھی ان کے سامنے تذکرہ نہ کرتے تھے[3]

عبدالرحمٰن بن اشعث کے انقلابات میں جو حجاج اور عبدالملک کے خلاف اٹھا تھا۔ بڑے بڑے تابعین شریک ہو گئے تھے لوگوں نے مطرف پر بھی شرکت کے لیے زور ڈالا۔ انہوں نے ان سے سوال کیا کہ ''تم لوگ جس چیز میں شرکت کی دعوت دیتے ہو کیا وہ جہاد فی سبیل اللہ سے بھی زیادہ بڑھ جائے گا''۔ انہوں نے جواب دیا نہیں' فرمایا تو میں ہلاکت میں پڑنے اور فضیلت حاصل کرنے کے درمیان جوا نہیں کھیلتا[4] یعنی مشتبہ جنگ میں نہیں پڑ سکتا انہیں امن و عافیت کی زندگی طبعاً پسند تھی۔ فرماتے تھے کہ مجھے عافیت کی زندگی پر شکر ادا کرنا ابتلاء اور آزمائش پر صبر کرنے سے زیادہ پسند ہے۔[5]

نفس ایک ہے:

عقائد میں نہایت سخت تھے' اور اس کے تحفظ میں بڑا اہتمام تھا۔ ایک مرتبہ چند حروری (خارجی) آپ کے پاس آئے' اور اپنے عقائد کو قبول کرنے کی دعوت دی آپ

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۳۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۳۔ [3] ایضاً۔

[4] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۴۔ [5] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۵۔

marfat.com

نے جواب دیا کہ اگر میرے دو نفس ہوتے تو ایک نفس سے تمہارے عقائد مان لیتا اور دوسرے کو محفوظ رکھتا' جو کچھ تم کہتے ہو اگر وہی ہدایت ہوتا تو دوسرے نفس سے بھی تمہاری پیروی کر لیتا اور اگر ضلالت ہوتا تو اگر ایک نفس ہلاک ہو جاتا تو کم از کم دوسرا تو محفوظ رہتا- لیکن نفس ایک ہی ہے اس لیے اس کو میں دھوکے کی جگہ نہیں لگا سکتا۔[1]

دنیا عالم اسباب ہے:

اگرچہ آپ بڑے زاہد و متورع تھے لیکن اندھے اعتماد اور توکل کے قائل نہ تھے' بلکہ دنیا کو عالم اسباب مانتے تھے- چنانچہ فرماتے تھے کہ "یہ جائز نہیں ہے کہ ایک شخص ایک بلند مقام سے اپنے کو نیچے گرا دے' اور کہے خدا نے میری قسمت مقدر کر دی ہے- بلکہ انسان کو چاہیے وہ وہ بچتا رہے' اور کوشش کرے- اگر اس احتیاط اور کوشش کے باوجود اسے نقصان پہنچ جائے یا مصیبت پیش آ جائے تو پھر اسے تقدیر الٰہی سمجھنا چاہیے- تقدیر خداوندی کے علاوہ کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی۔[2] اسی لیے وہ طاعون کے زمانہ میں وباز دہ حلقہ سے ہٹ جاتے تھے۔[3]

عقل بہترین عطیہ قدرت ہے:

آپ کے بعض اقوال نہایت حکیمانہ ہیں- فرماتے تھے کہ انسان کو قدرت کی جانب سے عقل سے بہتر کوئی شے عطا نہیں کی گئی' لوگوں کی عقلیں ان کے زمانہ کے مطابق ہوتی ہیں۔[4] اپنا کھانا اس شخص کو نہ کھلاؤ جسے اس کی خواہش نہیں ہے۔[5] یعنی بے محل کسی شے کو ضائع نہ کرو-

دنیاوی شان وشکوہ:

وہ دنیاوی نعمتوں سے متمتع ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے خدا نے ان کو دولت دنیا سے وافر حصہ دیا تھا اور وہ بڑی شان اور وقار کی زندگی بسر کرتے تھے- حافظ ذہبی

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۴- [2] ایضاً-
[3] ایضاً- [4] ایضاً ص ۱۰۴- [5] ایضاً ص ۱۰۵-

marfat.com

لکھتے ہیں کہ مطرف سردار اور بلند مرتبہ تھے بہترین کپڑے پہنتے تھے سلاطین کے درباروں میں آمد ورفت رکھتے تھے[1] لیکن اس ظاہری شان وشوکت سے ان کی اخلاقی حیثیت پر کوئی اثر نہ پڑتا تھا' غیلان بن جریر کا بیان ہے کہ مطرف برانس (ایک قسم کی ٹوپی) اور مطارف (ایک قیمتی چادر) پہنتے تھے- گھوڑے پر سوار ہوتے تھے- سلاطین کے پاس آتے جاتے تھے- لیکن اس زندگی کے باوجود جب تم ان کے پاس جاتے تو آنکھوں کے پاس جاتے[2]

وفات:

باختلاف روایت ۸۷ھ یا ۹۵ھ میں احتباس بول کے مرض میں مبتلا ہوئے اور بیمار ہوتے ہی حالت بگڑ گئی' اپنے صاحبزادے کو بلا کر آیات وصیت پڑھ کر سنائیں صاحبزادے جا کر طبیب کو لے آئے- طبیب کو دیکھ کر پوچھا یہ کیا ہے؟ صاحبزادے نے کہا طبیب' طبیب سے مخاطب ہو کر فرمایا- میں سختی سے منع کرتا ہوں کہ مجھے جھاڑ پھونک نہ کرنا اور نہ گنڈا تعویذ لٹکانا- اور اپنے صاحبزادوں کو قبر کی تیاری کا حکم دیا- انہوں نے حکم کی تعمیل کی' قبر تیار ہونے کے بعد فرمایا مجھے قبر کے پاس لے چلو- چنانچہ اپنی آخری آرام گاہ کے پاس جا کر اس میں دعا کی- دعا کے بعد گھر واپس آ کر انتقال کیا[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵۶- [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۵-

[3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۶ و تذکرۃ الحفاظ-

marfat.com

۷۳-مکحول الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

مکحول نام' ابوعبداللہ یا ابوایوب کنیت ہے- ان کے نسب اور وطن کے بارے میں روایات مختلف ہیں- ابن سعد کابلی لکھتے ہیں[1] ابن حجر نے کئی روایتیں نقل کی ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عجمی النسل تھے' اوران کے والد کا نام سہراب تھا- بعض سے ثابت ہوتا ہے کہ مصری تھے اور بعض سے نتیجہ نکلتا تھا کہ ہذلی یعنی عرب تھے[2]

لیکن آخری دو روایتیں اس معنی میں قطعاً غلط ہیں کہ وہ نسلاً ہذلی یا مصری تھے نسلاً وہ بلا شک وشبہ عجمی تھے' ہذلی اور مصری اس لیے مشہور ہیں کہ وہ کچھ دنوں ایک ہذلی کی غلامی میں رہے تھے- اور ایک عرصہ تک مصر میں قیام رہا تھا-

اس باب میں امام نووی کا بیان زیادہ قرین قیاس اور صحیح ہے' انہوں نے ان کو عجمی النسل اور کابلی الموطن لکھا ہے- چنانچہ ان کی روایت کے مطابق ان کا نسب نامہ یہ ہے: مکحول بن زید یا ابن ابی مسلم بن شاذل بن سند بن شروان بن یروک بن یغوث بن کسری کابلی دمشقی[3] اس بیان سے سے مختلف روایتوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے کہ وہ نسلاً عجمی وطناً کابلی اور اقامۃً دمشقی تھے-

ان کی ابتدائی تاریخ یہ ہے کہ وہ شروع میں عمرو بن سعید بن العاصؓ کے غلام تھے پھر انہوں نے ان کو ایک ہذلی شخص کو دے دیا تھا- اس دوسری غلامی کی وجہ سے ان کی غلامی کے انتساب میں دو بیانات ہو گئے ہیں' ایک یہ کہ وہ عمرو بن سعید کے غلام تھے- اور

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۶۱- [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۹۰-
[3] تہذیب الاسماء جلد اول ص ۱۱۳-

marfat.com

دوسرا یہ کہ ہذلی کے غلام تھے اور دونوں صحیح ہیں' ان کی غلامی کی ابتدا عمرو بن سعیدؓ سے ہوئی' جیسا کہ خود ان کا بیان ہے کہ میں عمرو بن سعید بن العاص کا غلام تھا۔ پھر انہوں نے مجھے ایک ہذلی کو دے دیا[1] عقلی قیاس بھی یہی ہے کیونکہ عمرو کے والد سعید نے عہد عثمانی میں کابل کے بعض سرحدی علاقوں کو فتح کیا تھا[2] قیاس یہی ہے کہ انہی معرکوں میں وہ سعید کے غلام تھے[3] پھر وراثۃً ان کے لڑکے کو ملے ہوں گے۔

تحصیل علم کے لیے دنیائے اسلام کا سفر:

مسلمانوں کی غلام نوازی اور ان کے فیض تربیت سے ان کے غلام غلامی کی پستی سے نکل کر کمال کے جن مدارج پر پہنچے' مکحول اس کی ایک روشن مثال تھے۔ ان کا آغاز غلامی سے ہوا اور آخر وہ شام کی مسند علم پر فائز ہوئے[4] ان کو تحصیل علم کا فطری ذوق تھا۔ چنانچہ وہ غلامی ہی کے زمانہ سے تحصیل علم میں مشغول ہوئے۔ پھر غلامی سے آزادی کے بعد انہوں نے ساری دنیائے اسلام کے تمام علمی مرکزوں کا سفر کر کے تحصیل علم کی۔ ان کا بیان ہے کہ جب میں آزاد ہوا' اس وقت مصر کا سارا علم میں نے سمیٹ لیا۔ اور اس وقت تک میں نے وہاں سے باہر قدم نہیں نکالا جب تک اپنے خیال کے مطابق وہاں کا سارا علم سن نہ لیا[5]

مصر کے علمی مخزن کو کھنگالنے کے بعد مدینہ آئے۔ پھر یہاں سے عراق آ گئے۔ ان دونوں مقاموں کے تمام علمی سرچشموں سے سیراب ہونے کے بعد شام کا سفر کیا۔ اور یہاں کے علماء ارباب کمال سے استفادہ کیا۔ غرض انہوں نے علم کی تلاش و جستجو میں دنیائے اسلام کا چپہ چپہ چھان مارا۔ وہ خود بیان کرتے تھے کہ میں نے علم کی تلاش میں تمام روئے زمین کا چکر لگایا[6]

---

1. ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۱۔ 2. فتوح البلدان بلاذری ص ۳۴۲۔
3. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۵۔ 4. ایضاً۔ 5. ابن سعد ج ۶ ق ۲ ص ۱۶۰۔
6. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۵۔

marfat.com

فضل وکمال:

ان کے اس ذوق وشوق' اس تلاش وجستجو اور اس مشقت نے انہیں علم کے اس ذروۂ کمال تک پہنچا دیا تھا' جہاں ان کے کم معاصر پہنچ سکے تھے- امام زہری کہتے تھے کہ علماء صرف تین ہیں' ان تین میں ایک نام مکحول کا لیتے تھے[1] ابن یونس کا بیان ہے کہ وہ فقیہ اور عالم تھے- ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے[2] ابن عمار کہتے ہیں کہ وہ اہل شام کے امام تھے[3] انہیں حدیث اور فقہ دونوں میں درجہ امامت حاصل تھا-

حدیث:

انہوں نے حجاز' عراق' مصر اور شام تمام علمی مرکزوں میں جا کر سماع حدیث کیا تھا- پھر حافظہ اتنا قوی تھا کہ جو کچھ بھی حاصل کیا سب سینہ میں محفوظ تھا[4] اس لیے وہ اپنے عہد کے بہت بڑے حافظ حدیث تھے' حافظ ذہبی انہیں تیسرے طبقہ کے کبار حفاظ میں لکھتے ہیں-[5]

شیوخ:

انہوں نے ہر خرمن سے خوشہ چینی کی تھی- اس لیے ان کے شیوخ کی فہرست نہایت طویل ہے' کوئی ملک ان سے خالی نہ تھا- ان میں صحابہ کی بھی خاصی تعداد تھی- صحابہ میں انہوں نے انس بن مالکؓ، ابو ہند داریؓ، واثلہ بن اسقعؓ، ابو امامہؓ، عبدالرحمن بن غنمؓ، ابو جندلؓ بن سہیل وغیرہ سے براہ راست سماع کیا تھا[6] اور ابی بن کعبؓ، ثوبانؓ، عبادہ بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ، ابو ثعلبہ خشنیؓ، اور عائشہ صدیقہؓ سے مرسل روایت کی ہیں[7] ممتاز تابعین میں سعید بن مسیب' مسروق' جبیر بن نفیر' کریب' ابو مسلم' ابو ادریس خولانی' عروہ

---

1. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۵ - 2. تہذیب الاسماء ج اق ۲ ص ۱۱۴-
3. تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۵۱ - 4. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۵ -
5. ایضاً - 6. تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۱۳-
7. تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۰ -

marfat.com

بن زبیر، عبداللہ بن محیریز، عیینہ بن ابی سفیان، وراد کاتب مغیرہ، کثیر بن مرہ اور ام الدرداء وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔[1]

تلامذہ:

ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع تھا۔ ان میں سے بعض تلامذہ کے نام یہ ہیں:

امام زہری، حمید الطویل، محمد بن عجلان، محمد بن اسحاق، عبداللہ بن علاء، سالم بن عبداللہ محاربی، موسیٰ بن یسار، امام اوزاعی، سعید بن عبدالعزیز، علاء بن حارث، ثور بن یزید، ایوب بن موسیٰ، محمد بن راشد مکحولی، محمد بن ولید زبیدی، برد بن سنان، عبداللہ بن عوف، یحییٰ بن سعید انصاری، اسامہ بن زید لیثی، نخیر بن سعد، صفوان بن عمرو اور ثابت بن ثوبان وغیرہ۔[2]

فقہ و فتاویٰ:

حفظ حدیث کے ساتھ وہ فقہ کے بھی امام و مجتہد تھے۔ ابو حاتم کہتے تھے کہ میں نے شام میں مکحول سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔[3] سعید بن عبدالعزیز انہیں امام زہری سے بڑا فقیہ مانتے تھے۔ انہیں افتاء میں خاص مہارت اور بصیرت حاصل تھی۔ سعید بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ ان کے زمانہ میں ان سے زیادہ افتاء میں بصیرت کسی کو حاصل نہ تھی۔[4]

احتیاط:

لیکن وہ فتویٰ دینے میں بڑے محتاط تھے۔ اگر اپنی رائے سے وہ مسئلہ کا جواب دیتے تھے تو صاف کہہ دیتے تھے۔ یہ میری رائے ہے جو صحیح بھی ہو سکتی ہے اور غلط بھی۔[5]

تصانیف:

ان کے فقہی کمال کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ تالیف و تصنیف کا آغاز بھی ہوا تھا۔ انہوں نے فقہ میں دو مستقل کتابیں تالیف کی تھیں:

❶ کتاب السنن اور ❷ کتاب المسائل۔[6]

---

[1] تہذیب الاسماء ج اق ۲ ص ۱۱۳۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۱۴ ق ۲۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۵۔ [4] ایضاً ص ۹۶۔ [5] تہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۱۔ [6] شذرات الذہبی ج اول ص ۱۴۶۔ فہرست ابن ندیم ص ۳۱۸ طبع مصر۔

marfat.com

انفاق فی سبیل اللہ:

علمی کمالات کے ساتھ وہ اخلاقی فضائل سے بھی آراستہ تھے۔ انفاق سبیل اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ ان کا نمایاں وصف تھا۔ انہیں جو کچھ ملتا سب خدا کی راہ میں صرف کر دیتے تھے۔ سعید بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ مکحول کا جو وظیفہ مقرر تھا اس کو دشمنان خدا کے لیے جہاد میں صرف کرتے تھے[1] ایک مرتبہ ان کو دس ہزار اشرفیوں کی خطیر رقم ملی' اس کو بھی انہوں نے اسی راہ میں صرف کیا اور ایک مجاہد کو ایک گھوڑے کی قیمت پچاس اشرفیاں دیتے تھے[2]

ایک شبہہ کا ازالہ:

مکحول کے متعلق عام شہرت تھی کہ وہ قدری تھے اور اس کی تائید میں بعض روایات بھی ملتی ہیں۔ لیکن یہ روایات صحیحہ ان کا دامن اس عقیدۂ فاسد سے پاک تھا۔ امام اوزاعی کا جو ان کے تلامذہ میں تھے بیان ہے کہ جہاں تک سنا گیا ہے' تابعین میں دو اشخاص حسن بصری اور مکحول کے خیالات قدری تھے۔ لیکن میں نے ان کی تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ یہ شہرت غلط ہے[3] ان کے دوسرے تلمیذ سعید بن عبدالعزیز بھی اس عقیدہ سے ان کی برأت کی شہادت دیتے تھے[4]

وفات:

ابن سعد کی روایات کے مطابق ۱۱۲ھ، ۱۱۳ھ یا ۱۱۸ھ میں وفات پائی[5]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۱۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۶۔
[3] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۲۹۱۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۲۔
[5] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۶۱۔

marfat.com

۴۷-منصور بن زاذان واسطی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

منصور نام' ابوالمغیرہ کنیت' قبیلہ ثقیف کی غلامی میں تھے' اس نسبت سے ثقفی کہلاتے تھے۔[۱]

فضل وکمال:

حضرت حسن بصری کے خاص ساتھیوں میں تھے- ان کے فیض صحبت نے منصور کو علم وعمل کا جامع بنا دیا تھا- اور وہ واسط کے ممتاز علماء میں شمار ہوتے تھے- حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علماء اعلام میں تھے' ثقہ' حجت' صالح' عبادت گزار اور کبیر الشان تھے۔[۲]

حدیث:

حدیث میں انہوں نے انس بن مالک' ابوالعالیہ' رفیع' عطاء بن ابی رباح' حسن بصری' محمد بن سیرین' میمون بن ابی شبیب' معاویہ بن قرۃ' حمید بن ہلال' قتادہ' عمرو بن دینار' حکم بن عتیبہ' عبدالرحمٰن بن قاسم اور محمد بن ولید بن مسلم عنبری سے فیض اٹھایا تھا- مسلم بن سعید واسطی حبیب بن شہید' جریر بن حازم' خلف بن خلیفہ' ہشیم اور ابوحمزہ سکری ان کے تلامذہ میں تھے۔[۳]

عبادت وریاضت:

زہد وعبات ان کے صحیفۂ کمال کے زیادہ روشن ابواب ہیں- وہ بڑے عابد وزاہد تابعی تھے- ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ متقشفین اور متجردین میں تھے- ابن عماد حنبلی ان کو بصرہ کا زاہد اور شیخ لکھتے ہیں۔[۴]

ان کا سارا وقت عبادت وریاضت میں گزرتا تھا- طلوع آفتاب سے لے کر عصر تک نماز اور عصر سے مغرب تک تسبیح وتحلیل میں مشغول رہتے تھے۔[۵]

---

۱ تذکرۃ الحفاظ ج ۱ص ۱۲۶- ۲ ایضاً- ۳ تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۳۰۶-
۴ ایضاً ص ۳۰۷- ۵ شذرات الذہب ج اول ص ۱۸۱-

marfat.com

قرآن کی تلاوت سے خاص شغب تھا- بہت تیز قرآن پڑھتے تھے- صبح سے دوپہر تک ایک قرآن ختم کر دیتے تھے[1] نوافل میں قرآن کا بڑا حصہ پڑھ ڈالتے تھے، ہشام بن حسان کا بیان ہے کہ میں نے مغرب اور عشا کے درمیان منصور کے پہلو میں نماز پڑھی- دوسری رکعت میں وہ سورہ نحل تک پڑھ گئے[2]

رمضان میں عبادت زیادہ بڑھ جاتی تھی- روزانہ قرآن ختم کرتے تھے- نماز میں اس شدت کا گریہ طاری ہوتا کہ آنسو پونچھتے پونچھتے عمامہ تر ہو جاتا- بارگاہ ایزدی میں جبین سائی سے بڑا ذوق تھا- فرض نماز سے پہلے گیارہ سجدے کرتے تھے- عمر بھر دو راتوں کے سوا ایک مرتبہ ماں کے اور دوسری مرتبہ لڑکے کے انتقال کے موقع پر کبھی آرام سے رات بھر بستر استراحت پر نہ سوئے[3]

انہوں نے عبادت و ریاضت کو آخری حد تک پہنچا دیا تھا- ہشیم کا بیان ہے کہ وہ اتنی عبادت کرتے تھے کہ اگر ان سے کہا جاتا کہ موت کا فرشتہ دروازہ پر آ گیا ہے تو جتنی عبادت وہ کرتے تھے اس میں زیادتی ممکن نہ تھی[4]

ایک زریں مقولہ:

فرماتے تھے کہ رنج و غم بھلائیوں میں اضافہ کرتے ہیں اور اترانا اور فخر کرنا برائیوں میں[5]

وفات:

۱۳۱ھ میں طاعون کی وبا میں وفات پائی[6]

مقبولیت:

اپنے محاسن اخلاق کی وجہ سے وہ ہر مذہب و ملت کے آدمیوں میں اتنے مقبول تھے کہ آپ کے جنازہ میں ہر مذہب کے آدمی شریک تھے- یہود و نصاریٰ دونوں علیحدہ علیحدہ جنازہ میں ساتھ تھے اور خلق اللہ کا ہجوم تھا[7]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۶۰- [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۶- [3] حلیۃ الاولیاء ابونعیم ج ۳ ص ۵۸-
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۶- [5] ایضاً ص ۱۲۷- [6] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۶۰-
[7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۷-

marfat.com

۷۵- میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

میمون نام' ابوایوب کنیت' اور والد کا نام مہران تھا- مہران بنی نصر بن معاویہ کے مکاتب غلام تھے-

پیدائش:

۴۰ھ میں پیدا ہوئے' کوفہ کی ایک ازدی عورت کے غلام تھے- اس لیے ان کی ابتدائی زندگی غلامی میں بسر ہوئی تھی- آخر میں اس نے ان کو آزاد کر دیا تھا-

جزیرہ کا قیام:

آزادی کے بعد عرصہ تک کوفہ ہی میں رہے- لیکن ۸۰ھ میں جب عبدالرحمٰن بن اشعث کے ہنگامہ کی وجہ سے کوفہ میں شورش بپا ہوئی تو میمون کوفہ چھوڑ کر جزیرہ چلے گئے اور یہیں بودوباش اختیار کر لی-

بیت المال کی نگرانی کا منصب:

محمد بن مروان کی ولایت خراسان کے زمانہ میں بیت المال کی نگرانی کا منصب سپرد ہوا-

عہدۂ خراج:

بیت المال کی نگرانی کے سلسلہ میں انہیں مالیات کا کافی تجربہ ہو گیا تھا- اس لیے عمر بن عبدالعزیز نے ان کو جزیرہ کے خراج کا عامل بنا دیا- اور ان کے لڑکے عمر کو دفتر کا محافظ مقرر کیا' میمون طبعاً حکومت کے عہدوں اور خصوصاً مالیات کی ذمہ داریوں کو پسند نہ کرتے تھے- لیکن اس وقت انکار نہ کر سکے- مگر چند ہی دنوں کے بعد برداشتہ خاطر ہو کر استعفا پیش کر دیا- عمر بن عبدالعزیز نے قبول نہ کیا اور کہا اس عہدے میں سوائے اس کے

marfat.com

اور کیا ہے کہ جائز طریقہ سے روپیہ وصول کیا جائے اور جائز مصرف میں صرف کیا جائے۔ اس میں استعفیٰ کی کیا وجہ ہے۔ عمر بن عبدالعزیز کے کہنے پر استعفیٰ واپس لے لیا اور ان کی زندگی بھر اس اس عہدے پر رہے۔

عمر بن عبدالعزیز کے بعد یزید بن عبدالملک کے زمانہ میں بھی چند دنوں تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ لیکن یہ کام طبعاً پسند نہ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز کے اصرار سے اس بنا پر گوارا کر لیا تھا کہ ان کے زمانہ کی ملکی خدمت عین خدمت اسلام تھی۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز کے بعد جب خلافت کے تمام شعبے پھر دنیاوی حکومت کے رنگ پر آ گئے تو میمون بددل ہو کر مستعفی ہو گئے اور گزشتہ زمانہ پر بہت متاسف تھے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے یہ گوارا تھا کہ میں اندھا ہو گیا ہوتا لیکن عمر بن عبدالعزیز وغیرہ کا دیا ہوا عہدہ قبول نہ کیا ہوتا۔[1]

فضل و کمال:

فضل و کمال کے لحاظ سے ممتاز تابعین اور جزیرہ کے بڑے علماء میں تھے حافظ ذہبی انہیں امام، قدوہ اور عالم جزیرہ لکھتے ہیں۔[2] ان کے دور کے علماء میں ان کا علمی مرتبہ مسلم تھا۔ ابوالملیح کہتے تھے کہ میمون سے افضل کسی کو نہیں پایا۔[3] سلیمان بن موسیٰ کا بیان ہے کہ اس عہد کے چار اشخاص بڑے عالم مانے جاتے تھے۔ ان میں ایک میمون بن مہران تھے۔[4]

حدیث:

حدیث کے حافظ تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں:

صحابہ میں انہوں نے ابوہریرہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، سعید بن جبیرؒ، عائشہ صدیقہؓ اور ام الدرداء سے اور تابعین میں نافع مولیٰ ابن عمرؓ، مقسم مولیٰ ابن عباسؓ، یزید بن عاصم اور سعید بن جبیر وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔[5]

---

[1] یہ تمام حالات ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۷۷، ۱۷۸ سے ماخوذ ہیں۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۶۔
[3] ایضاً۔ [4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۱۔ [5] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۷۷۔

marfat.com

تلامذہ:

حمید الطویل' ایوب' جعفر بن برقان' جعفر بن ابی وحشیہ' حبیب بن شہید' علی بن حکم البنانی' حکم بن عتیبہ' ابوفروہ' یزید بن سنان' حجاج بن تمیم' سالم بن ابی المہاجر اور ابو الملیح وغیرہ ان کے خوشہ چینوں میں تھے۔[1]

فقہ:

فقہ میں وہ تمام علماء جزیرہ میں ممتاز تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ فقہ و فتاویٰ میں تمام اہل جزیرہ پر فائق تھے[2] ان کے تفقہ کی سب سے بڑی سند یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے صاحب نظر نے عہدہ خراج کے زمانہ میں جزیرہ کے قضاء کی خدمت بھی ان کے سپرد کی تھی۔[3]

فضائل اخلاق:

اس علم کے ساتھ فضائل اخلاق سے بھی آراستہ تھے۔

منہیات سے اجتناب:

نواہی سے بچنے میں زیادہ اہتمام تھا۔ ان کے لڑکے کا بیان ہے کہ والد (اعتدال سے) زیادہ روزہ نماز نہیں کرتے تھے۔ لیکن خدا کی معصیت میں مبتلا ہونا بہت ناپسند کرتے تھے۔[4]

عبادت:

اگرچہ معمولاً وہ فرائض وسنن کے علاوہ زیادہ عبادت نہ کرتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی ہزار ہزار رکعتیں روزانہ پڑھتے تھے' ایک مرتبہ سترہ دن میں سترہ ہزار رکعتیں پڑھیں۔[5]

انکسار و تواضع:

اتنے خاکسار اور متواضع تھے کہ کسی بڑائی اور امتیاز کا انتساب اپنی جانب پسند نہ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۰ - [2] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۷۷ - [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۶ -

[4] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۱ - [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۷ -

marfat.com

کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا۔ ابوایوب جب تک خدا آپ کو زندہ رکھے گا اس وقت تک لوگ بھلائی میں رہیں گے۔ انہوں نے جواب دیا: "ایسی باتوں کا تذکرہ نہ کرو لوگ اس وقت تک لوگ بھلائی میں رہیں گے جب تک وہ اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا ایک دل نشین استدلال:

پہلے وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہو گئے تھے۔ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے ان سے پوچھا تم دو آدمیوں میں سے کس کو زیادہ پسند کرتے ہو۔ اس شخص کو جس نے صرف مال میں عجلت کی یا اس شخص کو جس نے خونریزی میں عجلت کی' اس دلیل کے بعد انہوں نے سابق خیال سے رجوع کر لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں بیت المال میں بے جا تصرفات ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور سے خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔[2]

وفات:

۱۱۷ھ میں وفات پائی۔[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۷۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۹۱۔ [3] ایضاً۔

marfat.com

۷۶- نافع بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نافع نام' ابومحمد کنیت' قریش کے مشہور سردار مطعم بن عدی کے جنہوں نے تبلیغ اسلام کے ابتدائی دور میں جب کہ آنحضرت ﷺ پر ہر طرف سے مشرکین کا نرغہ تھا' بڑی حمایت کی تھی' پوتے تھے- نسب نامہ یہ ہے' نافع بن جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی - ماں کا نام ام قتال تھا- نانہالی شجرہ یہ ہے' ام قتال بنت نافع بن ضریب بن نوفل-

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے نافع اکابر تابعین میں تھے- امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ امام اور فاضل تھے' ان کی توثیق وجلالت پر سب کا اتفاق ہے[1] ابن خراش کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور مشہور ائمہ میں سے تھے-

حدیث:

اگرچہ حدیث میں ان کا کوئی بلند پایہ نہ تھا- لیکن انہوں نے زمانہ ایسا پایا تھا جب مدینہ کی گلی گلی سمعت و حدثنا کے ترانوں سے گونج رہی تھی' اور علم کے ساتھ ادنیٰ ذوق رکھنے والے بھی اس سے محروم نہ تھے- اس لیے نافع بن جبیر کا دامن بھی اس دولت سے خالی نہ رہا- چنانچہ انہوں نے اپنے والد جبیر بن مطعمؓ' حضرت عباسؓ بن مطلبؓ' زبیر بن عوامؓ' علی بن ابی طالبؓ' عثمان بن ابی العاصؓ' مغیرہ بن شعبہؓ' رافع بن خدیجؓ' عبداللہ بن عباسؓ' ابوہریرہؓ' ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ وغیرہ جیسے اکابر ملت سے فیض اٹھایا تھا[2]

ان کے فیض سے نافع کا دامن علم اتنا وسیع ہوگیا تھا کہ شائقین حدیث ان کے

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۲۲- [2] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۵-

marfat.com

کمالات علمی سے استفادہ کرتے تھے۔

ان روایت کرنے والوں میں عمرو بن زبیر، سعید بن ابراہیم، امام زہری، حبیب بن ابی ثابت، صالح بن کیسان، صفوان بن سلیم، عبداللہ بن فضل ہاشمی، موسیٰ بن عقبہ، عمرو بن دینار اور عتیبہ بن مسلم وغیرہ لائق ذکر ہیں[1]

فقہ:

فقہ میں ابھی انہیں درک تھا۔ وہ مدینہ کے صاحب افتا علماء میں تھے، اور ان کے فتاویٰ معتبر سمجھے جاتے تھے[2]

فصاحت و بلاغت:

قریش کی فصاحت و بلاغت مشہور ہے، یہ خاندانی وصف ان کے حصہ میں وافر آیا تھا۔ وہ بڑے فصیح و بلیغ تھے اور بڑی کڑک دار آواز سے بولتے تھے[3]

فضائل اخلاق:

فضائل اخلاق و عمل کی دولت سے بھی بہرہ ور تھے، ابن حبان کو ان خیار ناس میں لکھتے ہیں[4]

پاپیادہ حج:

آرام کے وسائل رکھتے ہوئے راہ خدا میں تکلیف اٹھانا بڑی عبادت ہے۔ نافع محض حصول اجر کے لیے پاپیادہ حج کیا کرتے تھے، عمران بن موسیٰ کا بیان ہے کہ نافع پاپیادہ حج کرتے تھے۔ اور ان کی سواری ان کے پیچھے ہوتی تھی[5]

دبدبہ و شکوہ:

ان کے خاندان میں پشتہا پشت سے سرداری چلی آتی تھی۔ اس لیے ان کے مزاج میں اس کی بو باقی تھی، نہایت بھاری اور بلند لہجہ میں باتیں کرتے تھے۔ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں خود پرستی و تمکنت تھی۔ لیکن ان کی ظاہری شوکت سے یہ نتیجہ

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۰۵۔ [2] ایضاً۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۳۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔

marfat.com

نکالنا صحیح نہیں ہے وہ خود اس کی تردید کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے ان سے کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ میں تکبر ہے۔ انہوں نے جواب دیا خدا کی قسم میں گدھے پر سوار ہوا ہوں۔ شملہ پہنا ہے۔ بکریوں کا دودھ دوہا ہے' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے یہ کام کیے اس میں تکبر کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا پھر میں متکبر کیسے ہو سکتا ہوں[1]

اصلاح نفس:

ان کے واقعات زندگی سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے وہ عمداً ایسے کام کیا کرتے تھے جو پندار کے خلاف ہوتے تھے۔ جعفر بن نجیر کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نافع بن جبیر علاء بن حرقی کے حلقہ درس میں جو حرقہ کے غلام تھے شریک ہوئے۔ علاء کے درس تمام کرنے کے بعد نافع نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔ آپ لوگ جانتے ہیں میں آپ لوگوں کے پاس کیوں آ کر بیٹھا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا درس سننے کے لیے۔ نافع نے کہا نہیں' بلکہ اس لیے کہ آپ کے پاس بیٹھنے سے خدا کے پاس تواضع کا اظہار ہو اسی طریقہ سے ایک مرتبہ ایک بہت معمولی شخص کو امامت کے لیے بڑھایا۔ نماز ختم ہونے کے بعد اس سے پوچھا جانتے ہو میں نے تم کو کیوں آگے بڑھایا تھا۔ اس نے کہا نماز پڑھانے کے لیے' کہا نہیں بلکہ اس لیے کہ تمہارے پیچھے نماز پڑھنے سے خدا کے حضور میں تواضع ظاہر ہو[2]

وفات:

سلیمان بن عبدالملک کے آخر عہد خلافت ۹۳ھ میں وفات پائی[3]

اولاد:

وفات کے بعد محمد' عمر' ابوبکر اور علی کئی لڑکے یادگار چھوڑے۔

حلیہ ولباس:

بالوں میں سیاہ خضاب کرتے تھے۔ دانتوں میں سونے کے تار کسے ہوئے تھے لباس عموماً سفید اور قیمتی پہنتے تھے۔ خز جو ایک بیش قیمتی کپڑا ہے زیادہ استعمال کرتے تھے[4]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۳۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً ص ۱۵۲۔

marfat.com

۷۷- نافع بن کاؤس رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

نافع نام' ابوعبداللہ کنیت۔ والد کا نام کاؤس یا ہرمز تھا- جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے کہ وہ عجمی النسل تھے-لیکن بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب النسل تھے- جو صحیح نہیں ہے- ان کے عجمی ہونے پر قریب قریب سب کا اتفاق ہے' وطن بعض خراسان' بعض دیلم' بعض جبال طالقان اور بعض کابل بتاتے ہیں' اس کا صحیح پتہ نہیں چلتا کہ نافع کس طرح ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے- قیاس یہ ہے کہ کسی جنگ میں گرفتار ہو کر ان کے حصہ میں پڑے ہوں گے یا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو خریدا ہوگا[1]

مسلمانوں کی غلام نوازی کے طفیل میں ان کے غلام کمالات کے جن مدارج پر پہنچے نافع بھی اس کی روشن مثال تھے- مسلمانوں کے موالی کی علمی تاریخ میں نافع نہایت ممتاز درجہ رکھتے ہیں- اس دور میں کوئی غلام ان کے رتبہ کا نہ تھا- ابن عباس رضی اللہ عنہ کے غلام عکرمہ بھی بڑے صاحب علم تھے- لیکن ان کو بھی اہل مدینہ میں یہ درجہ حاصل نہ تھا- نافع ان سے زیادہ بلند مرتبت سمجھے جاتے تھے[2] اس لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں غلاموں کی حقیقی تاریخ نافع ہی سے شروع ہوتی ہے-

تعلیم:

خوش قسمتی سے نافع کو آغاز عمر ہی سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب کمال بزرگ کی تربیت میسر آگئی تھی- انہی کے دامن میں ان کی نشوونما ہوئی- نافع نے کامل تیس سال تک ابن عمر کی خدمت کی[3]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ص ۴۱۲- [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۰- [3] ایضاً-

marfat.com

ان میں تحصیل علم کی فطری صلاحیت و استعداد تھی، شفیق آقا کی صورت اور تربیت نے ان کے جوہر کو چمکا کر اقلیم علم کا تاج دار بنا دیا - ان کی علمی جلالت پر تمام علماء اور ارباب سیر کا اتفاق ہے، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی تھے - ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے[1] خلیلی کا بیان ہے کہ نافع مدینہ کے ائمہ تابعین میں اور امام فی العلم تھے[2] خود ابن عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے اس نامور غلام کی ذات پر فخر تھا - چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ خدا نے نافع کے ذریعہ سے ہم پر احسان کیا ہے[3]

حدیث:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حدیث کا بحر بے کراں تھے - نافع اسی بحر سے سیراب ہوتے تھے انہوں نے ان کی احادیث کا بڑا حصہ محفوظ کر لیا تھا[4] حافظ حدیث بنانے کے لیے تنہا ابن عمرؓ کی روایات کافی ہیں - نافع کی علمی تشنگی نے اس بحر بے کراں کے علاوہ دوسرے سرچشموں سے بھی اپنی پیاس بجھائی تھی - چنانچہ ابن عمر کے علاوہ صحابہ میں ابو ہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، ابولبابہ بن منذرؓ، رافع ابن خدیجؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ - ام سلمہؓ اور ربیع بنت مسعودؓ سے اور تابعین میں اپنے آقازادوں عبداللہ، عبیداللہ، سالم اور زید اور قاسم بن محمد بن ابی بکر، منبہ بن وہب، عدی، عبداللہ بن محمد بن ابی بکر، عبدالرحمن بن حسین اور سعید بن ابی ہند وغیرہ سے استفادہ کیا تھا[5]

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو جماعت تابعین میں نہایت ممتاز حافظ حدیث بنا دیا تھا - علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے[6] حافظ ذہبی ان کو امام العلم لکھتے ہیں اور ان کا شمار حفاظ کے طبقۂ اول میں کرتے ہیں[7]

کیفیت کے اعتبار سے نافع کی روایات طلائے خالص کا حکم رکھتی ہیں - خلیلی کا بیان ہے کہ نافع پر تمام ارباب فن کا اتفاق ہے، وہ صحیح الروایہ ہیں بعض لوگ انہیں سالم پر

---

1. تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۲۴ - 2. تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۴ - 3. ایضاً ص ۳۱۳ -
4. ابن خلکان ج ۲ ص ۱۵۱ - 5. تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۲ - 6. طبقات ابن سعد تذکرہ نافع -
7. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۷ -

marfat.com

بھی جن سے انہوں نے سماع حدیث کیا تھا' ترجیح دیتے تھے۔ بعض ان کے ہم پایہ سمجھتے تھے ان کی تمام روایات غلطیوں سے پاک ہیں[1]

خصوصاً ابن عمرؓ سے ان کی روایات میں کسی شک وشبہ کا احتمال ہی نہیں تھا۔ امام مالک فرماتے تھے کہ جب میں ابن عمر کی حدیث نافع کی زبان سے سن لیتا ہوں تو پھر اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ دوسرے کے بیان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں[2] محدثین کے نزدیک مالک عن نافع عن ابن عمر کا سلسلۂ روایت سلسلۃ الذہب سے تعبیر کیا جاتا ہے[3]

تلامذہ:

حدیث میں نافع کے تلامذہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ جس میں بڑے بڑے تابعی اور تبع تابعی ائمہ تھے۔ بعض تلامذہ کے نام یہ ہیں: ابو اسحاق سبیعی' حکیم بن عیینہ' محمد بن عجلان' بکیر بن عبداللہ اشج' یحییٰ انصاری' امام زہری' صالح بن کیسان' ایوب سختیانی' عبیداللہ بن عمر' حمید الطویل' میمون بن مہران' موسیٰ بن عقبہ' ابن عون' اعمش' ابن جریج' اوزاعی' لیث' یونس ابن عبید' ابن ابی ذیب' ابن ابی لیلیٰ' ضحاک بن عثمان اور امام مالک وغیرہ[4]

امام مالک ان کے خاص تلامذہ میں تھے' انہوں نے زیادہ فیض ان ہی سے پایا تھا بچپن سے نافع کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے' ان کا خود بیان ہے کہ میں بچپن میں جب بہت کم سن تھا نافع کی خدمت میں جاتا تھا۔ میرے ساتھ ایک غلام ہوتا تھا۔ نافع اتر کر مجھ سے حدیثیں بیان کرتے تھے[5] نافع کی زندگی بھر امام مالک کے استفادہ کا سلسلہ قائم رہا۔ جب تک نافع زندہ رہے امام مالک برابر ان کے حلقہ درس میں جاتے تھے۔ ان سے پوچھتے تھے کہ ان مسائل میں ابن عمرؓ نے کیا فرمایا ہے[6]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۳۔ [2] ایضاً۔ [3] ایضاً۔

[4] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۵۱۔ [5] تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۱۲۔

[6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۸۔

marfat.com

فقہ:

اپنے آقائے نامدار کے فیض سے فقہ میں بھی کامل تھے- حافظ ابن حجر ان کو نافع الفقیہ لکھتے ہیں[1] صحابہ کے بعد مدینہ کی صاحب علم وافتا جماعت کے رکن رکین تھے[2] لیکن اپنے آقا زادہ سالم بن عبداللہ کی زندگی بھر جو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں تھے اور نافع کے استاد تھے- پاس ادب سے فتویٰ نہیں دیا-[3]

عمر بن عبدالعزیز اور نافع:

حضرت عمر بن عبدالعزیز ان کے علم کے اتنے قائل تھے کہ انہیں مصر کے مسلمانوں کو سنت کی تعلیم دینے کے لیے بھیجا تھا-[4]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی محبت:

ان کے کمالات کی وجہ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کو بہت محبوب رکھتے تھے- بعض شائقین نے نافع کی غلامی کے زمانہ میں ان کی بڑی قیمت پیش کی' لیکن ابن عمر رضی اللہ عنہما علیحدہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے- عبداللہ بن جعفرؓ نے بارہ ہزار کی خطیر رقم پیش کی- عبداللہ ابن عامرؓ نے تیس ہزار قیمت لگائی- لیکن ابن عمرؓ نے سب کو نامنظور کر دیا- اور اسی وقت یہ کہہ کر کہ مجھے خوف ہے کہ ابن عامر کے روپے مجھے فریفتہ کر لیں گے نافع کو آزاد کر دیا-[5]

وفات:

۱۱۷ھ میں وفات پائی-[6]

۱؎ ابن سعد ج ۲ ترجمہ امام مالک- ۲؎ تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۴۱۱-

۳؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۸- ۴؎ شذرات الذہب ج اول ص ۱۵۴-

۵؎ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۸- ۶؎ ایضاً-

marfat.com

۷۸- وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

وہب نام' ابوعبداللہ کنیت' نسب نامہ یہ ہے' وہب بن منبہ بن کامل بن شیخ بن ذی کنار یمنی صنعانی - ایک روایت یہ ہے کہ وہب عجمی النسل تھے' ان کے والد منبہ' کسریٰ کے زمانہ میں جب اس نے سیف بن ذی یزن حمیری کی قیادت میں حبشہ پر مہم بھیجی تھی- یمن آئے تھے اور پھر یہیں آباد ہو گئے- اور عہد نبوی ﷺ میں مشرف باسلام ہوئے-

پیدائش:

۳۴ھ میں پیدا ہوئے[1]

فضل وکمال:

اسلامی علوم میں وہب کا کوئی خاص درجہ نہ تھا- لیکن دوسرے مذاہب کے صحیفوں کے عالم تھے' تاہم ان سے وہ بیگانہ بھی نہ تھے- اور تابعین میں ممتاز شخصیت کے مالک تھے- علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں- ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے[2]

حدیث:

حدیث میں وہ متعدد صحابہ سے فیض یاب ہوئے تھے- حضرت ابوہریرہؓ، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمروؓ بن العاص' ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، اور نعمان بن بشیرؓ سے ان کی روایات ملتی ہیں[3]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۸- [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۴۹-
[3] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۲۶۷-

marfat.com

ان کے صاحبزادے عبداللہ اور بھتیجے عبدالصمد اور عقیل اور عام لوگوں میں عمرو بن دینار، سماک بن فضل اور اسرائیل وغیرہ نے ان سے سماع حدیث کیا تھا[۱]

فقہ:

ان کے تفقہ کے سلسلہ میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں صنعاء کے عہدۂ قضا پر تھے[۲]

غیر مذاہب کے صحیفوں کا علم:

وہب دوسرے مذاہب کے صحیفوں کے بڑے نامور عالم تھے۔ اور اس میں ان کی جماعت میں ان کا کوئی مقابل نہ تھا، امام نووی لکھتے ہیں کہ وہ گزشتہ کتابوں کے علم و معرفت میں مشہور ہیں۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وسیع العلم تھے اور اپنے زمانہ میں کعب احبار کی نظیر مانے جاتے تھے[۳]

مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بانوے الہامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، جن میں سے بعض ایسی تھیں جن کے متعلق لوگوں کو کم واقفیت ہے۔ داؤد بن قیس صنعانی کا بیان ہے کہ میں نے وہب سے سنا کہتے تھے کہ میں نے بانوے آسمانی کتابیں پڑھیں جن میں سے بہتر کنیسوں میں اور لوگوں پاس موجود ہیں۔ اور بائیس کتابوں کا علم بہت کم لوگوں کو ہے، ان تمام کتابوں میں یہ مضمون مشترک ہے کو جو انسان مشیت کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے وہ کافر ہے، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمیں کتابیں ایسی پڑھی تھیں جو تمیں نبیوں پر اتری تھیں[۵] ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ دونوں صحیح ہیں۔ تمیں کتابیں ایسی رہی ہوں گی جن کی حیثیت مستقل مصاحف کی ہوگی، اور بقیہ مستقل کتابیں رہی ہوں گی۔

اس قدر مسلم ہے کہ وہ کتب ماضیہ کے سب سے بڑے عالم تھے اور قدیم

---

۱ تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۶۷۔ ۲ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۸۹۔ ۳ تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۴۹۔
۴ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۹۔ ۵ ابن سعد ج ۵ ص ۳۹۶۔

marfat.com

صحیفوں کے مشہور اور نامور علماء کعب احبار اور عبداللہ بن سلام دونوں کا مجموعی علم' ان کی تنہا ذات میں جمع تھا[1]

تاریخ:

وہب مورخ بھی تھیں اور سلاطین حمیر کے حالات میں انہوں نے ایک کتاب لکھی تھی[2]

فضائل اخلاق:

فطرۃً نہایت صالح تھے' ان کتابوں کے مطالعہ نے ان کو اور زیادہ حلیم اور عبادت گزار بنا دیا تھا۔ وہ عابد شب زندہ دار تھے' ساری ساری رات عبادت کرتے تھے۔ کامل بیس سال تک انہوں نے عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی[3] طبیعت میں نرمی اس قدر تھی کہ کسی ذی روح کے لیے ان کی زبان سے گالی یا درشت کلمہ نہ نکلا[4]

غیر معتبر روایات:

لیکن کعب احبار کی طرح ان کے ذریعہ بھی مسلمانوں میں غیر معتبر اسرائیلیات کی اشاعت ہوئی۔

وفات:

ہشام بن عبدالملک کے عہد میں ۱۱۰ھ میں صنعاء میں وفات پائی[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۹۔ [2] شذرات الذہب ج اول ص ۱۵۔

[3] ابن سعد ج ص ۳۹۶۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً۔

marfat.com

۷۹- ہرم بن حیان عبدی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ہرم نام' والد کا نام حیان تھا' عبدی کی نسبت غیر معلوم ہے لیکن ان کے حالات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ''عبدیت'' کا حقیقی مظہر تھے' چونکہ طبقات ورجال کی کتابیں زیادہ تر علمی اغراض کے لیے لکھی گئی ہیں اوران کے لکھنے والے محدثین ہیں' اس لیے عموماً انہی لوگوں کے حالات ملتے ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی حیثیت سے علم سے تھا اور ان بزرگوں کے حالات جو اس مکتب کے تربیت یافتہ نہ تھے یا جن کی روحانیت کے نور نے ان کی علمی روشنی کو مدھم کردیا تھا' بہت کم ملتے ہیں' ابن حبان بھی اسی مقدس زمرہ میں تھے- اس لیے ان کے حالات ابن سعد کے علاوہ کسی کتاب میں نہیں ملتے-

علمی حیثیت:

اگرچہ ابن حیان ظاہری علوم سے بے گانہ تھے- لیکن ان کا شمار صاحب فضل تابعین میں ہے- ان کے ہم مشرب حضرت خواجہ حسن بصری نے ان سے روایت کی ہے- لیکن وہ کسی اور ہی مکتب کے تربیت یافتہ تھے- اس لیے انہوں نے علم کی قبا نہیں پہنی اور نہ اس زمرہ میں ان کا شمار ہوا-

روحانی کمالات:

ان کا اصل رنگ زہد وعبادت اور فنا فی اللہ تھا' علامہ ابن سعد لکھتے: ''کان له فضل و عبادة''۔

ایک سبق آموز مثال:

ان کے رنگ طبع کے اعتبار سے ان کو دنیاوی امور سے کوئی مناسبت نہ تھی- لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں کوئی عہدہ یا کوئی

خدمت ان کے متعلق کی تھی، لیکن اس سے ان کو کیا نسبت ہوسکتی تھی دنیاوی عہدوں کے اوصاف ولوازم میں سے ان کے پاس اگر کوئی چیز ہوسکتی تھی تو دیانت تھی۔ جس کا ثبوت انہوں نے ایک سبق آموز شکل میں دیا۔ عہدہ ملنے کے بعد انہوں نے اپنے اعزہ واحباب کی یورش کے خیال سے غالباً گزرگاہ پر کسی اور شکل سے اس طرح آگ جلوادی کہ وہ ان کے اور باہر آنے والوں کے درمیان حائل ہوجائے۔ چنانچہ کچھ لوگ آئے اور دور سے سلام کر کے کھڑے ہوگئے۔ ہرم نے ان کے ساتھ ظاہری اخلاق صرف کیا اور خوش آمدید کہہ کر بلایا، انہوں نے کہا آئیں کس طرح، ہمارے اور آپ کے درمیان تو آگ حائل ہے۔ آپ نے یہ سبق آموز جواب دیا کہ تم لوگ خود تو اتنی آگ کو عبور نہیں کر سکتے اور مجھ کو اس سے زیادہ آتش سوزاں میں جھونکنا چاہتے ہو۔ یہ جواب سن کر وہ لوٹ گئے۔

عمل کی اہمیت:

علم کو وہ زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے، اصل شے عمل کو سمجھتے تھے اور بے عمل علماء سے سخت نفرت کرتے تھے۔ اور انہیں فاسق کہتے تھے۔ ایک مرتبہ لوگوں سے فرمایا کہ تم لوگ فاسق علماء سے بچتے رہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو سخت متعجب ہوئے کہ عالم فاسق کیسے ہوسکتا ہے؟ انہوں نے ابن حیان سے پوچھ بھیجا۔ انہوں نے جواب دیا کہ خدا کی قسم امیر المومنین اس میں میری نیت نیک تھی۔ بسا اوقات امام کہتا تو علمی باتیں ہے، لیکن عمل فسق کا کرتا ہے۔ اس لیے لوگ شبہ میں پڑ کر گمراہ ہوجاتے ہیں۔

خواجہ اویس قرنی:

حضرت اویس قرنی ان کے ہم مشرب وہم مذاق تھے اس لیے ان دونوں کی ملاقاتیں نہایت پر کیف ہوتی تھی۔ ابن حیان ان کی ایک ملاقات کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں بصرہ سے آرہا تھا کہ فرات کے کنارے اویس سے ملاقات ہوئی۔ میں نے پوچھا میرے بھائی کیا حال ہے، کیسا مزاج ہے۔ اویس کیا حال ہے، کیسا مزاج ہے، انہوں نے کہا میرے بھائی تم کیسے ہو؟ اس ابتدائی آداب ملاقات کے بعد میں نے ان سے فرمائش کی کہ کوئی حدیث سنایئے، جواب دیا میں اپنے اوپر یہ دروازہ کھول کر محدث،

marfat.com

قصہ گو اور مفتی بننا پسند نہیں کرتا - یہ کہہ کر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر روئے' میں نے کہا کچھ قرآن ہی سنائیے - آپ نے یہ دو آیتیں تلاوت کیں:

﴿ حم والکتاب المبین انا انزلناه فی لیلة مبارکة انا کنا منذرین هو العزیز الرحیم ﴾

''حم یہ کتاب جو واضح ہے' ہم نے اس کو مبارک رات میں اتارا کہ لوگوں کو ڈرانے والے تھے''-

هو العزیز الرحیم تک سنا کر بے ہوش ہو گئے - ہوش آنے کے بعد فرمایا - مجھے عزلت اور تنہائی زیادہ پسند ہے -

وصیت وفات:

اس رنگ کے باوجود جہاد فی سبیل اللہ کے لیے ہمیشہ آمادہ رہتے تھے - اور آپ کے سامان میں زرہ اور گھوڑا رہتا تھا - اسی سلسلہ میں کسی مہم کے لیے نکلے اور انتقال کر گئے غالباً دوران علالت میں یا کسی اور موقع پر کسی نے عرض کیا کہ کچھ وصیت فرمائیے - فرمایا کیا وصیت کروں - بس صرف یہ وصیت ہے کہ میری زرہ بیچ کر میرا قرض ادا کرنا - اگر زرہ کافی نہ ہو تو گھوڑی بھی بیچ ڈالنا - اگر یہ بھی کافی نہ ہو تو غلام بھی فروخت کر دینا - سورنحل کی ان آخری آیات کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا -

﴿ ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة ﴾ (الایة)

''خدا کے راستہ پر حکمت اور موعظت حسنہ کے ساتھ لوگوں کو بلاؤ''-

تجہیز و تکفین کے بعد آسمان نے قبر پر ابر رحمت کے موتی برسائے[1]

[1] یہ تمام حالات ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۹۱ تا ص ۹۷ سے ماخوذ ہیں -

marfat.com

۸۰- ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ہشام نام' ابوعبداللہ کنیت-مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پوتے تھے ان کے والد عروہ بھی بڑے جلیل القدر تابعی اور مدینہ کے سات مشہور فقہا میں سے ایک تھے ان کے حالات اوپر گزر چکے ہیں-

اکابر صحابہ میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تھا- ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مجھے اور میرے بھائی محمد کو ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس بھیجا گیا- انہوں نے گود میں بٹھا کر ہمارا بوسہ لیا[1] غالباً اسی یا کسی اور ملاقات میں ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان کے سر پر دست شفقت پھیر کر انہیں دعا دی[2]

فضل وکمال:

ہشام ایک جلیل القدر تابعی کے لڑکے اور ایک جلیل القدر صحابی کے پوتے تھے اس لیے علم وعمل کی دولت گویا انہیں وراثۃً ملی تھی' ان کا شمار ان کے عہد کے علمائے تابعین میں تھا- امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق' جلالت اور امامت پر سب کا اتفاق ہے[3]

حدیث:

حدیث کے ممتاز حافظ تھے' علامہ ابن سعد ان کو ثقۃ ثبت کثیر الحدیث اور حجت لکھتے ہیں[4] ائمہ فن ان کی وسعت علم کے اتنے معترف تھے کہ ابوحاتم رازی ان کو امام حدیث' اور وہیب' حسن بصری اور ابن سیرین کا درجہ دیتے تھے-[5]

---

[1] تاریخ خطیب ج ۱۴ص ۳۸- [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ص ۴۸- [3] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۳۸-
[4] ابن سعد ج ۷ ق ۲ص ۶۷- [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۹-

marfat.com

شیوخ:

صحابہ میں انہوں نے صرف اُپنے چچا عبداللہ بن زبیر ؓ اور دوسرے علماء میں عبداللہ بن عروہ عباد بن عبداللہ عمرو بن خزیمہ عوف بن حارث بن طفیل ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن ابن منکدر وہب بن کیسان صالح بن ابی صالح عبداللہ بن ابی بکر عبدالرحمٰن بن سعد اور محمد بن ابراہیم وغیرہ سے استفادہ کیا تھا[1]

تلامذہ:

ان کے تلامذہ میں یحییٰ بن سعید انصاری ایوب سختیانی مالک بن انس عبیداللہ بن عمر ابن جریج سفیان ثوری لیث بن سعد سفیان بن عیینہ یحییٰ بن سعید القطان اور وکیع ابن جراح لائق ذکر ہیں[2]

فقہ:

ان کے والد عروہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے تھے۔ ان کے تفقہ سے ان کو وافر حصہ ملا تھا۔ حافظ ذہبی ان کو فقیہ لکھتے ہیں[3]

زہدوورع:

علم کے ساتھ عمل واخلاق سے بھی آراستہ تھے۔ ابن حبان ان کو فاضل اور ورع لکھتے ہیں[4]

تہذیب لسان:

نہایت مہذب اور شائستہ تھے۔ ان کی زبان سے کبھی کوئی بے جا کلمہ نہ نکلتا تھا۔ منذر بن عبداللہ کا بیان ہے کہ میں نے ہشام کی زبان سے ایک مرتبہ کے سوا کبھی کوئی برا کلمہ نہیں سنا[5]

بغداد کا سفر:

اس کی ادائیگی کی فکر میں وہ خلیفہ ابوجعفر منصور عباسی کے پاس بغداد گئے۔ اس نے

---

1 تہذیب ج ۱۱ ص ۴۸۔ 2 ایضاً۔ 3 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۹۔
4 تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۹۱۔ 5 تاریخ خطیب ج ۱۴ ص ۱۳۸۔

marfat.com

نے بڑا خیر مقدم کیا- انہوں نے اپنی غرض پیش کی- اس نے پوچھا کتنا قرض ہے- فرمایا ایک لاکھ- منصور نے کہا آپ اس افضل وکمال کے باوجود اتنا بڑا قرض لے لیتے ہیں جس کی ادائیگی آپ کے امکان میں نہیں' انہوں نے کہا خاندان کے بہت سے لڑکے جوان ہوگئے تھے مجھے خوف تھا کہ اگر ان کی شادی نہ کر دی گئی تو وہ بے خانماں ہو جائیں گے- اس لیے میں نے خدا اور امیر المومنین کے اعتماد پر ان کا گھر بسا کر ان کا ٹھکانا کر دیا اور ان کی جانب سے ولیمہ کیا' یہ سارا قرض اسی کا ہے-

ابوجعفر منصور نے حیرت کے لہجہ میں دو مرتبہ ایک لاکھ ایک لاکھ! کہا اور دس ہزار روپیہ انہیں دینے کا حکم دیا' انہوں نے کہا امیر المومنین جو کچھ دے رہے ہیں وہ خوش دلی سے دے رہے ہیں (یا جبر سے) میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جو شخص خوش دلی سے عطیہ دیتا ہے تو اس میں دینے والے اور لینے والے دونوں کو برکت ہوتی ہے' منصور نے کہا میں نے خوش دلی سے دیا ہے-[1]

وفات:

بغداد ہی میں ۱۴۶ھ میں وفات پائی- اتفاق سے اسی دن عباسیوں کے ایک بڑے جلیل القدر اور نامور غلام کا بھی انتقال ہو گیا تھا' اس لیے دونوں کے جنازے ایک ساتھ اٹھائے گئے- لیکن منصور نے ہشام کے رتبہ کی وجہ سے ان کے جنازہ کی نماز پہلے پڑھائی- ہارون کی ماں خیزران کے قبرستان میں دفن کیے گئے-[2]

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۹- [2] ایضاً ص ۴۱ و ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۶۷-

marfat.com

۸۱- یحییٰ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

یحییٰ نام' ابوسعید کنیت' نسب نامہ یہ ہے یحییٰ بن سعید بن قیس بن عمرو بن سہل ابن ثعلبہ بن حارث بن زید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار انصاری مدنی-

فضل وکمال:

یحییٰ علمی اعتبار سے اپنے دور کے ممتاز ترین تابعین میں تھے- ان کی علمی جلالت پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے- امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق' جلالت اور امامت پر سب کا اجماع ہے[۱] حافظ ذہبی ان کو امام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں[۲]

حدیث:

اگرچہ یحییٰ بن سعید اس دور کے بزرگ ہیں' جب کہ عہد صحابہ کی آخری بہار آخر چکی تھی- پھر بھی جو باقیات صالحات رہ گئے تھے یحییٰ نے ان سے پورا فائدہ اٹھایا تھا- چنانچہ صحابہ اور کبار تابعین میں انہوں نے انس بن مالک' سائب بن یزید' عبداللہ بن عامر بن ربیعہ' ابوامامہ ابن سہل بن حنیف' سعید بن مسیب' قاسم بن محمد بن عمرو بن سلمہ بن عبدالرحمٰن' عروہ بن زبیر' سلیمان ابن یسار وغیرہ سے انہوں نے سماع حدیث کیا تھا-[۳]

ان بزرگوں کے فیض نے یحییٰ کو بڑا حافظ حدیث بنا دیا تھا- علامہ ابن سعد لکھتے ہیں کان ثقة کثیر الحدیث حجة ثبتا[۴] ابن مبارک انہیں اکابر حفاظ حدیث میں شمار کرتے تھے- ابن ابی حاتم انہیں امام زہری کے برابر سمجھتے تھے- مدینہ کے دو شخص ایسے تھے جن کی

---

۱ تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۵۳- ۲ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۲-

۳ تہذیب التہذیب ج اول ص ۱۵۴- ۴ تہذیب ج ۱۱ ص ۲۲۲' بحوالہ ابن سعد-

marfat.com

ذات سے مدینۃ الرسول کا علم محفوظ رہا' ایک زہری دوسرے یحییٰ بن سعید۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو بہت سے سنن ضائع ہوجاتے۔ کبار تابعین کے بعد مدینہ میں چار حاملین علم تھے۔ ان میں ایک یحییٰ بن سعید ہیں۔ سفیان ثوری کا بیان ہے کہ اہل مدینہ انہیں زہری سے بھی زیادہ بلند مرتبہ سمجھتے تھے[1] یحییٰ القطان کہتے تھے کہ یحییٰ بن سعید کو اس حیثیت سے زہری پر تفوق حاصل ہے کہ زہری کے بارے میں لوگوں کا اختلاف موجود ہے۔ لیکن ان کے بارے میں کسی نے اختلاف نہیں کیا[2] ابن مدینی کے بیان کے مطابق ان کی مرویات کی تعداد تین سو ہے[3] اور یزید بن ہارون کا بیان ہے کہ انہوں نے ان کی تین ہزار حدیثیں حفظ کی تھیں[4]

تلامذہ:

ان کے خوشہ چینوں کا دائرہ نہایت وسیع تھا۔ ان میں سے بعض نامور تلامذہ یہ ہیں' ہشام بن عروہ' حمید الطویل' یزید بن عبداللہ بن اسامہ' ابن جریج' اوزاعی' مالک بن انس دونوں سفیان' حماد' لیث' ابن مبارک' شعبہ' یحییٰ بن سعید القطان اور یحییٰ بن سعید اموی وغیرہ[5]

فقہ:

فقہ میں بھی وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے۔ ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں نے یحییٰ سے بڑا فقیہ مدینہ میں نہیں چھوڑا[6] ان کے تفقہ کی ایک سند یہ بھی ہے کہ وہ مدینۃ الرسول کے جو مخزن فقہا تھا' قاضی تھے[7] مروان کے زمانہ میں حج کے موقع پر منادی کی جاتی تھی کہ حجاج کو یحییٰ بن سعید کے علاوہ کوئی دوسرا فتویٰ نہ دے[8]

عہدہ قضا:

ابتداء میں مدینہ کے قاضی تھے۔ پھر دولت عباسیہ کے قیام کے بعد ابوجعفر منصور عباسی نے انہیں بلا کر قاضی القضاۃ کے جلیل القدر منصب پر ممتاز کیا[9] ایک روایت ہے

---

[1] بحوالہ ابن سعد۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۳۔ [3] ایضاً۔ [4] ایضاً ص ۱۲۵۔ [5] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۵۳۔ [6] ایضاً ۱۲۴۔ [7] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۲۔ [8] ایضاً ص ۱۲۴۔ [9] ایضاً ۱۲۲۔

marfat.com

کہ وہ ہاشمیہ میں اس عہدہ پر ممتاز ہوئے تھے۔ دوسری یہ کہ بغداد میں[1] مدینہ کے قیام کے زمانہ میں ان کی مالی حالت نہایت خراب ہوگئی تھی، بڑی عسرت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ بہت مقروض ہوگئے تھے۔ عین اسی زمانہ میں منصور نے عہدۂ قضا کے لیے طلب کیا، اس عہدہ پر تقرر کے دو مہینے کے اندر ان کی حالت درست ہوگئی اور کل قرض ادا ہوگیا[2]

بعض زرین اصول:

یحییٰ بن سعید بعض نہایت زرین اصول ارشاد فرماتے تھے۔ جو آج بھی مذہبی مسائل میں ادنیٰ اختلاف پر ایک دوسرے کو ہدف ملامت بنانے والوں کے لیے سبق کا کام دے سکتے ہیں۔ فرماتے تھے۔ کہ "اہل علم میں وسعت ہے۔ مفتیوں میں مسائل میں ہمیشہ باہم اختلاف ہوتا چلا آیا ہے۔ ایک شخص ایک شے کو حرام کہتا ہے اور دوسرا حلال۔ لیکن اس اختلاف سے کوئی ایک دوسرے پر عیب نہیں لگاتا[3]

وفات:

۱۴۳ھ میں ہاشمیہ میں وفات پائی[4]

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۵۳۔

[2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۳۔

[3] ایضاً ۱۴۲۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

۸۲- یحییٰ بن یعمر رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

یحییٰ نام' ابوسلیمان کنیت' نسبی تعلق قبیلہ لیث سے تھا۔

فضل وکمال:

قرآن' حدیث' فقہ زبان اور ادب جملہ علوم کے جامع تھے۔

قرآن:

قرآن کے ممتاز عالم تھے۔ علامہ ابن سعد انہیں علمائے قرآن میں لکھتے ہیں[1]

حدیث:

حافظ حدیث بھی تھے' حافظ ذہبی نے حفاظ تابعین کے دوسرے طبقہ میں ان کے حالات لکھے ہیں۔ صحابہ میں انہوں نے حضرت عثمانؓ، علیؓ، عمار بن یاسرؓ، ابوذر غفاریؓ، ابو ہریرہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوسعید خدریؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، سلیمان بن صردؓ اور عائشہ صدیقہؓ جیسے اکابر سے روایتیں کی ہیں[2]

یحییٰ بن عقیل' سلیمان تیمی' عبداللہ بن بریدہ' قتادہ' عکرمہ' عطاء خراسانی' رکین بن ربیع' عبداللہ بن کلب سدوی' ازرق بن قیس اور اسحاق بن نوید وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے[3]

فقہ:

فقہ میں انہیں پورا درک حاصل تھا۔ حافظ ذہبی انہیں فقیہ علماء میں لکھتے ہیں[4]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۰۱۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۱۶۵۔

[3] ایضاً۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۶۵۔

marfat.com

ان کے تفقہ کی ایک سند یہ ہے کہ وہ مرو کے قاضی تھے[1]

زبان وادب:

ان مذہبی علوم کے علاوہ زبان وادب میں بھی انہیں مہارت تھی۔ نحو اور عربی زبان کے فاضل تھے[2] انہوں نے اس کے موجد اول ابوالاسود دئلی سے حاصل کی تھی[3]

فصاحت و بلاغت:

زبان پر عبور کے ساتھ وہ بڑے فصیح و بلیغ تھے' ان کا شمار ممتاز فصحاء میں تھا[4]

قضاءت میں سہولت:

یحییٰ خراسان کے پایہ تخت مرو کے قاضی تھے' مرو میں باقاعدہ دارالقضاء تھا۔ لیکن حاجت مندوں کی آسانی کے لیے وہ چلتے پھرتے۔ راستے گلی میں تنازعوں کا فیصلہ کردیتے تھے۔ یحییٰ بن موسیٰ بن یسار کا بیان ہے کہ میں نے یحییٰ بن یعمر کو بازاروں اور گلیوں میں فیصلہ کرتے ہوئے دیکھا۔ بسا اوقات وہ سواری پر چلتے ہوتے۔ اس حالت میں اگر دوفریق آجاتے تو سواری روک کر کھڑے کھڑے فیصلہ دے دیتے[4]

ایک اہم کارنامہ:

ان کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ جو ابدالآباد تک قائم رہے گا' قرآن کو منقوط کرنا ہے۔ ابتدا میں قرآن پاک نقطوں سے خالی تھا۔ سب سے اول یحییٰ نے پڑھنے والوں کی آسانی کے لیے نقطے لگائے[5]

اہل بیت نبوی سے عقیدت:

اہل بیت نبوی کے ساتھ ان کو نہایت گہری عقیدت تھی اور وہ ان کو بلاتفریق سب پر فضیلت دیتے تھے۔ لیکن کسی کی تنقیص نہ کرتے۔ ایک مرتبہ حجاج نے ان سے کہا تمہارا خیال ہے کہ حسن وحسین رسول اللہ ﷺ کی ذریت میں تھے؟ یا تو تم اس خیال

ا ابن سعد ج ۵ ق ۲ ص ۱۰۱۔ ۲ ابن سعد ج ۵ ق ۲ ص ۱۰۱۔ ۳ تہذیب ج ۱۱ ص ۳۰۵۔
۴ شذرات الذہب ج اول ص ۱۷۶۔ ۵ ابن سعد ج اول ق ۲ ص ۱۰۱۔

marfat.com

سے باز آؤ یا اس کا ثبوت پیش کرو۔ انہوں نے قرآن کی یہ آیت پیش کر کے ومن ذریۃ داؤد وسلیمان وزکریا ویحییٰ وعیسیٰ کہا عیسیٰ اور ابراہیم علیہما السلام کے درمیان اس سے کہیں کم تعلق ہے جتنا حسنؓ وحسینؓ اور محمد ﷺ کے درمیان ہے۔ اس جواب میں یہ نکتہ ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام بعد زمانی کے باوجود صرف مادری تعلق سے ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں ہو سکتے ہیں تو حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے جو خاص نواسے ہیں رسول اللہ ﷺ کی ذریت میں کیا شبہ۔ یہ جواب سن کر حجاج مطمئن ہو گیا۔[1]

وفات:

باختلاف روایت ۱۱۹ھ یا ۱۲۰ھ میں انتقال کیا۔

---

[1] شذرات الذہب ج اول ص ۱۷۶۔

marfat.com

۸۳- یزید بن ابی حبیب رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

یزید نام' ابورجاء کنیت' قریش کی شاخ بنی عامر بن لوی کے غلام تھے' ان کے والد ابوحبیب (اسود) نوبی تھے' ان کا وطن دنقلہ تھا-

پیدائش:

یزید ۵۳ھ میں پیدا ہوئے اور مصر میں ان کی نشوونما ہوئی-

فضل وکمال:

فضل وکمال کے لحاظ سے مصر کے ائمہ تابعین میں تھے- حافظ ذہبی انہیں امام الکبیر لکھتے ہیں[1] مصر میں ان ہی کی ذات سے دینی علوم کا صحیح ذوق پیدا ہوا- ابن یونس کا بیان ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جن کی ذات سے مصر میں علم ظاہر ہوا اور حلال وحرام کے مسائل کا آغاز ہوا- ان سے پہلے اہل مصر کا علم محض ترغیب اور ملاحم وفتن تک محدود تھا[2]

حدیث:

وہ مصر کے ممتاز حفاظ حدیث میں تھے- علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث[3] اور حافظ ذہبی حجۃ اور حافظ حدیث لکھتے ہیں-[4]

حدیث میں انہوں نے عبداللہ بن حارث بن جزوز بیدی' ابوالطفیل' اسلم بن یزید' ابی عمران' ابراہیم بن عبداللہ بن حنین' خیر بن نعیم حضرمی' سوید بن قیس' عبدالرحمٰن بن شماسہ مہری' عبدالعزیز ابن ابی الصعب' عطاء بن ابی رباح' عراک بن مالک اور امام زہری وغیرہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۶- [2] ایضاً- [3] ابن سعد جلد ۷ ق ۲ ص ۲۰۲-
[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۶-

marfat.com

سے استفادہ کیا تھا۔

ان سے فیض یاب ہونے والوں میں سلیمان التیمی، محمد بن اسحاق، زید بن انیسہ، عمرو بن الحارث، عبدالحمید بن جعفر، ابن لہیعہ اور لیث بن سعد لائق ذکر ہیں۔[1]

فقہ:

فقہ میں انہیں بڑی دستگاہ حاصل تھی۔ حافظ ذہبی ان کو فقیہ لکھتے ہیں۔[2] عمر بن عبدالعزیز نے مصر میں تین آدمیوں کو افتا کے منصب پر ممتاز کیا تھا۔ ان میں سے ایک یزید بھی تھے۔[3] انہی کی وجہ سے مصر میں فقہ کا مذاق پیدا ہوا۔

علمائے معاصرین کی رائے:

ان کے کمالات کے متعلق ان کے عہد کے علماء کی یہ رائے تھی۔ لیث بن سعد کہتے تھے کہ یزید ہمارے عالم اور ہمارے سردار ہیں۔[4] ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ لیث ان کے اور عبیداللہ بن جعفر کے متعلق کہتے تھے کہ یہ دونوں ملک کے جوہر ہیں۔ عمرو بن حارث نے کسی سے سوال کیا کہ یزید افضل ہیں یا عبداللہ بن جعفر، انہوں نے جواب دیا اگر وہ دونوں ترازو میں تولے جائیں تو کسی کا پلہ بھاری نہ ہوگا۔[4]

احتیاط:

محتاط تابعین کی طرح وہ بھی اس قدر احتیاط کرتے تھے، کہ جب ان کے پاس سائلین کی کثرت ہوگئی تو انہوں نے خانہ نشینی اختیار کر لی۔[5]

علم کی عظمت:

علم کا بڑا وقار قائم رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں کسی امیر کے آستانہ پر جانا گوارا نہیں تھا۔ جس کو ضرورت ہوتی، اس کو خود یہاں بلاتے تھے۔ ایک مرتبہ ریان بن عبدالعزیز نے آپ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ میرے پاس آئیے میں آپ سے کچھ

---

1. تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۱۸۔ 2. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۵۔
3. ایضاً ص ۱۱۶۔ 4. ایضاً ص ۱۱۶،۱۱۵۔ 5. ایضاً۔

marfat.com

معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں- آپ نے جواب کہلا بھیجا کہ تم خود میرے پاس آؤ میرے پاس آنا تمہارے لیے زینت اور میرا تمہارے پاس جانا تمہارے لیے عیب دار ہے[1]

صاف گوئی:

امراء کو مطلق خاطر میں نہ لاتے - ان کے منہ پر ان کی برائیاں کرتے - ایک مرتبہ آپ بیمار پڑے- حوثرہ بن سہیل امیر مصر آپ کی عیادت کے لیے آیا اور پوچھا جس کپڑے میں مچھر کا خون لگا ہو اس میں نماز پڑھنے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے' یہ سوال سن کر آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور اس سے گفتگو بند کر دی- یہ دیکھ کر حوثرہ اٹھ گیا- آپ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا کہ روزانہ خلق اللہ کا خون کرتے ہو اور مجھ سے مچھر کے خون کے متعلق پوچھتے ہو[2]

وفات:

مروان ثانی کے عہد حکومت ۱۲۸ھ میں وفات پائی[3]

بعض خاص اوصاف:

عقل و دانش اور حلم اور تحمل کے زیور سے آراستہ تھے- کان حلیماً عاقلاً.

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۵' ۱۱۶-

[2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۱۵' ۱۱۶-

[3] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۰۲-

marfat.com

۸۴- یونس بن عبید رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

یونس نام، ابوعبید کنیت، بنی قیس کے غلام تھے۔

فضل وکمال:

یونس اگرچہ غلام تھے۔ لیکن حسن بصری کے خاص اصحاب میں تھے۔ ان کے فیض صحبت وہم نشینی نے ان کو دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا۔ حافظ ذہبی ان کو امام حجۃ اور قدوہ لکھتے ہیں[1] امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے اور وہ جلیل القدر تابعی ہیں۔[2] ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ علم وفضل، حفظ واتقان، پابندی سنت اور اہل بدعت سے بغض، تقشف، تفقہ فی الدین اور کثرت حفظ میں اپنے زمانہ کے سادات میں تھے[3]

حدیث:

حدیث میں اپنے عہد کے ممتاز حفاظ میں تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: "کان ثقة كثير الحديث"[4]

صحابہ میں انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا، لیکن ان سے فیض یاب نہ ہو سکے انہوں نے زیادہ تر حضرت حسن بصری سے استفادہ کیا۔ ان کے بعد محمد بن سیرین، ثابت البنانی، عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ، حکیم بن عرج، نافع مولیٰ ابن عمر، حمید بن ہلال، عطاء بن ابی رباح وغیرہ سے سماع حدیث کیا تھا۔[5]

حدیث میں اپنے اکثر معاصرین پر فائق تھے۔ سعید بن عامر کا بیان ہے کہ میں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۰- [2] تہذیب الاسماء ج اول ص ۱۶۸- [3] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۴۵- [4] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۳- [5] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۴۲-

maarfat.com

نے یونس بن عبید سے افضل کسی کو نہیں پایا۔ تمام اہل بصرہ کی یہی رائے ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ سلیمان تیمی سے بھی بلند مرتبہ تھے۔ تیمی ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔[1]

اس کمال کے ساتھ وہ حدیث میں بڑے محتاط تھے' حدیث بیان کرنے کے بعد ہمیشہ تین مرتبہ استغفر اللہ کہتے تھے۔[2] محض احتیاط کی بنا پر حدیثوں کو قلم بند نہیں کرتے تھے۔

تلامذہ:

قابل ذکر تلامذہ کے نام یہ ہیں' ان کے صاحبزادے عبداللہ' شعبہ' ثوری' وہیب' حماد' عبداللہ بن عیسیٰ' خزار اور خارجہ بن مصعب وغیرہ۔[3]

اخلاص فی العلم:

ان کی علمی طلب شہرت اور ناموری کے لیے انہیں بلکہ خالصۃً للہ تھی۔ ہشام بن حسان کا بیان ہے کہ میں نے یونس بن عبید کے سوا کسی کو ایسا نہیں پایا جس کی غرض علم سے محض لوجہ اللہ ہو۔[4]

فضائل اخلاق:

وفور علم کے ساتھ عمل بھی اسی درجہ کا تھا۔ عقائد میں بڑے متشدد اور مذہب میں بڑے متقشف تھے' ابن حبان لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عامل سنت' بدعات سے نفرت کرنے والے اور متقشف تھے' عقائد کے باب میں اتنے متشدد تھے کہ جدید عقائد و خیالات کو گناہ کبیرہ سے بھی بڑھ کر سمجھتے تھے۔ اپنے صاحبزادے سے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تم کو سود' چوری اور شراب نوشی سے منع کرتا ہوں' لیکن تمہارا ان چیزوں میں مبتلا ہو کر خدا سے ملنا' اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتا ہوں کہ عمرو بن عبید اور اس کے ساتھیوں کے ہم خیال ہو کر اس سے ملو۔[5]

مبتدعین کی عیادت کرنا بھی کار ثواب نہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے

---

1. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۰۔ 2. ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۳۔ 3. تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۴۲۔
4. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۳۰۔ 5. تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۴۴۔

marfat.com

آپ سے پوچھا کہ میرا ایک معتزلی پڑوسی بیمار ہے میں اس کی عیادت کروں۔ فرمایا ثواب کی نیت سے نہیں[1]

فرائض کے علاوہ زیادہ روزہ نماز نہ ادا کرتے تھے۔ لیکن خدا کے حقوق و فرائض کی ادائیگی کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے' سلام بن مطیع کا ہے کہ یونس بہت زیادہ نماز روزہ نہیں کرتے تھے۔ لیکن خدا کی قسم جب خدا کے حقوق کا وقت آتا تو وہ اس کی ادائیگی کے لیے بالکل تیار رہتے تھے[2] جہاد کو افضل العبادات سمجھتے تھے' اس کے چھوٹ جانے کا انتہائی قلق ہوتا تھا۔ ان کو کسی سبب سے جہاد کا موقع نہ ملا تھا' اس کا تادم آخر قلق رہا' اسحاق بن ابراہیم کا بیان ہے کہ یونس مرض الموت میں اپنے پیروں کی طرف دیکھ کر روتے تھے' لوگوں نے سبب پوچھا' فرمایا کہ وہ خدا کی راہ میں غبار آلود نہیں ہوئے۔[3] زبان پر اکثر کلمہ استغفار جاری رہتا تھا۔ عبدالملک ابن سلیمان کا بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ استغفار کرنے والا نہیں دیکھا[4]

دیانت:

ان کا ذریعہ معاش تجارت تھا۔ ریشمی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے۔ اور تجارتی دیانت میں اس قدر مبالغہ کرتے تھے اس مبالغہ کے ساتھ تجارت کرنا مشکل ہے۔ ان کی تجارتی دیانت کے بہت سے واقعات کتابوں میں مذکور ہیں۔

ایک مرتبہ ایک خاص مقام پر ریشم کا نرخ بہت چڑھ گیا تھا۔ انہیں معلوم ہوا تو انہوں نے ایک دوسرے مقام کے ریشم فروش سے تیس ہزار کا ریشم خریدا۔ بعد کو انہیں خیال آیا تو اس بیچنے والے سے پوچھا کہ تم کو فلاں مقام پر مال کے نرخ چڑھنے کی خبر تھی۔ اس نے کہا اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں اپنا مال کیوں فروخت کرتا۔ یہ جواب سن کر روپیہ لے کر مال واپس کر دیا[5]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۴۴۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۴۳۔

[3] ایضاً ص ۴۴۴۔ [4] ایضاً صفحہ ۴۴۳۔ [5] ایضاً ص ۴۴۵۔

marfat.com

ایک مرتبہ ایک عورت ان کے پاس خز کی چادر فروخت کرنے کے لیے لائی۔ انہوں نے اسے دیکھ کر قیمت پوچھی، اس نے کہا ساٹھ درہم۔ انہوں نے اپنے ایک ہمسایہ تاجر کو چادر دکھا کر پوچھا تمہاری نظر میں اس کی کیا قیمت ہے۔ اس نے کہا ایک سو بیس تک ہو سکتی ہے۔ قیمت لگوانے کے بعد عورت سے کہا۔ اپنے گھر والوں سے پوچھ آؤ وہ ایک سو پچیس تک بیچنے کی اجازت دیتے ہیں[1]

ایک مرتبہ ایک عورت ریشم کا ایک جبہ بیچنے کے لیے لائی۔ انہوں نے قیمت دریافت کی، اس نے پانچ سو بتائی۔ ان کی نگاہ میں وہ اس سے بہت زیادہ قیمت کا تھا۔ اس لیے انہوں نے دو ہزار تک اس کی قیمت لگا دی[2]

اس احتیاط کے باوجود انہیں اس بارہ میں پورا اطمینان نہ ہوتا تھا۔ ابن شوزب کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ یونس اور ابن عون حلال و حرام پر باتیں کر رہے تھے۔ دونوں نے کہا کہ "ہمارے مال میں ایک درہم بھی حلال کا نہیں ہے"۔[3]

وفات:

۱۳۹ھ میں وفات پائی۔ عبداللہ بن عباسؓ کے پوتے سلیمان اور عبداللہ بن علی اور پرپوتے جعفر اور محمد نے جنازہ اٹھایا۔ اور ان کی زبان پر تھا کہ "خدا کی قسم یہ عزت و شرف ہے"۔[4]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ۴۴۵ - [2] تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۴۴۴ -
[3] ایضاً - [4] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۴ -

marfat.com

۸۵- ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عائذ نام' ابوادریس کنیت' کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں-نسب نامہ یہ ہے عائذ ابن عبداللہ بن عمرو-بعض روایات میں نام عبداللہ اور نسب نامہ اس طرح ہے-عبداللہ بن ادریس بن عائذ بن عبداللہ بن غیلان خولانی-

پیدائش:

غزوۂ حنین کے سال ۸ ھ یعنی عہد رسالت میں پیدا ہوئے[1]

فضل وکمال:

صاحب علم وعمل تابعین میں تھے-شام کے ممتاز علماء میں شمار تھا-حافظ ذہبی لکھتے ہیں:''ابوادریس خولانی عالم اهل الشام .... الفقیه احد من جمیع بین العلم العمل''[2] مشہور صحابی حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے بعد جو شام میں مقیم تھے ابوادریس ہی ان کے جانشین ہوئے تھے-

حدیث:

حدیث میں انہوں نے حضرت عمرؓ، ابودرداءؓ، معاذ بن جبلؓ، ابوذر غفاریؓ، بلالؓ، ثوبانؓ، حذیفہ بن یمانؓ، عبادہ بن صامتؓ، عوف بن مالکؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ، ابوہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ وغیرہ سے روایتیں کی ہیں-حافظ ذہبی نے اکابر صحابہ کے زمرہ میں ان کے حالات لکھے ہیں-

ان سے روایت کرنے والوں میں امام زہری' ربیعہ بن یزید' بسر بن عبیداللہ'

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۱۴۴- [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۸-

marfat.com

عبداللہ بن ربیعہ بن یزید' قاسم بن محمد' ولید بن عبدالرحمٰن' یونس بن میسرہ' ابوعون انصاری' یونس بن سیف' مکحول' شہر بن حوشب اور سلمہ بن دینار وغیرہ لائق ذکر ہیں۔[1]

فقہ:

شام کے مشہور فقہاء میں تھے' امام زہری ان کو شام کے فقیہ علماء میں شمار کرتے تھے۔[2] طبری نے ان کا ذکر شام کے ان علماء کے ساتھ کیا ہے جو فقیہ اور حلال وحرام کے عالم تھے۔[3]

وعظ گوئی اور قضاءت:

ان کے فقہی کمال کی سند یہ ہے کہ عبدالملک کے زمانہ میں وہ دارالخلافہ دمشق کے قاضی تھے اور قضاءت کے ساتھ وعظ و پند کی خدمت بھی انجام دیتے تھے' پھر عبدالملک نے وعظ کی خدمت ان سے الگ کر لی۔ ان کو قضاءت کے مقابلہ میں وعظ گوئی کا شغل زیادہ مرغوب تھا۔ اس لیے اس سے علیحدگی کے بعد کہتے تھے۔ ''میری مرغوب چیز سے مجھے معزول کر دیا گیا' اور جس چیز سے ڈرتا ہوں اسے رہنے دیا گیا۔[4]

علماء کا اعتراف:

ان کے ہم عصر ان کے کمالات کے اتنے معترف تھے کہ مکحول جو شام کے سب سے بڑے عالم تھے' کہتے تھے کہ میں نے ادریس سے بڑا عالم نہیں دیکھا' ابوزرعہ دمشقی ان کو جبیر بن نفیر عالم شام پر ترجیح دیتے تھے۔[5]

وفات:

۸۰ھ میں وفات پائی۔[6]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۸۵۔ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۴۹۔

[3] تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۸۷۔ [4] تذکرۃ الحفاظ جلد اول صفحہ ۴۹۔

[5] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۸۵۔ [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۴۹۔

marfat.com

۸۶- ابو اسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عمرو نام' ابو اسحاق کنیت' کنیت سے زیادہ مشہور ہیں' نسب نامہ یہ ہے- عمرو بن عبداللہ بن علی بن احمد بن ذی یحمد بن سبیع بن صعب بن معاویہ بن کثیر بن مالک بن جشم بن حاشد بن چشم بن خیران بن نوف بن ہمدان ہمدانی کوفی -

ہمدان میں ان کا ممتاز اور مشہور خاندان تھا- اسلامی عہد میں یہ خاندان کوفہ میں آباد ہوگیا تھا- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ابو اسحاق کے دادا مدینہ آئے تھے- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کے خاندانی اعزاز کا لحاظ کر کے پندرہ ہزار پانچ سو ان کا اور سو سو ان کے اہل وعیال کا وظیفہ مقرر کیا[1]

پیدائش:

ابو اسحاق غالباً کوفہ ہی میں عثمانی عہد کے آخر میں جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں تین سال باقی تھے پیدا ہوئے[2]

اموی دور:

اموی دور میں بھی ابو اسحاق کا خاندانی اعزاز قائم رہا- امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ اور ان کے والد تین سو وظیفہ پاتے تھے[3]

فضل وکمال:

مرکز علم کوفہ میں ابو اسحاق کی نشوونما ہوئی تھی' ان میں تحصیل علم کی فطری استعداد

---

۱ ابن سعد ج ۶ ص ۲۱۹- ۲ ایضاً-

۳ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۲-

marfat.com

وصلاحیت تھی اس لیے علمائے کوفہ کے فیض سے پورا فائدہ اٹھایا اور ان کا شمار علماء کے اکابر علماء میں ہوگیا۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق' جلالت اور ثناء پر سب کا اتفاق ہے[1] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ علم کا ظرف تھے'ان کے مناقب بہت ہیں[2] ابن ناصر الدین ان کو ائمہ اسلام اور بڑے حفاظ حدیث میں لکھتے ہیں[3]

قرآن:

قرآن کے وہ نہایت مشہور قاری تھے۔ عبداللہ بن مسعود ؓ کے اصحاب ان کو عمراء القاری کہتے تھے۔ اس فن کی تعلیم انہوں نے اس فن کے مشہور علماء ابوعبدالرحمن سلمی اور اسود بن یزید سے حاصل کی تھی[4]

حدیث:

حدیث کے اکابر حفاظ میں تھے۔ حافظ ذہبی ان کو علم کا ظرف اور علمائے اعلام میں لکھتے ہیں[5] صحابہ میں انہوں نے ابن عباس ؓ، ابن عمر ؓ، ابن زبیر ؓ، معاویہ ؓ، عمرو بن یزید الخطمی ؓ، نعمان بن بشیر ؓ، عمرو بن الحارث ؓ، عمرو بن الحریث ؓ، زید بن ارقم، براء بن عازب ؓ، سلیمان بن صرد ؓ، حارثہ بن وہب ؓ، عدی بن حاتم، جابر بن سمرہ ؓ، رافع بن خدیج ؓ، عروہ بارقی، ابوجحیفہ ؓ، خالد بن عرفطہ ؓ، جریر بن عبداللہ بجلی، اشعث بن قیس ؓ، مسور بن مخرمہ ؓ، اور تابعین میں ایک کثیر جماعت سے سماع حدیث کیا تھا۔[6] ابن مدینی نے ان کے شیوخ کی تعداد باختلاف روایت تین یا چار سو لکھی ہے۔ ان میں اڑتالیس صحابہ تھے[7]

ابوحاتم روایات کی کثرت اور رجال کے علم میں ان کو امام زہری کا ہم پایہ سمجھتے تھے۔[8] ابوداؤد الطیالسی کا بیان ہے کہ ہم نے چار آدمیوں کے پاس حدیث کا ذخیرہ پایا۔ ان میں چار میں ایک ابواسحاق ہیں' حضرت علی ؓ کی احادیث اور ابن مسعود ؓ کی

---

1 تہذیب الاسماء جلد اول ق ۲ صفحہ ۱۷۔ 2 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۲۔
3 شذرات الذہب ج اول ص ۱۷۴۔ 4 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۱۔ 5 ایضاً۔
6 تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۶۔ 7 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۳۔
8 تہذیب ج ۸ ص ۶۵۔

marfat.com

روایات ان کے پاس زیادہ تھیں' ان کی جملہ احادیث کی تعداد دو ہزار تک بیان کی جاتی ہے[1]

تلامذہ:

شیوخ کے تناسب سے ان کے تلامذہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع تھا اور اس میں بڑے بڑے تابعین تھے۔ بعض قابل ذکر نام یہ ہیں' سلیمان التیمی' اعمش' قتادہ' اسماعیل بن ابی خالد' شریک بن عبداللہ' عمارہ بن زریق' منصور بن معتمر' سفیان ثوری' مسعر' مالک بن مغول' سفیان بن عیینہ' زہیر بن معاویہ' زائدہ' حسن بن صالح اور ابوبکرہ بن عیاش وغیرہ[2]

زہد و عبادت:

اس علم کے ساتھ عمل بھی اسی درجہ کا تھا' بڑے عابد و زاہد تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ کان صواما قواما مقبیقبتلا[3] تین دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ روزے بھی بکثرت رکھتے تھے[4]

آخر عمر میں جب قویٰ ضعیف اور عبادت شاقہ کے متحمل نہ رہ گئے تھے اس وقت ان معمولات میں فرق آ گیا تھا۔ لیکن پھر بھی مہینہ میں تین دن اور ہر جمعہ دوشنبہ کو اور اشہر حرم میں پابندی سے روزہ رکھتے تھے اور ایک رکعت میں پوری سورۂ بقرہ ختم کرتے تھے[5]

جہاد فی سبیل اللہ:

جہاد فی سبیل اللہ کا بھی ولولہ تھا' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں روم کی فوج کشی میں شریک ہوئے تھے۔

وفات:

۱۲۷ھ یا ۱۲۸ھ میں وفات پائی' وفات کے وقت کم و بیش سو سال کے قریب عمر تھی[6]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۲۔ [2] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۷۱۔

[3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۲۔ [4] ایضاً۔ [5] ایضاً ص ۱۰۱۔ [6] ایضاً ص ۱۰۳۔

marfat.com

۸۷- ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عامر نام' ابو بردہ کنیت' کنیت سے زیادہ مشہور ہیں- مشہور صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں' نسب نامہ یہ ہے' عامر بن عبداللہ (ابوموسیٰ) بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب بن عامر بن عذر بن وائل بن ناجیہ بن جماہر اشعری[1]

تعلیم:

ان کے والد حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بڑے پایہ کے صحابی تھے[2] انہوں نے ان کو حصول تعلیم کے لیے مشہور صحابی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس جو مدینہ میں اہل کتاب کے بہت بڑے عالم تھے بھیج دیا تھا[3] اس واقعہ کو ابو بردہ خود بیان کرتے ہیں کہ میرے والد نے مجھ کو تحصیل علم کے لیے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا- جب میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا بھتیجے تم لوگ ایک تجارتی مقام پر رہتے ہو- اس لیے اس کا لحاظ رکھنا کہ جب کسی پر تمہارا کچھ مال واجب ہو تو وہ اگر تم کو گھاس کا گٹھا بھی دے تو اس کو قبول نہ کرنا کہ وہ ربا ہوگا[4]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب میں مدینہ گیا اور عبداللہ بن سلام سے ملا تو انہوں نے کہا چلو جس گھر میں رسول اللہ ﷺ نے داخل ہو کر نماز پڑھی ہے تم بھی اس میں چل کر نماز پڑھو- تم کو کھجور اور ستو کھلاؤں گا- پھر فرمایا بھتیجے تم ایسے مقام پر رہتے ہو جہاں سود عام ہے- تم میں ایسے لوگ ہیں کہ جب وہ کسی کو قرض دیتے ہیں اور اس کی مدت پوری ہو جاتی ہے تو مقروض خورد و نوش کے سامان کی ایک گٹھری اور چارہ کا ایک گٹھا اپنے ساتھ

---

[1] ابن سعد جلد ۵ ص ۱۸۷- [2] ایضاً- [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۳-
[4] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۷۹-

marfat.com

لاتا ہے۔ یہ رہا ہے[1]

فضل و کمال:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور عبداللہ بن سلام ؓ کی تعلیم و تربیت اور دوسرے بزرگوں کے فیض صحبت نے ابو بردہ کا دامن علم نہایت وسیع کر دیا تھا' حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری الفقیہ احد الائمۃ الاثبات ''[2] امام نووی لکھتے ہیں ان کی توثیق و جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔[3]

حدیث:

حدیث کے وہ ممتاز حفاظ میں تھے' علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقۃ کثیر الحدیث'' اس فن میں انہوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ، حذیفہ بن یمانؓ، عبداللہ بن سلامؓ، اعز المزنی' مغیرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، اسود بن یزید النخعی اور عروہ بن زبیرؓ وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔[5]

تلامذہ:

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے سعید اور بلال' پوتے یزید' اور عام لوگوں میں امام شعبی' ثابت البنانی' حمید بن بلال' عبدالملک بن نمیر' قتادہ' ابواسحاق سبیعی وغیرہ لائق ذکر ہیں۔[6]

فقہ:

فقہ میں بھی وہ امتیازی پایہ رکھتے تھے' حافظ ذہبی ان کو فقیہ اور امام لکھتے ہیں۔[7]

عہدہ قضا:

اس تفقہ کی بنا پر وہ قاضی شریح کے بعد کوفہ کی مسند قضاء بیٹھے تھے۔[8] ان کے

1۔ تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۷۹ بحوالہ ابن سعد۔ 2۔ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۳۔
3۔ تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۱۷۹۔ 4۔ ایضاً بحوالہ ابن سعد۔ 5۔ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۸۔
6۔ ایضاً۔ 7۔ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۳۔ 8۔ شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۶۔

marfat.com

بعد ان کے لڑکے بلال ان کے جانشین ہوئے[1]

فضائل اخلاق:

فضائل اخلاق کا مجسم پیکر تھے- ان کی ذات میں تمام اخلاقی محاسن جمع تھے- یزید بن مہلب جس زمانہ میں خراسان کا والی ہوا اس وقت اس کو ایک جامع اوصاف شخص کی ضرورت ہوئی - اس نے لوگوں سے کہا مجھے کوئی ایسا آدمی بتاؤ جو خصائل حسنہ میں پورا ہو- لوگوں نے ابو بردہ کا نام لیا' یزید انہیں بلا کر ان سے ملا- تجربہ سے انہیں بہترین شخص پایا- ان کی باتوں سے بہت زیادہ متاثر ہوا' انہیں پرکھنے کے بعد ان سے کہا میں تم کو فلاں فلاں عہدہ پر مامور کرتا ہوں- انہوں نے اس کے قبول کرنے سے معذرت چاہی' یزید نہ مانا- اس وقت انہوں نے معذرت میں یہ مذہبی دلیل پیش کی کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی ایسا عہدہ قبول کر لیا جس کے متعلق وہ خود جانتا ہے کہ وہ اس کا اہل نہیں ہے' تو اس کو چاہیے کہ دوزخ کو اپنا مستقر بنانے کے لیے تیار رہے[2]

وفات:

۱۰۴ھ میں وفات پائی -[3]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۷-

[2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۳-

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۸۷-

marfat.com

۸۸- ابوبکر بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

محمد نام، ابوبکر کنیت، ان کی کنیت نے اتنی شہرت حاصل کی کہ نام کی جگہ لے لی چنانچہ بعضوں کے نزدیک ان کا نام ہی ابوبکر ہے۔نسب نامہ یہ ہے:

ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن مخزوم مخزومی۔

ماں کا نام فاختہ تھا۔ ننہالی شجرہ یہ ہے:

فاختہ بنت عتبہ بن سہیل بن عمرو بن عبدشمس بن عبدود بن نضر بن مالک بن حسیل بن عامر بن لوئی۔

ولادت:

ابوبکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے[1]

فضل وکمال:

ابوبکر مدینۃ الرسول میں پیدا ہوئے تھے جو علماء کا مخزن تھا۔ ان میں تحصیل علم کا بڑا ذوق وشوق تھا۔ اس لیے بڑی محنت سے تحصیل علم کی اور مدینہ کے نامور علماء میں شمار ہوا۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة فقيها كثير الحديث عالما عاقلا عاليا سخيا''[2]

ابن خراش انہیں ائمہ علماء میں شمار کرتے تھے۔[3]

حدیث:

حدیث کے وہ بڑے حافظ تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ''كان ثقة حجة فقيها اماما كثير الرواية''[4] صحابہ میں اپنے والد عبدالرحمٰنؓ، ابوہریرہؓ، عمار بن یاسرؓ، ابومسعودؓ

---

[1] ابن سعد جلد ۶ ص ۱۵۳۔ [2] ایضاً۔ [3] تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۱۹۵۔ [4] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵۵۔

marfat.com

بدری، عبدالرحمٰن بن مطیع ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ سے روایتیں ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے لڑکے عبدالملک، عمرو، عبداللہ اور سلمہ بھتیجے قاسم بن محمد اور عام لوگوں میں امام زہری، عمر بن عبدالعزیز اور حکم بن عتبہ وغیرہ لائق ذکر ہیں۔[1]

فقہ:

فقہ میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔ وہ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک تھے۔ ابوالزناد کہتے تھے کہ مدینہ کے ان فقہاء و علماء میں جن کی رائے پر مسائل کا فیصلہ ہوتا تھا، چھ آدمی تھے۔ ان میں ایک ابوبکر بن عبدالرحمٰن تھے۔[2]

زہد و عبادت:

زہد و تقویٰ کا رنگ نہایت گہرا تھا۔ مدینہ کے عابدترین بزرگوں میں تھے زہد و عبادت اور نمازوں کی کثرت کی وجہ سے "راہب قریش" ان کا لقب ہوگیا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ صالح عبادت گزار اور خدا پرست تھے۔[3] کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھتے تھے۔ ان کے بھائی عمرو بن عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ وہ روزے پر روزے رکھتے تھے اور درمیان میں افطار نہ کرتے تھے۔[4]

امانت:

امانت ان کا خاص وصف تھا۔ انہیں امانت میں اس قدر اہتمام تھا کہ اگر کوئی شخص ان کے پاس کوئی شے امانت رکھتا ہے اور اس کا کچھ حصہ ضائع ہو جاتا تو خواہ امانت رکھنے والا معاف ہی کیوں نہ کر دیتا مگر پوری امانت واپس کرتے۔ عثمان بن محمد کا بیان ہے کہ عروہ نے ابوبکر کے پاس کچھ مال امانت رکھوایا۔ وہ مال یا اس کا کچھ حصہ ضائع ہوگیا۔ عروہ نے کہلا بھیجا کہ تم پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔ تمہاری حیثیت تو امین کی تھی۔ انہوں

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۳۰۔ [2] اعلام الموقعین ج اول ص ۲۴۔

[3] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۳۱۔ [4] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۳۔

marfat.com

نے جواب دیا کہ یہ مجھے معلوم ہے کہ مجھ پر تاوان نہیں ہے۔ لیکن میں یہ پسند نہیں کرتا کہ قریش میں تمہاری زبان سے یہ الفاظ نکلیں کہ میری امانت ضائع ہوگئی۔ غرض عروہ کے کہنے کے باوجود نہ مانے اور اپنی املاک بیچ کر پوری امانت واپس کی[1]

فیاضی:

نہایت فیاض اور سیر چشم تھے[2]

بنی امیہ میں منزلت:

اموی خلفاء ان کی اتنی منزلت کرتے تھے کہ ان کی وجہ سے اہل مدینہ کو امویوں کی جانب سے امن حاصل ہوگیا تھا۔ عبدالملک خصوصیت کے ساتھ ان کی بڑی عزت کرتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ بنی امیہ کے ساتھ اہل مدینہ کی روش کی بناء پر میں ان کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہوں لیکن ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا خیال آ جاتا ہے تو شرم آنے لگتی ہے اور ارادہ ترک کر دیتا ہوں' عبدالملک اپنے بعد ہونے والے خلفاء ولید اور سلیمان کو بھی ابوبکر کی تعظیم و تکریم کی وصیت کرتا گیا تھا۔[3]

وفات:

ایک دن عصر کی نماز پڑھ کر غسل خانہ گئے۔ وہاں گر پڑے' فوراً زبان سے نکلا ''میں نے آج شروع دن میں خدا کی قسم کوئی نئی بات نہیں کی تھی''۔ اسی دن غروب آفتاب سے پہلے انتقال کر گئے۔ یہ ۹۴ھ کا واقعہ ہے[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۴۔ [2] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۳۱۔

[3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۵۴۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

۸۹- ابو رجاء عطاردی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

ابو رجاء اوران کے والد کے نام کے بارے میں مختلف بیانات ہیں- ایک بیان یہ ہے کہ ان کا نام عمران اور والد کا نام ملحان ہے' دوسرا یہ ہے کہ والد کا نام تیم ہے- تیسرا یہ ہے کہ ان کا نام عطارد اور والد کا نام پرویز ہے- ان تینوں بیانات میں اکثر ارباب سیر کے نزدیک پہلا زیادہ صحیح ہے- حافظ ذہبی اور ابن حجر نے اسی کو اختیار کیا ہے' ابو رجاء کنیت ہے اور اسی سے وہ زیادہ مشہور ہیں نسب تعلق قبیلہ تمیم سے تھا[1]

اسلام:

ابو رجاء نے آنحضرت ﷺ کا زمانہ پایا تھا- لیکن اس وقت بالکل نوخیز تھے- عہد نبوی ﷺ میں عرصہ تک ان کا قبیلہ اسلام سے بھاگتا رہا' لیکن پھر آخر میں اسلام کا طوق غلامی گردن میں ڈالنا پڑا- ان واقعات کو خود ابو رجاء کی زبان سے سنو- ان کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں اپنے چشمے "سند" پر اونٹوں کی چرائی پر تھا کہ اطلاع ملی کہ عرب میں ایک شخص مبعوث ہوا ہے جو لوگ اس کی اطاعت نہیں کرتے' ان کو وہ قتل کر دیتا ہے- یہ خبر سن کر ہم لوگ اپنے اہل وعیال کو لے کر بنی سعد کا میدان عبور کر کے بھاگ گئے- وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اس شخص سے بچنے کی سبیل لا الہ الا اللہ محمد عبدہ ورسولہ کی شہادت ہے' جو شخص اس کا اقرار کر لیتا ہے' اس کی جان اور اس کا مال محفوظ ہو جاتا ہے- یہ معلوم کر کے ہم لوگ لوٹ آئے اور اسلام میں داخل ہو گئے-[2] یہ فتح مکہ کا زمانہ تھا- اگرچہ ابو رجاء عہد رسالت میں مشرف بہ اسلام ہو گئے لیکن

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۰۱-

[2] ایضاً

marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار اور لقاء کے شرف سے محروم رہے[1]

فضل وکمال:

ابورجاء کے زمانہ میں بہت سے صحابہ موجود تھے- اس لیے انہیں حصول کمال کا پورا موقع ملا- حافظ ذہبی لکھتے ہیں: "من کبار علماء التابعین ...... کان ثقة ثبتا عالماً عاملا"[2]

قرآن:

قرآن کے ممتاز عالم تھے' اس کی تعلیم انہوں نے ابوموسیٰ اشعری اور مفسر القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حاصل کی تھی[3] ان کی تعلیم نے انہیں قرآن کا عالم بنا دیا[4]

حدیث:

حدیث میں حضرت عمرؓ، علیؓ، عمران بن حصینؓ، سمرہ بن جندبؓ اور ام المومنین عائشہ صدیقہؓ سے ان کی روایات ملتی ہیں- ان سے روایات کرنے والوں میں ایوب' جریر بن حازم' عوف الاعرابی' عمران القصیر' مہدی بن میمون' ابوالاشہب' حماد بن نجیح' سعید بن ابی ربیعہ' ابوعثمان اور حسن بن ذکوان وغیرہ لائق ذکر ہیں[5]

زہد وعبادت:

زہد وعبادت میں بھی ممتاز تھے- حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے عبادت گزار' نماز پڑھنے والے اور تلاوت کرتے والے شیخ تھے[6] رمضان میں تراویح میں تین قرآن ختم کرتے تھے[7]

امامت:

اپنے علمی اور مذہبی کمالات کی وجہ سے اپنے قبیلہ کے امام تھے اور چالیس سال تک یہ خدمت انجام دی[8]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۷- [2] ایضاً- [3] ایضاً-

[4] ابن سعد ج ۷ ص ۱۰- [5] تہذیب التہذیب جلد ۸ ص ۱۴۰-

[6] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵۷- [7] ایضاً- [8] ایضاً ص ۱۰۱-

marfat.com

وفات:

ان کے زمانہ وفات کے بارے میں اختلاف ہے- بعضوں کے نزدیک عمر بن عبدالعزیز کے عہد خلافت میں- بعضوں کے نزدیک ۱۰۵ھ میں، بعضوں کے نزدیک ۱۰۷ھ میں، بعضوں کے نزدیک ۱۰۸ھ میں اور بعضوں کے نزدیک ۱۰۹ھ میں وفات پائی[1] اس وقت کم وبیش ایک سو بیس سال کی عمر تھی- ان کی وفات پر فرزدق شاعر نے یہ شعر کہا:

الم تر ان الناس مات کبیر　　وقد عاش قبل البعث بعث محمد

[1] یہ تمام اقوال طبقات ابن سعد، تذکرۃ الحفاظ اور تہذیب میں ہیں- دیکھئے کتب مذکورہ-

marfat.com

۹۰- ابوالزناد رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبداللہ نام' والد کا نام ذکوان تھا- ابوعبدالرحمٰن کنیت - ابوالزناد لقب' لقب ہی سے وہ مشہور ہیں- نسباً ہمدانی تھے- ابوالزناد قریش کی غلامی میں تھے- لیکن غلامی کی نسبت میں اختلاف ہے- بعض رملہ بنت ربیعہ کا اور بعض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد غلام بتاتے ہیں-

فضل وکمال:

اگرچہ ابوالزناد غلام تھے- لیکن اقلیم علم کے تاجدار تھے- اکابر تابعین کے بعد جو بزرگو رعلم کے مسند نشین ہوئے ان میں ایک نام ابوالزناد کا بھی ہے- ان کو جملہ علوم میں یکساں دستگاہ حاصل تھی- امام نووی لکھتے ہیں کہ ان کی ثنا وصفت' ان کے وفور علم ان کے حفظ' ان کے فضل اور مختلف علوم میں ان کی مہارت' توثیق اور ان کی جلالت پر سب کا اتفاق ہے[1]

حدیث:

حدیث میں انہوں نے انس بن مالکؓ، عائشہ بنت سعد، ابوامامہ بن سہیل بن حنیف، سعید بن مسیبؒ، ابوسلمہؒ بن عبدالرحمٰنؒ، ابان بن عثمانؒ، خارجہ بنت زید بن ثابتؓ، عبید بن حسینؒ، عروہ بن زبیرؒ، علی بن حسینؒ، عمرو بن عثمانؒ، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور محمد بن حمزہ اسلمی وغیرہ سے فیض اٹھایا تھا[2]

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو حدیث کا بڑا جلیل القدر حافظ بنادیا تھا- امام حدیث

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۲۳۳- [2] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۰۳ و ۲۰۴-

marfat.com

سفیان ثوری ان کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے تھے[1] علامہ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[2]

تلامذہ:

ان کے لڑکے عبدالرحمٰن اور القاسم، صالح بن کیسان، ابن ابی ملیکہ، اعمش، عبید اللہ ابن عمر، عجلان، ہشام بن عروہ، شعیب بن ابی حمزہ، ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، سعید بن ابی بلال، زائدہ بن قدامہ اور سفیان وغیرہ ان کے زمرۂ تلامذہ میں تھے۔[3]

فقہ:

فقہ میں بھی امتیازی درجہ رکھتے تھے۔ ان کا شمار فقہائے مدینہ میں تھا۔ فقہ میں وہ مشہور فقیہ تابعی ربیعہ رائی کے مقابلہ کے سمجھے جاتے تھے۔ امام ابوحنیفہ ان کو ربیعہ سے مرجح سمجھتے تھے، ربیعہ سے پہلے انہی کی ذات مرجوعہ تھی۔ لیکن ربیعہ کی مسند بچھنے کے بعد اس کا حلقہ درس خالی ہوگیا، اور ان کے تمام تلامذہ ربیعہ کی طرف رجوع ہو گئے۔[4]

جامعیت اور حلقہ درس کی وسعت:

ابوالزناد کی جامعیت کی مناسبت سے ان کا حلقہ درس بھی نہایت وسیع تھا۔ اس میں مختلف علوم وفنون کے سینکڑوں طلبہ کا ہجوم رہتا تھا۔ عبدربہ بن سعید کا بیان ہے کہ میں نے ابوالزناد کو اس شان سے مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے کہ ان کے ساتھ طلبہ کا بادشاہ کے ہجوم جیسا ہجوم تھا۔ اس ہجوم میں فرائض کے سائلین بھی ہوتے تھے اور حساب کے بھی، شعر کے بھی اور معضلات کے بھی۔[5] لیث بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے ابوالزناد کے پیچھے بیک وقت فقہ، شعروشاعری اور مختلف علوم کے تین سو طالب علم دیکھے ہیں۔[6] مذہبی علوم زبان، ادب وانشا اور فصاحت وبلاغت میں بھی خصوصی دستگاہ تھی۔

---

1 تذکرۃ الحفاظ ج ا ص ۱۳۱۔ 2 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۱۔ 3 تہذیب الاسماء، ج ا ق ۲۳۳ بحوالہ ابن سعد۔ 4 تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۰۳۔ 5 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۲۱۔

6 تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۲۰۔

marfat.com

علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان فصیحا بصیر ابالعربیۃ '' غیر مذہبی علوم میں حساب میں خصوصیت کے ساتھ بڑی مہارت تھی - اس مہارت کی بنا پر کبھی کبھی حکومت کے دفاتر کی جانچ پڑتال ان کے سپرد ہوتی تھی - ایک مرتبہ وہ اسی سلسلہ میں ہشام کے پاس شام گئے تھے[1]

عقل وفرزانگی:

اس علم کے ساتھ انہوں نے دنیاوی عقل وفرزانگی سے بھی وافر حصہ پایا تھا[2]

وفات:

باختلاف روایت رمضان ۱۳۰ھ یا ۱۳۱ھ دفعۃً انتقال ہوا[3] وفات کے وقت چھیاسٹھ سال کی عمر تھی[4]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۲۱- [2] تہذیب الاسماء جلد اول ق ۲ ص ۲۳۴-
[3] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۲۱- [4] تہذیب الاسماء جلد اول ق ۲ ص ۲۳۴-

marfat.com

۹۱- ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب:

عبداللہ نام' ابوسلمہ کنیت نے اتنی شہرت حاصل کی کہ نام کی جگہ لے لی- چنانچہ بعضوں کے نزدیک ان کا نام ہی ابوسلمہ تھا- مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں- ماں کا نام تماضر تھا- نانہالی شجرہ یہ ہے:

تماضر بنت اصبغ بن عمرو بن ثعلبہ بن حارث بن حصین بن ضمضم بن عدی بن خباب بن ہبل کلبی-

فضل و کمال:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا درجہ اس سے ظاہر ہے کہ وہ عشرہ مبشرہ میں تھے- ابوسلمہ نے انہی کے آغوش علم و عمل میں پرورش پائی تھی- باپ کے فیض تربیت سے وہ یگانہ عصر بن گئے تھے- بعض علماء ان کو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار کرتے ہیں' لیکن یہ رائے مختلف فیہ ہے مگر اس سلسلہ میں ان کا نام لیا جانا ہی ان کے کمال کی سب سے بڑی سند ہے- ان کی علمی جلالت اور امامت پر علماء کا اتفاق ہے- امام نووی لکھتے ہیں کہ ابوسلمہ کی امامت ان کے مرتبہ کی بلندی اور ان کی رفیع المنزلی پر سب کا اتفاق ہے[1]

حدیث:

حدیث میں انہوں نے اپنے والد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ان کے علاوہ اکابر صحابہ میں حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابوقتادہؓ، ابودرداؓ، اسامہ بن زیدؓ، حسان بن ثابتؓ، رافع بن خدیجؓ، ثوبانؓ، نافع بن حارثؓ، عبداللہ بن سلامؓ، ابوہریرہ،

---

[1] تہذیب الاسماء ج اول ص ۲ ق ۲۴۱-

marfat.com

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابوسعید خدریؓ، انس بن مالکؓ، جابرؓ، معاویہؓ، ام المومنین عائشہ صدیقہؓ اور ام سلمہؓ وغیرہ اور بہت سے اکابر تابعین سے استفادہ کیا تھا۔[1]

ان بزرگوں کے فیض نے ان کو امام حدیث بنا دیا تھا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے ائمہ تابعین میں کثیر العلم ثقہ اور عالم تھے۔[2] علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة فقیها کثیر الحدیث''[3] تمام اکابر علماء ان کے کثرت حفظ کے معترف تھے۔ زہری کا بیان ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ بن قارظ مجھ سے کہتے تھے کہ تمہاری قوم میں دو آدمیوں سے بڑا عالم حدیث میں نے نہیں دیکھا۔ ایک عروہ بن زبیر۔ دوسرے ابوسلمہ بن عبدالرحمن[4] امام زہری کہتے تھے کہ میں نے چار آدمیوں کو علم کا دریا پایا' ان چار میں ایک ابوسلمہ کا نام ہے۔[5]

تلامذہ:

امام شعبی' عبدالرحمن الاعرج' عراک بن مالک' عمر بن دینار' ابو حازم' ابوسلمہ بن دینار' زہری' یحییٰ بن سعید انصاری' اور یحییٰ بن ابی کثیر وغیرہ آپ کے تلامذہ میں ہیں۔[6]

فقہ:

فقہ میں ابوسلمہ کا پایا اتنا بلند تھا کہ بعض علماء ان کو مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار کرتے تھے۔[7] علامہ ابن سعد ان کو فقیہ لکھتے ہیں۔[8] فقہ میں انہوں نے فقیہ الامت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے استفادہ کیا تھا۔ بعض اوقات فقہی مسائل میں استاد کو ان کی رائے پلٹا دیتے حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ ابوسلمہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تفقہ حاصل کرتے تھے' اور مسائل پر ان سے بحث و مناظرہ کر کے ان کو ان کی رائے سے پلٹا دیتے تھے۔[9]

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۱۵۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۴۔ [3] ابن سعد ج ۵ ص ۱۱۶۔
[4] تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۱۱۶۔ [5] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۴۔
[6] تہذیب الاسماء ج اول ق ۲ ص ۲۴۱ [7] ایضاً ص ۲۴۰۔
[8] ابن سعد ج ۵ ص ۱۱۶۔ [9] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۴۔

marfat.com

عہدہ قضا:

امیر معاویہؓ کے عہد خلافت میں سعید بن العاصؓ حاکم مدینہ نے ان کو مدینۃ الرسول کے عہدۂ قضا پر ممتاز کیا۔ لیکن پھر بعد کے تغیرات میں وہ اس عہدہ پر نہ رہ سکے اور سعید بن العاصؓ کی معزولی کے بعد اس کے جانشین مروان نے ابوسلمہ کو ہٹا دیا[1]

وفات:

ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت ۹۴ھ میں وفات پائی' ایک روایت یہ ہے ۱۰۴ھ میں۔ انتقال کے وقت بہتر سال کی عمر تھی[2]

حلیہ:

ابوسلمہ نہایت حسین وجمیل تھے۔ عبداللہ بن ابی یعقوب کا بیان ہے کہ ابوسلمہ بڑے صبیح تھے۔ ان کا چہرہ تابانی میں ہرقلی دینار معلوم ہوتا تھا۔ سر اور داڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے۔ ان میں کبھی حنا اور کبھی وسمہ اخضاب لگاتے تھے[3]

ا ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۱۱۵۔ ۲ ابن سعد جلد ۵ ص ۱۱۶۔ ۳ ایضاً ص ۱۱۵' ۱۱۶۔

marfat.com

۹۲- ابو العالیہ ریاحی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

رفیع نام' ابو العالیہ کنیت' کنیت ہی سے وہ زیادہ مشہور ہیں- والد کا نام مہران تھا' قبیلہ بنی ریاح کی ایک عورت کے غلام تھے' اس نسبت سے ریاحی کہلاتے ہیں[1]

اسلام:

انہوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا- لیکن عہد نبوی ﷺ میں شرف اسلام سے محروم رہے- آنحضرت ﷺ کی وفات کے دو سال کے بعد اسلام لائے[2]

آزادی:

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد عرصہ تک غلامی میں رہے- پھر ان کی مالکہ نے انہیں آزاد کر دیا' ان کی آزادی کا واقعہ جس کے متعلق خود ان کا بیان یہ ہے کہ میں ایک عورت کا غلام تھا- جب اس نے مجھے آزاد کرنے کا ارادہ کیا تو اس کے چچیرے بھائیوں نے روکا کہ اگر اسے آزاد کرو گی تو وہ کوفہ جا کر بالکل مفقود الخبر ہو جائے گا- لیکن وہ آزاد کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی- اس لیے ایک جمعہ کو میرے پاس آئی اور مجھ سے پوچھ کر جامع مسجد کی طرف چلی' میں بھی اس کے ساتھ ہو گیا' مسجد پہنچنے کے بعد امام نے ہم کو منبر پر کھڑا کر دیا- عورت نے میرا ہاتھ پکڑ کر ان الفاظ میں میری آزادی کا اعلان کیا: ''خدایا میں تیرے پاس اس کو (آخرت کے لیے) جمع کرتی ہوں- مسجد والو! گواہ رہنا- یہ غلام خدا کے لیے آزاد ہے- آئندہ حق معرفت کے علاوہ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے- یہ کہہ کر وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی- اس کے بعد پھر وہ دکھائی نہیں دی-[3]

---

[1] ابن سعد ج ۵ ص ۱۱۵'۱۱۶- [2] تہذیب الاسماء جلد اول ق اول صفحہ ۲۲۵- [3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۸۱- آزادی کا واقعہ دو روایتوں میں ہے- ہم نے دونوں کا خلاصہ لے لیا ہے-

maarifat.com

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے ممتاز تابعین میں تھے۔ علامہ نووی لکھتے ہیں کہ وہ کبار تابعین میں تھے، ابوجعفر طبری کا بیان ہے کہ ان کی توثیق پر سب کا اتفاق ہے[1]

قرآن:

ان کا خاص موضوع کتاب اللہ تھا۔ قرآن کی تعلیم انہوں نے مشہور عالم قرآن حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے حاصل کی تھی، اس کا آغاز غلامی ہی کے زمانہ سے ہوگیا تھا۔ ان کا خود بیان ہے کہ میں غلام تھا۔ اپنے اہل کی خدمت کرتا تھا۔ اور قرآن اور عربی کی کتاب سیکھتا تھا[2] لیکن باضابطہ تعلیم قبول اسلام کے سات آٹھ سال کے بعد جب کہ وہ بڑی عمر کو پہنچ گئے تھے شروع کی تھی[3] اور اس شوق اور محنت سے حاصل کی کہ جماعت تابعین میں قرآن کے سب سے بڑے عالم بن گئے۔ ابوبکر بن داؤد کا بیان ہے کہ صحابہ کے بعد ابوالعالیہ سے بڑھ کر عالم قرآن کوئی نہ تھا[4] ابن عماد حنبلی ان کو مفسر لکھتے ہیں[5]

حدیث:

حدیث میں علامہ ابن سعد انہیں کثیر الحدیث لکھتے ہیں[6] حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابوایوب انصاریؓ، ابی بن کعبؓ، ثوبانؓ، حذیفہؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، رافع بن خدیجؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوہریرہؓ، ابوبردہؓ، انس بن مالکؓ، ابوذر غفاریؓ جیسے اکابر صحابہ سے انہوں نے حدیث میں فیض اٹھایا تھا[7]

اخذ حدیث میں احتیاط:

حدیث لینے میں وہ بڑے محتاط تھے۔ جب تک اصل راوی کی زبان سے سن نہ لیتے تھے اس وقت تک کسی دوسرے کے بیان پر اعتماد نہ کرتے تھے۔ چنانچہ کہتے تھے کہ

---

1. تہذیب الاسماء ج اول ص ۲۵۱۔ 2. ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۸۲۔ 3. ایضاً۔
4. تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵۳۔ 5. شذرات الذہب ج اول ص ۱۰۲۔
6. ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۸۵۔ 7. تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۸۴۔

marfat.com

ہم لوگ بصرہ میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی روایات سنتے تھے۔ مگر اس وقت تک ان پر اعتماد نہ کرتے تھے جب تک مدینہ جا کر خود ان کی زبان سے نہ سن لیتے تھے[1]

تلامذہ:

ان سے فیض اٹھانے والوں میں خالد الحذاء' داؤد بن ابی ہند' محمد بن سیرین' یوسف بن عبداللہ' ربیع بن انس' بکر المزنی' ثابت البنانی' حمید بن ہلال' قتادہ اور منصور وغیرہ قابل ذکر ہیں[2]

فقہ:

گو فقہ میں ان کا کوئی خاص پایہ نہ تھا۔ تاہم بصرہ کے فقہاء میں ان کا شمار تھا۔ حافظ ذہبی انہیں فقیہ کے لقب سے یاد کرتے ہیں[3]

صحابہ میں منزلت:

اگرچہ ابوالعالیہ غلام رہ چکے تھے۔ لیکن ان کے علمی کمالات کی بنا پر بڑے بڑے صحابہ ان کی عزت کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ اتنی عزت کرتے تھے کہ ابوالعالیہ جب ان کے پاس جاتے تو ابن عباس ؓ ان کو اونچے مقام پر بٹھاتے' اور معززین قریش ان کے نیچے ہوتے' اس اعزاز سے بٹھانے کے بعد فرماتے۔ علم اسی طرح شریف کے شرف میں اضافہ کرتا ہے اور ملوک کو تخت پر بٹھاتا ہے[4]

ایک مرتبہ وہ ابن عباس ؓ کی ولایت بصرہ کے زمانہ میں ان کے پاس گئے۔ ابن عباس ؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ یہ عزت افزائی دیکھ کر ایک تمیمی سے نہ رہا گیا۔ وہ بول اٹھا یہ غلام ہیں[5]

عبادت:

ابوالعالیہ میں اس علم کے ساتھ اسی درجہ کا عمل بھی تھا' بڑے خوش اوقات اور

---

1. ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۸۲۔ 2. تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۲۸۴۔
3. تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۳۔ 4. ایضاً۔ 5. ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۸۲۔

marfat.com

عبادت گزار تھے- شب بیداری اور تلاوت قرآن کا خاص ذوق تھا- ایک زمانہ میں وہ رات بھر نمازیں پڑھتے تھے اور ایک شب میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے' لیکن اس عبادت شاقہ پر مداومت نہ کر سکے' ان کا بیان ہے کہ ہم چند غلام تھے- ان میں سے بعض ٹیکس ادا کرتے تھے' اور بعض خدمت کرتے تھے' ہم سب رات بھر جاگ کر ایک شب میں پورا قرآن ختم کرتے لیکن یہ گراں گزرنے لگا تو پھر دو راتوں میں ختم کرنے لگے- جب یہ بھی نہ نبھ سکا تو تین راتوں میں ختم کرنے لگے- لیکن اتنا بھی نہ ہو سکا' اور ایک دوسرے سے شکایت کرنے لگے تو ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے ملے' انہوں نے کہا کہ ایک ہفتہ میں ختم کیا کرو' ان کی ہدایت کے بعد ہم لوگ نمازیں پڑھنے کے ساتھ سونے بھی لگے- اس وقت وہ بار جاتا رہا[1]

رہبانیت سے اجتناب:

لیکن اس عبادت و ریاضت کے ساتھ رہبانیت سے اتنا احتراز تھا کہ راہبانہ لباس تک پسند نہ کرتے تھے- ایک مرتبہ ابوامیہ عبدالکریم ان سے ملنے کے لیے آئے ابوامیہ کے بدن پر صوف کے کپڑے تھے- ان کو دیکھ کر ابوالعالیہ نے کہا یہ راہبوں کا لباس و طریقہ ہے- مسلمان جب آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کے لیے جاتے ہیں تو اچھے لباس میں جاتے ہیں[2]

ریاء سے احتراز:

عمل خیر کا اظہار نہایت برا سمجھتے تھے- اور ایسے شخص کو ریا کار سمجھتے تھے- ابوخلدہ کا بیان ہے کہ ابوالعالیہ کہتے تھے کہ جب تم کسی شخص کو یہ کہتے سنو کہ میں خدا کے لیے دوستی اور خدا کے لیے دشمنی کرتا ہوں تو اس کی تقلید نہ کرو[3]

انفاق فی سبیل اللہ:

خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں بڑے فیاض تھے- انہوں نے اپنا کل مال یا اس

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۸۱- [2] ایضاً- [3] ایضاً-

marfat.com

کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں امور خیر کے لیے وقف کر دیا تھا- ابن سعد کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''فاوصی ابو العالیة بماله کله''[1] دوسری روایت میں ہے کہ ابوالعالیہ نے کہا کہ میں نے سونے اور چاندی میں جو کچھ بھی چھوڑا ہے' اس کا ایک تہائی خدا کی راہ کے لیے ہے' ایک تہائی اہل بیت رسول اللہ ﷺ کے لیے اور ایک تہائی غریب مسلمانوں کے لیے' البتہ اس میں سے میری بیوی کا حق تم لوگ دینا[2]

غلاموں کی آزادی:

غلاموں کو لوجہ اللہ آزاد کرتے تھے- ایک مرتبہ ایک غلام کو آزاد کیا- اس کی آزادی نامے پر یہ الفاظ تھے: ''ایک مسلمان نے ایک جوان غلام کو بطور سائبہ کے لوجہ اللہ آزاد کیا' نیک کام لینے کے علاوہ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے[3]

زکوٰۃ وصدقات:

زکوٰۃ نہایت پابندی سے ادا کرتے تھے- اور اس کو تقسیم کرنے کے لیے مدینہ پہنچتے تھے' ابوخلدہ کا بیان ہے کہ ابوالعالیہ اپنے مال کی زکوٰۃ اس کے مصارف میں صرف کرنے کے لیے اہل بیت نبوی ﷺ کے پاس مدینہ بھیجتے تھے[4]

خانہ جنگی سے اجتناب:

ابوالعالیہ بڑے بہادر اور جنگ آزما تھے- لیکن ان کی بہادری مسلمانوں کے مقابلہ میں نہ صرف ہوتی تھی- ان کے زمانہ میں صفین وغیرہ کی بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں جن سے بہت کم مسلمان بچ سکے- یہ بھی نبرد آزمائی کے شوق میں نکلے- لیکن پھر میدان جنگ سے پلٹ آئے' ابوخلدہ کا بیان ہے کہ ابوالعالیہ کہتے تھے کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی جنگ کے زمانہ میں میں جوان تھا- جنگ میرے لیے لذیذ کھانوں سے زیادہ مرغوب تھی- اس لیے میں بھی پوری تیاری کے ساتھ میدان جنگ میں پہنچا اور ایسی عظیم الشان فوجیں دیکھیں جن

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۸۱- [2] ایضاً-
[3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۸۲- [4] ایضاً ص ۸۳-

marfat.com

کے سرے نظر نہ آتے تھے- ان میں سے جب ایک فریق تکبیر وتہلیل کرتا تھا تو دوسرا بھی کرتا تھا- میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ میں کس فریق کو مومن سمجھوں اور کس کو کافر' اور کس کا ساتھ دوں- کسی نے مجھے مجبور کیا تو کیا نہیں ہے- یہ سوچنے کے بعد شام بھی نہ ہونے پائی تھی کہ لوٹ آیا[1]

مشتبہات سے اجتناب:

مشتبہ چیزوں سے اتنی احتیاط کرتے تھے کہ ان پیش وروں اور عہدہ داروں کے یہاں جن کی کمائی میں کچھ بھی مشتبہ مال کا احتمال ہوتا تھا پانی تک نہ پیتے تھے چنانچہ صراف اور عشار (عشر وصول کرنے والے) کے یہاں پانی نہ پیتے تھے' ابوخلدہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابوالعالیہ کے پاس گیا- وہ کھانا لائے- اس میں ترکاری بھی تھی- اس کے متعلق انہوں نے کہا یہ وہ ترکاری نہیں ہے جس میں کسی شے کا احتمال ہو- یہ میرے بھائی انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے باغ سے سے بھیجی ہے- میں نے کہا ترکاری میں کیا ہوتا ہے' فرمایا وہ ہمیشہ گندے اور برے مقامات پر اگتی ہے جہاں پیشاب اور نجس چھینٹرے ہوتے ہیں[2]

بے تکلفی:

طبعاً نہایت سادہ مزاج اور بے تکلف تھے- اپنے لیے کسی قسم کا اہتمام پسند نہ تھا- جہاں جاتے تھے صاحب خانہ سے پہلے ہی کہہ دیتے تھے کہ گھر میں جو کچھ موجود ہے وہی لانا- بازار وغیرہ سے کوئی شے نہ خریدنا[3]

وفات:

بروایت صحیح ۹۳ھ میں وفات پائی[4]

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۸۲- [2] ابن سعد جلد ۷ ق اول ص ۸۲-

[3] ایضاً- [4] شذرات الذہب ج اول ص ۱۰۳-

marfat.com

۹۳- ابوعبدالرحمن السلمی ؒ

نام ونسب

عبداللہ نام‘ ابوعبدالرحمن کنیت‘ سے زیادہ مشہور ہیں‘ والد کا نام حبیب تھا۔ نسباً سلمی تھے۔

فضل وکمال

علمی اعتبار سے کوفہ کے قراء اور علماء میں ان کا شمار تھا۔[1]

قرآن

ان کا خاص موضوع کتاب اللہ تھا‘ اس کے قاری بھی تھے اور عالم بھی‘ قرأت کا فن حضرت علیؓ اور اپنے والد سے حاصل کیا تھا۔[2] تفسیر القرآن کی تعلیم ان علماء سے حاصل کی تھی جنہوں نے اس محنت سے قرآن پڑھا تھا کہ دس آیات پڑھنے کے بعد جب تک اس سے متعلق تمام باتیں نہ معلوم کر لیتے تھے‘ آگے نہ بڑھتے تھے۔ قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ وہ اس پر عمل بھی کرتے جاتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے ہم لوگ قرآن کے ساتھ اس پر عمل کرنا بھی سیکھتے ہیں۔ ہمارے بعد ایسے لوگ قرآن کے وارث ہوں گے جو قرآن کو پانی کی طرح پئیں گے اور ان کے زخرہ کے نیچے نہ اترے گا۔[3] حافظ ذہبی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے انہوں نے تعلیم حاصل کی تھی۔[4]

درس قرآن

قرآن کا درس بھی دیتے تھے۔ لیکن اس کا کوئی معاوضہ پسند نہ کرتے تھے عمرو بن حریث

۱؎ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵۰۔ ۲؎ ابن سعد ج ۶ ص ۱۱۹۔

۳؎ ایضاً ص ۱۱۹۔ ۴؎ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵۰۔

marfat.com

کے لڑکے کو انہوں نے قرآن کی تعلیم دی تھی۔ عمرو نے ان کے پاس سواری کا اونٹ اور اس کی جھول بھیجی۔ انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم لوگ کتاب اللہ پر کوئی اجرت نہیں لیتے[1] کامل چالیس سال تک مسجد میں قرآن کا درس دیا تھا[2]

حدیث:

حدیث کے بھی حافظ تھے۔ علامہ ابن سعد لکھتے ہیں: ''کان ثقة کثیر الحدیث''[3]

صحابہ میں انہوں نے حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، خالد بن ولید، عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، ابودرداؓ، ابوہریرہؓ سے روایتیں کی ہیں۔ ان سے استفادہ کرنے والوں میں ابراہیم نخعی، علقمہ بن مرثد، سعد بن عبیدہ، ابواسحاق سبیعی، سعید بن جبیر، ابوالحصین اسدی، عطاء بن ثابت وغیرہ قابل ذکر ہیں[4]

وفات:

عبدالملک کے عہد خلافت ۷۳ھ میں کوفہ میں وفات پائی۔ مسجد ان کا اوڑھنا بچھونا تھی، مرض الموت میں بھی مسجد ہی میں تھے، عطا بن سائب نے جا کر عرض کیا خدا آپ پر رحم کرے آپ اپنے بستر پر منتقل ہو جاتے تو اچھا تھا۔ فرمایا میں نے ایک شخص سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ بندہ جب تک مسجد میں نماز کے انتظار میں رہتا ہے وہ گویا نماز ہی کی حالت میں رہتا ہے اور ملائکہ اس کے لیے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ مسجد ہی میں مروں۔[5]

---

[1] ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۱۲۰۔ [2] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۸۴۔

[3] ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۱۔ [4] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۱۸۴۔

[5] ابن سعد جلد ۶ ص ۱۲۱۔

marfat.com

۹۴- ابوعثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبدالرحمن نام' ابوعثمان کنیت' کنیت ہی سے مشہور ہیں' نسب نامہ یہ ہے:
عبدالرحمن ابن مل بن عمرو بن عدی بن وہب بن ربیعہ بن سعد بن خزیمہ بن کعب بن رفاعہ بن مالک بن نہد ابن زید بن سود بن اسلم بن الحاف بن قضاعہ۔

اسلام:

ابوعثمان نے جاہلیت اور اسلام دونوں کا زمانہ پایا تھا- زمانہ جاہلیت میں عام عربوں کی طرح بتوں کی پرستش کرتے تھے[1] عہد رسالت میں اسلام قبول کیا- لیکن آنحضرت ﷺ کے تحصیلداروں کو ادا کرتے تھے[2]

عہد فاروقی:

عہد صدیقی میں ان کا پتہ نہیں چلتا-[3] حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مدینہ آئے اور عراق کی اکثر مہموں قادسیہ' جلولا' تستر' نہاوند' سروند' یرموک وغیرہ میں شرکت کی سعادت حاصل کی تھی[4]

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے کوئی ممتاز شخصیت نہ رکھتے تھے- لیکن سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی صحبت میں بارہ سال رہے تھے-[5] ان کے فیض صحبت سے اتنا علم حاصل ہوگیا تھا کہ علماء میں شمار ہوتا تھا[6]

حدیث:

حدیث میں حضرت عمرؓ، علیؓ، سعدؓ، سعیدؓ، طلحہؓ، سلمان فارسیؓ، ابن مسعودؓ، حذیفہؓ،

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۷۷- [2] تاریخ خطیب ج ۱۰ ص ۲۰۴-
[3] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۷۸- [4] تاریخ خطیب ج ۱۰ ص ۲۰۴-
[5] شذرات الذہب ج اول ص ۱۱۸- [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۶-

marfat.com

ابوذرؓ، ابی بن کعب، اسامہ بن زیدؓ، بلالؓ، حنظلہ کاتبؓ، ابوسعید خدریؓ، اور ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے اکابر صحابہ سے ان کی روایات ملتی ہیں[1] ثابت البنانی، قتادہؒ، عاصم الاحول، سلیمان التیمی، خالد الحذاء، ایوب سختیانی اور حمید الطویل جیسے ممتاز علماء ان کے فیض یافتہ تھے[2]

عبادت و ریاضت:

ابوعثمان کا امتیازی وصف ان کی عبادت و ریاضت اور ان کا زہد و تقویٰ تھا۔ اس میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز شخصیت رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ عالم قائم اللیل اور صائم النہار تھے۔ نمازیں اتنی پڑھتے تھے کہ بے ہوش ہو ہو جاتے تھے[3]

ان کا دامن کسی معصیت سے آلودہ نہیں ہوا۔ ان کے تلمیذ سلیمان التیمی کا بیان ہے کہ جہاں تک میرا خیال ہے ان سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا[4]

ذکر خدا:

فرماتے تھے میں جانتا ہوں کہ خدا مجھے کس وقت یاد کرتا ہے۔ کسی نے پوچھا کیسے، فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اذکرونی اذکرکم ''اس لیے جب میں اس کو یاد کرتا ہوں تو وہ بھی مجھے یاد کرتا ہے۔ اور جب ہم اس سے دعا کرتے ہیں تو اس کی قسم وہ قبول کرتا ہے[5]

اہل بیت نبوی ﷺ سے عقیدت:

اہل بیت کرام سے اتنی عقیدت تھی کہ کوفہ وطن تھا۔ لیکن جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو کوفہ چھوڑ کر بصرہ کی سکونت اختیار کر لی اور فرمایا میں ایسے شہر میں نہیں رہ سکتا جس میں رسول اللہ ﷺ کا نواسہ شہید کیا گیا ہو[6]

وفات:

سنہ وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ بروایت صحیح ۱۰۰ھ یا اس کے لگ بھگ انتقال فرمایا، اس وقت ایک سو تیس سال کی عمر تھی[7]

---

[1] تہذیب التہذیب ج۶ ص ۲۷۸۔ [2] ایضاً۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۶۔ [4] ایضاً۔
[5] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۶۹۔ [6] ایضاً ص ۷۰۔ [7] تاریخ خطیب ج ۱۰ ص ۲۰۵۔

marfat.com

۹۵- ابوقلابہ جرمی رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

عبداللہ نام' ابوقلابہ کنیت' کنیت ہی سے زیادہ مشہور ہیں' نسب نامہ یہ ہے:
عبداللہ بن زید بن عمر بن نابل بن مالک بن عبید بن علقمہ بن سعد جرمی بصری-

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے بصرہ کے ممتاز تابعین میں تھے- حافظ ابن حجر اور حافظ ذہبی دونوں ان کو علمائے اعلام میں لکھتے ہیں[1] ابن عماد حنبلی امام اور علم وعمل میں راس العلماء لکھتے ہیں[2]

حدیث:

حدیث کا ان کو خاص ذوق تھا اور اس کی بڑی جستجو رہتی تھی- ایک ایک حدیث کے لیے کئی کئی دن تک ایک ایک مقام پر ٹھہرے رہتے تھے- ایک مرتبہ ایک حدیث کی تحقیق کے لیے تین دن تک مدینہ میں مقیم رہے- اس کے علاوہ ان کا وہاں اور کوئی کام نہ تھا[3] اس ذوق وجستجو نے ان کو ممتاز حافظ حدیث بنا دیا تھا- علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں[4]

صحابہ میں ثابت بن ضحاکؓ، سمرہ بن جندبؓ، عمرو بن سلمہ جرمی' مالک بن حویرث' انس بن مالک انصاریؓ، انس بن مالک کعبیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، معاویہؓ، ابوہریرہؓ، نعمان بن بشیرؓ، ابوثعلبہ خشنیؓ، وغیرہ سے روایات ملتی ہیں[5]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۲ و تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۴- [2] شذرات الذہب ج اول ص ۱۲۶-
[3] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۴- [4] ایضاً- [5] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۵-

marfat.com

تلامذہ:

ان سے روایت کرنے والوں میں ایوب، خالد الحذا، ابورجاء، یحییٰ ابن ابی کثیر اشعب ابن عبدالرحمٰن جرمی وغیرہ لائق ذکر ہیں[1]

اعتدال فی الروایت:

ان سے سماع حدیث کے بڑے بڑے علماء شائق رہتے تھے۔ مگر یہ احتیاط کی وجہ سے بہت کم بیان کرتے تھے۔ ابوخالد کا بیان ہے کہ ہم لوگ حدیثیں سننے کے لیے ابوقلابہ کے پاس جاتے تھے۔ وہ تین حدیثیں سنانے کے بعد کہتے، بس اب سنا چکا۔ عمر بن عبدالعزیز جیسے بزرگ ان سے فرمائش کر کے حدیث سنتے تھے۔ عمرو بن میمون کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ابوقلابہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس گئے، انہوں نے حدیثیں سنانے کی فرمائش کی، انہوں نے جواب دیا امیر المومنین میں زیادہ حدیثیں بیان کرنے اور بالکل سکوت اختیار کرنے والوں کو برا سمجھتا ہوں[2]

فقہ:

فقہ میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔ ایوب کا بیان ہے کہ خدا کی قسم ابوقلابہ فقہائے ذوی الالباب میں تھے۔[3]

قضاء کا ملکہ:

اس فقہی کمال کی وجہ سے انہیں قضاء کا خاص ملکہ حاصل تھا، ایوب کا بیان ہے کہ میں نے بصرہ میں ابوقلابہ سے زیادہ فیصلہ کرنے کی استعداد رکھنے والا نہیں دیکھا۔ مسلم بن یسار کہتے تھے کہ اگر ابوقلابہ عجم میں ہوتے تو قاضی القضاۃ ہوتے۔[4]

عہدہ قضاء سے انکار:

لیکن اس استعداد کے باوجود عہدۂ قضاء سے بہت گھبراتے تھے۔ ایوب کہتے

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۵۔ [2] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۴۔
[3] ایضاً ص ۱۳۳۔ [4] ایضاً۔

marfat.com

تھے کہ میں نے ان کو قضاء کا جتنا بڑا عالم پایا اتنا ہی سختی سے اس سے بھاگنے والا اور اس کو برا سمجھنے والا پایا- وہ عہدۂ قضاء کے لیے بلائے گئے- ان کو اس سے اتنی نفرت تھی کہ اس کے خوف سے شام بھاگ گئے- ایک عرصہ کے بعد جب واپس آئے تو میں نے ان سے کہا اگر آپ قضا کا عہدہ قبول کر لیے ہوتے اور لوگوں میں انصاف کرتے تو اس میں آپ کو اجر ملتا' جواب دیا ایوب مانا ایک شخص تیراک ہے لیکن اگر وہ سمندر میں پڑ جائے تو بتاؤ کتنا تیر سکتا ہے[1]

کتب خانہ:

اگر چہ اس زمانہ میں کتب خانوں کا رواج کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا- لیکن ابوقلابہ کے ذوق علمی نے کتابوں کا متعد بہ ذخیرہ جمع کر لیا تھا- مرض الموت میں اس کے متعلق وصیت کرتے گئے تھے کہ ایوب سختیانی کو دے دی جائیں' اگر وہ زندہ نہ ہوں تو جلا دی جائیں[2]

بدعات سے نفرت:

عقائد و اعمال میں سلف صالحین کا نمونہ اور اس بارے میں اتنے سخت تھے کہ مبتدعین کے مقابلہ میں تلوار تک اٹھانا جائز سمجھتے تھے' فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی نئی بات پیدا کی' اس نے تلوار کو جائز کر دیا' ایسے لوگوں سے ملنا اور بحث و مباحثہ کرنا بھی پسند نہ تھا- چنانچہ لوگوں کو منع کرتے تھے کہ ہوا پرستوں (مبتدعین) کے پاس نہ بیٹھو اور نہ ان سے مجادلہ کرو- مجھے ڈر ہے کہ وہ تم کو اپنی گمراہی میں مبتلا اور جس شے کو تم اچھی طرح جانتے ہو اس میں مشکوک نہ کر دیں- ان کا علاج وہ صرف تلوار سمجھتے تھے-

ایوب کا بیان ہے کہ ابوقلابہ کہتے تھے کہ ہوس پرست (مبتدعین) گمراہ ہیں' میرے نزدیک ان کی جگہ یقینی دوزخ ہے- میں نے ان کا پورا تجربہ کیا ہے- ان میں سے جو نئی رائے یا نیا قول ظاہر کرتا ہے وہ بغیر تلوار کے اس سے باز نہیں آتا- نفاق کی بہت سی قسمیں ہیں (ان میں سے ایک یہ بھی ہے) پھر یہ آیتیں:

---

1 ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۳- 2 ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۵- 3 ایضا-

marfat.com

❶ ﴿ منھم من عاھد اللہ ﴾
''انہی میں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے خدا سے عہد کیا ہے''۔

❷ ﴿ ومنھم الذین یوذون النبی ﴾
''اور انہیں میں وہ لوگ ہیں جو نبی کو اذیت دیتے تھے''۔

❸ ﴿ ومنھم من یلمزک فی الصدقات ﴾
''اور انہی میں وہ ہیں جو صدقات کی تقسیم میں تم پر الزام لگاتے ہیں''۔

تلاوت کر کے فرمایا اگر چہ ان کے اقوال مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن شک اور تکذیب پر سب کا اتفاق ہوتا ہے۔ اور یہ مختلف اقوال رکھنے والے سب کے سب تلوار کے مستحق ہیں اور ان کا مستقر دوزخ ہے۔

مبتدعین کو اپنے پاس آنے تک نہ دیتے تھے۔ جب ان کے یہاں کوئی شخص آتا تو بغیر اطمینان کیے آنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ غیلان بن جریر کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ ان کے ساتھ مکہ جانا چاہا تھا اس لیے ان کے پاس چلا گیا۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ انہوں نے کہا اگر حروری نہیں ہو تو آ سکتے ہو[1]

ایک گمراہ کن بدعت:

آج کل مذہب کے رنگ میں یہ نیا گمراہ کن مذہب پھیل رہا ہے کہ لوگ حدیث کے مقابلہ میں کتاب اللہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ابوقلابہ ایسے مذہب پرستوں کو گمراہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ جب تم کسی سے کوئی سنت بیان کرو اور وہ اس کے جواب میں یہ کہہ دے اس کو چھوڑ دو اور کتاب اللہ کو پیش کرو تو اس کو گمراہ سمجھو[2]

عرفان نفس:

اپنی حقیقت پہچاننے والے کو نجات کا اور خود فراموش کو ہلاکت کا مستوجب سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جس شخص کو دوسرے لوگ خود اس سے زیادہ جانتے ہوں وہ ہلاکت کا

---

[1] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۴۔ [2] ایضاً۔

marfat.com

اور جو شخص خود اپنے نفس کو دوسروں سے زیادہ پہچانتا ہو وہ نجات پانے کا مستحق ہے[1] حقیقی دولت مندی اور حقیقی علم خدا کے عطیہ پر قناعت کو حقیقی دولت مندی اور دوسروں کے علم سے استفادہ کرنے والے کو حقیقی عالم سمجھتے تھے۔ کسی نے آپ سے سوال کیا کہ سب سے بڑا قاضی کون ہے۔ فرمایا جو اس شے پر راضی ہے جو خدا نے اسے دی ہے۔ پھر سائل نے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے۔ جواب دیا جو دوسروں کے علم سے اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے[2]

ابتلاء و آزمائش پر صبر:

صبر و شکر اور تسلیم و رضا میں آپ کا پایہ نہایت بلند تھا۔ بڑی سے بڑی مصیبت اور آزمائش کے موقع پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا۔ عبدالمومن بن خالد کا بیان ہے کہ آخر عمر میں ابوقلابہ کے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں سب اعضا بیکار ہو گئے تھے۔ ان مصائب کے باوجود ان کی زبان پر حمد و شکر کے علاوہ کوئی کلمہ نہ تھا[3]

ان کی ہستی دوسروں کے لیے موجب خیر و برکت تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز شامیوں سے فرماتے تھے کہ جب تم میں یہ (ابوقلابہ) موجود ہیں اس وقت تک تم لوگ بھلائی میں رہو گے[4]

وفات:

مرض الموت میں عمر بن عبدالعزیز ان کی عیادت کو آئے اور انہیں ثبات و استقلال کی تلقین کی، اسی بیماری میں وفات پائی۔ یہ ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ تھا[5]

---

1 ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۳۔ 2 ایضاً۔ 3 تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۲۔
4 تہذیب التہذیب ج ۵ ص ۲۲۵۔ 5 ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۵۔

marfat.com

۹۶- ابووائل بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ

نام ونسب:

شقیق نام' ابووائل کنیت' والد کا نام سلمہ تھا- نسباً قبیلہ اسد بن خزیمہ سے تھے شقیق اپنے نام سے زیادہ کنیت سے مشہور ہیں-

عہد رسالت:

ابووائل عہد رسالت میں موجود تھے- لیکن کم سن تھے- عمر بن مروان کا بیان ہے کہ میں نے ایک مرتبہ ابووائل سے پوچھا کہ آپ نے نبی ﷺ کا زمانہ پایا تھا- انہوں نے کہا ہاں آپ کو دیکھا تھا- لیکن اس وقت میں نوخیز لڑکا تھا-[1] لیکن بروایت صحیح وہ تابعی ہیں-

اسلام:

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں وہ مشرف باسلام ہوئے- مغیرہ کا بیان ہے کہ ابووائل کہتے تھے کہ ہمارے قبیلہ میں نبی ﷺ کا تحصیلدار آیا- وہ ہم سے ہر پچاس اونٹنیوں پر ایک اونٹنی لیتا تھا- میرے پاس ایک مینڈھا تھا میں نے اب ولا کر پیش کیا اور کہا اس کا صدقہ لو- اس نے کہا اس میں صدقہ نہیں ہے[2]

عہد صدیقی:

عہد صدیقی میں ان کے قبیلہ نے بھی صدقہ دینے سے انکار کر دیا تھا- ابووائل بھی اس جماعت میں شامل تھے- سلیمان الاعمش کا بیان ہے کہ شقیق مجھ سے کہتے تھے- ''کاش تم ہم کو بزاخہ[3] کے معرکہ میں خالد بن ولید[4] کے مقابلہ میں بھاگتے ہوئے دیکھے ہوتے - اس دن میں اونٹ سے گر پڑا تھا اور میری گردن ٹوٹتے ٹوٹتے بچی تھی- اگر میں اس دن ہلاک ہو گیا ہوتا تو میرے لیے دوزخ یقینی تھی[5] لیکن پھر ان کے قبیلہ نے زکوۃ

---

۱ ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۳۵- ۲ ایضاً- ۳ عہد صدیقی میں بنی اسد پر فوج کشی کا معرکہ-
۴ ابن سعد ج ۶ ص ۶۴-

marfat.com

ادا کر کے اطاعت قبول کر لی تھی۔

عہد فاروقی میں تلافی مافات:

عہد فاروقی میں انہوں نے اس لغزش کی پوری تلافی کر دی۔ عراق کی فوج کشی میں مجاہدانہ شریک ہوئے۔ قادسیہ کے معرکہ میں موجود تھے[1]

شام کی مہم میں بھی ان کی شرکت کا پتہ چلتا ہے' خود ان کی زبانی یہ روایت ہے کہ میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام کی فوج کشی میں شریک ہوا' غالباً اس سے مراد سفر شام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مشایعت ہوگی۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا برتاؤ:

ان کی خدمات کی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ عمرؓ نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے چار عطیے دیئے اور کہا ایک نعرہ تکبیر دنیا و مافیہا سے بہتر ہے[2]

جنگ صفین:

عہد مرتضوی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں جنگ صفین میں نکلے۔ لیکن بعد میں اس شرکت پر متاسف تھے' اعمش کا بیان ہے کہ کسی نے ابووائل سے پوچھا کہ آپ نے جنگ صفین میں شرکت کی تھی فرمایا ہاں شریک ہوا تھا۔ لیکن دونوں صفیں بری تھیں[3]

حجاج اور ابووائل:

اموی عہد میں ابووائل کی بڑی عزت و وقعت تھی۔ حجاج خصوصیت کے ساتھ بہت مہربان تھا' اس نے آپ کے سامنے بعض بڑے عہدے پیش کیے لیکن آپ نے قبول کرنے سے انکار کیا' خود آپ کا بیان ہے کہ حجاج جب (کوفہ) آیا تو مجھے بلا بھیجا۔ میں اس کی طلبی پر گیا' اس نے مجھ سے پوچھا آپ کا نام کیا ہے' میں نے کہا نام تم کو معلوم ہی ہوگا ورنہ مجھے بلاتے کیسے' پوچھا اس شہر میں کب آئے میں نے کہا اس زمانہ میں جب اس

---

1. ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۶۴۔
2. ایضاً۔ 3. ایضاً۔

marfat.com

شہر کے تمام باشندے آئے، پوچھا آپ کو کتنا قرآن یاد ہے، میں نے کہا اتنا کہ اگر میں اس کی پابندی کروں تو وہ میرے لیے کافی ہو ان سوالات کے بعد اس نے کہا میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ کو بعض عہدے دینا چاہتا ہوں- میں نے پوچھا کون سا عہدہ- اس نے کہا سلسلہ[1] (بٹیری) میں نے کہا یہ عہدہ ان لوگوں کے لیے موزوں ہے جو ذمہ داری کے ساتھ اس کام کو انجام دے سکیں- اگر آپ مجھ سے مدد لینا چاہتے ہیں تو ایسے عقل خوردہ سے مدد لیں گے جس کا برے مددگاروں سے سابقہ ہوگا، اس لیے اگر آپ مجھے اس عہدہ سے معاف رکھیں تو میرے لیے زیادہ بہتر ہوگا- اور اگر آپ کو اصرار ہے تو میں اس پرخطر عہدہ کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں- مگر یہ بھی عرض کر دوں کہ ایسی حالت میں جب کہ میں آپ کا عہدہ دار نہیں ہوں جب راتوں کو آپ کو یاد کرتا ہوں تو نیند اڑ جاتی ہے تو جب عہدہ دار ہوگا تو کیا حال ہوگا- لوگ آپ سے اس قدر خائف ہیں کہ اس سے پیشتر کسی امیر سے اتنا خائف نہ ہوئے ہوں گے- میری ان باتوں کو اس نے پسند کیا اور کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص خوں ریزی میں مجھ سے زیادہ جری اور بے باک بھی نہیں ہے- میں ایسے ایسے اہم کام کر گزرا جس کے پاس جاتے ہوئے لوگ ڈرتے تھے- میری اس سختی کی وجہ سے میری مشکلات آسان ہوگئیں، خدا آپ پر رحم کرے اب آپ جایئے- اگر آپ کے علاوہ کوئی دوسرا موزوں شخص مل گیا تو آپ کو زحمت نہ دوں گا، ورنہ پھر آپ کو اس میں ڈالنا پڑے گا- غرض کسی طرح چھٹکارا حاصل کرنے کے بعد ابووائل واپس آئے اور پھر کبھی حجاج کے پاس نہ گئے[2]

تحصیل زکوٰۃ کا عہدہ:

بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اموی دور میں وہ تحصیل زکوٰۃ کے عہدہ پر تھے، مہاجر ابوالحسن کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ابو بردہ اور شقیق کے پاس جو بیت المال

---

[1] سزا دینے کا ایک عہدہ-

[2] ابن سعد ج ۶ ص ۶۶-

marfat.com

میں تھے زکوٰۃ لے کر گیا' انہوں نے اس کو داخل کر لیا' اسی روایت کے ایک راوی سعید کہتے ہیں کہ میں دوبارہ زکوٰۃ لے کر گیا تو تنہاء ابووائل تھے- انہوں نے کہا اس کو واپس لے جاؤ اور اس کے مصارف میں اس کو صرف کر دو- میں نے کہا مولفۃ القلوب کا حصہ کیا کروں انہوں نے کہا: ''اسے دوسرے لوگوں کو دے دو''۔[1]

فضل وکمال:

علمی اعتبار سے ابووائل کوفہ کے ممتاز علماء میں تھے- حافظ ذہبی ان کو کوفہ کا شیخ اور عالم لکھتے ہیں[2] علامہ نووی لکھتے ہیں کہ ان کی توثیق اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے[3]

قرآن:

قرآن کے حافظ تھے' ذہین اور ذکی ایسے تھے کہ دو مہینہ میں پورے قرآن کی تعلیم حاصل کر لی تھی[3] لیکن تفسیر بیان کرنے میں بڑے محتاط تھے[4]

حدیث:

حفظ حدیث میں علامہ ابن سعد ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں۔[5]

صحابہ میں انہوں نے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، معاویہؓ، معاذ بن جبلؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حذیفہ بن یمانؓ، خباب بن ارتؓ، کعب بن عجرہؓ، ابومسعود انصاریؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ اور ابوہریرہؓ وغیرہ جیسے اکابر حفاظ حدیث سے روایتیں کی ہیں[6]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی احادیث خصوصیت کے ساتھ ان کے حافظہ میں زیادہ محفوظ تھیں' کوفہ میں ان کی احادیث کا ان سے بڑا کوئی حافظ نہ تھا۔[7]

تلامذہ:

بڑے بڑے تابعی ان کے خرمن کمال کے خوشہ چین تھے- اکابر تابعین میں شعبی'

---

[1] ابن سعد جلد ۶ ص ۶۵ - [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۱ - [3] تہذیب الاسماء جلد اول ص ۲۴۷ -

[4] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۵۱ - [5] ابن سعد جلد ۶ ص ۶۹ - [6] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۶۱ -

[7] تہذیب الاسماء ج اول ق اول ص ۲۴۷ -

marfat.com

عاصم اور اعمش اور عام محدثین میں منصور، زبید الیامی، حبیب بن ابی ثابت، عاصم بن بھدلہ، عبدہ بن ابی لبابہ اور عمرو بن مرہ وغیرہ نے ان سے فیض پایا تھا۔[1]

علماء میں ابووائل کا درجہ:

اس عہد کے اکابر ان کو خیار تابعین میں شمار کرتے ہیں۔ اعمش کا بیان ہے کہ ابراہیم نے مجھ سے ہدایت کی تھی کہ تم شقیق سے استفادہ کیا کرو۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب اس زمانہ میں جب کہ ان کی بڑی تعداد موجود تھی سب کے سب انہیں اپنی جماعت کے خیار میں شمار کرتے تھے۔[2]

خشیت الٰہی:

ان کے دل پر خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ جب ان کے سامنے تذکیر و تخویف ہوتی تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔[3]

زہد وعبادت:

بصرہ کے عابد تابعین میں شمار تھا۔ عبادت ان کا خاص مشغلہ تھا۔ ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ ثقات میں تھے، کوفہ میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔ اور یہاں کے عابد و زاہد لوگوں میں تھے۔[4] آپ کی عبادت کا خاص وقت تاریکی شب تھا۔ سجدہ میں نہایت الحاح و زاری کے ساتھ دعا کرتے تھے: ''خدایا مجھے معاف کر اور میری مغفرت فرمایا اگر تو مجھے معاف کر دے گا تو مسلسل گناہوں کو معاف کر دے گا اور اگر عذاب دے گا تو عذاب دینے میں تو ظالم نہ ہوگا''۔[5]

جہاد فی سبیل اللہ اور دنیا سے بے تعلقی:

دنیا سے محض برائے نام تعلق تھا۔ رہنے کے لیے ایک معمولی سا چھپر کا جھونپڑا تھا، جس میں وہ اور ان کا رفیق جہاد گھوڑا رہتا تھا۔ جب جہاد کے لیے جانے لگتے تو چھپر

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۶۲۔ [2] ابن سعد ج ۶ ص ۶۷۔ [3] ایضاً ص ۶۸۔

[4] تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۶۳۔ [5] ابن سعد ج اول ص ۶۷۔

marfat.com

اکھاڑ دیتے، جب واپس آتے تو پھر بنا لیتے[1]

کسب حلال:

کسب حلال کا بڑا خیال تھا۔ مفت کی دولت کے انبار کے مقابلہ میں حلال کے ایک درہم کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ چنانچہ فرماتے تھے کہ تجارت کا ایک درہم مجھے اپنے وظیفہ کے دس درہم سے زیادہ پسند ہے[2]

ان کی ذات باعث برکت تھی:

ان کے ان اخلاقی اور روحانی کمالات کی وجہ سے لوگ ان کو اپنے لیے باعث رحمت و برکت سمجھتے تھے۔ ابراہیم کہتے تھے کہ ہر مقام میں ایک ایسی ہستی ضرور ہوتی ہے جس کے طفیل میں وہ آبادی بلاؤں سے محفوظ رہتی ہے مجھ کو امید ہے کہ شقیق بھی ایسے ہی لوگوں میں ہیں[3] صحابہ تک ان کے کمالات اخلاقی کے معترف تھے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر ان کا اتنا اثر تھا کہ جب انہیں دیکھتے تو فرماتے کہ یہ ''تائب'' ہیں[4]

وفات:

۸۲ھ میں وفات پائی، واقدی کے بیان کے مطابق عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں انتقال ہوا۔ لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اس اعتبار سے ان کی عمر بہت بڑھ جاتی ہے۔

---

[1] ابن سعد ج اول ص ۶۸۔ [2] ایضاً ص ۶۸۔ [3] تہذیب التہذیب جلد اول ص ۳۶۷۔

[4] ابن سعد جلد ۶ ص ۶۸۔ [5] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵۲۔

marfat.com

ضمیمہ

ابوحنیفہ الامام رحمۃ اللہ علیہ

۸۰ھ ۱۵۰ھ

تحریر

استاذ الحدیث

حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ

فاضل دار العلوم دیو بند و رفیق ندوۃ المصنفین

نوٹ: تابعین کرامؒ کی اس جلد میں ایک جلیل القدر تابعی حضرت نعمان بن ثابت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حالات شامل نہیں تھے' بعض احباب کے توجہ دلانے پر حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی اس موضوع پر ایک مختصر تحریر شامل کتاب کی جارہی ہے۔ تفصیلی حالات وسوانح کے سلسلہ میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر تحریر کردہ اردو اور عربی کی ضخیم اور دیگر مستند کتب کی طرف مراجعت کی جائے۔ (ناشر)

marfat.com

ابوحنیفۃ الامام رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۸۰ھ وفات ۱۵۰ھ

نام ونسب:

مورخ ابن خلکان نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ نسب اس طرح نقل کیا ہے:

''ابوحنیفۃ النعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ''۔

اور زوطی کو زاء کے پیش اور طاء کے زبر اور آخر میں یاء مقصورہ کے ساتھ ضبط کیا ہے۔لیکن امام صاحب کے پوتے نے جو شجرۂ نسب اپنے دادا کا خود بیان کیا ہے وہ اس طرح ہے:

اسماعیل بن حماد بن النعمان بن ثابت بن النعمان بن المرزبان۔

علامہ شبلی کا خیال ہے کہ جب زوطی اسلام لائے ہوں گے تو ان کا نعمان رکھ دیا گیا ہوگا اس لیے جب اسماعیل نے اپنا شجرہ نسب بیان کیا تو اپنے دادا کے اسلامی نام ہی کا ذکر کیا ہے۔

صحیح روایات کی بنا پر طے شدہ ہے کہ امام صاحب کے والد ماجد کی ولادت اسلام ہی پر ہوئی خطیب بغدادی نے جو کچھ اس کے خلاف لکھا ہے وہ محض بے اصل اور ان کے مشہور تعصب پر مبنی ہے۔ غالبًا اسی خیال کی تائید کے لیے انہوں نے حسب ذیل روایت بھی نقل کی ہے۔

کان ابو حنیفۃ اسمہ عتیک بن زوطرۃ فسمی نفسہ النعمان واباہ ثابتاً

''ابوحنیفہ کا نام عتیک اور ان کے والد کا زوطرۃ تھا پھر انہوں نے اپنا نام نعمان اور اپنے والد کا ثابت بدل دیا تھا''۔

اس کا راوی ''الساجی'' مختلف فیہ ہونے کے علاوہ مشہور متعصب ہے تاہم اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو غالبًا ثابت کو زوطرۃ ان کے والد زوطی کی مناسبت سے کہا گیا ہوگا۔

ہمارے نزدیک نام ونسب کے فیصلہ کے لیے سب سے زیادہ معتبر شہادت خود اہل خاندان ہی کی ہوسکتی ہے لہٰذا یہاں اسماعیل کے بیان کے خلاف جو بیانات بھی ہیں وہ سب مرجوح یا قابل توجیہ ہوں گے۔ اسماعیل یہ بھی نقل فرماتے ہیں کہ ہمارے پردادا ثابت زمانہ طفولیت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے آپ نے ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعاء برکت فرمائی تھی اور ہمیں امید ہے کہ ان کی یہ دعا ہمارے حق میں ضرور قبول ہوئی ہوگی۔

وہ کہتے ہیں کہ ثابت کے والد نعمان وہی ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ہدیہ لے کر حاضر ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہمیشہ خاص تعلق رہا ہے اور اسی بنا پر انہوں نے ثابت اور ان کی اولاد کے لیے خصوصیت سے دعا فرمائی ہوگی۔ اسماعیل یہ بھی بیان

marfat.com

کرتے ہیں کہ ہم فارسی النسل ہیں ہمارے باپ دادے سب آزاد لوگ تھے۔ اس کے بعد قسم کھا کر کہتے ہیں:

واللہ ما وقع علینا رق قط.

"خدا کی قسم غلامی کی ذلت میں ہم کبھی مبتلا نہیں ہوئے"۔

ان کے تاکیدی بیان سے اس غلط شہرت کی تردید ہوتی ہے جو امام صاحب کے دادا کے متعلق پیدا ہوگئی تھی کہ وہ بنی تیم اللہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اسماعیل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے ہیں' اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کو اپنے دادا کے حالات کی بھی پوری تحقیق نہ ہوگی۔ اسلامی عہد میں رقیہ کی غلط فہمی پیدا ہوجانا وہ بھی عجم کے نسب میں کچھ بعید نہیں ہے۔ اور واقعہ کی حقیقت منکشف ہوجانے کے بعد غلط فہمیوں کے اسباب بیان کرنے کی مفت دردسری اٹھانا بھی غیر ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک اس افواہ کو شہرت دینے میں بہت بڑا داخل اس خلش کو بھی ہے جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے رقابت کے سلسلہ میں بعض علماء کو پیدا ہوگئی تھی۔

علامہ کوثری نے مشکل الآثار کی ایک روایت کی مدد سے یہ ثابت کیا ہے کہ آپ کو مولیٰ حلیف کے معنی میں کہا گیا تھا۔ اگر بالفرض تاریخ سے صحیح طور پر آپ کا اولاد موالی ہونا ثابت ہوجاتا تو اسلامی نقطۂ نظر سے یہ اتنا بڑا عیب بھی نہ تھا جس کی مدافعت کرنا ہمارے لیے ضروری ہوتا لیکن افسوس ہے کہ عصبیت کی آنکھ جب خشم آلود ہوجاتی ہے تو وہ کوئی ہنر اپنے حریف میں دیکھنا پسند نہیں کرتی۔

مولد و مدفن:

آپ کی پیدائش کوفہ میں اور وفات بغداد میں ہوئی ہے۔ علمی پایہ کے لحاظ سے کوفہ ہمیشہ ممتاز شہر رہا ہے علامہ کوثری نے نصب الرایہ کے مقدمہ میں اس کی مختصر تاریخ لکھی ہے ہم اس کا خلاصہ یہاں درج کرتے ہیں۔

کوفہ ایک اسلامی شہر ہے جو عہد فاروقی میں ۱۷ھ میں بحکم امیر المومنین تعمیر کیا گیا تھا' اس کے ارد گرد فصحاء عرب بسائے گئے اور ان کے تعلیمی نظم ونسق کے لیے سرکاری طور پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا۔ ان کی علمی منزلت اس سے ظاہر ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو یہ لکھا تھا کہ ابن مسعود کی مجھے یہاں خود ضرورت تھی لیکن تمہاری ضرورت کو مقدم سمجھ کر تمہاری تعلیم کے لیے ان کو بھیج رہا ہوں' انہوں نے یہاں بیٹھ کر عہد عثمان رضی اللہ عنہ کے آخری دور تک لوگوں کو قرآن پاک اور دین کے مسائل کی تعلیم دی۔

ان کی تعلیمی جدوجہد کا یہ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض محدثین کے بیان کے مطابق اس نوآباد شہر میں چار ہزار علماء و محدثین پیدا ہوگئے۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں داخل ہوئے تو علم کی یہ شان دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھے: "اللہ تعالیٰ ابن مسعود کا بھلا کرے انہوں نے تو اس بستی کو علم سے بھر دیا"۔ کوفہ بحالت موجود ہی کیا کم تھا کہ اس مدینۃ العلم کی آمد نے اسے اور چار چاند لگا دیئے۔ ایک سعید بن جبیر تنہا یہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علوم کا ایسا نسخہ موجود تھے کہ جب کوفہ والے ان کے پاس فتویٰ پوچھنے جاتے تو وہ فرماتے کیا تمہارے یہاں سعید بن جبیر موجود نہ تھے یعنی ان کے ہوتے ہوئے یہاں آنے کیا ضرورت تھی۔

شعبی کے علم کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب ان کو مغازی پر بحث کرتے ہوئے دیکھتے تو

marfat.com

فرماتے میں ان غزوات میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ شریک رہ چکا ہوں مگر ان کی یادداشت ان کو مجھ سے بھی زیادہ ہے۔

ابراہیم نخعیؒ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ اہل نقد کے نزدیک ان کے سب مراسیل صحیح سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ پایا ہے۔ ابوعمران نے ان کو اپنے زمانہ کے تمام علماء سے افضل کہا ہے۔ ۹۵ھ میں جب ان کی وفات ہوئی تو ابوعمران نے ایک شخص سے کہا آج تم نے سب سے زیادہ فقیہ شخص کو دفن کر دیا' اس نے کہا کیا حسن بصریؒ سے بھی زیادہ انہوں نے کہا ایک حسن بصریؒ سے نہیں بلکہ تمام اہل بصرہ' اہل کوفہ' اہل شام اور اہل حجاز سے بھی۔

شعبیؒ کہا کرتے تھے کہ ابراہیم فقہ کے گہوارہ میں تو پیدا ہی ہوئے تھے اس کے بعد ہمارے پاس آئے اور ہماری وہ حدیثیں جو بے غبار تھیں اپنی فقہ میں شامل کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔

مسروق جو کبار تابعین میں ہیں' فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ کے صحابہ کا خلاصہ میں نے ان چھ اشخاص میں دیکھا۔ علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عمرؓ، زید بن ثابتؓ، ابوالدرداءؓ، اور ابی بن کعبؓ پھر نظر ڈالی تو ان سب کے علم کا خلاصہ پہلے دو شخصوں میں پایا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے جو زبان رسالت سے اعلم بالحلال والحرام کا تمغہ حاصل کر چکے تھے' اپنے خاص شاگرد عمرو بن میمون کو حکم دیا کہ تحصیل علم کے لیے تم حضرت ابن مسعودؓ کی خدمت میں کوفہ جاؤ۔

کوفہ کی علمی قدر و منزلت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مصر میں آنے والے صحابہ کی تعداد محمد بن ربیع جیزی اور سیوطی تین سو سے زیادہ پیش نہیں کر سکے۔ اس کے بالمقابل صرف ایک کوفہ میں عجلی پندرہ سو صحابہ کا قیام لکھ رہے ہیں جن میں ستر صحابہ بدری تھے' عراق کے بقیہ شہروں میں بسنے والے صحابہ کا ابھی ذکر نہیں ہے۔ (اور تعداد بھی کم ہے ورنہ جو مقام مرکزی چھاؤنی بنا دیا گیا ہو معلوم نہیں کہ وہاں کتنے اور صحابہ کا گزر ہوا ہوگا) رامہرمزی اپنی کتاب ''الفاضل'' میں قابوس سے نقل فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ کیا بات ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس جایا کرتے ہیں۔ یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ فرمایا اے جان پدر بات یہ ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خود ان کے پاس مسائل دریافت کرنے کے لیے آتا دیکھتا ہوں۔ شریح جو یہاں کے قاضی تھے ان کے حق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے: ''اے شریح اٹھو اور فیصلہ کرو کیونکہ تم عرب میں سب سے بڑھ کر قاضی ہو''۔ ان کے علاوہ تینتیس اشخاص یہاں اور بھی ایسے موجود تھے جو صحابہ کی موجودگی میں ارباب فتویٰ سمجھے جاتے تھے۔

اس دور کے بعد دوسرا دور ان حضرات کے تلامذہ کا شروع ہوتا ہے ان کا عدد بھی ہزاروں سے متجاوز تھا۔ امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں کہ دیر جماجم میں حجاج سے جنگ کرنے کے لیے ایک عبدالرحمن بن الاشعث کے ساتھ جو جماعت نکلی تھی اس میں چار ہزار کی تعداد صرف قراء تابعین کی تھی۔ رامہرمزی انس بن سیرین سے نقل کرتے ہیں جب میں کوفہ پہنچا تو اس وقت وہاں چار ہزار حدیث کے طلبہ اور چار سو فقہاء موجود

تھے۔ نیز عفان بن مسلم[1] سے ناقل ہیں کہ جب ہم کوفہ پہنچے تو ہم نے وہاں صرف چار ماہ اقامت کی- حدیث کا وہاں یہ چرچا تھا کہ اگر ہم ایک لاکھ حدیث لکھنا چاہتے تو لکھ لیتے مگر ہم نے صرف پچاس ہزار احادیث پر ہی اکتفاء کیا اور صرف وہی حدیثیں جمع کیں جو جمہور کے نزدیک مسلم تھیں انتہی-

اسی لیے مسلم ائمہ وحفاظ کو بھی طلب حدیث کے لیے کوفہ کا سفر کرنا ناگزیر ہو گیا تھا- اگر آج بھی آپ رجال کی کتابیں کھول کر بیٹھیں تو ہزاروں راوی آپ کو کوفہ کے نظر آئیں گے جن کی روایات سے صحیحین اور غیر صحیحین بھری پڑی ہیں- حتیٰ کہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں شمار نہیں کر سکتا کہ حدیث حاصل کرنے کے لیے کتنی بار کوفہ گیا ہوں[2]

خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کو اگر مہبط وحی ہونے کا فخر حاصل تھا تو کوفہ کو ہزاروں صحابہ کے مرجع و مسکن ہونے کا بجا فخر حاصل تھا- یہی وجہ ہے کہ محدثین کو دیگر بلاد اسلامیہ کے ساتھ اہل کوفہ کا تعامل بھی بڑی اہمیت سے نقل کرنا پڑا ہے- یہاں تک کہ امام ترمذی نے فقہ کا کوئی باب کم چھوڑا ہے جہاں بے اعتناء کے ساتھ اہل کوفہ کا مذہب نقل نہ کیا ہو-

یہ ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مولد اور ان کا علمی گہوارہ جس کے آغوش میں رہ کر ان کی علمی پرورش ہوئی ہے- کون کہہ سکتا ہے کہ جو فقہ اس سرزمین میں مدون کی گئی ہو وہ سرمو بھی کتاب وسنت سے تجاوز کر سکتی ہے-

حلیہ واخلاق:

خطیب بغدادی ابونعیم سے نقل کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ' خوش لباس' خوشبو پسند کرنے والے' خوش مجلس' نہایت کریم النفس' اور اپنے رفقاء کے بڑے ہمدرد تھے- ابو یوسف فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا قد میانہ تھا نہ بہت کوتاہ نہ زیادہ دراز' گفتگو نہایت شیریں' آواز بڑی دلکش اور بڑے قادر الکلام تھے- عمر' امام اعظمؒ کے پوتے فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ کسی قدر دراز قامت تھے- آپ کے رنگ پر گندم گونی غالب تھی' اچھا لباس پہنتے- عام طور پر اچھی حالت میں رہتے- خوشبو کا اتنا استعمال کرتے تھے کہ آپ کی نقل وحرکت کا اندازہ خوشبو کی مہک سے ہو جاتا تھا[3]

آپ ریشم کی تجارت کرتے تھے' قیس بن الربیع بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب مشائخ اور محدثین سے ایک رقم لے کر ان کے لیے بغداد سے سامان خریدتے اور کوفہ لا کر اسے فروخت کر دیتے اور سال بہ سال اس کا نفع اپنے پاس جمع رکھتے اور اس نفع سے محدثین کے خورد ونوش لباس وغیرہ کی ضروریات مہیا کرتے- اس سے جو بچ رہتا وہ ان کے حوالہ کر دیتے اور کہتے اسے اپنی دیگر ضروریات میں صرف کر لو اور خدا کا شکر ادا کرو میرے شکر کی ضرورت نہیں کیونکہ میں نے یہ مال اپنے پاس سے تو تم کو دیا نہیں تمہارے ہی مال کا نفع ہے یہ

---

[1] یہ عفان بن مسلم، امام احمد اور بخاری وغیرہ کے شیخ ہیں- علی بن مدینی ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی عادت تھی کہ اگر حدیث کے کسی حرف میں ان کو ذرا شبہ پڑ جاتا تو اسے حدیث سے ترک کر دیا کرتے- (تقریب) اب اندازہ فرمائیں کہ جب اس سخت شرط کے ساتھ پچاس ہزار حدیثوں کا ذخیرہ ان کو کوفہ میں مل سکتا ہے تو حدیث کے لحاظ سے کوفہ کا مرتبہ کیا ہوگا-

[2] مقدمہ فتح الباری ج ۲ ص ۱۹۴- [3] خطیب ج ۱۳ ص ۳۳۰' ۳۳۱-

marfat.com

اللہ تعالیٰ کا مجھ پر کرم ہے کہ اس نے اس کا ذریعہ مجھے بنا دیا ہے۔

حسن بن زیاد کہتے ہیں کہ اہل مجلس میں سے ایک شخص پر امام صاحب نے خستہ لباس دیکھا اس سے کہا بیٹھ جاؤ۔ جب محفل برخاست ہوگئی اور یہ تنہا رہ گیا تو فرمایا: "مصلیٰ اٹھا کر جو اس کے نیچے تم کو ملے وہ لے لو"۔ اس نے جاء نماز اٹھائی تو نیچے ہزار درہم تھے آپ نے فرمایا یہ لے لو اور اپنا لباس درس کر لو۔ وہ بولا میں خود صاحب وسعت ہوں مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے فرمایا تو پھر اپنا حال ایسا بناؤ کہ کہ تمہیں دیکھ کر تمہارے بھائی کو غم نہ ہو۔ کیا یہ حدیث تم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ پر اپنے نعمت و کرم کے آثار دیکھنا پسند کرتا ہے۔

جعفر بن عون بیان کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے ایک ریشمی کپڑا آپ سے مانگا۔ آپ نے ایک کپڑا اس کے لیے نکالا تو وہ بولی میں بڑھیا عورت ہوں اور یہ معاملہ امانت کا ہے مناسب ہے کہ آپ کو جتنے میں پڑا ہے اسی قیمت میں میرے ہاتھ فروخت کر دیجیے۔ فرمایا چار درہم دے دے۔ اس نے کہا بڑھیا کا مذاق نہ بنائیے اور ٹھیک ٹھیک بتا دیجیے۔ آپ نے فرمایا میں نے دو کپڑے خریدے تھے اور ایک ہی کپڑے سے چار درہم کم میری پوری قیمت وصول ہوگئی تھی اب یہ کپڑا مجھے چار درہم میں بچ رہا ہے[1]

ابن مبارک نے سفیان ثوریؒ سے پوچھا۔ ابوحنیفہ غیبت کرنے سے بہت دور رہتے ہیں حتیٰ کہ اپنے دشمن کی غیبت بھی نہیں کرتے۔ سفیان نے جواب دیا ابوحنیفہؒ اس سے بالاتر ہیں کہ اپنی نیکیوں پر اپنے دشمن کو مسلط کریں۔ (کہ وہ قیامت کے دن اپنی غیبت کے بدلہ میں ان کی نیکیاں لے لے)[2]

اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں اور مفصل تذکروں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان چند واقعات میں امام صاحب کی صرف ہمدردی اور مساوات قابل غور نہیں ہے۔ دنیا میں سخی اور کریم بھی گزرے ہیں دیکھنا تو یہ ہے کہ یہاں آپ نے صرف ہمدردی نہیں کی بلکہ بے منت ہمدردی کرنے کے اصول بھی بتلا دیئے۔ ہمدردی کا اخفاء محتاج کی حاجت روائی کرنا پھر اس کو سبک روح رکھنا اور ایسے طریقے سے نکال لینا جن سے اپنے نفس کو محسن اور محتاج کو ندامت کا خطرہ بھی نہ گزر سکے۔ سر دست اس کی حاجت رفع ہو جائے اور آئندہ کے لیے اس کو سوال کی عادت بد بھی نہ پڑے۔ یہ ایک قیمتی سبق ہے جو ان چند واقعات سے ہم کو ملتا ہے۔

طبقہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ:

ابن خلکان لکھتا ہے کہ امام صاحب نے چار صحابہ کو پایا ہے۔ انس بن مالک اور عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما کو کوفہ میں۔ سہل بن سعد الساعدی کو مدینہ منورہ میں۔ اور ابوالطفیل عامر بن واثلہ کو مکہ مکرمہ میں۔ حافظ ذہبی خود امام صاحب سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے انس بن مالکؓ کو بار ہا دیکھا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ ان کے ساتھ اور بہت سے دیگر حفاظ حدیث نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی رویت تسلیم کی ہے۔ خلاف جو کچھ ہے وہ روایت کے ثبوت وعدم ثبوت میں ہے ہمارے نزدیک ایک ایسے شخص کے متعلق جو صحابہ ہی کے عہد میں پیدا

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۱، ۳۶۲۔ [2] خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۳۔

marfat.com

ہوا رؤیت تو درکنار روایت کا دعویٰ بھی بعید نہیں بلکہ بہت یہ قرین قیاس تھا لیکن کیا کیا جائے جن پر امام صاحب کا اولاد احرار ہونا بھی شاق ہوا ان پر آپ کا طبقہ تابعین میں شمار ہونا کیوں شاق نہ ہوتا' اس لیے یہ بھی ایک معرکۃ لآ را مسئلہ بن کر رہ گیا ہے- متوسط قول یہ ہے کہ رؤیت سے تو انکار نہ کیا جائے اور روایت کا قطعی طور پر دعویٰ نہ کیا جائے- اس کے سوا جو کچھ ہے وہ افراط وتفریط کا میدان ہے-

تحصیل علم:

زفر بن ہذیل روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ مجھے علم کلام کا پہلے اتنا شوق تھا کہ میں اس علم میں شہرۂ آفاق ہوگیا تھا- حماد بن ابی سلیمان[1] کا حلقہ درس میرے قریب تھا ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور اس نے مجھ سے یہ مسئلہ دریافت کیا ایک شخص کی بی بی باندی ہے وہ سنت کے موافق اسے طلاق دینا چاہتا' ہے کتنی طلاقیں دے- میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا جواب دوں- میں نے کہا حماد سے پوچھ اور واپس آ کر مجھے بھی بتا- وہ حماد کے پاس گئی' انہوں نے فرمایا جب وہ حیض سے پاک ہوجائے تو جماع کرنے سے پہلے اسے صرف ایک طلاق دینا چاہیے جب دو حیض اور گزر جائیں تو پھر وہ اپنا دوسرا نکاح کرسکتی ہے- اس نے واپس آ کر مجھ سے ان کا جواب نقل کیا- میں نے اپنے دل میں کہا علم کلام بھلا کس کام کی چیز ہے اور اپنے جوتے اٹھا کر حماد کی خدمت میں حاضر ہوگیا- وہ مسائل بیان کرتے' میں ان کو سنتا اور یاد رکھتا- جب دوسرے دن وہ تشریف لاتے پھر ان کا اعادہ فرماتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ میں نے ان مسائل کو صحیح ضبط کیا اور ان کے دوسرے شاگردوں نے غلطیاں کی ہیں اس لیے انہوں نے فرمایا کہ میرے سامنے صدر مقام پر ابوحنیفہؒ کے سوا اور کوئی شخص نہ بیٹھے- دس سال بلکہ ان کی وفات تک میں ان کے ساتھ رہا- حماد کے فرزند کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میرے والد کسی سفر میں باہر تشریف لے گئے تھے- جب واپس تشریف لائے تو میں نے پوچھا کہ اس اثنا میں آپ کو زیادہ یاد کس کی رہی- میرا خیال تھا کہ وہ یہی فرمائیں گے کہ تیری لیکن انہوں نے ابوحنیفہؒ کا نام لیا اور فرمایا کہ اگر مجھے یہ قدرت ہوتی کہ میں ابوحنیفہؒ سے ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی نظر جدا نہ کروں تو نہ کرتا-

روایت مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی عمر کا ابتدائی حصہ علم کلام میں صرف ہوا اور

---

[1] حماد ابراہیم نخعی کے خاص تلامذہ میں تھے- تاریخ اصبہان میں ابوالشیخ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دن نخعی نے ان کو ایک درہم کا گوشت لانے کے لیے بازار بھیجا- زنبیل ان کے ہاتھ میں تھی- ادھر سے ان کے والد کہیں گھوڑے پر سوار آ رہے تھے- یہ صورت دیکھ کر انہوں نے ان کو ڈانٹا اور زنبیل لے کر ہاتھ سے پھینک دی- جب ابراہیم نخعیؒ کی وفات ہوگئی تو حدیث کے طلبہ ان کے والد (مسلم بن زید) کے دروازہ پر آئے اور دستک دی' یہ چراغ لے کر باہر نکلے تو انہوں نے کہا ہمیں آپ کی ضرورت نہیں- آپ کے فرزند حماد کی ضرورت ہے- یہ خفیف ہو کر اندر تشریف لائے اور حماد سے کہا جاؤ بھئی باہر جاؤ' اب مجھے معلوم ہوگیا کہ یہ مقام تمہیں ابراہیم کی زنبیل کی بدولت ہی نصیب ہوا ہے- ابن عدی نے ''الکامل'' میں نقل کیا ہے کہ حماد فرماتے تھے میں قتادہ' طاؤس اور مجاہد سے ملا ہوں- جب ابراہیم نخعی سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے مسائل کا حل کس سے کیا کریں تو انہوں نے حماد ہی کا نام لیا تھا- (مقدمہ زیلعی)

marfat.com

زمانہ تلمذ سے ہی آپ کی کنیت ابوحنیفہ تھی- یہ تحقیق نہیں ہوسکا کہ یہ کنیت امام صاحب نے خود اختیار کی تھی یا دوسروں نے آپ کی یہ کنیت مقرر کی تھی- اسی روایت سے امام صاحب کی صحت ذوق' سلامتی فطرت اور قوت حفظ کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے- آپ کے صرف درس حدیث کے صدر نشین نہ ہونے سے یہ خیال قائم کر لینا کہ آپ کا حافظ کمزور تھا بہت سطحی نظر ہے-

ماخذ علم:

خطیب بغدادی روایت کرتا ہے کہ امیر المومنین ابوجعفر نے امام صاحبؒ سے پوچھا آپ نے کن صحابہ کا علم حاصل کیا ہے- فرمایا عمر بن الخطابؓ، علیؓ بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور ان کے شاگردوں کا- فرمایا' آپ نے تو بہت صحیح اور پختہ علم حاصل کیا' یہ ہستیاں بہت مبارک اور بڑی ہستیاں تھیں- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ظاہر ہے کہ میرے بعد اگر کوئی شخص نبی ہوتا تو عمر ہوتے- حضرت علی رضی اللہ عنہ تو وہ ہیں جن کو آپ نے خود اپنے دست مبارک سے قاضی بنا کر بھیجا تھا- رہ گئے عبداللہ بن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کی قرآن دانی اور قرآن فہمی امت میں ضرب المثل ہو چکی ہے اب سوچیے کہ جو علم اتنے جامع اور مضبوط ماخذ سے حاصل کیا گیا ہوگا وہ کتنا عمیق اور کتنا مستحکم ہوسکتا ہے- نفسیاتی طریق پر بھی مسائل حنفیہ کا مرجع یہی اصحاب ہونے چاہئیں-

کوفہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسکن تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کا بسایا اور آباد کیا ہوا تھا پھر جو صحابی اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لیے سرکاری طور پر مقرر کیے گئے وہ ابن مسعودؓ ہی تھے- حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تو کوفہ دار الخلافت ہی رہ چکا تھا اس لیے اہل کوفہ کے لیے ان اصحاب میں علمی کشش کے علاوہ ایک فطری کشش بھی موجود تھی- کسی مجتہد کے متعلق یہ خیال قائم کرنا کہ اس کے استفادہ کا مطلب یہ تھا کہ وہ ہر ہر جزئی میں ایک مقلد کی طرح اتباع کرتا ہوگا انتہاء درجہ کی ناواقفی ہے بلکہ اس کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ ان کے زیر تربیت رہ کر اس کا جو علمی مذاق اور انداز طبیعت قائم ہو چکا تھا' وہ ان حضرات ہی سے ملتا جلتا تھا- اس کے اصول استنباط' اصول فکر' مصالح و مضار پر غور و خوض کا زاویہ نظر سب ان ہی سے متحد تھا- اس لیے دونوں کے مجتہدات اور مسائل میں ایک قسم کی یک رنگی اور یکسانیت پیدا ہو جانا بھی ضروری امر تھا-

اصول وعقائد:

یحییٰ بن ضریس کہتے ہیں میں سفیانؒ کے پاس حاضر تھا اور ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ آپ کو امام صاحب پر کیا اعتراض ہے انہوں نے فرمایا اعتراض کیا ہوتا میں نے تو خود انہیں یہ فرماتے سنا ہے کہ میں سب سے پہلے قرآن کو لیتا ہوں اگر کوئی مسئلہ اس میں نہیں ملتا تو پھر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تلاش کرتا ہوں- اگر کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں نہیں ملتا تو پھر میں آپ کے اصحاب کے اقوال تلاش کرتا ہوں اور ان میں جو زیادہ پسند آتا ہے اسے اختیار کر لیتا ہوں مگر ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتا- جب تابعین کا ...

---

[1] تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۳۳'۳۳۴-

marfat.com

آتا ہے تو پھر ان کا اتباع کرنا لازم نہیں سمجھتا جیسا انہوں نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کر لیتا ہوں[1]

ابو یوسف روایت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا خراسان میں دو قسم کے لوگ سب سے بدتر ہیں۔ جہمیہ اور مشبہہ۔ ابو یوسفؒ سے دوسری جگہ اس طرح منقول ہے کہ امام صاحب جہم بن صفوان کی مذمت کیا کرتے تھے اور اس کی باتوں پر نکتہ چینی فرماتے تھے۔ عبدالرحمٰن حمانی کہتے ہیں میں نے ابوحنیفہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جہم بن صفون کافر ہے[2] یحییٰ بن نصر کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ شیخین کو دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتے تھے ختنین سے محبت رکھتے تھے، تقدیر کے قائل تھے اور اس میں کوئی میں میخ نہیں نکالتے تھے۔ مسح علی الخفین کرتے تھے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے اور متقی عالم تھے[3] ابو سلیمان جوزجانی اور معلی بن منصور رازی کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ میں کسی نے قرآن کے مخلوق ہونے کے بارے میں کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالا ہاں بشر مریسی اور ابن داؤد نے اس مسئلہ میں بحث شروع کی اور انہوں ہی نے امام صاحب کے تلامذہ کو بدنام کیا[4]

محدثین کی نظروں میں امام اعظم کی ثقاہت:

امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مالکؒ پر رحمت نازل فرمائے اپنے وقت کے امام تھے، شافعیؒ پر رحمت نازل فرماتے اپنے وقت کے امام تھے۔ ابوحنیفہؒ پر رحمت نازل فرمائے اپنے زمانہ کے امام تھے[4] امام احمدؒ جب کبھی امام ابوحنیفہؒ کے کوڑے کھانے اور قضاء قبول نہ کرنے کا واقعہ ذکر فرماتے تھے تو رو پڑتے تھے اور امام صاحب کے لیے دعاء رحمت فرماتے تھے[5]

حسن بن علی حلوانی شبابہ سے نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کے بارے میں شعبہ اچھا خیال رکھتے تھے۔ علی بن مدینی کہتے ہیں کہ امام صاحب سے ثوری، ابن مبارک، حماد بن زید، ہشیم، وکیع، عباد، جعفر بن عون جیسے اجلہ محدثین نے روایت کی ہے۔ وہ ثقہ ہیں ان کی روایت کے بارے میں سچے شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے فرمایا نہایت سچے اور بالکل صحیح روایت کرنے والے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے دریافت کیا گیا' کیا ابوحنیفہ کبھی خلاف واقع بھی حدیث روایت کرتے تھے؟ فرمایا محدثین ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کے حق میں بڑی زیادتی کرتے ہیں ان کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ تھی[6]

خطیب یحییٰ بن معین سے نقل کرتا ہے کہ ابوحنیفہ کے نزدیک حدیث روایت کرنے کے لیے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد برابر یاد رہنی چاہیے اگر یاد نہ رہے تو اس کو روایت کرنا درست نہ سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ امام صاحب کے متعلق ان سے دریافت کیا گیا تو دو بار فرمایا ثقہ ہیں ثقہ ہیں۔ ایک مرتبہ یہ کہا کہ حدیث و فقہ

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۶۸۔ [1] ایضاً ج ۱۳ ص ۳۷۶۔ [2] ایضاً ج ۱۳ ص ۳۷۷۔

[3] ایضاً ج ۱۳ ص ۳۷۱۔ [4] جامع البیان العلم ج ۲ ص ۱۶۳۔

[5] تاریخ ابن خلکان ج ۲ ص ۱۴۴۔ [6] جامع البیان ج ۲ ص ۱۴۹۔

marfat.com

میں ثقہ اور سچے ہیں اور خدا کے دین کے بارے میں بھروسہ کرنے کے قابل ہیں۔[1] خارجہ بن مصعب اور ابووہب عابد کہتے ہیں کہ جو شخص مسح علی الخفین کا قائل نہ ہو یا ابوحنیفہ پر نکتہ چینی کرے وہ بلاشبہ ناقص العقل ہے۔[2]

حافظ ابن حجر شافعی نے امام صاحب کے مناقب نقل کر کے یحییٰ بن معین سے اس کے خلاف کوئی نقل پیش نہیں اور آخر تذکرہ میں لکھا ہے کہ امام صاحبؒ کے مناقب بہت ہیں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور جنت الفردوس میں ان کو جگہ دے۔ ذہبی نے مناقب امام پر مستقل ایک تصنیف لکھی ہے۔

فقہ حنفی کا امتیاز:

اس عنوان پر علامہ کوثری مصری نے زیلعی کے مقدمہ میں ایک مختصر رسالہ سپرد قلم کیا ہے، ہم یہاں اس کا اختصار ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

فقہ حنفی صرف ایک شخصی رائے نہیں بلکہ چالیس علماء کی جماعت شوریٰ کی ترتیب دادہ ہیں۔ امام طحاویؒ اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ امام صاحب کی یہ جماعت شوریٰ چالیس افراد پر مشتمل تھی جن میں ممتاز ہستیاں تھیں۔ ابو یوسف، زفر بن الہذیل، داؤد الطائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد السمتی (یہ امام شافعیؒ کے شیوخ میں ہیں) یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ، خطیب نے امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں ان اسماء کا اور اضافہ کیا ہے:

عافیہ ازدی، قاسم بن معن، علی بن مسہر، حبان، مندل۔

اسد بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ امام صاحب کی خدمت میں پہلے ایک مسئلہ کے مختلف جوابات پیش کئے جاتے پھر جو اس کا سب سے زیادہ تحقیقی جواب ہوتا آپ ارشاد فرماتے اسی طرح ایک ایک مسئلہ تین تین دن زیر بحث رہتا۔ اس کے بعد کہیں وہ لکھا جاتا تھا۔ صیمری بیان فرماتے ہیں۔ کہ امام صاحب کے تلامذہ امام صاحب کے ساتھ مسائل میں بحث و تمحیص کرتے۔ اگر اس وقت قاضی عافیہ بن یزید موجود نہ ہوتے تو آپ فرماتے، ان کے آنے تک ابھی مسئلہ کا فیصلہ ملتوی رکھو۔ جب وہ تشریف لے آتے اور وہ بھی دوسروں کی رائے سے اتفاق کر لیتے تو امام صاحبؒ فرماتے اب اس کو لکھ لو۔ جب تک مسئلہ تحقیق و تفتیش کے یہ مراحل طے نہ کر لیتا آپ اس کو لکھنے سے منع کرتے۔

یحییٰ بن معین ''التاریخ والعلل'' میں لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے ایک دن امام ابو یوسفؒ سے فرمایا اے یعقوب جو کچھ مجھ سے سنا کرو اسے فوراً ہی لکھ لیا کرو کیونکہ کبھی ایک مسئلہ کے متعلق میری رائے آج کچھ ہوتی ہے اور کل کچھ ہو جاتی ہے۔ اس روایت سے موافق مکی کے بیان کی تائید ہوتی ہے کہ امام صاحب کا مسلک شورائی مسلک ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب نے اپنے تلامذہ پر اپنے مسائل تسلیم کرنے کے متعلق کبھی جبر نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اس کی پوری آزادی دی کہ وہ بہت خوشی سے اپنی اپنی رائیں پیش کریں پھر اس پر خوب جرح وقدح ہو اس کے بعد اگر سمجھ میں آجائے تو اس کو قبول کر لیں۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحبؒ کی مجلس شوریٰ نقلی و عقلی ہر دو لحاظ سے بہت

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۴۱۹، ۴۲۰۔ [2] الضاً ج ۱۳ ص ۳۶۴ و ۳۶۸۔

marfat.com

مکمل مجلس تھی۔ اس میں اگر حفاظ و محدثین' عربیت و تفسیر کے جاننے والے شامل تھے تو زفر بن ہذیل جیسے میزان عقل پر تولنے والے موجود تھے۔ ان ہی اہل علم و فہم علماء کے تبادلۂ خیالات کا نتیجہ تھا کہ مسئلہ کا ہر پہلو اتنا صاف ہو جاتا تھا کہ اس کے مصالح و مضار سب اس طرح سامنے آ جاتے تھے کہ زمانہ کی ہر ضرورت کی اس میں پوری پوری رعایت ہو جاتی تھی۔

خطیب امام یوسفؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے وکیع سے کہا ابوحنیفہؒ نے اس مسئلہ میں غلطی کی ہے۔ وکیع نے فرمایا ابوحنیفہ غلطی کیسے کر سکتے ہیں جب کہ ان کے ساتھ ابو یوسف و زفرؒ جیسے قیاس کے ماہر' یحییٰ بن ابی زائدہ' حفص بن غیاث' حبان و مندل جیسے حفاظ حدیث اور قاسم بن معن جیسے لغت و عربیت کے جاننے والے۔ داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد و متقی شامل ہیں۔ اگر وہ غلطی کھائیں گے تو کیا یہ لوگ ان کی اصلاح نہ کریں گے۔ دراصل فقہ حنفی کی مقبولیت کا منجملہ دیگر اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا مگر اس کا یہی کمال محدثین کی نظروں میں موجب نقصان بن گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ عام محدثین کا طور فکر بالکل اس سے جداگانہ تھا۔ وہ اس تمام غور و خوض کو رائے کی مداخلت تصور کرتے تھے اور وہ اس میں بڑی حد تک معذور بھی تھے' کیونکہ آئین شریعت کی اس طرح ترتیب و تشکیل کا امت میں یہ پہلا قدم تھا اسے اوپری نظروں سے دیکھا جانا چاہیے تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ پھر شدہ شدہ دوسرے اماموں کو بھی اسی ترتیب کی ضرورت محسوس ہوئی حتیٰ کہ کوئی امام ایسا نہیں رہا جس کی فقہ بالآخر اسی مرتب شکل پر نہ آ گئی ہو مگر "البادی اظلم" کے قاعدہ کے موافق اصحاب الرائی[1] کا اولین مخاطب صرف حنفیہ رہ گئے۔

یہ مسئلہ بہت اہم اور طویل الذیل ہے کہ فقہ حنفی کے امتیازی اصول کیا کیا ہیں اور کیا ان کو مداخلت رائے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ان تمام کا استقصاء اس مختصر تذکرہ میں نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر یہاں ہم صرف ایک دو مثالیں پیش کرتے ہیں جن پر غور کرنے کے بعد آپ فقۂ حنفی کی گہرائی معلوم کر سکیں گے اور اس کے بعد یہ یقین کرنا بھی آسان ہو جائے گا کہ محدثین کی فقہ حنفی سے برہمی اور حنفیہ کی معذوری دونوں اپنی اپنی جگہ بجا ہیں' امام شاطبیؒ ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہیں کہ بہت سے محدثین امام صاحب پر لعن طعن کرنا اس لیے جائز سمجھتے تھے کہ ان کے نزدیک آپ نے بہت سی صحیح اخبار آحاد کو ترک کر دیا تھا۔ حالانکہ امام صاحب کا ضابطہ یہ تھا کہ آپ پہلے خبر واحد کا اس باب کی دوسری احادیث کے ساتھ موازنہ کر کے دیکھتے۔ قرآن کریم کے بیان سے بھی ان کو ملاتے' اگر وہ قرآن کریم اور ان احادیث کے بیان کے مطابق ہو جاتیں تو ان پر عمل کر لیتے ورنہ انہیں شاذ قرار دیتے اور عمل نہ کرتے''۔[2]

---

[1] ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن جو امام مالکؒ کے استاد ہیں اپنی اسی خدمت کی وجہ سے ربیعۃ الرائی کے لقب سے مشہور ہو گئے تھے۔ عبدالعزیز ابن ابی سلمہ کہتے تھے اے اہل عراق تم تو ربیعۃ الرائی کہتے ہو اور خدا کی قسم میں نے ان سے بڑھ کر کوئی حافظ حدیث نہیں دیکھا۔ ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ اور کثیر الحدیث شخص تھے مگر اس کے باوجود ان کی طرف رائے کی نسبت اتنی مشہور ہو گئی تھی کہ ان کا لقب ہی ربیعۃ الرائی پڑ گیا تھا۔

[2] الموافقات ج ۳ ص ۲۴۔

marfat.com

انصاف کیجیے کہ ایک آئینی نظر کے لیے آئین سازی کا یہ کتنا صحیح راستہ تھا مگر جن مزاجوں میں معیارِ صحت صرف اسناد ٹھہر گیا ہو وہ اس کا نام صحیح احادیث کا ترک رکھ لیتے تھے۔ اس کی بہت مشہور مثال حدیث مصراۃ ہے حنفیہ پر اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ لے دے کی گئی اور یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے محض اپنی رائے سے اس حدیث کو ترک کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر حنفیہ نے تاوان کے وسیع باب میں' اس قسم کا تاوان کہیں نہ دیکھا اور اس لیے یہاں بھی اس باب میں عام ضابطہ ہی پر عمل کر لیا.......... تو کچھ بے جا بھی نہیں کیا۔ بقول حافظ ابوعمر و کون ایسا ہے جس نے ہر باب کی ہر حدیث کو من وعن تسلیم کیا ہو؟ اپنے استقراء واجتہاد کے بعد جب ایک حدیث کو مختار و معمول بنالیا گیا ہے تو اس کی مخالف حدیث میں سب نے تاویل وتوجیہ جائز قرار دی ہے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ حنفیہ نے اکثر مواضع میں اصول کو جزئیات پر قربان نہیں کیا۔ جب کسی بات میں ان کے نزدیک صاحب شریعت سے ایک قاعدہ کلیہ ثابت ہو گیا تو پھر انہوں نے اس کے برخلاف جزئیات کو عموماً قابل تاویل سمجھا ہے۔ مثلاً انسانی حاجت کے لیے بیٹھنے کا ایک آئین یہ ہے کہ قبلہ کو اپنے سامنے یا پشت کی جانب نہ رکھا جا ہیے۔ اس ضابطہ کو حنفیہ نے پہلے منقول اور معقول طریق پر جانچا تولا۔ جب ان کے نزدیک ادب واحترام کا یہ آئین ثابت ہو گیا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے صرف ایک جزئی واقعہ کی بنا پر کہ انہوں نے ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قضاء حاجت کے لیے قبلہ کی جانب پشت کیے ہوئے بیٹھے دیکھا تھا۔ اس ضابطہ کلیہ کی تاویل نہیں کی بلکہ اس واقعہ ہی کی کوئی توجیہ کر لینا زیادہ مناسب سمجھا۔

دوسری مثال نماز میں بات کرنے کا مسئلہ ہے۔ عام طور پر احادیث سے نماز میں بات کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں بھی یہاں کسی استثناء کی طرف اشارہ نہیں ملتا صرف ایک ذوالیدین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ نماز میں کسی کو سہواً اور کسی کو عمداً کچھ بات چیت کرنے کی نوبت آ گئی تھی۔ اس کے باوجود ان کی نمازوں کو فاسد نہیں سمجھا گیا۔ دیگر ائمہ نے اس ایک جزئی واقعہ کی وجہ سے اصل قاعدہ کی تخصیص وتوجیہ شروع کر دی ہے۔ حنفیہ نے یہاں بھی قاعدہ میں کوئی تخصیص نہیں کی بلکہ اس کو بدستور اپنے عموم پر قائم رکھا ہے اور اس ایک واقعہ ہی کی کوئی توجیہ یا تاویل کرنا مناسب خیال کیا ہے۔ اس قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جہاں حنفیہ نے قاعدہ کلیہ کے مقابلہ میں جزئیات ہی کی تاویل کا راستہ اختیار کیا ہے۔ ضابطہ ہمیشہ ایک رہتا ہے اور جزئیات منتشر' اس لیے تاویل کرنے والوں کی صف میں زیادہ پیش پیش حنفیہ ہی نظر آنے لگے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اس کا نام ترک حدیث رکھ لیجیے' یا عمل بالحدیث رکھیے۔ اسی قسم کے امتیازات ہیں جن کی بنا پر ہر دور میں امت کا نصف حصہ اسی فقہ پر عمل پیرا رہا ہے اور اسی اصولی نظر کی وجہ سے حنفی فقہ میں اتنی لچک ہے کہ اتنی دوسری فقہ میں نہیں۔ اگر علماء انسانوں کی ضرورت اور دین حنیف کی سہولت کو پیش نظر رکھتے تو ان کو حنفی کتاب الحیل پر اتنا غصہ نہ آتا اور نہ وہ حنفیہ کو محض رائے کا مقلد قرار دیتے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا عملی پایہ:

شداد بن حکیم فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھ کر میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا۔ مکی بن ابراہیم

marfat.com

نے امام صاحب کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم تھے- وکیع فرماتے ہیں میں کسی عالم سے نہیں ملا جو ابوحنیفہؒ سے زیادہ فقیہ ہو اور ان سے بہتر نماز پڑھتا ہو- نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ لوگ علم فقہ سے بے خبر پڑے ہوئے تھے' ابوحنیفہؒ نے آ کر انہیں بیدار کیا ہے- یحییٰ بن سعید القطان فرماتے ہیں ہم خدا کے سامنے جھوٹ نہیں بول سکتے' واقعی بات یہ ہے کہ ابوحنیفہؒ سے بہتر فقہ ہم نے کسی کی نہیں سنی اور اس لیے ان کے اکثر اقوال ہم نے بھی اختیار کر لیے ہیں- یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ فتوے میں یحییٰ بن سعید کوفیوں کا قول اختیار کیا کرتے تھے- امام شافعی فرماتے ہیں جسے علم فقہ میں مہارت حاصل کرنا ہو اسے لازم ہے کہ ابوحنیفہؒ اور ان کے تلامذہ کو نہ چھوڑے کیونکہ تمام لوگ فقہ میں ان کے محتاج ہیں- یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ فقہ تو بس امام ابوحنیفہؒ ہی کی ہے جعفر بن ربیع کہتے ہیں میں پانچ سال ابوحنیفہ کی خدمت میں رہا' ان جیسا خاموش انسان میں نے نہیں دیکھا- ہاں جب ان سے فقہ کا کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو اس وقت کھل جاتے اور دریا کی طرح بہنے لگتے تھے- عبداللہ بن داؤد فرماتے ہیں کہ اہل اسلام پر فرض ہے کہ وہ اپنی نمازوں کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے لیے دعا کریں اور ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے امت کے لیے آنحضرت ﷺ کی سنتیں اور مسائل فقہ جمع کر کے رکھ دیئے ہیں- روح بن عبادہ کہتے ہیں کہ میں ابن جریج کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ انہیں امام صاحب کی وفات کی خبر پہنچی انہوں نے فوراً انا للہ کہا اور فرمایا افسوس کیسا عجیب علم جاتا رہا- اسی سال ابن جریج کا بھی انتقال ہوا ہے[1]

علم فقہ کا انتخاب:

جو شخص امام صاحبؒ کے مناظرات و حالات سے ذرا بھی واقف ہے وہ اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ امام صاحب کو جمیع علوم میں پوری دستگاہ حاصل تھی- علم کلام سے آپ کی ابجد شروع ہوتی ہے اور حدیث و تفسیر و فقہ تو آپ کا مشغلہ ہی تھا- مورخ ابن خلکان آپ کے متعلق لکھتا ہے: ''ولم یکن یعاب بشیء سوی قلة العربیة'' یعنی آپ پر قلت عربیت کے سوا اور کوئی نکتہ چینی نہیں کی گئی- اس کے اسباب بھی جو کچھ ہیں وہ تحقیق کے بعد کچھ نہیں رہتے لیکن ہم اس سلسلہ میں ان چند اسباب کو ظاہر کرنا مناسب سمجھتے ہیں جن کی بنا پر امام صاحب نے دیگر علوم کی بجائے علم فقہ کو اپنا دائمی مشغلہ بنا لیا تھا- اگرچہ یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ جو شخص حدیث و قرآن نہیں جانتا وہ فقہ سے بھی کوئی مجتہدانہ مذاق نہیں رکھ سکتا-

ہمارے نزدیک اس موقع پر اختیاری اسباب کے ساتھ کچھ قدرتی اسباب بھی پیدا ہو گئے تھے جن کی وجہ سے فقہ ہی آپ کا سب سے بڑا مشغلہ ہو جانا چاہیے تھا- مناقب موفق اور تاریخ خطیب میں مذکور ہے کہ ابراہیم نخعی کی وفات کے بعد علم فقہ کی مہارت کے لحاظ سے جن پر نظریں پڑتی تھیں وہ حماد بن ابی سلیمان مفتی کوفہ تھے- جب تک یہ بقید حیات رہے لوگ ان کی وجہ سے دوسروں سے بے نیاز رہے لیکن جب ان کی وفات ہوگئی تو اب اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی' کہ لوگوں کی ضروریات پورا کرنے کے لیے ان کا کوئی دوسرا

---

[1] خطیب مناقب امام-

marfat.com

جانشین ہو۔ ادھر ان کے تلامذہ کو یہ اندیشہ ہونے لگا کہ ان کے محترم استاد کا نام اور ان کا علم کہیں ختم نہ ہو جائے۔ حماد کے ایک فرزند تھے جو اچھے عالم تھے۔ ان پر اتفاق ہو گیا کہ انہیں اپنے والد کی مسند پر بٹھا دیا جائے۔ ابوبکر نہشلی اور ابو بردہ وغیرہ جوان کے شاگرد تھے اب ان کے پاس آنے جانے لگے لیکن ان حضرات پر شعر و سخن کا ذوق غالب تھا یہ اس جگہ کو نبھا نہ سکے' پھر لوگوں کا خیال ابوبکر نہشلی کی طرف گیا۔ ان سے درخواست کی گئی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ابو بردہ کی خدمت میں یہ مسند پیش کی گئی مگر انہوں نے بھی انکار کیا۔ آخر کار لوگوں نے امام صاحب کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا میرا دل یہ نہیں چاہتا کہ علم فنا ہو جائے اس لیے ان کی درخواست کو منظور کر لیا اور مسند افتا پر بیٹھ گئے۔ (مناقب موفق ج ا ص ا)

یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہ امام ابوحنیفہ وہی ہیں جن کے سامنے جب منصب قضا پیش کیا گیا تو ہر سختی و ذلت برداشت کرنے کو تیار ہو گئے مگر منصب قضا قبول نہ کیا۔ اور یہی ہیں کہ جب ان سے ایک آزاد علمی خدمت کی درخواست کی گئی تو فوراً قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ بہر حال اس روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ اتفاقات سماویہ کی بنا پر علم کی جو مسند امام صاحب کے لیے مخصوص ہو چکی تھی وہ علم نبوت ہی کی گہرائیوں میں شناوری کی مسند تھی۔ اس لیے قدرتی طور آپ کا مشغلہ فقہ ہی بن جانا چاہیے تھا۔

حافظ ابن عبدالبرؒ ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھ سے اعمش نے ایک مسئلہ دریافت کیا۔ اس وقت میرے اور ان کے سوا وہاں کوئی اور موجود نہ تھا۔ میں نے اس کا جواب دیا۔ انہوں نے فرمایا اے یعقوب یہ جواب تم نے کس حدیث سے اخذ کیا ہے۔ میں نے کہا اس حدیث سے جو آپ نے مجھ سے بیان فرمائی تھی۔ انہوں فرمایا: یعقوب! یہ حدیث تو مجھے تمہاری پیدائش سے بھی پہلے یاد تھی مگر میں آج تک اس کا یہ مطلب نہ سمجھ سکا تھا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ اعمش اور امام صاحب کے درمیان بھی پیش آیا ہے۔ عبیداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ میں اعمش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا ایک شخص ان کے پاس آیا اور مسئلہ دریافت کیا۔ وہ اس کا جواب نہ دے سکے۔ دیکھا تو وہاں ابوحنیفہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ فرمایا اے نعمانؒ اس کے متعلق تم کچھ بولو انہوں نے فرمایا اسکا جواب یہ ہے۔ اعمش نے فرمایا کہاں سے کہتے ہو؟ امام صاحبؒ نے فرمایا اسی حدیث سے جو آپ نے ہم سے روایت کی تھی۔ اس پر اعمش نے کہا: ''نحن الصیادلۃ وانتم الاطباء'' (تم لوگ اطباء ہو اور بھئی ہم تو عطار ہیں) یعنی عطار کے پاس صرف دواؤں کا سٹاک ہوتا ہے وہ اس کی ترکیب و خواص نہیں جانتا' اطباء ان کے اثرات اور ترکیب بھی جانتے ہیں۔[2]

خطیب بغدادی امام یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن ان سے اعمش نے پوچھا کہ آپ کے استاذ نے عبداللہ کا یہ مسئلہ کیوں ترک کر دیا کہ باندی کے آزاد ہونے پر اس کو طلاق ہو جاتی ہے' انہوں نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اسی حدیث کی بناء پر جو آپ نے ان سے بواسطہ ابراہیم واسود کے نقل فرمائی تھی کہ بریرہ جب آزاد ہوئیں تو ان کی آزادی طلاق نہیں سمجھی گئی بلکہ ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر وہ چاہیں تو

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۳۲۔ [2] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۳۰ و ۱۳۱۔

marfat.com

اپنے پہلے نکاح کو قائم رکھیں اور چاہیں تو فسخ کردیں۔ اس پر اعمش نے کہا بلاشبہ ابوحنیفہؒ نہایت سمجھدار شخص ہیں۔ امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ اعمش کو امام صاحب کا یہ استنباط بہت پسند آیا تھا۔[1]

امام ترمذیؒ اپنی جامع میں غسل میت کے مسئلہ کی تحقیق کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''کذالك قال الفقها وهم اعلم بمعانی الحدیث ''۔ فقہاء نے اس حدیث کا یہی مطلب بیان کیا ہے اور حدیث کے مطالب یہی لوگ زیادہ سمجھتے ہیں۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ حدیث و فقہ دو علیحدہ چیزیں نہیں۔ فرق ہے تو یہ کہ محدث کے نزدیک الفاظ حدیث کا حفظ مقدم ہوتا ہے اور فقیہ کے نزدیک ان کے معانی کا فہم مقدم۔

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ امام صاحب نے شغل فقہ صرف امت کے نفع کی خاطر اختیار فرمایا تھا اور بجا اختیار فرمایا تھا۔ الفاظ حدیث تو محفوظ ہو ہی چکے تھے اب جس خدمت کی ضرورت تھی وہ استخراج و استنباط مسائل اور ان کی آئینی تشکیل و ترتیب ہی کی تھی۔ محدثین ہزاروں موجود تھے لیکن فقہ کا یہ مقام خالی پڑا ہوا تھا اس لیے امام صاحب نے اس خالی گوشہ کو پر کرنا زیادہ ضروری سمجھا۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ امام صاحب فن حدیث سے ناآشنا تھے۔ ابھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ محدثین اگر الفاظ حدیث کے ذمہ دار ہیں تو فقہاء اس کے صحیح استعمال کے جاننے والے ہیں وہ عطار ہیں۔ تو یہ اطباء فقہ کا تارو پود قرآن و حدیث سے ہی قائم ہے۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ کبار ائمہ کی قلت روایت کو ان کی علم حدیث سے بے بضاعتی کی دلیل سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا کیونکہ شریعت کا ماخذ کتاب و سنت ہی ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی شرعی مسائل کے استنباط و ترتیب کا ارادہ کرے گا اس کے لیے کتاب و سنت کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ امام صاحب کی قلت روایت کا منبع اس علم سے بے بضاعتی نہ تھی بلکہ درحقیقت روایت و تحمل کے وہ شرائط تھے جن کا معیار آپ نے عام محدثین سے بہت بلند قائم کیا تھا۔ اس لیے آپ کے لیے روایت کا میدان بھی زیادہ وسیع نہیں رہا۔ امام صاحب کے علم حدیث میں ماہر اور مجتہد ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ محدثین کے درمیان آپ کی فقہ ہمیشہ بنظر اعتبار دیکھی گئی ہے۔ ایک طرف جہاں امام احمد و امام شافعی کا مسلک نقل کیا گیا ہے اسی کے پہلو بہ پہلو امام صاحب کا مسلک بھی نقل کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ محدثین کے نزدیک آپ کی فقہ بھی اسی درجہ پر معتبر تھی جیسا کہ دیگر فقہاء و محدثین کی۔ خلاصہ یہ کہ رد و قبول کے اعتبار کا زیر بحث رہنا اس کی دلیل ہے کہ آپ کی فقہ بھی دیگر محدثین کی فقہ کی صف میں رہنے کے قابل تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ اگر ایک جماعت اسے قبول کرتی رہی تو دوسری جماعت ترک کرتی رہی۔[2]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی صحیح مراد اس میں مسائل کے مآخذ امام صاحب سے زیادہ جاننے والا میں نے کوئی شخص نہیں دیکھا۔ بعض مرتبہ میں آپ کی رائے چھوڑ کر کسی حدیث کے ظاہر پہلو کو اختیار

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۱۔ [2] مقدمہ ص ۳۱۲۔

marfat.com

کر لیتا تو بعد میں مجھے تنبہ ہوتا کہ حدیث کی صحیح مراد سمجھنے میں امام صاحب کی نظر مجھ سے زیادہ گہری تھی[1]

اسرائیل جو مسلم ائمہ حدیث میں ہیں امام صاحب کی مدح میں بطریق تعجب فرماتے ہیں نعمان کیا خوب شخص ہیں جو احادیث مسائل فقہ سے متعلق ہیں وہ ان کو کیسی محفوظ ہیں اور کس خوبصورتی سے وہ ان سے مسائل فقہ استنباط فرماتے ہیں- یہی وجہ تھی کہ محدثین میں وکیع اور یحییٰ بن سعید القطان جیسے اشخاص امام اعظم کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیتے تھے- حافظ ابن عبدالبر یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں-

و کان وکیع یفتی برأی ابی حنیفة و کان یحفظ حدیثه کله و کان قد سمع من ابی حنیفة حدیثا کثیرا۔[2]

''وکیع امام صاحب کی فقہ کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام حدیثیں یاد کیا کرتے تھے اورانھوں نے آپ سے بہت سی حدیثیں سنی تھیں''-

امام صاحب کے اساتذہ محدثین کی جو تعداد علماء نے لکھی ہے وہ ہزاروں تک پہنچتی ہے لیکن چونکہ دیگر محدثین کی طرح خود امام نے باضابطہ روایت حدیث کے حلقے قائم نہیں کیے اور ترویج فقہ کو ترجیح دی' اس لیے بعد کے زمانہ میں آپ کی شان محدثیت نظری بن کر رہ گئی''-

محدثین کو امام صاحب سے وجہ نکارت:

تاریخ کا یہ بھی ایک تعجب خیز ورق ہے کہ وہ ایک تو امام صاحب کی تعریف وتوصیف میں بکھری جاتی ہے' وہ جلی حروف میں یہ لکھ جاتی ہے کہ آپ عہد صحابہ میں پیدا ہوئے۔ ورع وتقویٰ' جود وسخا' علم وفضل' خرد وعقل کے تمام کمالات آپ میں جمع تھے- ائمہ میں امام اعظمؒ آپ کا لقب تھا' محدثین وعلماء کا ایک جم غفیر ہمیشہ آپ کے زمرۂ مقلدین میں شامل رہا اور امت مرحومہ کا نصف سے زیادہ حصہ اب بھی آپ کے پیچھے پیچھے جارہا ہے اسی کے ساتھ وہ دوسرے ہی ورق پر دیانت وعقل کا کوئی عیب ایسا اٹھا کر نہیں رکھتی جو آپ ذات میں لگا نہیں دیتی-

خطیب بغدادی نے پورے سوصفحات پر امام صاحب کا تذکرہ لکھا ہے- پہلے امام صاحب کے مناقب ہیں صفحہ کے صفحہ رنگ دیئے ہیں اس کے بعد پورے ۵۴ صفحات پر آپ کی ذات میں وہ نکتہ چینیاں نقل کی ہیں جو دنیا کے پردہ پر کبھی کسی بدتر سے بدتر کافر پر بھی نہیں کی جاسکتیں- ایک متوسط عقل کا انسان ان متناقض بیانات کو پڑھ کر یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ کوئی انسان بھی ایسی دو متضاد صفات کا حامل نہیں ہوسکتا۔ یا اس کے مناقب کی یہ تمام داستان فرضی ہے یا پھر عیوب کی یہ طویل فہرست صرف مخترع حکایات اور صریح بہتان ہے- مؤرخ ابن خلکان نے خطیب کے اس غلط طرز پر حسب ذیل الفاظ میں تنقید کی ہے-

وقد ذکر الخطیب فی تاریخه منها شیئا کثیرا ثم اعقب ذلک بذکر ما کان الالیق ترکه والاضراب عنه فمثل هذا الامام لا یشک فی دینه ولا فی حفظه ولم یکن یعاب بشیء سوی قلة العربیة (ج ۲ ص ۱۶۵)

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۰- [2] جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۴۹-

marfat.com

یعنی خطیب نے اپنی تاریخ میں آپ کے مناقب کا بہت سا حصہ ذکر کیا ہے اس کے بعد ایسی ناگفتنی باتیں لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اوران سے اعراض کرنا مناسب تھا کیونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جیسے شخص کے متعلق نہ دیانت میں شبہ کیا جا سکتا ہے، نہ حفظ ورع میں آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی۔

حافظ ابن عبدالبرؒ مالکی کا کلام یہاں نہایت منصفانہ ہے کیونکہ تنقید کا یہ شاخسانہ صرف ایک امام صاحب کی ذات ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ اور ائمہ تک بھی پھیلتا چلا گیا ہے۔ اگر ذرا نظر کو اور وسیع کیجیے تو پھر صحابہ کا استثناء بھی مشکل نظر آتا ہے۔ غصہ اور مسرت انسانی فطرت ہے۔ ان دونوں حالتوں میں انسان کے الفاظ کا صحیح توازن قائم نہیں رہا کرتا۔ اسی لیے غصہ کے حال میں فیصلہ کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے۔ یہ صرف ایک نبی کی شان ہے جس کے منہ سے غضب و رضا کے دونوں حالوں میں جچے تلے الفاظ ہی نکلتے ہیں۔ اب اگر انسانوں کے صرف ان جذباتی پہلوؤں سے تاریخ مرتب کر لی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ پھر صحابہ کے الفاظ صحابہ کے متعلق اور ائمہ کے ائمہ کے متعلق بھی ایسے مل سکتے ہیں جن کے بعد امت کا یہ مقدس گروہ بھی زیر تنقید آ سکتا ہے۔ حافظ محمد بن ابراہیم وزیر نے امام شعبی کا کیسا بصیرت افروز مقولہ نقل کیا ہے۔

قال الشعبی حدثنا هم بغضب اصحاب محمد (صلى الله عليه وسلم) فاتخذوه دنیا۔[1]

"شعبیؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے لوگوں سے آنحضرت ﷺ کے صحابہ کے باہمی غصہ کی حکایات نقل کی تھیں انہوں نے اٹھا کر انہیں عقائد کی فہرست میں داخل کر لیا"۔

اس کے سوا دوسری مشکل یہ ہے کہ محدثین کے جو مبہم الفاظ آج کتب میں مدون نظر آتے ہیں کسے فرصت ہے کہ ان کے اصل معنی سمجھنے کی کوشش کرے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ کیجیے ایک مرتبہ امام صاحب اعمش کی عیادت کے لیے گئے۔ اعمش نے کچھ روکھا پن دکھلایا اور امام صاحب کے متعلق کچھ غصہ کے الفاظ کہے۔ اس اخلاق پر اعمش کا یہ رویہ آپ کو ناگوار گزرا اور گزر جانا چاہیے تھا۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو فرمایا کہ اعمش نہ تو رمضان کے روزے رکھتا ہے اور نہ کبھی جنابت سے غسل کرتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی امام دین پر ان الفاظ کو کتنا ہی چسپاں کیجیے مگر چسپاں نہیں ہو سکتے اگر کہیں ان الفاظ کی تشریح ہمارے سامنے نہ ہوتی تو معلوم نہیں کہ اس مقولہ سے ہمارے خیالات کتنا کچھ پریشان ہو جاتے لیکن جب ان الفاظ کی مراد ہاتھ آ گئی تو آنکھیں کھل گئیں اور معلوم ہوا کہ ائمہ غصہ کے حال میں بھی ایک دوسرے کے متعلق عوام کی طرح بے سروپا کلمات منہ سے نہیں نکالا کرتے۔ چنانچہ اسی واقعہ میں جب فضل بن موسیٰ سے اس کا مطلب دریافت کیا گیا (اس واقعہ میں وہ امام صاحب کے ساتھ ساتھ تھے) تو انہوں نے فرمایا کہ اعمش التقاختانین سے غسل کے قائل نہ تھے بلکہ جمہور کے خلاف اسی مسئلہ پر عمل کرتے تھے جس پر کبھی ابتداء اسلام میں عمل کیا گیا تھا یعنی انزال کے بغیر غسل واجب نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ طلوع فجر کے بعد روشنی پھیلنے تک سحری کھانا درست ہے، ان دو مسئلوں کے لحاظ سے امام صاحب کی یہ دونوں باتیں بھی درست تھیں اور اعمش کا عمل بھی اپنے مختار کے مطابق درست تھا۔[2]

---

[1] الروض الباسم ج ا ص ۱۴۸۔ [2] دیکھئے جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۵۷۔

marfat.com

اگر اسی طرح امام کے حق بھی بہت سے مشہور مقولوں کی مرادیں تلاش کی جائیں تو ہاتھ آ سکتی ہیں اور اس کے بعد اصل بات بھی اتنی قابل اعتراض نہیں رہتی جیسا الفاظ کی سطح سے معلوم ہوتی تھی۔ کتب تذکرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے محدثین کی ناراضگی کا بڑا سبب صرف اختلاف مذاق تھا نہ کہ اختلاف مسائل۔ امام صاحب کے دور تک عام مذاق یہ تھا کہ مسائل کے متعلق بہت ہی محدود پیمانہ پر غور وخوض کیا جاتا تھا' صرف پیش آمدہ واقعات کا شرعی حکم وہ بھی بڑی احتیاط کے ساتھ معلوم کرلیا جاتا۔ اس کے بعد مسئلہ کی فرضی صورتوں سے بحث کرنا ایک لایعنی مشغلہ سمجھا جاتا تھا۔ خطیب بغدادی نے یہاں ایک بہت دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے۔

نضر بن محمدؒ روایت کرتے ہیں کہ قتادہ کوفہ آئے اور ابو بردہ کے گھر اترے' ایک دن باہر نکلے تو لوگوں کی بھیڑ ان کے ارد گرد جمع ہوگئی۔ قتادہ نے قسم کھا کر کہا آج جو شخص بھی حلال وحرام کا کوئی مسئلہ مجھ سے دریافت کرے گا میں اس کا ضرور جواب دوں گا۔ امام ابوحنیفہ کھڑے ہوگئے اور سوال کیا اے ابوالخطاب (ان کی کنیت ہے) آپ اس عورت کے متعلق کیا فرماتے ہیں جس کا شوہر چند سال غائب رہا۔ اس نے یہ یقین کر کے کہ اس کا انتقال ہوگیا ہے اپنا دوسرا نکاح کرلیا اس کے بعد پہلا شوہر بھی آ گیا۔ اب آپ اس کے مہر کے متعلق فرمائیے کیا فرماتے ہیں اور جو بھیڑ ان کو گھیرے کھڑی تھی۔ ان سے مخاطب ہوکر کہا اگر اس مسئلہ کے جواب میں یہ کوئی حدیث روایت کریں گے تو وہ غلط روایت کریں گے اور اگر اپنی رائے سے فتوے دیں گے تو وہ بھی غلط ہوگا۔ قتادہ بولے کیا خوب! کیا واقعہ پیش آ چکا ہے؟ امام صاحب نے فرمایا نہیں۔ انہوں نے کہا پھر جو مسئلہ ابھی تک پیش نہیں آیا اس کا جواب مجھ سے کیوں دریافت کرتے ہو' امام صاحب نے فرمایا کہ ہم حادثہ پیش آنے سے قبل اس کے لیے تیاری کرتے ہیں تاکہ جب پیش آ جائے تو اس سے نجات کی راہ معلوم ہو رہے۔ قتادہ ناراض ہوکر بولے خدا کی قسم ہے حلال وحرام کا کوئی مسئلہ اب میں تم سے بیان نہیں کروں گا۔ ہاں کچھ تفسیر کے متعلق پوچھنا ہو تو پوچھو' اس پر امام صاحب نے ایک تفسیری سوال کیا قتادہ اس پر بھی لاجواب ہوئے اور ناراض ہوگئے۔ آخر کار غصہ ہوکر اندر تشریف لے گئے[1]۔

ابوعمرو نے سلف کے اس مذاق کی شہادت پر بہت سے واقعات لکھے ہیں اور بلاشبہ علم وتقویٰ کے اس دور میں مناسب بھی یہی تھا لیکن جب مقدر یہ ہوا کہ علم کا بازار سرد پڑ جائے' ورع وتقویٰ کی جگہ جہل و فریب لے لے' ادھر روز مرہ نئے سے نئے واقعات پیش آنے لگیں تو اس سے پہلے کہ جہلا شریعت میں دست اندازی شروع کردیں' یہ بھی مقدر ہوگیا کہ شریعت کی ترتیب وتہذیب ایسے ائمہ کے ہاتھوں ہوجائے جنہوں نے صحابہ وتابعین کے دور میں پرورش پائی ہو' انصاف کیجیے اگر قتادہ کے زمانہ کی یہ احتیاط اسی طرح آئندہ بھی چلی جاتی تو کیا شرعی مسائل اسی ضبط وصحت کے ساتھ جمع ہوجاتے جیسا کہ اب جمع ہوئے۔ درحقیقت یہ امام صاحب کی بڑی انجام بینی اور امت کی بروقت دستگیری تھی کہ آپ نے ان کے سامنے شریعت کو ایک مرتب آئین بنا کر رکھ دیا۔

---

[1] خطیب ج ۱۳ ص ۳۴۸۔

marfat.com

اسی لیے عبداللہ بن داؤد فرماتے تھے کہ امت پر آپ کا یہ حق ہے کہ وہ آپ کے لیے نمازوں کے بعد دعا کیا کریں- یہ خدمت اپنی جگہ خواہ کتنی ہی ضروری اور بروقت سہی مگر واقعہ یہ ہے کہ محدثین کے مذاق کے خلاف جس دور میں آثار ومرفوعات کو علیحدہ علیحدہ ضبط کرنا بھی عام دستور نہ ہوا اس دور میں صرف ابواب فقہ کی اونچی اونچی تعمیریں کھڑا کر دینا کب قابل برداشت ہوسکتا تھا- یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب مسائل منصوصہ سے آپ ذرا قدم ادھر ادھر ہٹائیں گے تو آپ کو اجتہاد سے کام لینا ہوگا- ایسے دور میں جہاں خاموشی کے ساتھ عمل کرنے کے علاوہ ایک قدم ادھر ادھر اٹھانا بھی قابل اعتراض نظر آتا ہو احادیث و آیات کے اشارات' دلالات اور اقتضاء سے ہزاروں مسائل اخذ کرکے ان کو احادیث سے ایک علیحدہ شکل دے دینا کب گوارا کیا جاسکتا تھا- آخر جب آپ کا دور گزر گیا تو بعد کے علماء کے سامنے صرف پہلے علماء کی ان ناگواریوں کی نقل باقی رہ گئی- پھر استادی وشاگردی کے تعلقات نے حقائق کو ایسا پوشیدہ کر دیا کہ جس نے جہم کو کافر کہا تھا اسے خود جہمی اور کافر کہا گیا- جس نے کتاب وسنت کے مقابلہ میں اپنی رائے ترک کرنے کی وصیت کی تھی اسی پر کتاب وسنت کی مخالفت کرنے کی تہمت رکھی گئی- ہاں اگر خوش قسمتی سے ماحول کے تاثرات سے نکل کر کسی اللہ کے بندہ نے تحقیق کی نظر ڈالی تو بہت جلد اس کی آنکھوں سے یہ حجاب اٹھ گیا اور اس نے اپنے خیال سے رجوع کرلیا ورنہ تاریخ ان ہی افواہوں پر چلتی رہی جو استادی وشاگردی کے انسلاک سے علماء کے حلقہ میں گشت لگا رہی تھیں-

واقعہ یہ کہ جب کسی شخص کی زندگی میں اس کے متعلق مختلف خیالات قائم ہوتے ہیں اور فیصلہ کی راہ آسانی سے نہیں نکل سکتی' بہت سی زبانیں اس کی موافقت اور بہت سی اس کی مخالفت میں بولتی ہیں تو اس کی وفات کے بعد جب کہ اس کی شخصیت بھی سامنے نہیں رہتی فیصلہ کرنا کتنا مشکل ہوگا- اسماء الرجال کے فن میں تاریخ کی اس تاریکی کو دور کرنے کی سعی کی گئی ہے اور ایک معتدل مزاج انسان کے لیے کسی صحیح نتیجہ پہنچنا مشکل بھی نہیں رہا لیکن تاریخ کی جو نقول اوراق میں درج ہوچکی ہیں اس سے ہر خیال کا انسان اگر مزاجی اعتدال نہیں رکھتا تو اپنے خیال کے موافق فائدہ اٹھانا اپنا فرض سمجھتا ہے اور اس لیے اسماء الرجال کی پیدا کردہ روشنی تاریخ کی پھیلائی ہوئی تاریکی کے دور کرنے میں بسا اوقات ناکام ہوکر رہ جاتی ہے- یہی وجہ ہے کہ جب آپ امام صاحب پر جرح کرنے والوں کی صف پر نظر ڈالیں گے تو ان میں زیادہ تر آپ کو وہی نظر آئیں گے جو آپ کے عہد حیات کے بعد پیدا ہوئے یا نرے محدث ہیں' فقاہت سے زیادہ بہرہ ور نہیں- صرف سنی ہوئی خبریں ان تک پہنچیں اور وقتی ماحول کی وجہ سے باور کرلی گئیں-

یوں تو امام صاحب کے تلامذہ کا دائرہ بھی کچھ مختصر نہ تھا- ایک ابوالمحاسن شافعی کی تحریر بنا پر جن کی جو تعداد نام ونسب کی قید کے ساتھ ثابت ہوتی ہے وہ نو سو آٹھ تک پہنچتی ہے لیکن ان میں اکثر شاگرد بسلسلہ فقہ تھے- کاش آپ کا درس حدیث کا حلقہ بھی اسی پیمانہ پر قائم ہوجاتا تو شاید امام کی تاریخ کا نقشہ آج آپ کو کچھ دوسرا نظر آتا- چنانچہ جس حنفی نے بھی اس شغل کو قائم رکھا ہے اس کے ساتھ تاریخ زیادہ بے دردی کا سلوک نہیں کرسکی-

marfat.com

ذیل کے ایک ہی واقعہ سے اندازہ لگایئے کہ افواہ کیا ہوتی ہے اور جب حقیقت سامنے آجاتی ہے تو پھر اس کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

عبداللہ ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں شام میں امام اوزاعی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا اے خراسانی کوفہ میں یہ کون بدعتی شخص پیدا ہوا ہے جس کی کنیت ابوحنیفہ ہے؟ یہ سن کر میں گھر واپس آ گیا اور تین دن لگ کر امام صاحب کے عمدہ عمدہ مسائل انتخاب کیے۔ تیسرے دن اپنے ہاتھ میں کتاب لے کر آیا یہ اپنی مسجد کے امام و مؤذن تھے۔ انہوں نے دریافت کیا یہ کیا کتاب ہے؟ میں نے ان کے حوالہ کر دی۔ اس میں وہ مسئلے بھی ان کی نظر سے گزرے جن کے شروع میں میں نے یہ لکھ دیا تھا ''اور نعمان اس کے متعلق یہ فرماتے ہیں''۔ اذان دے کر جب کھڑے کھڑے وہ کتاب کا ابتدائی حصہ دیکھ چکے تو کتاب اٹھا کر آستین میں رکھ لی' اور اقامت کہہ کر نماز پڑھی پھر نکالی اور پڑھنا شروع کی یہاں تک کہ ختم کر دی پھر مجھ سے پوچھا اے خراسانی یہ نعمان کون شخص ہیں؟ میں نے عرض کیا ایک شیخ ہیں' ان سے عراق میں میری ملاقات ہوئی تھی' فرمایا یہ تو بڑے پایہ کے شیخ ہیں' جاؤ ان سے اور علم سیکھو۔

اب میں نے کہا جی یہ تو وہ ابوحنیفہؒ ہیں جن کے پاس جانے سے بھی آپ نے مجھے منع کیا تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امام صاحبؒ کے متعلق انہوں نے سن کیا رکھا تھا اور جب حقیقت سامنے آئی تو بات کیا نکلی۔ اس لیے خارجی شہادت اور واقعات سے آنکھیں بند کر کے صرف کالے کالے حروف سے تاریخ مرتب کرنا کوئی صحیح عمل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ انسان میں حسد' تنافس کا بھی ایک کمزور پہلو موجود ہے۔ اس کی بدولت بہت سے تاریخی حقائق پوشیدہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ سوء اتفاق سے یہاں یہ سب باتیں جمع ہو گئی ہیں۔

عبداللہ ابن المبارکؒ فرماتے ہیں' میں نے حسن بن عمارہ کو ابوحنیفہؒ کے گھوڑے کی رکاب پکڑے ہوئے دیکھا' وہ امام صاحبؒ کی توصیف کرتے ہوئے یہ بھی کہہ رہے تھے کہ لوگ آپ کے متعلق صرف از راہ حسد چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ حافظ ابن ابی داؤدؒ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ کے متعلق چہ میگوئیاں کرنے والے دو ہی قسم کے لوگ ہیں۔ یا حاسد یا ان کی شان سے ناواقف' میرے نزدیک ان دونوں میں ناواقف شخص پھر غنیمت ہے۔ وکیع کہتے ہیں کہ میں امام صاحبؒ کے پاس آیا دیکھا تو سر جھکائے کچھ فکر مند بیٹھے ہیں۔ مجھ سے پوچھا کدھر سے آ رہے ہو؟ میں نے کہا قاضی شریک کے پاس سے۔ آپ نے سر اٹھا کر یہ شعر پڑھے۔

ان یحسدونی فانی غیر لائمھم ۔۔۔ قبلی من الناس اھل الفضل قد حسدوا

''اگر لوگ مجھ سے حسد کرتے ہیں تو انہیں کچھ ملامت نہیں کروں گا کیونکہ اہل فضل پر مجھ سے پہلے بھی لوگ حسد کرتے آئے ہیں''۔

فدام لی ولھم مابی ومابھم ۔۔۔ ومات اکثرنا غیظا بما بحد

''میرا اور ان کا ہمیشہ یہی شیوہ رہے گا اور ہم میں اکثر لوگ حسد کر کے مر گئے ہیں''۔

وکیع کہتے ہیں شاید امام صاحب کو ان کی طرف سے کوئی بات پہنچی ہو گی اس لیے انہوں نے یہ اشعار پڑھے۔

جعفر بن الحسن' ابوعمر کے شیخ کہتے ہیں کہ میں نے ابوحنیفہ کو خواب میں دیکھا تو ان سے دریافت کیا

maktabah.org

اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا - فرمایا بخش دیا - میں نے کہا علم وفضل کے طفیل میں' کہا بھئی فتویٰ تو مفتی کے لیے بڑی ذمہ داری کی چیز ہے - میں نے کہا پھر - فرمایا' لوگوں کی ان ناحق نکتہ چینیوں کے طفیل میں جو لوگ مجھ پر کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ مجھ میں نہ تھیں - (جامع البیان العلم: ج ۲ ص ۱۶۶)

ابوعمر تحریر فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث نے امام صاحب کے حق میں بڑی زیادتی کی ہے اور حد سے بہت تجاوز کیا ہے آپ پر جو زیادہ سے زیادہ نکتہ چینی کی گئی ہے وہ صرف ان دو باتوں پر' ایک آثار کے مقابلہ میں رائے اور قیاس کا اعتبار کرنا' دوسری ارجاء کی نسبت حالانکہ جس جگہ امام صاحب نے کسی اثر کو ترک کیا ہے کسی نہ کسی موزوں تاویل سے کیا ہے - اس کی نوبت بھی ان کو اس لیے آئی ہے کہ انہوں نے مسائل میں بیشتر اپنے اہل بلد کا اعتبار کیا ہے جیسے ابراہیم نخعی اور ابن مسعودؓ کے تلامذہ اس سلسلہ میں مسائل کی صورتیں فرض کرنے پھر اپنی رائے سے ان کے جوابات دینے پر اس کو مستحسن سمجھنے میں آپ نے اور آپ کے تلامذہ نے بھی افراط سے کام لیا ہے - ان وجوہ سے سلف میں ان سے مخالفت پیدا ہوگئی ورنہ میرے نزدیک اہل علم میں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہے جسے کسی حدیث کے اختیار کرنے کے بعد کسی نہ کسی حدیث کا ترک یا تاویل یا دعویٰ نسخ کرنا لازم نہ آیا ہو - فرق صرف یہ ہے کہ دوسروں کو ایسا موقعہ کم پیش آیا ہے اور امام صاحب کو زیادہ - اس پر ان کے حسد اور بہتان کی مصیبت مزید براں ہے -

لیث بن سعد کہتے ہیں کہ امام مالکؒ کے ستر مسئلے مجھے ایسے معلوم ہیں کہ جو سنت کے خلاف ہیں امام مالکؒ نے صرف اپنی رائے سے نکالے ہیں - اس بارے میں ان سے خط وکتابت بھی کر چکا ہوں - ابوعمر کہتے ہیں علماء امت میں یہ حق تو کسی کو حاصل نہیں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث صحت کو پہنچ جائے تو وہ اس کی سند میں طعن یا اسی درجہ کی حدیث سے دعویٰ نسخ یا اس کے مقابلہ میں امت کا اجماع پیش کیے بغیر اس کو ترک کردے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس کی عدالت ہی ساقط ہوجاتی ہے - چہ جائیکہ اس کو دین کا امام مانا جائے - اس کے بعد لکھتے ہیں کہ امام صاحب سے روایت کرنے والوں اور آپ کو ثقہ کہنے والوں کی تعداد ان سے زیادہ ہے جنہوں نے آپ پر نکتہ چینی کی ہے پھر جنہوں نے نکتہ چینی کی بھی ہے تو وہ صرف ان ہی دو باتوں پر کی ہے جو ابھی مذکور ہوئیں پھر تحریر فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں یہ مشہور تھا کہ بزرگی و برتری کا یہ بھی ایک معیار ہے کہ اس کے متعلق لوگ افراط وتفریط کے دوراہوں پر نکل جائیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہاں بھی ایک جماعت افراط دوسری تفریط میں مبتلا نظر آتی ہے -[1]

آخر میں حافظ ابوعمر[2] بطور قائدہ تحریر فرماتے ہیں کہ جس شخص کی عدالت صحت کے درجہ کو پہنچ چکی ہو' علم کے ساتھ اس کا مشغلہ ثابت ہو چکا ہو کبائر سے وہ احتراز کرتا ہو' مروت اور ہمدردی اس کا شعار ہو' اس

---

۱ جامع البیان العلم ج ۲ ص ۱۴۸ و ۱۴۹ -

۲ اس قاعدہ کی پوری تفصیل کے لیے طبقات الشافعیہ میں احمد بن صالح مصری اور حاکم کا ترجمہ ملاحظہ کیجیے انہوں نے اس کے ہر گوشہ پر تفصیلی بحث کردی ہے اور مجمل ضابطہ میں جن جن قید وشرط کی ضرورت تھی سب ذکر کردی ہیں -

marfat.com

کی بھلائیاں زیادہ ہوں اور برائیاں کم تو ایسے شخص کے بارے میں بے سروپا الزامات ہرگز قابل قبول نہیں ہوں گے[1] سچ تو یہ ہے کہ مخلوق نے جب اپنی زبان خالق سے بند نہیں کی تو اب ہمہ وشما سے اس کی توقع فضول ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار دعا کی اے پروردگار بنی اسرائیل کی زبان سے میرا پیچھا چھڑا دے وحی آئی جب میں نے مخلوق کی زبان اپنے نفس سے بند نہیں کی تو تم سے کیسے بند کردوں[2]

---

[1] جامع البیان العلم ج ۲ ص ۱۶۲۔

[2] ایضاً ج ۲ ص ۱۶۱۔

marfat.com